دینی مدارس کا منہاج عمل

اور

جدید معاشرتی تقاضے

ایچ۔ رشید احمد

شعبۂ سماجی بہبود

کلیۂ فنون ۔ جامعہ کراچی ۔ پاکستان

۲۰۰۳ء

دینی مدارس کا منہاج عمل

اور

جدید معاشرتی تقاضے

محقق: ایچ ۔ رشید احمد

نگران تحقیق
ڈاکٹر نسرین اسلم شاہ
ایسوسی ایٹ پروفیسر
شعبہ سماجی بہبود، جامعہ کراچی

ڈاکٹر آف فلاسفی کی سند کی جزوی تکمیل کے لئے شعبہ سماجی بہبود، جامعہ کراچی میں پیش کیا گیا

تصدیق نامہ

تصدیق کی جاتی ہے کہ زیرِ نظر تحقیقی مقالہ بعنوان ''دینی مدارس کا منہاج عمل اور جدید معاشرتی تقاضے'' ایچ۔ رشید احمد کی ذاتی تحقیقی کاوشوں کا ثمر ہے۔ مقالہ نگار نے عصرِ حاضر کے دینی مدارس کا دو طرح سے بنظر غائر جائزہ لینے کی کوشش کی ہے۔

الف) ان مدارس کا منہاج عمل کیا ہے۔

ب) زیرِ تعلیم طلبا کا سماجی و معاشی پس منظر کیا ہے۔

اول الذکر کے تحت رائج نظام تعلیم، نصاب، مدرسہ کے انتظام و انصرام کو ملاحظہ کیا گیا ہے۔ اور مؤخر الذکر میں ان مدارس میں زیرِ تعلیم طلباء کا مختلف عنوانات کے تحت جائزہ لیا گیا ہے کہ یہ طلباء کس طرح ان مدارس تک پہنچتے ہیں نیز ان کے پیش نظر تعلیم کے حصول کے محرکات کیا ہیں، ان کے والدین نے دینی تعلیم کو کیوں ترجیح دی ہے، وہ کس موجودہ سماجی طبقے سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کے اس تعلیم کے بارے میں نظریات کیا ہیں۔

N. A. Shah

دستخط

نگرانِ تحقیق

ڈاکٹر نسرین اسلم شاہ

ایسوسی ایٹ پروفیسر

شعبۂ سماجی بہبود، جامعہ کراچی

تشکر نامہ

کراچی کے دینی مدارس کے منہاج عمل کے بارے میں تحقیقی کام کرنے کا ارادہ ایک طویل عرصہ سے دل میں موجزن تھا۔ جب کبھی بھی راقم نے اہلِ علم سے دینی مدارس کے منہج پر گفتگو کرتے ہوئے اپنے ارادہ تحقیق کا اظہار کیا تو ہمیشہ ان عزائم کو سراہا گیا۔ مجھے اُس وقت اس کام کی وسعت و گہرائی اور مسائل و مشکلات کا اندازہ اس طور نہ تھا، بس کام کی لگن نے مجھے آگے بڑھائے رکھا لہذا کوئی رکاوٹ آڑے نہ آسکی یہی وجہ ہے کہ آج جب پلٹ کر دیکھتا ہوں تو حیرت ہوتی کہ یہ طویل وقت کس طرح سوچ و بچار، تلاش کتب و مطالعہ، مشاہدہ اور دینی مدارس میں آمد و رفت اور ان کے ارباب اختیار سے مذاکرات میں کس تیزی سے گزر گیا۔ بہر کیف اب کچھ اطمینان ہو رہا ہے کہ یہ وقت ایک اہم تحقیقی کام کے سلسلہ میں استعمال ہو کر ٹھکانے لگ گیا۔ اس دوران جو کچھ دینی مدارس کے بارے میں فہم اور واقفیت حاصل کی جا سکی اسے زیرِ نظر مقالہ میں مختلف عنوانات کے تحت پیش کر دیا گیا ہے۔

اس وقت طلب تحقیقی کام کی دشوار گذار راہ میں محترمہ ڈاکٹر نسرین اسلم شاہ کی راہنمائی اور توجہ کا مشکور ہوں کہ بالآخر یہ عظیم کام پایہ تکمیل کو پہنچ گیا۔

پروفیسر ڈاکٹر حسین محمد جعفری صاحب کی طویل رفاقت نے تحقیقی کام کو سمجھنے اور اسے انتہا تک پہنچانے میں میری کافی مدد و رہنمائی کی۔

میں ممنونِ احسان ہوں جناب پروفیسر محمد اسلم شاہ کا جن کی شفقت نے تحقیقی کام میں لگن اور شوق پیدا کیا اور جناب محمد صدیق صاحب، اسسٹنٹ پروفیسر، لائبریری و انفارمیشن سائنس، جامعہ کراچی کا جنہوں نے مطلوبہ کتب اور تحقیقی مواد فراہم کر کے میری مشکلات آسان کر دیں۔

میرے لیے انتہائی ضروری ہے کہ میں مسز انور شاہین صاحبہ، ایم۔اے، ایم۔فل، پاکستان اسٹیڈی سینٹر، جامعہ کراچی، کی خدمت میں ہدیہ تشکر پیش کروں کہ جن کے گراں قدر مشوروں اور معاونت نے یہ تحقیقی کام آسان اور دل چسپ بنا دیا۔

مجھے یہ بھی اعتراف ہے اس تحقیقی کام میں متذکرہ بالا شخصیات کے علاوہ بہت سے احباب کی معاونت حاصل رہی ہیں۔ جس کا تذکرہ کیے بغیر دلی طور پر احسان مند ہوں، وگرنہ تنہا میرے لیے اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانا بہت دشوار تھا۔

محقق

ایچ۔ رشید احمد

خلاصہ

زیرِ نظر تحقیقی مقالہ کا عنوان "دینی مدارس کا منہاجِ عمل اور جدید معاشرتی تقاضے" ہے یہ تحقیق ایچ۔ رشید احمد نے پی ایچ۔ ڈی۔ کے مقالے کے لیے کی ہے اس تحقیق کے لیے بنیادی مواد کراچی میں قائم تمام مکاتبِ فکر کے دینی مدارس اور ان کے آخری سال میں زیرِ تعلیم طلبا اور ان کے اساتذہ اور انتظامیہ سے رابطے کے بعد حاصل کیا گیا۔ اس مقالے میں یہ جائزہ لیا گیا ہے کہ اسکول، کالج اور یونیورسٹیوں کے متوازی ایک تعلیمی نظام جو دینی مدارس کے عنوان سے نہ صرف اپنی شناخت بلکہ کچھ مخصوص معاشرتی تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے اپنے وجود کا جواز بھی رکھتا ہے۔

ان مسائل و حقائق کا کما حقہٗ ادراک کرنے کے لیے کراچی میں قائم دینی تعلیم کے اداروں کو پورے ملک کے لیے ایک ماڈل شہر کی حیثیت سے منتخب کیا گیا، کیوں کہ کراچی ایک بین الاقوامی شہر ہے۔ دوسری خصوصیات کے علاوہ اس میں قائم تعلیمی ادارے بھی اپنا ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ اس میں کونے کونے سے آئے ہوئے لوگ آباد ہیں، جن کی اپنی اپنی ثقافت، زبان، تہذیب، رسم و رواج اور روایات ہیں۔

دینی مدارس میں زیرِ تعلیم طلبا کا دینی، سماجی اور معاشی پس منظر معلوم کیا گیا ہے، وہ کس طرح ان مدارس تک پہنچتے ہیں اور ان کے پیشِ نظر تعلیمی مقاصد کیا ہیں۔ فارغ التحصیل ہونے پر عملی زندگی کے لیے کونسا شعبہ حیات و معاش اختیار کرتے ہیں۔

اس تحقیق کے نتیجے میں دینی مدارس کی انتظامیہ اور اساتذہ کے جداگانہ رجحانات کا علم بھی ہوا ہے۔ نیز یہ اپنی علمی، عملی، تدریسی، تصنیفی اور تبلیغی تجربہ کی روشنی میں اپنے طلبہ کے لئے بھی تعلیم کی راہیں متعین کرتے ہیں۔ یہ جدیدیت کو مستحسن نظر سے نہیں دیکھتے۔ پاکستان کے معاشرتی مسائل سے خاطر خواہ واقفیت رکھنے کے باوجود یہ ان کے حل کے لئے کوئی عملی پروگرام نہیں رکھتے بلکہ ان میں جدید معاشرتی تقاضوں سے ہم آہنگی کا بھی فقدان ہے۔

تحقیق کے نتیجے میں یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ ان دینی مدارس سے وابستہ افراد بدلتے ہوئے سماجی اور معاشی حالات میں درپیش تقاضوں کو اب کسی حد تک سائنسی تحقیقات کی روشنی میں محسوس کرنے لگے ہیں، نتیجتاً ان کے اندر دینی اساس پر قائم رہتے ہوئے تبدیلی کا احساس کروٹ لے رہا ہے۔ مگر مروجہ نصابِ تعلیم اور دینی تربیتی نظام کے پیشِ نظر ایک خاص قسم کے ماحول کے تحت اپنی الگ پہچان رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان اداروں سے فارغ التحصیل ہونے والے طلبا سوائے دینی مدارس اور مساجد کے معاشرے کے دیگر اداروں میں کوئی قابلِ ذکر کردار ادا کرنے کے لیے اپنے آپ کو اہل نہیں پاتے۔ وہ وقت کی ضرورت کے پیشِ نظر جدید علوم و فنون اور سائنس و ٹیکنالوجی کے شعبہ جات میں فنی مہارت سے ناآشنائی کے سبب پھر انہی دینی مدارس اور ماحول میں لوٹنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ ان طلبا، اور اساتذہ کے خیالات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے پیشِ نظر دینی تعلیم کے حصول میں کارفرما جذبہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا حصول ہے انہیں یہ بات بھی ذہن نشین کرا دی جاتی ہے کہ دینی تعلیم ہی انسان کو صالح اور باکردار بناتی ہے۔ نیز ان مدارس سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد یہ فضلاء دین کی تبلیغ اسلامی نظام کی ترویج و تشہیر اور ایک مثالی معاشرہ قائم کر سکیں گے۔

تحقیق کی سفارشات کا تعلق ان مدارس میں اس وقت رائج نصابِ تعلیم کی از سرِ نو ترتیب و تدوین سے ہے، تاکہ قرآن حکیم اور سیرتِ طیبہ ؐ کی روشنی میں طلبا کی علمی و فکری صلاحیتوں کو بیدار کیا جا سکے کہ اس کے نتیجے میں اقامتِ دین و دین کی حاکمیت اس کی بالادستی اور اس کے اصولوں کا عملی نفاذ ہو سکے۔ اس کے ساتھ ساتھ نظریہ پاکستان سے مکمل آگہی اور جذبہ حب الوطنی ابھارنے سے ہے۔ یہ تحقیق جدید معاشرتی تقاضوں کو سمجھنے میں اہم کردار ادا کرے گی۔ اس کے نتیجے میں اساتذہ اور مدارس کی انتظامیہ کو پیشہ ورانہ رہنمائی فراہم ہوگی۔ نیز اس سے مملکت اور ملت کے اتحاد کو فروغ ملے گا۔ دو متوازی نظام ہائے تعلیم کے درمیان بُعد ختم کرنا چاہیے۔ تاکہ معاشرتی ترقی میں دونوں کا کردار زیادہ جامع اور مفید ہو جائے۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے دیگر اسلامی ممالک میں قائم اداروں سے رابطہ کیا جائے۔

ABSTRACT

The Research Study namely, **"Dinee Madaris ka Minhaj-e-Amal aur Jadeed Muashr Taqazay"** has been conducted and reported by H.Rashid Ahmed in this thesis for his P Programme. The basic input and opinion have been gathered and compiled through the gradua students, their teachers, management of all religious schools of thought.

The research infers that religious educational system has been functioning parallel to contemporary school, college and university educational system maintaining their own identity. T have proved worthy of serving the Ummah and producing leadership for the Muslims world du which the importance and need is rapidly increasing.

Karachi, being international and commercial metropolis mega city has world - renow Religious Institutions, which have been chosen for the research thesis, as role model. The st observed that student come from all over Pakistan with different socio-economic and religi background represented their areas. It concluded how they reached to these religious institutic what were there objectives, plans and targets, and their potential professional field after graduat from these institutions.

The study also observed that the management and teachers have their educational practical preferences relating to the teaching and preaching issue; and follower ship determinati Yet they lack proper comprehension about the modern era requirements, they are not able to sug solution to Pakistan's socio-economic problems and are short of modern vision too.

The research further observed Religious Institutions inability to meet the socio-economic geo-political, national and international matters, nonetheless they are trying to cope up with modern requirements but their pace is very slow. They function under certain conditions procedure which requires drastic change and drastic surgery to meet the modern-day requirements passing out student are not usually welcome by the all walks of life. They are mostly absorbed in Religious Institutions including mosques. While they are trying hard to switch to modern art education, Science and Technology but they need quite sufficient time to fill the yawning gap.

These Religious Institutions consider the religious education and serving the Ummah is only way to serve Islam and Allah and inculcate into their students mind that it's the only religic education that is character building. They preach Islam and propagate to creating exemplary Islar Society.

The research study recommends to re-evolve the present system of religion - curricul integrating modern socio-economic so that Quran and Sunna is property comprehended and exploi for the betterment of Ummah and the students are aware of true teaching of Islam. Islam is the ev growing and adaptable religion and not a rigid one. This will then be in consonance with the ideolo of Pakistan and the difference between two separate educational systems would be narrow instilling patriotism in students of these Religious Institutions. This is the only way to strengthen unity and promoting national coherence for the progress of Pakistan and Muslim Ummah throu more closely interchange of religious education and delegations sharing experience among Muslims countries of the world to serve the nation and Muslims countries.

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دینی مدارس کا منہاج عمل اور جدید معاشرتی تقاضے

ترتیب

ن

ف

صفحہ

ق

ر

مقدمہ وتعارف

رب یسر ولا تعسر وتمم بالخیر

تعلیم و تعلم کے حوالہ سے جب قدیم تاریخ کے اوراق کا مطالعہ کیا جائے تو یونان اور چین کے عظیم فلاسفہ کے بڑے اہم اقوال اور نکات ملتے ہیں ۔ ان فلاسفہ نے ہزاروں برس پہلے جس معاشرہ میں آنکھ کھولی اس کی اصلاح بلکہ تعلیم و تعلم کے لئے اہم نکات بیان کئے ۔ چین کے کنفوشس سے اس کے حواریوں ، شاگردوں نے جب علم کی کنہہ و حقیقت کے بارے میں سوال کیا تو اس نے جو جواب دیا وہ اگرچہ مختصر تھا مگر اتنا جامع کہ اسکی تشریح میں ضخیم کتابیں لکھی جاسکتی ہیں ۔ کنفوشس نے کہا کہ TO KNOW BOTH WHAT ONE KNOWS AND WHAT ONE DOES NOT KNWO IS CALLED KNOWLEDGE

۔ علم یہی نہیں کہ یہ انسان کو کسی شے کا علم عطا کرتا ہے بلکہ یہ ادراک بھی عطا کرتا ہے کہ کس کس شے کی کنہہ و حقیقت ابھی واضح نہیں ہوئی ۔ گویا علم کے حصول میں کسی مقام پر اکملیت کا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا بلکہ یہ سفر جاری رہتا ہے اور نئی نئی منزلوں کے نشان روشن ہوتے چلے جاتے ہیں ۔ حصول علم میں اضافہ کے لئے لگن کے ساتھ جہد جاری رکھنے کی اہمیت کا اندازہ اس دعاء سے لگایا جاسکتا ہے جو خود رب علیم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سکھائی ۔ وقل رب زدنی علما (سورہ طہ ۲۰ آیت ۱۱۴)

یونان کے عظیم مصلح و فلسفی سقراط نے علم کو نیکی کا ثمر قرار دیا کہ بغیر نیکی کے علم حاصل نہیں ہوتا ۔ اس کا مشہور قول ہے کہ VIRTUE IS KNOWLEDGE سقراط نے جس معاشرہ کو مخاطب کیا ، اس کے لئے یہ بات یقیناً عجیب ہوگی کہ علم کی منزل تک نیکی کی راہ سے ہی پہنچا جاسکتا ہے ، تو ہم پرست معاشرہ جہاں لوگ ، ملنگوں ، مجذوبوں ، جوگیوں ، تارک دنیا بھکشوؤں کی بڑھکوں سے متاثر ہوتے تھے ، انہیں نیکی اور تزکیہ نفس کا درس دیا ۔ اس نے کہا کہ تزکیہ نفس کے راستے خفیہ اور سری نہیں اور نہ ہی لاینحل مسائل ہیں بلکہ انہیں علم ہی کے ذریعے جانا جاسکتا ہے ۔

سقراط نے کہا کہ افراد معاشرہ میں سے کوئی بھی برے سے برا شخص اپنے آپ کو برا یا گنہگار کہلوانا پسند نہیں کرتا ۔ لہذا اسے گناہ اور بدکاری کی دنیا سے نجات بھی علم ہی کے ذریعے مل سکتی ہے ۔ اگر اسے دلیل و برہان سے یقین دلایا جائے کہ صحیح راہ کونسی ہے تو پھر وہ اس راہ کو صراط مستقیم سمجھتے ہوئے دوسری راہ پر کبھی بھی نہیں چلے گا ۔ سقراط کے نزدیک علم ہی آدمی کو انسان بناتا ہے ۔ اور علم بغیر تزکیہ نفس کے حاصل نہیں ہوتا ۔

تجربات و مشاہدات کی روشنی میں ارتقاء کی منزل کی جانب انسان کا سفر جاری رہا آخر کار وہ بلوغت کی منزل پر پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے اسے عقل و شعور کی نعمت سے سرفراز کرنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کو مبعوث فرمایا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کا نزول فرمایا۔ جو قرآن حکیم کے صورت میں مکمل ہو کر انسان کی رہنمائی کے لئے روشن دلیل اور جگمگاتا سورج ثابت ہوا۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کا مقصد یوں بیان فرمایا۔

ھو الذی بعث فی الامین رسولاً منھم یتلوا علیھم ایتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتب و الحکمۃ (۶۲ ۔ ۲ سورہ الجمعہ ۶۲)

ترجمہ:۔ "وہی اللہ ہے جس نے امیوں کی طرف انہی میں سے ایک شخص کو رسول بنا کر بھیجا جو انہیں اسکی (اللہ کی) آیات سناتا ہے، ان کا تزکیہ کرتا ہے، اور ان کو کتاب (قرآن حکیم) کا علم دیتا ہے۔ اور حکمت سکھاتا ہے۔

قرآن حکیم نے بھی حصول علم کے لئے تزکیہ کو شرط قرار دیا۔ اس لئے کہ تزکیہ نفس کے بغیر انسان کی شخصیت قرآن حکیم کے علوم و معارف سے بہرہ ور ہو ہی نہیں سکتی

قرآن حکیم کی روشنی میں علم کی تعریف

ختم اللہ علی قلوبھم وعلیٰ سمعھم وعلی ابصارھم غشاوۃ ولھم عذاب عظیم (سورہ البقرہ)

قرآن حکیم نے سمع، بصر اور قلب کو حصول علم کے ذرائع قرار دیا ہے۔ (جو ایمان تک پہنچنے کا ضروری ذریعہ ہے) دوسرے مقام پر قلب کی جگہ فواد بھی کہا

ولاتقف مالیس لک بہ علم ان السمع والبصر والفؤاد کل اولیک کان عنہ مسؤلاً (سورہ بنی اسرائیل آیت ۳۶) اس میں علم بذریعہ حواس PERCEPTUAL KNOWLEDGE اور بذریعہ تصورات CONCEPTUAL دونوں آجاتے ہیں۔

لہٰذا قرآن حکیم کی رو سے علم اس وقت علم کہلاتا ہے جب وہ یقین کے درجے تک پہنچ جائے۔ اسی لئے قرآن حکیم نے وحی کو علم کہا اور اسکی ضد کو اھواء اولئن اتبعت اھواء ھم بعد الذی جاءک من العلم (سورہ البقرہ نمبر ۲ آیت ۱۲۰) یعنی انسان کے خود ساختہ تصورات یا جذباتی عقیدت مندیاں جن کے لئے اس کے پاس کوئی دلیل و برہان نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم خارجی کائنات کے متعلق علم حاصل کرنے پر بڑا زور دیتا ہے اس لئے کہ اس علم کی بنیاد دلائل و براہین اور حقائق و شواہد پر ہوتی ہے۔ جذباتی عقیدت مندی کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے ہر دعوے کو دلیل و برہان کے زور پر پیش کرتا ہے۔ یایھا الناس قد جاءکم برھان من ربکم و انزلنا الیکم نوراً مبیناً (۱۷۵ ۔ ۵ سورہ النساء)

لہٰذا قرآن حکیم کی روشنی میں علم کی اساس دلیل و برہان ہے جس کے نتیجہ میں انسان کو یقین کی نعمت حاصل ہوتی ہے۔ اور اسی نعمت (یقین) کے سہارے وہ صراط مستقیم پر کشاں کشاں لقائے رب کی آرزو لئے

آگے بڑھتا چلا جاتا ہے ۔یدبر الامر یفصل الایت لعلکم بلقاء ربکم توقنون ۲۔۱۳۔

علم (جو بذریعہ حواس اور بذریعہ تصورات حاصل ہو) جو کائنات کے مشاہدہ اور قانون فطرت کے عمیق مطالعہ کے نتیجہ میں حاصل ہو ۔ انسان کو ہر قسم کے شک ، ریب ، اور اسکی شخصیت کے اندرونی اور خارجی تضادات سے نجات دلا کر لقائے رب کا مستحق بناتا ہے ۔

تاریخ کے اوراق میں جس پائے کے نابغہ روزگار علماء کے تذکرے ملتے ہیں وہ اب شاذ ہی کہیں ملتے ہیں وہ سیرت ، کردار ، وہ تبحر علمی جو ہمارے علماء کا طرہ امتیاز ہوتا تھا وہ اب محض قصہ پارینہ بن کر رہ گیا ہے ۔ یوں محسوس ہوتا ہے ہم قحط الرجال سے دوچار ہیں علماء کی علمی قابلیت اور ان کے اخلاق و کردار کا معیار ایک مدت سے زوال پذیر ہے ۔ معیار کی پستی کے اسباب و وجوہ کے زیر عنوان بہت کچھ کہا جاتا ہے لیکن اسے اختصار سے بیان کرنا ہو تو یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اس تنزل کا سبب علماء تیار کرنے والے اداروں کے معیار کی پستی ہے ۔ اس حقیقت کے اعتراف میں بھی کوئی باک نہیں کہ دینی تعلیم کے جو ادارے ہمارے ملک میں قائم ہیں وہ تمام اہل درد کے شکریے کے مستحق ہیں کہ ان کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ

اکبر اس زمانہ میں خدا کا نام لے رہا ہے

لیکن کیا یہ المیہ نہیں کہ ہمارے مدارس ایک طویل عرصے سے ایسے جمود میں مبتلا ہیں کہ دین کی جو کچھ خدمت وہ اس وقت انجام دے رہے ہیں اس سے زیادہ کی توقع عبث ہے ۔

ہمارے ملک میں دینی تعلیم کا جو نظام رائج ہے ۔ اس میں چند بنیادی و نمایاں ایسی خامیاں ہیں کہ وہاں سے فارغ التحصیل ہونے والے طلبہ علم و عمل کے ، دین کے مطلوبہ معیار پر پورے اترتے نظر نہیں آتے ۔ ارباب علم کی مجالس میں مدارس کی خامیاں موضوع بحث بنتی ہیں ۔ گاہے گاہے تبدیلیوں کے لئے منصوبہ بندی کی تحریک بھی پیدا ہوتی ہے ۔ مگر تبدیلی کی ہر آرزو کے جلو میں اندیشہ ہائے دوردراز کی دنیا نظر آتی ہے ۔ اس رویہ کو جدید اصطلاح میں RESISTANCE TO CHANGE کہتے ہیں اطباء اور ماہرین نفسیات کی متفقہ رائے ہے کہ جوں جوں انسان کی عمر بڑھتی ہے اسکے اندر خطرات مول لینے کی ہمت کم ہوتی جاتی ہے۔ بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق کا جذبہ مفقود ہوجاتا ہے ۔ اسی سبب عمر کے ساتھ ساتھ اس کے اندر تبدیلی سے گریز بھی بڑھتا جاتا ہے ۔ ستم بالائے ستم اس کیفیت سے دوچار افراد کو دلیل و برہان سے ایک بات سمجھا نا ممکن نہیں رہتا کہ یہ عمل سے پہلے مجرد نتائج دیکھنے کے آرزو مند ہوتے ہیں ۔

آئین نو سے ڈرنا ، طرز کہن پر اڑنا
منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

جیسا کہ پہلے بھی بیان کیا گیا کہ دینی مدارس قائم کرنے والے علماء صرف ہماری تاریخ کا تسلسل ہی نہیں بلکہ وہ ہمارے نظریہ حیات ، تہذیب و ثقافت کے وارث اور اس سبب احساس تفاخر سے سرشار بھی ہیں ۔

یہ اور بات ہے کہ زبان حال سے وہ اقرار نہ کریں مگر اس حقیقت سے کون انکار کرے گا کہ ان کا مروجہ نظام تعلیم دین کی حقیقی روح سے خالی ہے۔ زمانہ کے جدید علوم اور ان علوم کے حصول کے تقاضوں سے قطعاً ناآشنا یہی وجہ ہے دین کی آفاقیت کا تصور معدوم ہونے کے سبب ان کا دائرہ اثر محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ دوسری طرف جدید تعلیم کا حامل طبقہ، زمانہ کے تقاضوں کو سمجھتا ہے، اس میں ستاروں پہ کمند ڈالنے کی صلاحیت بدرجہ اتم موجود ہے۔ مگر "جدیدیت" کی چمک نے اسکی آنکھوں کو ایسا خیرہ کردیا ہے کہ وہ روحانی اور عملی طور پر اپنے شاندار ماضی اور اسلاف کی عظمت کردار سے رشتہ توڑ بیٹھا ہے۔

ڈھونڈھنے والا ستاروں کی گزر گاہوں کا

اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا

یوں ہمارا معاشرہ یا دوسرے لفظوں میں تعلیمی ادارے جدید و قدیم میں تقسیم ہو کر اپنی اکائی، اور اسکے نتیجہ میں ملنے والی قوت و توانائی سے محروم ہو کر رہ گئے ہیں۔ اور یوں دونوں تعلیم و تعلم کے گوہر مقصود سے محروم ہو کر رہ گئے۔

ان حالات کے تناظر میں، یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ دیگر وجوہ کی بنا۔ پر آج کے دینی مدارس کے منتظمین سے کسی بڑی تعلیمی نظام کی تبدیلی کی توقع کرنا بہت مشکل ہے ہمارے نزدیک ان مدارس کی اصلاح کا اگر کوئی راستہ ہے، تو وہ صرف یہ ہے کہ ریاست کے زیر اہتمام ایسی شاندار درس گاہیں قائم کی جائیں جو ملک کی دیگر دینی درسگاہوں کے لئے مثال اور نمونہ (MODEL) بن جائیں جسطرح ملک میں اعلیٰ یا اختصاصی تعلیم کے مرحلے پر، طب و انجنیئرنگ، ٹیکنالوجی، سائنسی تحقیق اور ایڈ منسٹریشن وغیرہ کی درس گاہیں کام کررہی ہیں اسی انداز سے دینی تعلیم میں اختصاص کے لئے بھی، یونیورسٹی کی طرز پر بہترین درس گاہیں قائم ہونی چاہئیں۔ مگر اس سے پہلے ان خامیوں کی نشاندہی کی جائے جن کی اصلاح مقصود ہے۔ دینی مدارس کو کس قسم کی اصلاحات پر آمادہ کرنا چاہیئے؟ کیونکہ جب تک موجودہ دینی نظام تعلیم کی خامیاں متعین نہیں ہونگی اس وقت تک ان کی اصلاح کے لئے اقدام کرنا ناممکن ہے چنانچہ اس ضمن میں اختصار کے ساتھ دینی نظام تعلیم کی خامیاں متعین کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کے بعد اصلاح کی تجاویز کو سمجھنا آسان ہوجائے گا۔ **ان اریدالا الا صلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب** (سورہ ہود ۱۱ آیت ۸۸) "ترجمہ:۔ میں تو اصلاح کرنا چاہتا ہوں، جہاں تک میرا بس چلے اور یہ جو کچھ میں کرنا چاہتا ہوں اس کا سارا انحصار اللہ تعالیٰ کی توفیق پر ہے۔ کہ اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور ہر معاملہ میں اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔

ہمارے ہاں ہر سال بہت سے ڈاکٹر، انجنیئر، وکیل، آرکیٹیکٹ، سائنس دان، کاروباری انتظامیہ "BUSINESS ADMINISTRATION" کے ماہرین تیار ہوتے ہیں یہ سارے علوم و فنون اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایک دوسرے سے بہت مختلف ہوتے ہیں۔ کسی کی بنیاد علم طب پر ہے، کوئی علم ہیئت پر مبنی ہے،

کہیں علم قانون زیر بحث ہے کسی کی عمارت علم ہندسہ پر استوار ہے تو کسی کی علم اقتصاد پر اس میں کوئی کلام نہیں کہ ان علوم کے ماہرین معاشرے کی ناگزیر ضرورت ہیں ۔ لیکن ایسا نہیں ہوتا کہ تعلیم کے آغاز ہی میں بچوں کو ڈاکٹر و انجنیئر بنانے والے مخصوص اداروں میں داخل کروا دیا جائے ۔ ہم جانتے ہیں کہ آٹھویں جماعت تک سب بچے ایک جیسے مضامین پڑھتے ہیں اس کے بعد آرٹس اور سائنس کی بنیادی تقسیم عمل میں آتی ہے ۔ اس مرحلے پر کچھ اختصاصی مضامین نصاب میں شامل کر لئے جاتے ہیں تاہم بنیادی مضامین دونوں گروپوں میں یکساں ہی رہتے ہیں ۔ یہ سلسلہ دسویں جماعت تک یونہی جاری رہتا ہے ۔ اس کے بعد انٹرمیڈیٹ کی سطح پر، اختصاص کے نقطہ نظر سے طلبہ مزید گروپوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں ۔ اس مرحلہ میں بھی معاشرے کی طرف سے طالبعلم پر کسی خاص مضمون کو اختیار کرنے کا دباؤ نہیں ہوتا ۔ انٹرمیڈیٹ کے بعد طلبہ اپنے اختیار کردہ اختصاصی شعبے کے لحاظ سے مختلف تعلیمی اداروں میں داخلہ لیتے ہیں ۔ بارہویں جماعت تک تمام طلبہ چند مضامین کو چھوڑ کر بہت حد تک ایک ہی نظام سے وابستہ ہوتے ہیں ۔ اسی سبب مختلف شعبوں کے یہ ماہرین، اپنی ذہنی ساخت، سوچ، بات چیت، زبان، رہن سہن اور اپنی معاشرت میں ایک دوسرے کے لئے اجنبی نہیں ہوتے، وہ ایک ہی معاشرے کے افراد نظر آتے ہیں ۔ اس کے برعکس دینی علوم کے ماہرین تیار کرنے کا جو طریقہ ہم نے اپنا رکھا ہے، اس میں طالبعلم کو شروع ہی سے ایک مختلف نظام تعلیم میں ڈال دیا جاتا ہے ۔ وہ ایک مختلف ماحول میں رہتا ہے، مختلف زبان بولتا ہے ۔ رہن سہن کے مختلف طریقے سیکھتا ہے ۔ اپنے لباس، اپنی وضع قطع، اپنے ملنے جلنے، جذبات کے اظہار، نظریہ حیات غرض کے ہر معاملے میں وہ باقی سارے معاشرہ سے بالکل مختلف ہوتا ہے ۔ اور کشش بھی نہیں رکھتا ۔ انجنیئر، ڈاکٹر، وکیل، سائنس داں تو ایک دوسرے سے بلا تکلف بات چیت کر لیتے ہیں ۔ مگر دین کے یہ علماء نہ ان کی بات سمجھ سکتے ہیں اور نہ انہیں اپنی بات سمجھا سکتے ہیں ۔ ان کی نظر میں پورا معاشرہ بے راہ روی کا شکار نظر آتا ہے ۔ اور معاشرہ کی نظر میں یہ علماء دنیا کی موجود حقیقتوں سے بالکل ناآشنا اور ان کو سمجھنے کے لئے نااہل ہوتے ہیں ۔ یوں معاشرے میں لوگوں کی راہنمائی کا جو اہم ترین کام ان علما کے حوالے کیا گیا تھا وہ اسے انجام دینے کی پوزیشن ہی میں نہیں رہتے ۔ چنانچہ اس صورت حال کی اصلاح کے لئے اس ثنویت (DUALISM) کو ختم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ میڈیکل کالجوں اور انجنیئرنگ یونیورسٹیوں کی طرح دینی مدارس میں داخلے کے لئے انٹرمیڈیٹ پاس ہونے کی شرط عائد کی جائے ۔ ایسے طلبہ و طالبات ہی کو دینی مدارس میں تعلیم حاصل کرنے کا اہل سمجھا جائے جو کم از کم ۱۲ سال تک معیاری تعلیمی اداروں سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد F. A. / F.Sc. کا امتحان پاس کر چکے ہوں ۔ اس طرح ہمارے دینی علماء اور دوسرے علوم و فنون کے ماہرین کے مابین پایا جانے والا ذہنی بعد آہستہ آہستہ ختم ہو جائے گا ۔ علماء کا معیار بلند کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ دینی مدارس میں داخلے کے لئے ذہنی طور پر بہترین صلاحیتوں کے حامل افراد کا انتخاب کیا جائے ۔ معاشرے سے اس تاثر کی پوری طرح بیخ کنی کر دی جائے کہ ۔ جس شخص کو اور کوئی کام نہیں

آتا یا کوئی کام نہیں ملتا وہ دین کا برائے نام عالم بن جاتا ہے۔ نیز یہ احساس پیدا کرنے کی ضرورت ہے کہ دین کے یہ علماء دینی رہنما ہونے کے ساتھ ساتھ معاشرے کی فکری رہنمائی کی بھی صلاحیت سے متصف ہیں۔ ان اقدامات یا احتیاطی تدابیر سے ممکن ہے دینی مدارس میں داخلوں میں بڑی حد تک کمی واقع ہو جائے۔ لیکن عظیم مقصد کے حصول کے لئے ایسی صورت حال کو قبول کرنا ہوگا۔ پورے سال میں ایک حقیقی عالم کا پیدا کرنا ہزاروں کی تعداد میں ایسے افراد پیدا کر دینے سے کہیں بہتر ہوگا، جو نہ دنیا کا حقیقی علم رکھتے ہوں اور نہ عالم دین کہلانے کے اہل۔

دینی مدارس کے نصاب میں خامیاں

قرآن مجید ہمارے دین کی بنیادی کتاب ہے، ہر شخص خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم، اس حقیقت سے کماحقہ آگاہ ہے کہ دین اسلام میں کسی چیز کا مقام قرآن حکیم سے بڑھ کر نہیں۔ کہ یہ اسلام کی اساس محکم ہے، اسے اللہ تعالیٰ نے دین میں میزان، فرقان اور مہیمن کہا ہے۔ قرآن حکیم ہی وہ صحیفہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حبل اللہ قرار دیا۔ یہی سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چھوڑا ہوا ترکہ ہے جس کا وارث حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوری امت کو بنایا اس حوالے سے دینی تعلیم میں قرآن حکیم ہی مرکز و محور قرار پائے گا۔ کوئی شخص اگر قرآن حکیم پر گہری نظر نہیں رکھتا تو وہ کسی اور دین کا عالم تو بے شک ہو سکتا ہے مگر دین اسلام کا عالم کسی طرح نہیں ہو سکتا۔ دینی مدارس کے نصاب میں قرآن مجید ہی کو بنیادی، سب سے زیادہ نمایاں مقام حاصل ہونا چاہیے لیکن عملاً معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ عالم دین تیار کرنے کا جو نصاب ان مدارس میں رائج ہے۔ قرآن مجید کا حصہ اس میں نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس افسوسناک صورت حال کا ذکر کرتے ہوئے جاوید احمد غامدی لکھتے ہیں۔

> "یہ اگرچہ دینی مدارس ہیں، لیکن دین میں جو حقیقت قرآن مجید کو حاصل ہے۔ وہ ان میں اسے کبھی حاصل نہیں ہو سکی۔ دین میں وہ اس زمین پر اللہ کی اتاری ہوئی میزان اور حق و باطل کے لئے فرقان ہے۔ اس کی اس حقیقت کا ناگزیر تقاضا تھا کہ ان مدارس میں محور و مرکز کا مقام اسے ہی حاصل ہوتا۔ تدریس کی ابتداء اس سے کی جاتی اور اس کی انتہا بھی وہی قرار پاتا۔ علم و فن کی ہر وادی میں طلبہ اسے ہاتھ میں لے کر نکلتے اور ہر منزل اس کی رہنمائی میں طے کی جاتی۔ جو کچھ پڑھایا جاتا وہ اسی کو سمجھنے اور اسی کے مدعا پانے کے لئے پڑھایا جاتا۔ نحو ادب، فلسفہ و کلام اور فقہ و حدیث کے لئے اسے معیار مانا جاتا اور ہر چیز کے رد وقبول کا فیصلہ اس آیات بینات کی روشنی میں ہوتا۔ ایمان و عقیدہ کی ہر بحث اس سے شروع ہوتی اور اسی پر ختم کر دی جاتی۔ طلبہ اس کے ہر لفظ پر مراقبہ کرتے اور اس کی ہر آیت پر ڈیرے ڈالتے۔ انہیں بتایا

جاتا کہ بوحنیفہ و شافعی ، بخاری و مسلم ، اشعری و ماتریدی اور جنید و شبلی سب پر اس کی حکومت قائم ہے اور اس کے خلاف ان میں سے کسی کی کوئی چیز بھی قبول نہیں کی جاسکتی ۔

دین میں قرآن مجید کی حیثیت یہی ہے اور یہی حیثیت اسے ان مدارس کے نظام تعلیم میں حاصل ہونی چاہیے تھی ۔ لیکن ہر صاحب علم اس حقیقت سے واقف ہے کہ پہلے مرحلے میں ، ان مدارس کے طلبہ ، محض حفظ و قرات کے لئے اس کی طرف رجوع کرتے اور آخری مرحلے میں جلالین و بیضاوی کے صفحات میں اس کی کچھ زیارت کرلیتے ہیں ۔ اس سے زیادہ کوئی مقام ان مدارس میں اسے کبھی نہیں دیا گیا۔

قرآن مجید کے معاملے میں اس رویے کا نتیجہ یہ ہے کہ فکر و عمل کے لئے کوئی چیز اب حکم نہیں رہی اور علم اختلاف کی بھول بھلیاں میں سرگرداں ہے ۔ وہ منابع جہاں سے ہمیں روشنی مل سکتی تھی ۔ خود تیرہ و تار ہیں ۔ اور ہمارے مدارس و ملا اور اس کتاب منیر میں ، بالعموم ، وہی تعلق ہے جس کے بارے میں اقبال نے اپنا لف و نشر ترتیب دیا تھا کہ :

مکتب و ملا و اسرار کتاب
کور مادر زاد و نور آفتاب (پس چہ باید کرد ، ص ۲۲)

اس صورت حال کی اصلاح کے لئے ، ناگزیر ہے کہ اعلیٰ دینی تعلیم کی جامعات کا نصاب اس طرح ترتیب دیا جائے کہ اس میں ، اساس ، محور و مرکز اور حکم کا مقام قرآن حکیم کو حاصل ہو ۔ نحو و ادب ، فلسفہ و کلام اور فقہ و حدیث کے لئے اسے (قرآن حکیم) معیار مانا جائے اور ہر چیز کے رد و قبول کا فیصلہ اس کی آیات بینات ہی کی روشنی میں ہو ۔ ایمان و عقیدہ کی ہر بحث اس سے شروع ہو اور اسی پر ختم کی جائے ۔ دینی مدارس میں زیر تعلیم کو بتایا جائے کہ بوحنیفہ و شافعی ، بخاری و مسلم ، اشعری و ماتریدی اور جنید و شبلی سب پر اسی (قرآن حکیم) کی حکومت قائم ہے ۔ اور اس کے خلاف یا اس کی سند کے بغیر ، ان میں سے کسی کی کوئی چیز بھی دین کی حیثیت سے قبول نہیں کی جاسکتی ۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی حاکیت کے لئے بڑے واضح اور لطیف پیرائے میں بیان فرمایا کہ جو لوگ اس کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی کافر ، ظالم اور فاسق ہیں ۔ (سورہ المائدہ ۴۵ ، ۴۶ ، ۴۸)

ومن لم یحکم بما انز ل اللہ فا و لیک ھم الکفرون O
ومن لم یحکم بما انز ل اللہ فاولیک ھم الظلمون O
ومن لم یحکم بما انز ل اللہ فاولیک ھم الفسقون O

دینی مدارس میں علوم و فنون کی تدریس کے لئے جو نصاب تعلیم رائج ہے ۔ اس میں عام طور پر عربی یا

فارسی زبان میں لکھی ہوئی کتب پڑھائی جاتی ہیں۔ ایک ایسے طالبعلم کو جو بالعموم اردو زبان میں بھی اپنا مافی الضمیر بیان کرنے کے قابل نہیں ہوتا، صرف، نحو، منطق، فلسفہ، ادب، بلاغت اور اسی طرح کے بے شمار دیگر فنون عربی یا فارسی میں پڑھائے جاتے ہیں۔ نتیجہ ظاہر ہے یہ طلباء فنون میں تو مہارت حاصل نہیں کر پاتے بلکہ وہ زبان ہی کے مسائل میں الجھ کر رہ جاتے ہیں۔

ان مدارس کے نصاب میں جو کتب شامل ہیں، ان کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ان میں سادہ اور عام فہم بات کو بھی مشکل پیرائے میں پیش کیا گیا ہے۔ زمانے کے بدلتے تقاضوں نے طرز تحریر پر اتنا کچھ اثر ڈالا ہے کہ آج یہ کتابیں پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ ان کے لکھنے والوں کے پیش نظر دوسروں تک اپنی بات کا ابلاغ کبھی تھا ہی نہیں۔ سادہ عبارتوں کو مشکل اور ناقابل فہم، اور عام فہم حقائق کو پیچیدہ بنا کر لکھا گیا ہے۔ اور طالبعلم ان کتب کی شروح کا سہارا لینے پر مجبور ہوجاتا ہے۔ مگر ان شروح کی مدد سے وہ فنون میں تو راسخ نہیں ہوتا۔ بس عبارتوں کے پیچ و خم میں الجھا رہتا ہے۔

ایسی کتابیں پڑھنے کا نتیجہ ہے کہ تعلیم سے فارغ ہوجانے کے بعد دین کے یہ علماء جب مسجد و منبر اور مکتب و مدرسہ سنبھالتے اور عام آدمی تک دین کا پیغام پہنچانے کا کام شروع کرتے ہیں تو ان کی اپنی گفتگو کا انداز بھی ان درسی کتب جیسا ہوتا ہے جنہیں یہ پڑھ کر عالم دین بنے ہوتے ہیں۔

دارالعلوم دیو بند کے مہتمم مولانا مرغوب الرحمن اس مسئلہ پر اپنی ایک تقریر میں یوں اظہار خیال کیا۔

> "ہمارا نصاب تعلیم کچھ تغیرات کے باوجود بڑی حد تک انہی کتابوں پر مشتمل ہے، جنہیں ملا نظام الدین سہالوی (متوفی ۱۱۶۱ھ) نے منتخب کیا تھا۔ یہ کتابیں متاخرین کی مرتب کردہ ہیں اور ان میں یہ بات ملحوظ رکھی گئی ہے کہ اختصار کے ساتھ کتاب اپنے موضوع کے تمام مباحث و مسائل و جزئیات پر محیط ہو، تاکہ طالب علم زیر درس موضوع کی تمام بحثوں پر مطلع ہوجائے۔ یہ باکمال مصنفین اپنے مقصد میں پوری طرح کامیاب ہیں مگر اختصار کے سبب ان کتابوں میں جگہ جگہ تعقید اور اغلاط کی نوعیت پیدا ہو گئی ہے۔ اور اسی مشکل نے ایک نئی ضرورت کی طرف متوجہ کیا کہ ان مختصرات کے متون کی تشریح و تحلیل کی جائے۔ پھر یہ کہ متن کی تشریح و تحلیل کے عمل میں ضروری ہوگا کہ لغت، نحو، صرف اور بلاغت کے اصول سے کام لیا جائے اور ان کو منطبق کرکے، مختصر عبارت کو قابل استفادہ بنایا جائے۔ اس طرح عبارت کے تجزیہ سے طالب علم کا ذہن مسئلہ کی مکمل صورت کو مجموعی طور پر، قبول نہیں کرسکتا، یا یوں کہیے کہ زیر بحث موضوع کا احاطہ، یا اس موضوع پر فکر میں بالیدگی اور جلا کی شان پیدا کرنے میں یہ طریق درس ناکام ہے، مگر دوسری طرف اس کا زبردست فائدہ یہ ہے کہ اس سے عبارت سمجھنے کی قوت، نقد و تبصرہ کی صلاحیت، تحلیل و تجزیہ کا سلیقہ اور مشکلات کو حل کرنے کا قابل قدر ذوق پیدا ہوتا ہے

ایسی استعداد کے حامل طلبہ جب ان مطولات کا از خود مطالعہ کرتے ہیں جن میں علمی مسائل اور بحثوں کو بسط و سلاست کے ساتھ تحریر کیا گیا ہو، تو انہیں زبردست فائدہ ہوتا ہے اور وہ تبحر کی شان پیدا کر لیتے ہیں ۔

اس کے برخلاف ایک دوسرا طریقہ تعلیم ہے، جو اس دور میں رائج ہے کہ موضوع سے متعلق ایسی آسان اور سلیس کتابوں کا انتخاب کیا جائے جن میں عبارت فہمی کے لئے تحلیل و تجزیہ کی ضرورت نہ ہو، بلکہ آسانی کے ساتھ مسائل کی مکمل تصویر ذہن نشین ہوجائے ۔ یہ طریق درس موضوع پر احاطہ کی صلاحیت پیدا کرنے کے سلسلے میں یقیناً کامیاب ہے۔ لیکن تعلیم کا تجربہ رکھنے والے، اپنے تجربات کی روشنی میں عبارت فہمی، دقیقہ رسی اور مشکلات پر عبور کے سلسلے میں اس طریقہ کو ناکام سمجھتے ہیں ۔۔۔۔۔ (ماہنامہ، دارالعلوم، جولائی ۱۹۹۴، ص ۲۴)

اس مسئلہ کا ایک حل یہ ہوسکتا ہے کہ علوم فنون کی تعلیم کے لئے ایسی کتابیں نصاب میں شامل کی جائیں جو آسان سلیس زبان میں ہونے کے ساتھ ساتھ عصری اسلوب میں لکھی گئی ہوں ۔ یوں طلبہ کے لئے علوم و فنون کو سمجھنا آسان ہوجائے گا ۔ ان علوم و فنون کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد آخری سال میں ایسا مضمون نصاب میں شامل کیا جائے جس کا مقصد علمائے سلف کے طرز تحریر کو سمجھنے اور ان کی عبارتوں کی مشکلات حل کرنے کی تعلیم دینا ہو ۔

گاہے گاہے بازخواں ایں قصہ پارینہ را

ماضی بعید ۔۔۔۔ اور اس کے تسلسل میں ماضی قریب میں ہمارے علماء دین اسلام پر ہر قسم کے علمی و فکری حملے کا جواب دینے کے لئے پوری طرح اہل اور تیار تھے ۔ یونانی فلسفے کی یلغار ہوئی تو عقائد و افکار کی دنیا میں بحث و تمحیص کا ایک سلسلہ شروع ہوگیا ۔ اس وقت ہمارے علماء اس یلغار کو وقتی طوفان سمجھ کر اس کے گزر جانے کا انتظار کرتے تو اسلامی علوم و عقائد کا پورا ڈھانچہ فلسفہ یونان کے اس سیلاب کی نذر ہوجاتا ۔ لیکن ہمارے علمائے سلف خصوصاً رازی، غزالی، ابن رشد اور ابن تیمیہ یونانی فلسفے کے چیلنج کے جواب اس کے انداز اور خود اسکی زبان میں اس انداز سے دیا کہ یونانی فلسفے کو پسپائی کے سوا کوئی چارہ نہ رہا ۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا کہ

بدل کے بھیس زمانے میں آتے رہتے ہیں
اگرچہ پیر ہے آدم جواں ہیں لات و منات

عالم اسلام آج پھر ایسے ہی حالات و مسائل سے دوچار ہے ۔ یونان کی جگہ مغرب نے لے لی ہے ۔ عقائد و ایمانیات کے بجائے قوانین و شرائع کو ہدف تنقید بنایا جارہا ہے، مگر ہماری درسگاہیں (خصوصاً دینی درسگاہیں)

غزالی ، ابن رشد اور ابن تیمیہ پیدا نہ کرسکیں ۔۔۔۔۔ قرآن حکیم نے مومن کی شان بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ کفر کے مقابلہ میں سخت اور آپس میں رحیم ہیں مگر ہمارے دور کے علما ایک انوکھی جنگ لڑ رہے ہیں ۔ انہیں کفر سے بحث نہیں یہ آپس میں گتھم گتھا ہیں ۔ نتیجتاً علما کو کافر کی فکر نہیں مگر کافر ان سب کی فکر میں ہے ۔

جدید دور میں معاشرت ، معیشت ، سیاست ، حدود و تعزیرات غرض کہ اجتماعی زندگی کے ہر شعبے میں اسلام کے نقطہ نظر کو ہدف بنایا جارہا ہے اسلام کے نقطہ نظر کی بیخ کنی کے لئے یورپ اپنے جدید علوم اور مالی اسباب کے ساتھ میدان میں اتر آیا ہے ۔۔۔۔۔ اس یلغار کے آگے بند باندھنے والا کوئی نظر نہیں آتا کہ ہمارے علما اپنے ہی خلاف جنگ میں مصروف ہیں ۔ پھر انہیں معیشت کے اصولوں کی خبر ہے نہ معاشرت کے مبادیات سے دلچسپی ، فلسفہ ، نفسیات ، طبیعات غرض کہ جدید علوم وفنون کی کسی شاخ سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں ۔ اس بے اعتنائی کی بنیادی وجہ دینی مدارس میں پڑھایا جانے والا نصاب ہے ۔ ان مدرسوں سے فارغ ہونے والے طلباء (جنہیں معاشرہ میں مولانا کہلوانے کا شوق ہے) کی اکثریت کو جدید علوم کا علم ہی نہیں ۔ یہ علماء ، فلسفہ ، نفسیات ، سائنس ، معیشت ، معاشرت ، سیاست اور حدود و تعزیرات کے بارے میں ان اعتراضات و سوالات سے واقف ہی نہیں جو نہ صرف غیر مسلموں کے بلکہ آج کل کے مسلمانوں کے ذہنوں میں شدید الجھن اور ایک نوع کے فکری ارتداد کا باعث بن رہے ہیں ۔ اس کیفیت اور اس المیہ کا ذکر کرتے ہوئے جاوید احمد غامدی نے دینی مدارس کے نصاب تعلیم کے بارے میں لکھا ہے ۔

" ان (مدارس) کا نصاب تعلیم نہایت فرسودہ اور ہماری علمی اور دینی ضرورتوں کے لئے بالکل بے حاصل ہے " ۔

یہ نصاب ، جیسا کہ عام خیال ہے ، ملا نظام الدین نے ترتیب دیا یا پھلواری شریف کے سجادہ نشین شاہ سلیمان کی رائے کے مطابق اس کا بیج ابتداء میں ملا فتح اللہ شیرازی نے بکھیرا اور پھر یہ خود رو پودوں کی طرح آپ سے آپ اس صورت میں نمودار ہوگیا ۔ بہرحال ہمارے اس دور کی پیداوار ہے ، جب علم کے اصل ماخذوں سے ہم بے تعلق ہوچکے تھے قرآن مجید کو جو مقام اس نصاب میں دیا گیا ، وہ ہم اوپر بیان کرچکے ہیں ۔ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگرچہ شامل نصاب ہے ، لیکن اس کے لئے دورہ کا جو طریقہ اختیار کیا گیا ، اس سے تدبر حدیث کا کوئی ذوق پڑھنے اور پڑھانے والوں میں کبھی پیدا نہیں ہوسکتا ۔ جاہلی ادب کی اہمیت اس نصاب میں کبھی مانی نہیں گئی ۔ چنانچہ قرآن مجید کی زبان اور اس کے اسالیب کی ندرتوں سے اس کے طلبہ کم ہی کبھی واقف ہوئے ہیں ۔ نحو و بلاغت کی جو کتابیں اس میں شامل ہیں ، ان میں چونکہ منطق زیادہ اور نطق کی رعایت بہت کم ملحوظ رکھی گئی ہے ، اس وجہ سے ان فنون کے اعلیٰ مباحث کے سمجھنے کا ذوق اگر طالب علم میں ہو بھی تو ان کتابوں کے پڑھنے کے بعد باقی نہیں رہتا ۔ منطق و فلسفہ

اور علم کلام کے لئے جو کچھ اس نصاب میں رکھا گیا ہے، اس کا ضرر اس کی منفعت سے زیادہ ہے فقہ احناف ہی کی پڑھائی جاتی ہے۔ فقہ اسلامی کی تدریس کا کوئی تصور اس کے بنانے والوں کے ذہن میں کبھی نہیں رہا۔ اصول کا فن، ہم مسلمانوں کے لئے مایہ افتخار ہے، لیکن اس کے لئے بھی کوئی ایسی کتاب اس میں شامل نہیں کی گئی جو اجتہادی بصیرت پیدا کرنے والی ہو۔ دو صدیاں اس نصاب پر گزر گئیں، لیکن دنیوی علوم میں بھی یہ کسی ترقی کو قبول کرنے کے لئے کبھی تیار نہیں ہوا۔ فلسفہ، نفسیات، علم الاقتصاد، علم الافلاک، طبیعیات، علم السیاسۃ اور اس طرح کے دوسرے فنون میں جو تحقیقات اس دوران ہوئی ہیں، وہ ابھی تک اس میں بار نہیں پاسکیں۔ اسے حسن عقیدت ہی کا کرشمہ سمجھنا چاہیے کہ صدرا و میبذی کو بھی اس میں حیات ابدی حاصل ہو گئی ہے۔ ہمارے بزرگ اسے اس قدر مقدس سمجھتے ہیں کہ ان کتابوں میں بھی کوئی تبدیلی ان کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ نئے علوم دنیا پر حکومت کر رہے ہیں۔ لیکن اس نصاب کے پڑھنے والے ابھی تک ان کے وجود پر بھی مطلع نہیں ہوئے۔ دنیا نے ان دو صدیوں میں بہت کچھ مانا اور ماننے کے بعد پھر انکار کر دیا، لیکن یہ نہ اس ماننے سے واقف ہوئے اور نہ اس انکار کی کوئی خبر انہیں ابھی تک پہنچی ہے۔" (پس چہ باید کرد، جاوید احمد غامدی، ص ۲۲، ۲۳)

دینی مدارس اور دیگر جامعات کے حوالہ سے ان کے نصاب، ان کے طریق تعلیم، ایک ہی معاشرہ میں جدید و قدیم کی عملی و علمی تفریق کے سبب معاشرہ خصوصاً اسلامی معاشرہ جن مسائل سے دوچار ہے۔ اس کے متعلق ہم نے اپنے احساسات، تردد، تفکر کو قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم

اس المیہ کا صرف ذکر مسائل کا حل نہیں دونوں مکاتب فکر کے درمیان بعد اور دوری کے اسباب کا تحقیقی مطالعہ ضروری ہے۔

لہٰذا اس صورت حال کے تدارک کیلئے ضروری ہے کہ دونوں کے نقطہ نظر اور مسائل کو جانا اور سمجھا جائے۔ لاحق اندیشوں کو دور کرنے کی تدابیر کی جائیں مگر ایسی کوئی کوشش سنجیدہ تحقیق کے بغیر مثبت نتائج پیدا نہیں کر سکتی۔ چنانچہ وقت کے اس اہم معاشرتی مسئلہ کا احساس کرتے ہوئے اس اہم موضوع پر تحقیق کے ذریعے مسئلہ کے سلجھاؤ کی بنیاد فراہم کرنے کی ایک کاوش کی گئی ہے۔ اور اس تحقیق کا عنوان "دینی مدارس کا منہاج عمل اور جدید معاشرتی تقاضے" رکھا ہے۔ اس مقالہ میں ہم نے جائزہ لیا ہے کہ کالج اور یونیورسٹی کے متوازی ایک دوسرے تعلیمی نظام، جو دینی مدارس کے عنوان سے اپنی شناخت رکھتا ہے، معاشرے کے کن تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے اپنے وجود کا جواز ثابت کرتا ہے۔ کون سا طبقہ ایسا ہے جو اس نظام تعلیم کے جاری رکھنے میں مصروف کار ہے اور اپنے اس نظام کے چلانے میں کس طریقہ کار کو اپنائے ہوئے ہے۔ یہ ادارے اپنا

کیا نصاب رکھتے ہیں اور معاشرہ کس کس طرح اس نظام تعلیم سے استفادہ کرتا ہے۔

تحدید کار

مندرجہ بالا امور کی روشنی میں مسائل و حقائق کا کماحقہ ادراک کرنے کیلئے کراچی میں قائم دینی تعلیم کے اداروں کو پورے ملک کے لئے ایک ماڈل کی حیثیت سے منتخب کیا گیا ہے کیونکہ کراچی ایک بین الاقوامی شہر اور تجارتی مرکز ہے ساتھ ساتھ (Mini Pakistan) منی پاکستان بھی کہلاتا اور کہا جاتا ہے یہاں ملک کے ہر خطہ سے تعلق رکھنے والے افراد آباد ہیں۔ جن کی علاقائی ثقافت، علاقائی زبان، تہذیب اور روایات، محبت و اخلاق کے حسین رنگوں کے سبب کراچی کے افق پر قوس و قزح کا حسن نظر آتا ہے۔

تعارف تحقیق

زیر نظر تحقیقی مقالہ دس ابواب پر مشتمل ہے اور ہر باب تحقیق کے ایک جداگانہ پہلو کا تفصیلی احاطہ کرتا ہے یہاں ہم مختصر طور پر ہر باب کا تعارف پیش کرتے ہیں۔

باب اول:

باب اول میں موضوع تحقیق کی توضیحات پیش کی گئی ہیں اور تحقیق کی اہمیت، وسعت اور مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے اپنی منہاج تحقیق کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔

باب دوم:

باب دوم میں علم اور تعلیم و تعلم کی اہمیت اور فضیلت بیان کی گئی ہے کہ اسلام اس ضمن میں کیا رہنمائی فراہم کرتا ہے اور ہمارے اسلاف و اکابر کے نزدیک اس کی اہمیت کیا تھی۔ نیز انہوں نے اس مسئلہ کو کس طرح بیان کیا ان کی نظر میں تعلیم کا زندگی میں کیا مقام ہے اور علم سے فرد کی زندگی کس طرح سنور اور نکھر کر معاشرہ کی اصلاح اور اسے سنوارنے میں ممد و معاون ثابت ہوتی ہے۔

باب سوم:

باب سوم میں بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، نزول وحی کے بطن سے ایمان، اور عمل صالح کی اساس پر جس انقلابی تحریک کا آغاز ہوا تھا اس کے ارتقائی سفر کا ایک اجمالی تعارف پیش کیا گیا ہے۔ یہ باب اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ اس میں ملت اسلامیہ کی علمی سرگزشت کا تذکرہ شامل ہے۔ یہ حقیقت بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ اسلام کی تعلیمات، معاشرت اور طرز زندگی نے دور اول اور اس کے تسلسل میں پیدا ہونے والے معاشرہ کو کس طرح متاثر کیا۔ اسلام (جس کی پہلی وحی کا آغاز ہی لفظ اقراء سے ہوا تھا) نے آغاز

ہجرت، فتح مکہ اور بعد ازاں مختلف سلطنتوں کے قیام تک تعلیم کی اہمیت اور اس کے ارتقاء کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔

باب چہارم:

باب چہارم میں کراچی کے دینی مدارس کا ایک ارتقائی جائزہ لیا گیا ہے کہ قیام پاکستان کے وقت یہاں دینی تعلیم کے کتنے ادارے تھے اور ان میں بتدریج اضافے کی رفتار کیا رہی۔ اس وقت یہاں کتنے مدارس قائم ہیں کس کس مکتبہ فکر کی نمائندگی کرتے ہیں اور کس درجہ کی تعلیمی سہولتیں فراہم کرتے ہیں۔

باب پنجم:

باب پنجم میں کراچی کے دینی مدارس کے قائم کردہ بورڈ اور اختیار کردہ نظام امتحانات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ یہاں یہ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ مختلف دینی مکاتب فکر نے اپنے اپنے جداگانہ وفاق یا تنظیم کے نام سے بورڈ قائم کئے ہیں جو اپنے مدارس کے لئے سالانہ بنیادوں پر امتحانات کا انعقاد کر کے طلباء کو اسناد جاری کرنے کے مجاز سمجھے جاتے ہیں۔

باب ششم:

باب ششم میں کراچی کے دینی مدارس میں مروجہ نظام تعلیم کا خاکہ پیش کیا گیا ہے کہ مختلف درجات کے مدارس میں کیا طریقہ تدریس رائج ہے اور اس طریقہ تدریس کی افادیت کیا ہے کیونکہ یہ دیکھا گیا ہے کہ بعض دینی مدارس کے طلباء اپنی نصابی کتب اور نصابی موضوعات پر کامل دسترس رکھتے ہیں۔ آیا یہ محض اتفاق ہے، اساتذہ کا کمال ہے یا طریقہ تدریس کے ثمرات ہیں۔ یہ باب ایسے ہی سوالات کا تشفی بخش جوابات فراہم کرتا ہے۔

باب ہفتم:

باب ہفتم میں "کراچی کے دینی مدارس کا نصاب تعلیم" کے زیر عنوان نہ صرف دینی مدارس کے موجودہ نصاب کا احاطہ کیا گیا ہے بلکہ برصغیر میں دینی مدارس کے نصاب کی تاریخ بھی بیان کی گئی ہے۔ نیز دینی علماء اپنے نظام تعلیم اور نصاب تعلیم کی جو توجیہات رکھتے ہیں وہ بھی اس باب کا ایک اہم حصہ ہیں چنانچہ اس میں دینی طبقہ کے نقطہ نظر کا مکمل تعارف اور اس کو سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔

باب ہشتم:

باب ہشتم میں "کراچی کے دینی مدارس کی انتظامیہ اور اساتذہ" کا ایک جائزہ ہے کہ دینی اداروں کی ہیئت انتظامیہ کیا ہے۔ یہ انتظامیہ ان مدارس کو کس طرح قائم کرتی ہے اداروں کے قیام کے وقت ان کے مقاصد کون اور کیونکر متعین کرتا ہے ان اداروں کیلئے مالی وسائل کس طرح اور کیسے فراہم کئے جاتے ہیں اور ان کی

مستقل فراہمی کی شکل کیا ہے۔ ان اداروں میں اساتذہ کے تقرر کے طریق کار۔ ان کے مقام و منصب، ان کی ذمہ داریوں کے موضوع پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔

باب نہم:

باب نہم میں کراچی کے دینی مدارس کے طلبہ کا مذہبی، سماجی اور معاشرتی پس منظر بیان کیا گیا ہے اس میں تحقیق کی گئی ہے کہ دینی مدارس کے طلبہ کس سماجی گروہ سے متعلق ہیں ان کا سماجی رتبہ اور معاشرتی پس منظر کیا ہے۔ وہ کیا مقاصد لیکر ان تعلیمی اداروں میں داخل ہوتے ہیں اور فارغ التحصیل ہونے کے بعد اپنے لئے کونسی منزل متعین کرتے ہیں اس طرح دینی مدارس کا پورا نظام، طلباء کے داخلہ سے لیکر ان کے فارغ التحصیل ہونے تک کے جملہ کوائف اور ان کے ذہنی سفر کی داستان بیان کی گئی ہے۔

باب دہم:

باب دہم کا عنوان اگرچہ "کراچی کے دینی مدارس اور جدید معاشرتی تقاضے" ہے مگر حقیقتاً اسے کراچی تک محدود نہیں کیا جاسکتا کیونکہ جیسا گزشتہ اوراق میں بیان کیا جاچکا ہے کہ کراچی کو ماڈل کے طور پر اسلئے منتخب کیا ہے "قطرہ میں دجلہ" دیکھا جانا چاہیے۔ چنانچہ اس باب میں اس امر کا جائزہ لیا گیا ہے کہ عہد حاضر میں دین کے حوالے سے کس طرح کے معاشرتی تقاضے ابھر کر سامنے آئے ہیں۔ جنہیں پورا کرنا دینی مدارس اپنی ذمہ داری سمجھتے ہیں۔ اور معاشرہ بھی اپنی ذمہ داریوں کا بوجھ انہی کے کاندھوں پر ڈالتا ہے۔

مقالہ کے آخر میں اختتامیہ شامل ہے۔ جہاں تحقیقی نتائج کا خلاصہ بیان کیا گیا ہے اور ساتھ ہی کلیدی تصورات بھی بیان کر دیئے گئے ہیں۔

کتابیات:

جن کتب اور رسائل سے اس مقالہ کی تیاری میں مدد لی گئی ہے ان کی ایک مکمل فہرست "کتابیات" کے زیر عنوان آخر میں دیدی گئی ہے تاکہ مقالہ کے مستند ہونے کا جواز فراہم ہوسکے۔

امید ہے میری یہ کاوش اہل علم و فکر کے ہاں شرف قبولیت پائے گی۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم O

گماں مبر کہ بپایاں رسید کار مغاں
ہزار بادہ ناخوردہ در رگ تاک است

(اقبال)

باب اول: منہاج تحقیق

مطالعہ کی نوعیت (Nature Of Study)

سماجی تحقیق کو سماجی مظاہر و عوامل کی نقاب کشائی اور انکی حقیقت سمجھنے میں ایک اہم مقام حاصل ہے کیونکہ ایسی تحقیق میں حقائق مسلمہ سائنسی طریقہ کار کے ذریعے معلوم کر کے انہیں آزمایا جاتا ہے نیز انکے باہمی تعلقات و وجوہات کی تشریح کرتے ہوئے معاشرتی زندگی کیلئے ان سے نتائج اخذ کر کے قوانین مرتب کئے جاتے ہیں۔ زیر نظر تحقیق تجرباتی (Empirical) اور مشاہداتی (Explanatory) نوعیت کی ہے۔ اس لئے ان خصوصیات کے پیش نظر ایسی تحقیق پاکستان کے دینی مدارس پر، تاحال، میرے علم کی حد تک، نہیں کی گئی۔

مقاصد تحقیق (Objectives Of Research)

عمومی مقاصد (General Objectives)

کراچی کے دینی مدارس کے منہاج عمل اور انکے طلباء کا معاشرتی تقاضوں سے ہم آہنگی کا جائزہ۔

خصوصی مقاصد (Specific Objectives)

I ۔ کراچی کے دینی مدارس میں زیر تعلیم طلباء کے خاندانی، مذہبی، سماجی اور معاشی حالات کا جائزہ لیکر اس بات کو تعین کرنا کہ انکا تعلق سماجی اعتبار سے کس طبقے سے ہے۔

II ۔ طلباء اور انکے والدین کا دینی مدارس کی تعلیم کو ترجیح دینے کی وجوہات و محرکات کا جائزہ۔

III ۔ زیر تعلیم طلباء کے والدین پر دینی مدارس کی تعلیم کو ترجیح دینے میں ماحولیاتی اثرات کا جائزہ۔

IV ۔ اس امر کا جائزہ لینا کہ دینی مدارس کے طلباء سماجی تبدیلیوں سے کتنے باخبر ہیں اور انکا کس قدر اثر قبول کئے ہوئے ہیں۔

V ۔ دینی مدارس کے طلباء کے ذہنوں میں رسمی و دینی تعلیم میں موجود فرق اور اسکے متعلق انکے رویئے کا جائزہ

VI ۔ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تاحال تعلیم و تدریس کی مروجہ صورتوں کا جائزہ۔

VII ۔ کراچی کے دینی مدارس کے ارتقائی مراحل کا جائزہ۔

VIII ۔ دینی مدارس کی منہاج تعلیم کا جائزہ۔

IX ۔ دینی مدارس میں مروجہ نصابات تعلیم کا جائزہ۔

مفروضات:۔ Hypotheses

مقاصد تحقیق کو سامنے رکھتے ہوئے مندرجہ ذیل مفروضات قائم کئے گئے

۱۔ سماجی اعتبار سے کوئی خاندان جتنے نچلے درجہ سے تعلق رکھتا ہوگا اتنا ہی اسکا دینی مدارس کی تعلیم کی جانب رجحان زیادہ ہوگا۔

۲۔ خاندان کی خواہش سماجی تغیر کیلئے جتنی زیادہ ہوگی اتنا ہی اسکا دینی مدارس کی تعلیم کی جانب رجحان کم ہوگا۔

۳۔ کوئی خاندان اپنے سماجی حالات سے جتنا زیادہ مطمئن ہوگا اسکا دینی تعلیم کی طرف رجحان اسقدر کم ہوگا۔

۴۔ کسی خاندان کے ماحول میں جتنا مذہبی اثر زیادہ ہوگا اتنا ہی اسکا رجحان دینی تعلیم کیجانب زیادہ ہوگا۔

۵۔ جس خاندان کو جتنا زیادہ شہری ماحول اور سہولتیں میسر ہونگی اتنا ہی کم اسکا دینی تعلیم کی طرف رجحان ہوگا۔

۶۔ والدین کی رسمی تعلیم جتنی زیادہ ہوگی اتنا ہی انکا دینی تعلیم کیجانب رجحان کم ہوگا۔

متغیرات:۔ Variable

- ماحول کا اثر
- والدین کی تعلیم
- شہری و دیہاتی ماحول
- رہائش کا انداز
- اشیاء کی موجودگی اور میسر سہولتیں
- موجودہ معاشی حیثیت
- محرکات معلوم کرنے کیلئے

i ۔ خاندانی اثر   ii ۔ ماحولیاتی اثر   iii ۔ سماجی رتبے کی خواہش

دائرہ تحقیق (Universe)

زیر نظر تحقیقاتی مطالعہ کراچی کے پانچوں اضلاع میں واقع، چاروں مکاتب فکر یعنی دیوبندی، بریلوی، اہلحدیث اور شیعہ کے ان معین دینی مدارس تک محدود رکھا گیا ہے، جو اپنے اپنے وفاق (Board) کے نظم کے تحت رجسٹرڈ ہیں۔ کیونکہ کراچی نہ صرف پاکستان بلکہ عالم اسلام کا بھی ایک ایسا بڑا شہر ہے، جسے کئی حیثیتوں سے ممتاز مقام حاصل ہے۔ اسکی ایک بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ پاکستان میں بسنے والے تمام سماجی طبقات، نسلی ولسانی گروہوں اور علاقوں کے لوگ اس میں قیام پذیر ہیں۔ اس وجہ سے کراچی کو Mini Pakistan بھی کہا

جاتا ہے ۔ محقق کیلئے اس " دائرہ تحقیق " میں نمایاں کشش یہ بھی ہے کہ یہ لوگ اپنے اپنے علاقوں ، مکتبہائے فکر رسم و رواج اور ثقافت کی نمائندگی کرتے ہیں نیز کراچی صنعت و حرفت اور تجارت کے میدان کے علاوہ تعلیم کے فروغ میں بھی ممتاز مقام رکھتا ہے ۔ اس لئے پاکستان بھر سے متعلقہ لوگ ، روزگار ، تعلیم ، کاروبار اور دیگر امور کیلئے کراچی آمدورفت رکھتے ہیں ۔

کراچی بلاشبہ کائناتی خصوصیات رکھنے والا (Cosmopoliton) ایک عظیم شہر (Metropolis) ہے جسے آبادی کی کثرت ، متنوع کاروبار ، روزگار کی فراوانی ، تعلیم کی ترویج واشاعت اور فروغ کے لئے پاکستان بھر میں شہرت حاصل ہے ۔ اسی طرح کراچی کے دینی مدارس کی تعلیمی خدمات بھی ناقابل تردید ہیں ۔ جنکا دائرہ عمل ملک بھر میں اور علمی خدمات کے اثرات بیرونی ممالک مثلاً بنگلہ دیش ، برما ، تھائی لینڈ ، سری لنکا ، صومالیہ ، ایران ، ترکی افغانستان ، ملائیشیا ، انڈونیشیا ، اور نائجیریا وغیرہ تک پھیلے ہوئے ہیں ۔ آج بھی ان ممالک کے طلباء حصول تعلیم کیلئے کراچی کے دینی مدارس کے مخصوص طرز اور معیار تعلیم کے پیش نظر داخلہ لینے آرہے ہیں ۔ تحصیل علم کے بعد یہی لوگ اپنے اپنے ممالک میں واپس جاکر اسی طرز قدیم پر دینی تعلیم کے چھوٹے بڑے مراکز قائم کرتے ہیں ۔

کراچی کو بطور " دائرہ تحقیق " اس لئے بھی منتخب کیا گیا کہ محقق ، پاکستان اسٹڈی سینٹر ، کراچی یونیورسٹی سے وابستہ ہے ۔ لہٰذا کراچی کی مندرجہ بالا خصوصیات کی بناء پر یہاں رہتے ہوئے اس موضوع پر تحقیقی کام کرنا زیادہ مفید اور آسان سمجھا گیا ۔

طریقہ کار برائے فراہمی معطیات (Method For Collection Of Data)

زیر نظر تحقیق کے موضوع ، وسعت اور مقاصد کے پیش نظر معطیات کے حصول کیلئے مصاحبہ نامہ کا طریقہ اختیار کیا گیا ۔

مصاحبہ نامہ کے انتخاب کی وجوہات

I ۔ چونکہ اب تک اس " پاپولیشن " پر اس طرح کی ریسرچ نہیں کی گئی ۔ لہٰذا جوابدہندگان اس قسم کی تحقیق کے لئے مصاحبہ نامہ میں شامل کئے گئے سوالات کی نوعیت ، انکا فائدہ اور جواز کو پوری طرح سمجھنے سے قاصر ہوسکتے ہیں ۔ لہٰذا انہیں اس تحقیق کی افادیت کا قائل کرنا زبانی طور پر ہی ممکن تھا ۔

II ۔ اس مصاحبہ نامہ کے ذریعے جوابدہندگان کو سوالات بآسانی سمجھائے گئے ۔

III ۔ مصاحبہ نامہ استعمال کرنے میں یہ موقع میسر آتا کہ جوابدہندہ سے پیشہ ورانہ تعلقات (Functional

(Rapport) استوار کر کے انہیں اعتماد میں لے لیا جاتا ہے۔ اس طرح مصاحبہ نامہ کی ضرورت کے مطابق جوابات حاصل ہوجاتے ہیں۔ کیونکہ اس سلسلے میں جوابدہندہ کو موضوع کے تحت بروقت سوچنے کا موقع مل جاتا ہے اور ملاقات کنندہ ضرورت کے مطابق صحیح رہنمائی بھی کرتا رہتا ہے نیز اس طرح جوابدہندہ کو اپنا مافی الضمیر پیش کرنے میں سہولت میسر آجاتی ہے اور کھل کر بات چیت کا موقع بھی مل جاتا ہے۔

iv ۔ بعض اوقات مصاحبہ نامہ میں ایسی اصطلاحات استعمال کرنی پڑتی ہیں کہ جنکے استعمال کے بغیر چارہ کار نہیں ہوتا۔ ایسی صورتحال میں مصاحبہ نامہ پر کرتے وقت محقق کا موجود رہنا بہت سودمند رہتا ہے۔ چنانچہ زیر موضوع بات سمجھنے اور سمجھانے میں آسانی ہوجاتی ہے۔ نیز جوابدہندہ، مصاحبہ نامہ، محقق کی موجودگی میں پر کرنے میں ایک طرح کی حظ محسوس کرتے ہوئے شوق و رغبت کا اظہار کرتا ہے۔

v ۔ محقق کی موجودگی میں جوابدہندہ زیادہ احساس ذمہ داری کا اظہار کرتا ہے۔ اس لئے غلط معلومات بہم پہنچانا بھی اس کے لئے مشکل ہوجاتا ہے نیز جوابدہندہ اگر کوئی دشواری محسوس کرتا ہے تو سہولت و موقع محل کے مطابق مناسب وضاحت کی جاسکتی ہے۔

vi ۔ مصاحبہ نامہ کے ذریعے نمونہ جاتی کوتاہی (Sample Error) سے بچتے ہوئے حقیقی و مطلوبہ جوابدہندہ تک پہنچا جاسکتا ہے۔

vii ۔ اس طریقے سے وقت کی بچت ہوتی ہے نیز جوابدہندہ کے احساسات و تجاویز بھی بھرپور طریقے سے قلمبند کرنے کا موقع ہاتھ آتا ہے اس کے علاوہ ملاقات کنندہ اپنے مشاہدے سے بھی کئی نکات اخذ کرسکتا ہے، جس سے جوابات کی Validity اور Reliability کو زیادہ امکان حاصل ہوجاتا ہے۔

مصاحبہ نامہ کی تیاری (Construction Of Questionnire)

اس تحقیق میں "مصاحبہ نامہ" چونکہ مفروضوں کی تصدیق وجانچ کیلئے ترتیب دیا گیا، اسکے علاوہ مطالعے کے نظریاتی (Theoritical) اور تجرباتی (Empirical) پہلوؤں کو ہم آہنگ کرنا بھی مقصود تھا، اس لئے مصاحبہ نامہ جامع، سہل اور موضوع کے عین مطابق تیار کیا گیا ہے نیز مصاحبہ نامہ کی ترتیب و تیاری کے دوران مندرجہ ذیل نکات بطور خاص ملحوظ رکھے گئے تاکہ :

i ۔ مفروضات کی جانچ پڑتال صحیح طریقے سے ہوسکے۔

ii ۔ معطیات کے حصول میں درستگی اور معیار برقرار رہے۔

iii ۔ تمام سوالات موضوع کے مطابق ترتیب پائیں۔

iv ۔ جو سوالات جس قدر اہمیت کے حامل ہوں، انہیں اتنی ہی زیادہ توجہ دی جاسکے۔

v - تمام سوالات میں منطقی ترتیب پیش نظر رکھتے ہوئے انکی موزوں درجہ بندی کی گئی۔

vi - جن سوالات کے مختلف النوع جوابات ملنے کی توقع تھی تو انکی وضاحت و راہنمائی بر محل کر دی گئی۔

vii - مصاحبہ نامہ میں جوابات لکھنے کیلئے ضروری جگہ بھی فراہم کردی گئی۔

مصاحبہ نامہ برائے طلباء

اس مصاحبہ نامہ میں مجموعی طور پر ۳۴ سوالات شامل کر کے انکی منطقی ترتیب درج ذیل رکھی گئی۔

الف - ذاتی کوائف: سوال نمبر ۱ سے ۳ نمبر تک جوابدہندہ کی عمر، مادری زبان اور جائے پیدائش پوچھی گئی۔

ب - خاندانی کوائف: سوال نمبر ۴ سے ۱۵ نمبر تک والدین کی رہائش گاہ، میسر رہائشی سہولیات، خاندانی رہائش سے اطمینان، ماہانہ آمدنی اور موجودہ رہائش گاہ بہتر بنانے۔ اس میں تبدیلیوں کی ضرورت و نوعیت، درکار آسائش جائیداد اور جائیداد سے حاصل ہونے والی آمدنی اور صاحب نصاب ہونا پوچھا گیا ہے۔

ج - یہ حصہ چھوٹے بہن بھائیوں اور والدین سے متعلق ہے۔ جس میں ذریعہ معاش، رسمی تعلیم، ناظرہ قرآن حکیم کا پڑھنا، نماز کا باقاعدہ یا بے قاعدہ پڑھنا۔ مذہبی طریقہ سے علاج وغیرہ کرانا اور مذہبی علوم سے واقفیت اور عدم واقفیت کے بارے میں استفسار کیا گیا ہے، نیز انکی رسمی تعلیم، موجودہ پیشہ اور مستقبل کے پسندیدہ پیشے کے بارے میں پوچھا گیا ہے۔ اس حصہ میں سوال نمبر ۱۶ سے ۱۸ نمبر تک شامل ہیں۔

د - مذہبی تعلیم سے متعلق خصوصی سوالات: اس زمرے میں سوال نمبر ۱۹ تا سوال نمبر ۲۵ داخل ہیں، اس میں والدین اور سرپرستوں کے بارے میں پوچھا گیا ہے کہ انہوں نے کن وجوہ کی بناء پر اپنے بچوں کیلئے دینی تعلیم پسند کی ہے۔ سوال نمبر ۲۰ جواب دہندہ کی ذات سے متعلق ہے کہ وہ خود بتائیں کہ دینی تعلیم کے حصول میں ان کی ذاتی خواہش کا عمل دخل کس حد تک تھا۔ سوال نمبر ۲۱ سے سوال نمبر ۲۴ میں ان محرکات و عوامل کی کھوج لگانے کی کوشش کی گئی ہے کہ جن سے جوابدہندگان متاثر ہو کر ان مدارس تک پہنچے ہیں۔

ہ - ذاتی خیالات: سوالات نمبر ۲۵ سے سوال نمبر ۳۴ میں یہ معلوم کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ یہ طلباء فارغ التحصیل ہونے پر کس قسم کے ذرائع معاش اختیار کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور اس انتخاب کی وجوہات بھی پوچھی گئی ہیں۔ سوال نمبر ۲۷ اور ۲۸ میں دینی مدارس اور اسکولوں میں مروجہ تعلیم میں جوابدہندگان کے خیال میں اگر کچھ فروق پائے جاتے ہیں تو انکی وضاحت چاہی گئی ہے۔ سوال نمبر ۲۹، ۳۰ اور ۳۱ میں رسمی تعلیم کے حصول کی بابت دریافت کیا گیا ہے کہ جوابدہندگان نے اس میدان میں کس قدر عملی کوشش کی۔ سوال نمبر ۳۲ اور ۳۳ جوابدہندہ کے چھوٹے بہن بھائیوں کے بارے میں ہے کہ وہ انہیں کس قسم کی تعلیم دلوانا پسند کریں گے

اور اسکی وجوہ کیا ہیں ۔ آخری سوال نمبر ۴۳ جوابدہندگان کی آراء اور تجاویز کیلئے رکھا گیا کہ انکے خیال میں دینی مدارس کے موجودہ نظام کو بہتر بنانے کیلئے کیا اقدام ضروری ہیں ۔ تاکہ ان جوابات کے ذریعے مختلف پہلوؤں سے طلباء کے ذاتی خیالات و رجحانات کا جائزہ لیا جاسکے ۔

مصاحبہ نامہ برائے انتظامیہ و اساتذہ کا پس منظر

ان مدارس کے طلباء کے دینی، سماجی اور معاشی حالات معلوم کرنے کی غرض سے کئے گئے سروے کے دوران حاصل شدہ معلومات اور مشاہدہ کی بنیاد پر ضرورت محسوس کی گئی کہ ان تعلیمی اداروں کی انتظامیہ اور اساتذہ سے بھی دینی مدارس اور انکے ہاں رائج تعلیمی نظام سے متعلق بھی ضروری معلومات حاصل کی جائیں ۔ اس مقصد کیلئے ایک مصاحبہ نامہ مرتب کیا گیا ۔ جس میں ۴۲ سوالات جنہیں موقع محل اور موضوع سے مناسبت کی بنا پر انتہائی ضروری اور اہم سمجھا گیا شامل کئے گئے ، تاکہ موجودہ حالات میں دینی مدارس کے نظام کی خصوصیات اور جدید معاشرتی تقاضوں سے انکا تعلق اور ادراک واضح طور پر سامنے لایا جاسکے ۔

مصاحبہ نامہ برائے انتظامیہ و اساتذہ

اس مصاحبہ نامہ میں شامل ۴۲ سوالات میں سے ابتدائی ۱۲ سوالات میں جوابدہندگان سے عمر، عہدہ، انتظامی ذمہ داری ، حاصل کردہ دینی و مروجہ تعلیم ، تدریسی ، تصنیفی اور تبلیغی تجربہ اور مصروفیات کے علاوہ ذاتی آمدنی اور ذرائع معاش کے بارے میں استفسارات کئے گئے ۔ سوال نمبر ۱۳ سے ۲۱ تک میں جدید و مروجہ دینی تعلیم کا نظام اور جدید طرز تدریس اور انکے مقصود کے بارے میں خیالات اور آراء معلوم کی گئیں ۔ ۲۲ سے ۲۵ میں مدرسہ کے موجودہ نظام ، مستقبل کے لئے منصوبہ بندی ، اصلاح نصاب اور نظام کے متعلق سوالات رکھے گئے ۔ ۲۶ سے ۳۹ تک میں ملی و معاشرتی مسائل کے شعور ، انکے حل اور آخری تین سوالوں میں دینی مدارس میں انکے ارباب اختیار کا عمل و دخل اور انکی ذمہ داریوں کے بارے میں پوچھا گیا ہے ۔

انتظامیہ و اساتذہ کے نمونے کا انتخاب

دینی مدارس کے اساتذہ و انتظامیہ سے مصاحبہ نامہ پر کروانے کیلئے Judgemental اور Adhoc طریقہ کار اختیار کیا گیا ۔ ان دونوں طریقوں کے اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ محقق نے نمونے کے حصول کیلئے ان اساتذہ اور منتظمین کا انتخاب کیا جو تعلیمی و انتظامی تجربہ اور پڑھائے جانے والے مضامین پر مکمل دسترس رکھتے ہوں صاحب الرائے ہونے کے علاوہ فکری اور شعوری صلاحیتوں کے حامل اور جوابات دینے کیلئے ازخود تیار ہوں تاکہ زیادہ متنوع نمونہ حاصل ہوسکے ۔ مزید براں جوابدہندگان کے انتخاب میں جہاں انکی ذاتی لیاقت ، قابلیت اور

شعوری و فکری خصوصیات کو مدنظر رکھا گیا ہے وہاں تعلیمی و انتظامی شہرت رکھنے والے مثالی دینی مدارس کو شامل تحقیق کیا گیا ہے۔ محقق نے ان مدارس کا بارہا مطالعاتی دورہ کیا، اس دوران کچھ اساتذہ سے ذاتی اور شخصی تعلقات بھی استوار ہوگئے اسی بنا پر انہیں اعتماد میں لیا گیا۔ تاکہ Confidential معطیات حاصل ہو سکیں۔ تبادلہ خیال کی متعدد نشستوں میں بعض نے رائج نظام تعلیم پر مدلل تنقید کی اور حقیقی صورت حال سے آگاہ کیا تاہم ایسے جوابدہندگان نے اپنے نام ظاہر نہ کرنے کی تاکید بھی کی، دائرہ تحقیق میں کراچی کے صرف ان دینی مدارس کا انتخاب کیا گیا جہاں مکمل دینی تعلیم کا انتظام موجود ہے۔ لہذا مطلوبہ تعداد کے مطابق ۱۵۱ دینی مدارس کے ۹۴ اساتذہ و منتظمین سے مصاحبہ نامے پر کروائے گئے۔

معطیات حاصل کرنے کا طریقہ کار

مصاحبہ نامہ کو بطور راہ نما سوالات برائے انٹرویو بھی استعمال کیا گیا۔ اس لئے بعض سوالات کے جوابات ان سے بالمشافہ گفتگو کے ذریعے حاصل کئے گئے اور کچھ مصاحبہ نامے جواب دہندگان نے خود مکمل کئے لیکن اس ضمن میں محقق نے ان سوالات کی وضاحت اچھی طرح انفرادی طور پر بھی کردی۔ اس کے علاوہ جب مصاحبہ نامے واپس لینے کی خاطر بار بار جانا پڑا تو اس موضوع کے بارے میں الجھنے والے وضاحت طلب سوالات کی توضیح بھی خاطرخواہ کی جاتی رہی۔ مگر متعدد بار یہ محسوس کیا گیا کہ جواب دینے میں بیشتر اساتذہ نے اخفا اور تسامح یا ہچکچاہٹ سے کام لیا ہے اور کھلے بندوں اپنی آراء، مشاہدہ و تجربہ کو پیش نہیں کیا۔ اس کی بڑی وجہ یہ سمجھی گئی کہ اکثر مصاحبہ نامے، مہتمم مدرسہ کے توسط سے ان جوابدہندگان تک پہنچائے گئے یا اساتذہ تک رسائی اور تعارف ان کے توسط سے ہوا کہ جوابدہندگان کھل کر اپنی بات نہ کہہ سکے ہوں، جو حقیقت پر مبنی ہو اور وہ انتظامی عہدیداران کو ناگوار گزرتی ہو لیکن حقیقت تک پہنچنے کے لئے اکثر سوالات کے جوابات میں جو تفصیلی تحریر موصول ہوئی اس سے استفادہ کیا گیا۔ جو جوابات مختصر تھے اور ان میں کسی قدر ابہام بھی تھا ان سے صرف نظر کیا گیا۔ شاید ابہام کی وجہ یہ ہو کہ اس طرح کی Empirical تحقیق کے سوالات کے براہ راست ہونے کو یہ لوگ سمجھ نہ سکے ہوں۔ اس لئے جوابات عمومی تجربے والے، بغیر کسی Commitment کے دیئے گئے اور صحیح صورتحال کے بارے میں حقیقی معلومات بہم پہنچانے کی بجائے محض عمومی رائے کا اظہار کیا گیا

پیش آزمائش (Prestesting)

مجوزہ سوالات و عنوانات کے تحت مرتب شدہ مصاحبہ نامہ پیش آزمائش کیلئے استعمال کیا گیا۔ تاکہ یہ معلوم ہوسکے کہ اس میں شامل سوالات کس حد تک معیاری، مفید اور بامقصد ہیں۔ اگر کہیں رد و بدل و

اصلاح کی ضرورت ہے یا کسی سوال کو غیر ضروری طور پر شامل کر لیا گیا ہے تو اسے خارج کر دیا جائے۔ اگر کوئی سوال چھوٹ گیا تو اسے شامل کر دیا جائے۔ پیش آزمائش حقیقی (Actual) نمونے پر ہی کی گئی، اس غرض سے محقق نے پیش آزمائش میں ۲۰ مصاحبہ ناموں کے ذریعے معطیات حاصل کئے، اس سے یہ حقیقت سامنے آئی کہ تقریباً تمام سوالات مجوزہ عنوانات سے متعلق، معیاری اور جواب دہندگان کی ذہنی سطح کے مطابق ہیں البتہ چند ضروری ترمیمات و اصلاحات جو پیش آزمائش کی روشنی میں ضروری سمجھی گئیں، کر دی گئیں ہیں۔

جیسا کہ پہلے سوال نمبر ۵ میں خاندانی رہائشی مکان کے بارے میں پوچھا گیا تھا کہ کچا ہے یا پکا۔ پیش آزمائش کے بعد تین مزید ذیلی سوالات شامل کر دیئے گئے، ذاتی، کرایہ پر یا دیگر کوئی صورت۔ پیش آزمائش سے قبل سوال نمبر ۷ کے تحت گھر میں بجلی کی سہولت موجود ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں معلوم کیا گیا، بعد ازاں اس میں تبدیلی کر کے اسے ایک الگ سوال کے طور پر لیا گیا اور اس میں باورچی خانے، غسل خانے، بیت الخلاء اور پانی کی موجودگی کے بارے میں پوچھا گیا، تاکہ میسر سہولیات کے بارے میں مکمل صورت گری ہو سکے۔ پیش آزمائش کے بعد سوال نمبر ۸ کے تحت افراد خانہ کی تعداد کے عنوان سے ایک الگ سوال شامل کر دیا گیا۔ اسی طرح سوال نمبر ۹ میں تبدیلی لائی گئی اس میں پہلے کل آمدنی کے تحت سوال پوچھا گیا تھا مگر بعد میں اسے خاندان کی کل ماہانہ آمدنی کے طور پر شامل کر لیا گیا اور اسے سوال نمبر ۱۰ کے تحت جائیداد کے کالم میں ضم کر دیا گیا۔ اس میں زرعی اراضی، ذاتی، ٹھیکہ پر، مزارع، رہائشی، شہری دیہی و دیگر کا اضافہ کر دیا گیا۔ اس طرح جائیداد کی بابت پوری معلومات حاصل ہو گئیں۔

سوال نمبر ۱۱ کو شامل کر کے جائیداد سے حاصل ہونے والی آمدنی کے بارے میں معلومات جمع کی گئیں۔ اسی طرح پہلے جواب دہندہ سے صاحب حساب ہونے کے بارے میں نہیں پوچھا گیا تھا۔ پیش آزمائش کے بعد یہ ایک نیا سوال شامل کر کے اسے ۱۲ نمبر دیدیا گیا۔ قبل ازیں سوال نمبر ۱۳ کے تحت خاندانی رہائش سے اطمینان، عدم اطمینان کے بارے میں معلوم کیا گیا تھا۔ بعد میں اسکا نمبر بدل دیا اور اس کی ترتیب میں تبدیلی لا کر اسے سوال نمبر ۱۳ بنا دیا گیا اس میں ہاں اور نہیں کے علاوہ کسی حد تک کا کالم شامل کر دیا گیا۔ پیش آزمائش سے قبل سوال نمبر ۱۴ میں سوال اس طرح کیا گیا تھا، کیا آپ اس رہائش گاہ کو بہتر بنانا چاہتے ہیں، اسکے جوابات کیلئے ہاں اور نہیں پر اکتفا کیا گیا تھا، بعد میں اس طرح اضافہ کر دیا گیا کہ اگر جواب ہاں میں ہے تو پھر اس کی تفصیل پوچھی گئی کہ کس طرح کی تبدیلی یا آرائش درکار ہے۔

والدین کے کوائف معلوم کرنے کیلئے پہلے سوال نمبر ۱۱ کی ترتیب میں لیا گیا تھا۔ لیکن بعد میں سوالات کی

منطقی ترتیب کو بدنے سے زیادہ موزوں بنمہ پر لے کر اسے سوال نمبر ۱۸ دیدیا گیا، اس میں تھوڑی سی تبدیلی بھی کردی گئی یعنی پیشہ کی بجائے ذریعہ معاش استعمال کیا گیا۔ پیش آزمائش کے نتیجہ میں سوال نمبر ۱۷ میں سے اسلامی مرکز اور مسجد کے الفاظ حذف کر دیئے گئے، صرف خانقاہ یا دینی مدرسہ کو کافی سمجھا گیا۔ سوال نمبر ۲۳ میں لفظ ، باقاعدہ کا اضافہ کیا گیا، جس سے سوال کا مفہوم ضرورت کے عین مطابق ہوگیا۔ پہلے سوال نمبر ۳۹ میں لفظ مشغلہ استعمال کیا گیا تھا، بعد ازاں اسے انتخاب میں بدل دیا گیا ہے۔

پیش آزمائش کی روشنی میں سوال نمبر ۴۰ کا اضافہ کرکے مطلوبہ معلومات حاصل کی گئیں۔ اسکے علاوہ آخر میں سوال نمبر ۴۴ کا خصوصی طور پر اضافہ کردیا گیا کہ دینی مدارس کے موجودہ نظام کو بہتر بنانے کیلئے آپ کیا تجاویز دیجئے تاکہ طلباء کے خیالات معلوم کئے جاسکیں کہ وہ نظام تعلیم میں کس قسم کی تبدیلی کے خواہاں ہیں۔ اسی طرح مصاحبہ نامہ برائے انتظامیہ و اساتذہ میں بھی ضروری ترمیم و اصلاح کردی گئی۔

مصاحبہ نامہ پر کرنے کیلئے درکار وقت

مذکورہ مصاحبہ نامہ پوری طرح پر کرنے میں زیادہ تر جواب دہندگان نے ایک گھنٹے کے لگ بھگ وقت صرف کیا۔ مگر بعض ذہین طلباء نے اس سے بھی کم وقت لیا۔ مصاحبہ نامہ اردو زبان میں ہونے کے ساتھ ساتھ سوالات کو بھی نہایت سہل رکھا گیا تھا۔ اوسط ذہانت رکھنے والے طلباء بھی اسے پوری دلچسپی اور سوجھ بوجھ کے ساتھ پر کرسکیں۔ کچھ طلباء نے بعض سوالات کے جوابات لکھنے سے قبل کچھ وقت سوچ و بچار میں صرف کرتے ہوئے نیز اس کے متعلق ملاقات کنندہ سے سوالات کرنے کے بعد مصاحبہ نامہ مکمل کردیا۔ یہی صورت حال انتظامیہ و اساتذہ سے مصاحبہ نامہ پر کروانے میں پیش آئی۔

مصاحبہ نامہ برائے طلباء میں سوالات کی تعداد و اقسام

تحقیقاتی موضوع کی نوعیت، جو ابدہندگان کی اہلیت، انکی تعلیمی خصوصیات اور تحقیق کے طریقہ کار کے مطابق حتمی طور پر تیار شدہ مصاحبہ نامہ برائے طلباء میں سوالات کی جن مختلف اصناف کا انتخاب کیا گیا انکی تفصیل اگلے صفحہ پر دیئے گئے جدول میں دی گئی ہے۔

جدول نمبر ۱

سوالات کی اقسام و تعداد

نمبر شمار	اصناف سوال	تعداد
۱-	OPEN ENDED QUESTIONS	۳۰
۲-	CLOSE ENDED QUESTIONS	۱۱
۳-	POLL TYPE QUESTIONS	۱۰
۴-	MULTIPLE CHOICE QUESTIONS	[illegible]
۵	COMPLEX QUESTIONS *	۳

* پیچیدہ سوالات میں سوال نمبر ۱۶، ۱۷ اور ۱۸ شامل ہیں۔

سوال نمبر ۱۶ میں مختلف نوعیت کے ۵ کالم بنائے گئے ہیں۔

سوال نمبر ۱۷ میں حسب ضرورت ۹ کالم بنائے گئے ہیں۔

سوال نمبر ۱۸ میں ۱۱ قسم کے کالم بنائے گئے چونکہ ان تین سوالات کو جدول کی شکل میں پیش کرنا مناسب سمجھا گیا اس لئے جدول کا ہر کالم حسب ضرورت منتخب کیا گیا۔ اکثر سوالات میں وضاحت طلب کی گئی، اگرچہ سوالات کو انکی بنیادی درجہ جیسے Poll type یا کثیر الانتخابی میں ہی شمار کیا گیا ہے۔ Open ended میں صرف وہ سوال شامل ہیں جو دوسری اقسام میں شمار نہیں ہو سکتے۔

ایڈیٹنگ (Editing)

معطیات کے حصول کے بعد تمام مصاحبہ ناموں کی ایڈیٹنگ کی گئی تاکہ یقین ہوسکے کہ تمام مصاحبہ نامے پوری طرح مکمل ہوگئے ہیں نیز ہر سوال کا جواب اسکی مخصوص جگہ پر صحیح انداز میں دیا گیا ہے، کہیں کوئی کمی تو باقی نہیں رہ گئی یا کہیں کوئی سوال چھوٹ تو نہیں گیا۔ اس میں یہ احتمال بھی ہو سکتا تھا کہ ملاقات کے دوران کچھ سوالات سہواً رہ گئے ہوں، اسکی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ۲ فیصد مصاحبہ نامے Volunteers کے ذریعے بھی پر کروائے گئے اور اس میں اکثر و بیشتر غلطی کا اندیشہ بعید از امکان نہیں ہوتا۔ لہذا انہیں بھی اچھی طرح دیکھ لیا گیا تاکہ یقین کیا جاسکے کہ ان تمام ۲۲۶ مصاحبہ ناموں کے سوالات کے مفہوم سمجھنے میں کوئی فرق تو نہیں پایا جاتا یا کوئی جواب غلط طریقے سے یا مہمل تو نہیں دیئے گئے۔ جوابات فراہم کردہ جگہ پر دیئے گئے ہیں

۱۔ بیشتر طلباء نے تمام سوالات کے مکمل جوابات دیئے اس کے باوجود جواب دہندگان کے چند مصاحبہ نامے ایسے بھی سامنے آئے کہ جنہیں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، کہ انہوں نے سوالات کے جوابات دینے میں پس وپیش سے کام لیا۔ خاص طور پر انہوں نے اپنی والدہ اور ہمشیرگان کے کوائف دینے اور خاندانی آمدنی ظاہر کرنے میں ہچکچاہٹ اور حقیقی مشترکہ آمدنی کے بارے میں لاعلمی کا اظہار کیا۔

۲۔ مصاحبہ ناموں کے پر کروانے کے لئے جب مختلف مدارس کے طلباء سے رابطہ کیا گیا تو انکی اکثریت نے مصاحبہ نامہ پر کرنے میں تامل کا اظہار کیا۔ بلکہ ہمیں مشورہ دیا کہ اس سلسلے میں انکے اساتذہ اور منتظمین سے رجوع کیا جائے۔

۳۔ انتظامیہ سے اس بارے میں اجازت لینے کے بعد بھی مصاحبہ نامہ پر کروانے کیلئے مختلف اوقات میں متعدد بار طلباء سے درخواست کرنی پڑی، جو اپنی تعلیمی مصروفیات اور امتحان کی تیاری کا عذر پیش کر کے ٹالتے رہے، اس طرح اس معاملہ میں طویل انتظار اور صبر سے کام لینا پڑا۔

۴۔ اکثر منتظمین مدارس نے گرچہ اس سلسلہ میں پوری طرح معاونت نہیں کی۔ بہر کیف کام کرنے کی دھن نے راستے پیدا کر دیئے۔

نمونہ بندی کا طریقہ کار

زیر نظر تحقیقی کام میں نمونہ بندی کیلئے جو طریقہ اختیار کیا گیا اسکے تحت اس مرحلے کو درجہ وار مکمل کیا گیا اس مقصد کیلئے کثیر المدارجی نمونہ بندی (Multi Stages Sampling) اختیار کی گئی ہیں۔

پہلا مرحلہ:

اس مرحلے میں مدارس کا انتخاب اتفاقیہ نمونہ بندی (Random Sampling) کے ذریعے کیا گیا ہے۔

دوسرا مرحلہ:

اس مرحلے میں منتخب شدہ مدارس سے طلباء کے نمونے کا انتخاب کیا گیا ہے۔ پہلے مرحلے کی تکمیل کیلئے محقق نے اسلامک ایجوکیشن ریسرچ سیل، حکومت پاکستان، وزارت تعلیم، اسلام آباد کی جاری کردہ پاکستان کے دینی مدارس کی ڈائریکٹری مطبوعہ ۱۹۸۸ء کو معیار تسلیم کرتے ہوئے اتفاقیہ نمونہ بندی (Simple Random Sampling) کے ذریعے کائنات (Universe) میں شامل دینی مدارس کا انتخاب کیا گیا، اسطرح جو مدارس منتخب ہوئے انکی تعداد ۴۴ ٹھہری۔ جنہیں آگے کے صفحات میں دیئے گئے جدول میں پیش کیا گیا ہے۔

جدول نمبر ۲

دینی مدارس کی تعداد بلحاظ درجات

نمبر شمار	درجات مدارس	تعداد مدارس	نمونہ	فیصد
۱-	تخصص	۹	۳	[illegible]
۲-	دورہ حدیث	۲۱	[illegible]	[illegible]
۳-	موقوف علیہ	۳۳	۱۱	[illegible]

مندرجہ بالا جدول کی تفصیل کے لئے ذیلی جدول ملاحظہ کیجئے۔

جدول نمبر ۳

کراچی کے دینی مدارس سے نمونے کا انتخاب

نمبر شمار	مدرسہ کا نام مع پتہ	مسلک	تعداد طلباء	نمونہ	فیصد
۱-	جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی نمبر ۵	دیوبندی	۳۰	[illegible]	۳۳٫۳
۲-	دارالعلوم کورنگی ۔ کے ایریا کراچی نمبر ۳	دیوبندی	۲۸	[illegible]	۳٫۰
۳-	جامعہ فاروقیہ ، شاہ فیصل کالونی نمبر ۴، کراچی نمبر ۲۵	دیوبندی	۱۹	[illegible]	۱۰٫۵
۴-	دارالعلوم امجدیہ ٹرسٹ عالمگیر روڈ ، اوور سیز سوسائٹی کراچی ۵	بریلوی	۴۲	[illegible]	۷٫۱
۵-	جامعہ فاروقیہ بفرزون کراچی	دیوبندی	۴۲	[illegible]	۷٫۱
۶-	دارالعلوم نعیمیہ فیڈرل بی ایریا بلاک نمبر ۱۵ کراچی	بریلوی	۵۶	[illegible]	۵٫۷۵

نمبر شمار	مدرسہ کا نام مع پتہ	مسلک	تعداد طلباء	نمبر	فیصد
۷۔	جامعہ الدراسات اسلامیہ یونیورسٹی روڈ۔ گلشن اقبال کراچی	اہلحدیث	۳۵	۱۰	۳.۴
۸۔	جامعہ حامدیہ رضویہ گلشن رضا، پاکستان پی سی ایس آئی آر۔ کراچی	بریلوی	۳۲	۱۰	۳.۴
۹۔	جامعہ ستاریہ یونیورسٹی روڈ۔ گلشن اقبال۔ کراچی	اہلحدیث	۳۶	[illegible]	۳.۵
۱۰۔	جامعہ عمادیہ شاہ فیصل کالونی نمبر ۲ کراچی ۱۵	دیوبندی	۳۲	[illegible]	۳.۵
۱۱۔	جامعہ احسن العلوم گلشن اقبال بلاک نمبر ۲ کراچی	دیوبندی	۳۰	[illegible]	۳.۱
۱۲۔	شمس العلوم جامعہ رضویہ ٹرسٹ این بلاک۔ نارتھ ناظم آباد۔ کراچی	بریلوی	۲۹	[illegible]	۳.۱
۱۳۔	دارالعلوم رحمانیہ فیصل سینٹر پولیس تھانہ پیمارکیٹ کراچی	دیوبندی	۲۸	[illegible]	۳.۱
۱۴۔	جامعہ دارالخیر للعلوم الاسلامیہ و اللغۃ العربیہ بلاک نمبر ۵ گلستان جوہر۔ کراچی	دیوبندی	۲۶	[illegible]	۳.۱
۱۵۔	جامعہ دارالحدیث رحمانیہ۔ سولجر بازار کراچی	اہلحدیث	۲۴	[illegible]	۲.۹۵
۱۶۔	جامعہ بنوریہ متصل سائٹ تھانہ۔ کراچی	دیوبندی	۲۲	[illegible]	۲.۴۱

نمبر شمار	مدرسہ کا نام مع پتہ	مسلک	تعداد طلباء	نمونہ	فیصد
١٧ـ	دار العلوم فاروق اعظم بلاک ۲ کے ناظم آباد ـ کراچی	دیو بندی	١٨	٣	٠.٠٠
١٨ـ	دار العلوم قمر الاسلام سلیمانیہ پنجاب کالونی ـ کراچی	بریلوی	١٩	٢	١.٠٩
١٩ـ	مدرسہ جعفریہ مرزا قلیچ بیگ روڈ پارسی کالونی کراچی نمبر ٣	شیعہ	١٥	٣	١.٣٢
٢٠ـ	جامعہ انوار القرآن آدم ٹاؤن ـ نارتھ کراچی	دیو بندی	٢	٣	١.٣٢
٢١ـ	مدرسہ و مسجد خیر العمل سادات کالونی ـ انچولی سوسائٹی ـ کراچی	شیعہ	٥	[illegible]	١.٠٠
٢٢ـ	جامعۃ النجف ـ رضویہ سوسائٹی ـ کراچی	شیعہ	٨	-	٠.٣٢
٢٣ـ	جامعہ امامیہ (مدرسہ الواعظین) ناظم آباد نمبر ٢ کراچی نمبر ١٨	شیعہ	٦	٢	١.٠٠
٢٤ـ	جامعہ امام حسین علیہ السلام چاندنی چوک ـ یونیورسٹی روڈ ـ کراچی	شیعہ	٤	٢	٠.٠٩
		کل	٩٠٥	٢٢٦	١٠٠.٠٠

اسطرح زیر تحقیق "آبادی" (Population) میں کراچی کے ان دینی مدارس کو شامل کیا گیا جہاں تخصص، دورہ حدیث (درجہ عالمیہ) اور موقوف علیہ جیسے اعلیٰ درجات کی تعلیم کا انتظام تھا۔ جیسا کہ یہ درجات جدول نمبر ٢ میں دیئے گئے ہیں۔

تخصص

دینی مدارس میں تخصص (Specialisation) سے مراد وہ درجہ تعلیم ہے جس میں وہ طلباء داخلہ لے سکتے ہیں جو دورہ حدیث (درجہ عالمیہ) پاس کرنے کے بعد شہادت العالمیہ کی سند وفاق (Board) سے حاصل کر لیتے ہیں۔ انہیں مزید دو / تین سال کے دورانیہ کیلئے مندرجہ ذیل شعبوں میں سے کسی ایک کے

نصاب تعلیم کی تکمیل کیلئے داخلہ دیا جاتا ہے۔

شعبہ جات تخصص

ا۔ تخصص فی الفقہ (Specialisation In Islamic Jurisprudence)

ii۔ تخصص فی دعوت والارشاد

iii۔ تخصص فی الحدیث

تخصص فی الفقہ کے شعبہ (Discipline) سے تحصیل علم کے بعد طالبعلم کو مفتی کے درجہ پر فائز کیا جاتا ہے۔ دینی مدرسہ میں قائم دارالافتاء میں بحیثیت میں بطور مفتی کام کرتے ہوئے عوام کی جانب سے معلوم کئے گئے اسلامی شرعی مسائل سے متعلق فتاوی صادر کرنے کے اہل سمجھے جاتے ہیں۔

دوسرے شعبہ "تخصص فی دعوت والارشاد" میں کامیابی کے بعد طالبعلم کو مولانا اور مبلغ اسلام کے منصب سے نوازا جاتا ہے۔ تیسرے شعبہ کے نصاب کی تکمیل کے بعد طالبعلم کو شیخ الحدیث تسلیم کیا جاتا ہے اور وہ حدیث کی اعلیٰ تعلیم دینے پر کسی دینی مدرسہ میں تعینات بھی کیا جا سکتا ہے۔

دورہ حدیث

یہ درجہ تعلیم سولہ (۹) سالہ دینی مدارس کے مروجہ درس نظامی کے نصاب کی تکمیل کا آخری سال ہوتا ہے۔ درجہ عالیہ (دورہ حدیث) مکمل کرنے اور مدارس کے کسی ایک وفاق (Board) سے امتحان پاس کرنے کے بعد طالبعلم کو شہادت العالمیہ کی سند (Degree) عطا کی جاتی ہے۔ جسے پاکستان کی متعدد سرکاری جامعات (Universities) میں ایم اے اسلامیات اور ایم اے عربی کے مساوی (Equalent) سمجھا جاتا ہے۔ خواہش مند طالبعلم اگر کسی سرکاری جامعہ کے متعلقہ دفتر میں مطلوبہ دستاویزات جمع کراوے تو اس طالبعلم کو M . A . Equalent کا سرٹیفکیٹ بھی جاری ہو سکتا ہے۔ جسکے بعد طالبعلم پاکستان کی کسی سرکاری جامعہ سے ایم فل / پی ایچ ڈی کے ڈگری پروگرام میں خود کو رجسٹرڈ کرانے کا اہل ٹھہرتا ہے۔

موقوف علیہ

موقوف علیہ دورہ حدیث کی تعلیم سے ایک سال قبل کا تعلیمی درجہ ہوتا ہے۔ اس درجہ تعلیم کے لئے بھی وفاق (Board) کا امتحان ضروری ہوتا ہے۔ اس درجہ کی کامیابی کیلئے مدرسہ کے داخلی امتحانی نظام میں شریک ہو کر بھی انکے معیار پر پورا اترنا ضروری ہوتا ہے۔ یہ تینوں تعلیمی درجات (Classes) صرف بڑے بڑے دینی مدارس میں ہوتے ہیں۔ کراچی میں ۹ مدارس ایسے ہیں جن میں تخصص (Specilisation) کی

تعلیم کے انتظامات موجود ہیں ۔ ان دینی مدارس میں تخصص کے علاوہ دوسرے درجات کی تعلیم کا بندوبست نہیں ہوتا ۔ ان کے علاوہ کراچی میں ۱۲ مدارس ایسے موجود ہیں ، جہاں ابتدائی درجات سے لیکر دورہ حدیث تک کی تعلیم کا منظم بندوبست ہے ۔ جبکہ ۲۳ مدارس کراچی میں ایسے ہیں جہاں ابتدائی درجات سے لیکر موقوف علیہ تک کے درجات کی تعلیم کا انتظام ہے ۔ ایک طالبعلم کو مدرسہ میں ان متذکرہ بالا درجات میں داخلہ لینے کیلئے ایک مقررہ وقت پر ماہ شوال میں دینی مدرسہ کے تحریری و تقریری امتحانات کے علاوہ انٹرویو کیلئے بھی حاضر ہونا پڑتا ہے ۔

کراچی کے دینی مدارس ان اعلیٰ درجات کی تعلیم کیلئے ایک خصوصی شہرت کے حامل ہیں ۔ پاکستان بھر سے شائق طلباء ابتدائی تعلیمی درجات اپنے آبائی علاقوں میں مکمل کرنے کے بعد کراچی کے مدارس میں داخلہ لیتے ہیں ۔ چونکہ مندرجہ بالا درجات دینی تعلیم کے اعلیٰ ترین درجات ہیں ، لہٰذا انکی کامیاب تکمیل طالبعلم کو اس قابل بنادیتی ہے کہ وہ اسلام کے فلسفہ تعلیم کو بخوبی سمجھنے لگتا ہے ۔ دینی علوم و مروجہ ابتدائی معاشرتی علوم بھی انکی دسترس میں آجاتے ہیں نیز انہیں اس دوران بطور خاص عربی اور فارسی زبان ، تاریخ اسلام ، قرآن حکیم ، حدیث ، ادب ، لغت اور منطق وغیرہ کی تعلیم و مطالعہ کا موقع ملتا ہے ۔

زیر نظر تحقیق کیلئے مذکورہ درجات کے طلباء کے انتخاب کیوجہ یہ تھی کہ یہ طلباء اپنے اپنے درجوں میں تعلیم مکمل کرنے والے ہیں ۔ اس لئے امید کی جاتی ہے کہ اب انکے ذہن بھی تعلیمات اسلامی کے تصورات واضح ہوجانے سے ان میں بالغ نظری بھی پیدا ہو گئی ہوگی ۔ لہٰذا یہ بہتر انداز میں اسلامی اصولوں کے مطابق زندگی گزار کے اصول و ضوابط بن چکے ہیں بلکہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں وہ دوسروں کی رہنمائی کے قابل ہوگئے ہیں ۔

تیسرا مرحلہ

اس تیسرے مرحلہ میں منتخب شدہ مدارس سے مطلوبہ نمونے کیلئے ۲۲۶ طلباء کا چناؤ کیا گیا ۔ اس سلسلہ میں طلباء کے ذہنی رجحان ، علمی استعداد اور جوابات دینے کی صلاحیت کا خیال رکھنا ضروری تھا ۔ لہٰذا منتخب شدہ مدارس کے اساتذہ اور انتظامیہ کے تعاون سے مطلوبہ طلباء کا انتخاب ان مدارس میں موجود طلباء کے حاضری کے رجسٹرز سے اتفاقیہ نمونہ بندی (Random Sampling) کے ذریعے کیا گیا ہے ۔ جسکی تفصیل جدول نمبر ۔ میں دی گئی ہے ۔

تجربات و مشاہدات اور مشکلات

دینی مدارس کے طلباء کی اکثریت کو ہمارا مصاحبہ نامہ ایک نئی چیز لگی ، کیونکہ یہ طلباء اس سے قبل ایسے

تجربے سے گزرے ہوئے یا اس سے واقف معلوم نہیں ہوئے ۔یہی وجہ ہے کہ اس مصاحبہ نامہ کو پر کرنے سے پہلے زیادہ وقت اس مجوزہ علمی تحقیق کے بارے میں سوالات اور گفتگو میں صرف کیا کہ یہ مصاحبہ نامہ ان طلباء ہی سے کیوں پر کروایا جارہا ہے نیز اس کے پر کروانے کے اصل مقاصد کیا ہیں ۔ جوابدہندہ کو اس سے کیا فائدہ پہنچے گا ۔ انہیں کیسے علم ہوگا کہ اس تحقیق کے کیا نتائج نکلے ۔ زیادہ تر طلباء نے بات سمجھنے اور مطمئن ہوجانے کے بعد اس مصاحبہ کو پر کرنا شروع کردیا ۔ اس دوران بھی انہوں نے اپنے ذہن میں اٹھنے والے متعدد سوالات بارہا کئے اور مصاحبہ نامہ کے طویل ہونے کا تذکرہ بھی کیا ، کچھ طلباء نے سوالات کرنے اور انکے اطمینان بخش جوابات حاصل کرنے میں خاص دلچسپی لی ۔ بعض طلباء ایسے بھی تھے جنہوں نے اس سلسلے میں باتیں کم کیں ، خاموشی سے سوالات پڑھنے کے بعد خود ہی اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق جوابات تحریر کئے ۔

طریقہ برائے تجزیہ معطیات

۔ زیر نظر تحقیقاتی مطالعہ میں ۲۲۹ جوابدہندگان کے مقررہ ہدف سے حاصل شدہ معطیات کے تجزیہ کیلئے کیفی (Qualitative) اور مقداری (Quantitive) دونوں طریقے اختیار کئے گئے ، کیونکہ یہی دو طریقے زیر مطالعہ حالات کی نوعیت کو اجاگر کرنے میں موزوں رہتے ہیں ۔ سہولت کی خاطر ان تمام مصاحبہ ناموں کو نمبر دیئے گئے اور حاصل شدہ معطیات کی تعداد کو فیصد کے لحاظ سے سادہ جدول میں پیش کیا گیا ، جس میں مختلف عنوانات کے تحت حاصل ہونے والے جوابات کی تعددی تقسیم (Frequency Distribution) اور اسکی فیصد درج کی گئی تاکہ نتائج اخذ کرنے اور انکے تقابل میں آسانی ہو ۔

۲ ۔ جن سوالات کی نوعیت پیچیدہ تھی یا جن معطیات کو سادہ جدول میں پیش کرنا مشکل تھا انکے لئے مزید ذیلی موضوعات کے تحت سادہ جدول بنائے گئے ۔

۳ ۔ حاصل کئے گئے جوابات کی زیادہ تر نوعیت کیفی (Qualitative) تھی ۔ اس لئے اس کے تجزیہ کیلئے عنوان بندی (Catagorization) اور (ContentanTalysis) کا طریقہ اختیار کرنا مناسب سمجھا گیا ۔

۴ ۔ مفروضات کی جانچ کیلئے کائی اسکوئر (Chi Square) کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے کیونکہ سماجی و عمرانی نوعیت کی تحقیق میں موجودہ نمونے کی تعداد کے اعتبار سے کائی اسکوائر کا اطلاق ہی مناسب پایا گیا ۔ جسکے فارمولا مندرجہ ذیل ہے ۔

مشاہداتی تعدد = Fo

Leved of Significance = P

متوقع تعدد = Fe

ا

فہرست مدارس ، و جواب دہندگان مدرسین و منتظمین

نمبر شمار	مدارس	مدرس ، منتظم
۱ـ	الم اکیڈمی ـ کراچی	۱ـ عتیق احمد (مولانا)
۲ـ	دارالعلوم ارکان آباد ـ کراچی	۱ـ محمد اسمٰعیل ارکانی (مولانا)
۳ـ	دارالعلوم جامعہ خضراء ـ کراچی	۱ـ محمد حبیب (حافظ)
۴ـ	جامعہ محمدیہ ـ کراچی	۱ـ ارشد عبداللہ (حافظ)
۵ـ	جامعہ بنوریہ ، سائٹ ایریا ـ کراچی	۱ـ محمد اسلم شیخوپوری (مولانا)
	ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ	۲ـ سعید اللہ شاہ جہانگری (مولانا)
	ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ	۳ـ محمد یار ربانی (مولانا)
	ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ	۴ـ سیف اللہ ربانی (مولانا)
	ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ	رعایت اللہ فاروقی (مولانا)
۶ـ	جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی	۱ـ سعید احمد جلال پوری (مولانا)
	ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ	۲ـ حسین احمد نجیب (مولانا)
	ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ	۳ـ نظام الدین شامزی (مفتی)
	ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ	۴ـ محمد ذیب (مولانا)
	ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ	۵ـ فضل محمد (مولانا)
	ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ	۶ـ محمد عبدالحلیم چشتی (مولانا)
۷ـ	معارف العلوم پاپوش نگر ـ کراچی	۱ـ محمد اعجاز (مولانا)
	ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ	۲ـ محمد نعیم (مولانا)
	ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ	۳ـ ناصر الدین (مولانا)
	ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ	۴ـ عبدالحمید (مولانا)
۸ـ	دارالعلوم قادریہ ـ کراچی	۱ـ غلام قادر فریدی (مولانا)
۹ـ	جامعہ غوثیہ رضویہ ـ کراچی	۱ـ محمد ادریس (قاری)
	ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ	۲ـ ظفر احمد چشتی (مولانا)

	— — — — — — —	[illegible]
۱۲۔	جامعہ حنفیہ ۔ کراچی	۱۔ بشیر احمد اشرفی (مولانا)
	— — — — — — —	۲۔ ابو الفضل غلام علی (مولانا)
	— — — — — — —	۳۔ غلام محمد (مولانا)
۱۳۔	جامعۃ العلوم الاسلامیہ حمادیہ ۔ کراچی	۱۔ کمال الدین المسترشد (مولانا)
	— — — — — — —	۲۔ کلیم اللہ (مولانا)
	— — — — — — —	۳۔ صدیق احمد (مولانا)
	— — — — — — —	۴۔ قاسم عبداللہ (مولانا)
۱۴۔	جامعہ مجددیہ ۔ کراچی	۱۔ محمد زبیر (مولانا)
۱۵۔	دارالعلوم امجدیہ ۔ کراچی	۱۔ محمد اسمعیل (مولانا)
۱۶۔	جامعہ فاروق اعظم ۔ کراچی	۱۔ صاحب الدین جیوی (مولانا)
	— — — — — — —	۲۔ محمد بلال الدین حیدری (مولانا)
۱۷۔	مدرسہ الواعظین ۔ کراچی	۱۔ سراج الحسن اجتہادی (علامہ)
۱۸۔	اشرف المدارس ۔ کراچی	۱۔ محمد یوسف (مولانا)
۱۹۔	جامعہ ستاریہ ۔ کراچی	۱۔ محمد سلفی ابن ستار (مولانا)
۲۰۔	جامعہ مدنیہ ۔ کراچی	۱۔ فضل الرحمن (مولانا)
۲۱۔	جامعہ اسلامیہ ۔ کراچی	۱۔ شاہد اقبال ظہیر (مولانا)
۲۲۔	جامعہ کراچی ۔ کراچی	۱۔ محی الدین (پروفیسر)
	— — — — — — —	۲۔ محمد صدیق (پروفیسر)
۲۳۔	جامعہ دارالعلوم کورنگی ۔ کراچی	۱۔ اصغر علی ربانی (مفتی)
	— — — — — — —	۲۔ محمد اقبال جاوید (ڈاکٹر)
	— — — — — — —	۳۔ عبیداللہ (مولانا)
	— — — — — — —	۴۔ محمد طارق (مولانا)

	جامعہ دارالعلوم کورنگی ۔ کراچی	۵ ۔ محمد اظہر عالم (مولانا)
	۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۶ ۔ عزیز الرحمن (مولانا)
	۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۷ ۔ شمس الابرار (مولانا)
۲۴ ۔	جامعہ انوار القرآن ۔ کراچی	۱ ۔ عطاء الرحمن (مولانا)
	۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۲ ۔ منظور احمد (حافظ)
۲۵ ۔	جامعہ الحبیب ۔ کراچی	۱ ۔ برکت علی (حافظ)
۲۶ ۔	مدرسہ ضیاء الاسلام ۔ کراچی	۲ ۔ جعفر علی (مولانا)
۲۷ ۔	مدرسہ عربیہ تعلیم الاسلام ۔ کراچی	۱ ۔ محمد اختر ندیم (مولانا)
۲۸ ۔	معارف القرآن ۔ کراچی	۱ ۔ سید محمد مسعود شاہ قادری (مولانا)
۲۹ ۔	اقراء روضۃ الاطفال ۔ کراچی	۱ ۔ محمد جمیل خان (مفتی)
۳۰ ۔	شمس العلوم جامعہ رضویہ ۔ کراچی	ابو المظفر غلام محمد سیالوی (مولانا)
۳۱ ۔	جامعہ عثمانیہ ۔ کراچی	۱ ۔ عطاء اللہ (قاری)
	۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۲ ۔ ظہور احمد (مولانا)
۳۲ ۔	جامعہ اسلامیہ معارف القرآن ۔ کراچی	محمد ریاض سعید (مولانا)
	۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۲ ۔ فضیل الرحمن (مولانا)
	۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۲ ۔ اللہ بخش اویسی (مولانا)
	۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۳ ۔ محمود خان (مولانا)
	۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۵ ۔ سید محمد مسعود (مولانا)
۳۳ ۔	جامعہ فاروقیہ شاہ فیصل ۔ کراچی	۱ ۔ اسعد اللہ (مولانا)
	۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۲ ۔ محمد انور ہزاروی (مولانا)
	۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۳ ۔ مسعود باللہ عباسی (مولانا)
	۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۴ ۔ محمد عظیم (مولانا)
	۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۵ ۔ محمد عادل (ڈاکٹر مولانا)
	۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۶ ۔ نور البشر (مولانا)
	۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۷ ۔ محمد مدثر (مولانا)

		ـ	ـ	ـ	ـ	ـ	ـ	ـ	
									٨ـ محمد فہیم سواتی (مولانا)
		ـ	ـ	ـ	ـ	ـ	ـ	ـ	٩ـ زر محمد صدیقی (مولانا)
		ـ	ـ	ـ	ـ	ـ	ـ	ـ	١٠ـ عبداللہ خالد (مولانا)
		ـ	ـ	ـ	ـ	ـ	ـ	ـ	١١ـ عبدالشکور (مولانا)
		ـ	ـ	ـ	ـ	ـ	ـ	ـ	١٢ـ عطاء اللہ (مفتی)
		ـ	ـ	ـ	ـ	ـ	ـ	ـ	١٣ـ شبیر احمد کشمیری (مولانا)
		ـ	ـ	ـ	ـ	ـ	ـ	ـ	١٤ـ ولی خان المظفر (مولانا)
		ـ	ـ	ـ	ـ	ـ	ـ	ـ	١٥ـ محمد امین (مولانا)
		ـ	ـ	ـ	ـ	ـ	ـ	ـ	١٦ـ رشید احمد درانی (مولانا)
		ـ	ـ	ـ	ـ	ـ	ـ	ـ	١٧ـ حمید الرحمن (مولانا)
		ـ	ـ	ـ	ـ	ـ	ـ	ـ	١٨ـ عنایت اللہ (مولانا)
		ـ	ـ	ـ	ـ	ـ	ـ	ـ	١٩ـ شیر علی خان (مفتی)
		ـ	ـ	ـ	ـ	ـ	ـ	ـ	٢٠ـ عبدالحق خٹک (مولانا)
٣٤ـ	دارالعلوم نعیمیہ ـ کراچی								١ـ منیب الرحمن (مولانا)
٣٥ـ	مدرسہ گلزار حبیب ـ کراچی								محمد رفیق الحسنی (مفتی)
٣٦ـ	جامعہ دراسات اسلامیہ ـ کراچی								عبدالکافی (مولانا)
٣٧ـ	جامعہ انوار القرآن ـ کراچی								١ـ حسن حقانی (مولانا)
		ـ	ـ	ـ	ـ	ـ	ـ	ـ	٢ـ مقصود امجدی (مولانا)
٣٨ـ	جامعہ ابی بکر ـ کراچی								١ـ محمد ظفر اللہ (پروفیسر)
		ـ	ـ	ـ	ـ	ـ	ـ	ـ	٢ـ ابو بکر خلیل (مولانا)
		ـ	ـ	ـ	ـ	ـ	ـ	ـ	٣ـ نذیر احمد (مولانا)
٣٩ـ	الجامعہ العربیہ احسن العلوم ـ کراچی								١ـ زرولی (مولانا)
٤٠ـ	جامعہ دارالخیر ـ کراچی								١ـ محمد عثمان یار خان (مولانا)

باب دوم: تعلیم و تعلم کی اہمیت و فضیلت اور فروغ علم میں اسلام کا کردار

فصل اول: فروغ علم قبل از اسلام اور اس کے بعد

- طلوع اسلام سے قبل فروغ علم
- طلوع اسلام کے بعد فروغ علم
- اسلام نے علوم جدیدہ کو عام کیا
- فرانسیسی محقق کی رائے
- ایچ جی ویلز کی رائے

فصل دوم: علم اور اہل علم کی فضیلت و اہمیت

- تعلیم و تعلم کی تعریف
- عالم کی تعریف، فضائل اور فرائض
- علمائے دین کی اقسام

فصل سوم: علوم کی تقسیم

- امام غزالی کی نظر میں علوم کی تقسیم
- مولانا اشرف علی تھانوی کی نظر میں علوم کی تقسیم
- علم فرض عین
- علم فرض کفایہ
- سب کا عالم دین بننا ضروری نہیں
- اسلام حصول علم میں تقسیم کا قائل نہیں

فصل چہارم: مسلمان خواتین کا تعلیم و تعلم میں حصہ

- اسلام سے پہلے خواتین کی تعلیم
- اسلام میں خواتین کی تعلیم
- خواتین کے پسندیدہ علوم
- ادب
- حواشی و حوالہ جات باب دوم

باب دوم: تعلیم و تعلم کی اہمیت و فضیلت اور فروغ علم میں اسلام کا کردار

فصل اول: فروغ علم قبل از اسلام اور اس کے بعد

طلوع اسلام سے قبل فروغ علم

طلوع اسلام سے قبل چین، ہندوستان، مصر، بابل، اشوریا، یونان اور روما، علم کے مراکز مانے جاتے تھے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ یونان کے علاوہ باقی تمام ممالک کے علوم کو علوم کہنا ہی ایک معنیٰ میں علم سے نا انصافی ہے کیونکہ بابل، اشوریا، اور مصر کے علوم، زیادہ تر خرافات و توہمات اور سحر کا مجموعہ تھے۔ اس کے علاوہ چین اور ہندوستان بھی سحر و طلسم کی فضا میں سانس لے رہے تھے، البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ چین نے اخلاقیات میں اور ہندوستان نے الٰہیات، ہیئت اور طب میں کچھ قدم آگے بڑھائے تھے۔ روما کا رشتہ علم سے برائے نام اور صرف یونان کے علم سے رہا۔ کیونکہ رومن قوم کا مزاج علمی نہ تھا۔ یہ مادہ پرست قوم تھی اس لئے ملک گیری، شہنشاہی، سلب و نہب اور قوموں کو غلام بنانا ان کا محبوب مشغلہ تھا۔

یونان میں بلاشبہ بلند پایہ علماء و فلاسفہ پیدا ہوئے، انہوں نے انسانی ذہن و دماغ کے لئے نہایت قیمتی مواد بہم پہنچایا۔ دراصل یونان، تمام پیش رو متمدن ملکوں کے علوم کا لائق وارث تھا، اسی لئے بابل اور اشوریا کے علوم اسی کو منتقل ہوگئے، چنانچہ قدیم علمی دنیا میں یونان آفتاب بن کر چمکا، حتیٰ کہ مسلمانوں کے عقلی علوم کا سرچشمہ بھی یونان ہی بنا، لیکن یونان میں بھی علم کا دائرہ مدتوں چند افراد تک محدود رہا، جب وسعت پیدا ہوئی، تو علم کی جگہ ایک قسم کی ذہنی عیاشی نے لے لی۔(۱)

طلوع اسلام کے بعد فروغ علم

اسلام نے دنیا میں قدم رکھتے ہی جو پہلا اعلان کیا، وہ محض علم کی برتری و ضرورت کا اعلان تھا، جو ہر لحاظ سے برحق و درست تھا، اس لئے کہ علم نہ ہو تو، تو دین کا کوئی معاملہ کما حقہ استوار ہو سکتا ہے اور نہ دنیا کا، اسلئے اسلام نے ظاہر ہوتے ہی نہایت پرزور انداز میں اعلان کیا کہ علم کو سینہ بہ سینہ، زبانوں سے زبانوں میں کانا پھوسی اور سرگوشیوں، اسرار و رموز، جھنتروں اور ٹونوں ٹوٹکوں میں نہیں، بلکہ کھلے خزانے اور ڈنکے کی چوٹ پر برملا ہونا چاہیئے، تاکہ اس کی تحصیل ہر آدمی کے امکان میں اور سب کے لئے مباح ہو، پڑھنا پڑھانا، ہر انسان کا مسلم حق ہو، امیر، غریب، برہمن اور شودر میں کوئی تفریق نہ رہے۔ اسرائیلی، غیر اسرائیلی، عربی، عجمی، یوپ اور بھاشا سب ہی کو علم کے حصول کے یکساں مواقع میسر ہوں۔

اسلام کے پہلے اعلان کا سب سے پہلا لفظ، جو دنیا نے سنا، بظاہر کیسی حیرت انگیز بات ہے کہ وہ

"اقراء" تھا۔ حالانکہ اس خداوندی بول کے اولین مخاطب، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امی، محض تھے۔ ایک ان پڑھ سے پڑھنے کا مطالبہ بے معنی معلوم ہوتا ہے، لیکن نہیں، یہ مطالبہ اس لئے ہوا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ وحی الہی دنیا بھر کے انسانوں کے رشد و ہدایت کے لئے آرہی ہے، جو کتاب ہوگی، یعنی لکھی جائے گی "قرآن" ہوگی، یعنی پڑھی جائے گی۔ ایسی کوئی بات نہ ہوگی، جو صرف زبانوں سے کہی اور کانوں سے سنی جائے۔(۲) "اقراء" کا مطالبہ فی الحقیقت اس لئے ہوا کہ تحریر و کتابت کی ضرورت و اہمیت، دنیا پر روشن ہو جائے اور علم کو سینوں سے نکال کر کتابوں کی امانت میں دینے کی راہ کھلے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے "اقراء باسم ربک الذی خلق ۞ خلق الانسان من علق ۞ اقراء و ربک الاکرم ۞ الذی علم بالقلم ۞ الانسان مالم یعلم ۞" (۳) یہ اسلام کا اولین اعلان ہے، جو انسانی تاریخ کا سب سے بڑا واقعہ ہے نہ صرف مسلمانوں بلکہ تمام انسانوں کے لئے لائق افتخار ہے۔ مندرجہ بالا آیات کے تحت اسلام میں تعلیم کو بڑی اہمیت حاصل ہو گئی۔ نیز ان آیات میں قرآت، علم و تعلیم اور قلم و کتاب کا ذکر بھی موجود ہے۔ جس سے علم کی فضیلت واضح ہوتی ہے۔ کیوں کہ دین کی تعلیم و تبلیغ اہم ترین فرائض میں سے ہے۔ اسلئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہو سب سے پہلے معلم و مبلغ تھے۔ آیات قرآنی کی تلاوت، تزکیہ، تعلیم اور کتاب و حکمت آپ کے فرائض نبوت میں سے تھے۔ ارشاد خداوندی ہے۔ یتلوا علیہم آیاتہ و یزکیہم و یعلمہم الکتاب والحکمۃ ۞ (۴) کہ اسلام اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ اور آخری دین ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے آخری پیغمبر ہیں، اب نہ کسی دین کا نزول ہوگا اور نہ کوئی نبی مبعوث ہوگا، تکمیل دین اور ختم نبوت کے بعد اسلام کی تعلیم و تبلیغ کا فریضہ بحیثیت مجموعی امت مسلمہ انجام دیتی رہے گی، البتہ اس فریضہ کی انجام دہی علماء امت پر بطور خاص عائد ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ فلو لا نفر من کل فرقۃ منہم طائفۃ لیتفقہوا فی الدین ۞ (۵) کہ علمائے دین کے تعلیم و تعلم میں انہماک اور شب و روز اس فریضہ کی انجام دہی میں مصروفیت کے سبب اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرماتے ہیں۔

یرفع اللہ الذین آمنو منکم والذین اوتوا العلم درجات ۞ (۶)

خلفاء راشدین اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین دین اسلام کی تعلیم و تبلیغ کے لئے وقف تھے، بعد کے ادوار میں خلفاء و سلاطین نے بھی فروغ تعلیم کو مذہبی فریضہ سمجھتے ہوئے عظیم الشان درس گاہیں تعمیر کروا کر ان کے انتظام و انصرام کے لئے اوقاف و معافیات کا نظام قائم کیا۔ اسلامی نظام تعلیم کا یہ نمایاں وصف رہا ہے کہ تعلیم ابتداء سے انتہاء تک بالکل مفت دی جاتی رہی ہے، بلکہ طلباء کو رہائش، خوراک اور کتب وغیرہ کی تمام سہولتیں بھی مفت فراہم کی جاتی رہی ہیں۔

برصغیر پاک و ہند میں بھی مسلمان سلاطین نے اعلیٰ درجہ کی تدریسی عمارات تعمیر کروائیں اور اساتذہ و طلباء کو تعلیم و تعلم کی تمام سہولتیں مفت فراہم کیں، لیکن سلاطین ہند کے قائم کردہ نظام تعلیم کو برطانوی سامراج نے تہہ و بالا کر دیا، جس کے بعد علماء اسلام کی ذاتی کوششوں سے دینی مدارس قائم ہوئے۔ ہمارے ملک کے دینی مدارس بھی علماء کی ذاتی مساعی کا نتیجہ ہیں۔ بلاشبہ پاکستان کے دینی مدارس نے دین اسلام،

مسلمانان پاکستان اور امت مسلمہ کی عظیم الشان تعلیمی خدمات سرانجام دی ہیں ۔ (۷)

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا کہ اسلام کا تعلیم و تعلم کے بارے میں یہ اعلان ، منطقی ترتیب کے لحاظ سے بھی بہت عجیب ہے ، کہ انسان ایک وجود ہے ، یعنی پہلے موجود نہ تھا پھر موجود ہوا ، اسی لئے سب سے پہلے نعمت تخلیق کا ذکر کیا گیا ، لیکن نعمت تخلیق ، عظیم ہونے پر بھی تنہا انسان کا حصہ نہیں ، بلکہ تمام مخلوقات اس نعمت میں انسان کی شریک و سہیم ہیں ۔ پھر وہ کون سی نعمت ہے ، جس سے صرف انسان سرفراز ہوا ہے اور جس میں کسی مخلوق کی شرکت نہیں وہ نعمت بلاشبہ علم ہے ۔ علم ہی وہ نعمت عظمیٰ ہے ، جو صرف انسان کو بخشی گئی ہے لیکن کون سا علم ؟ خرافات ، توہمات ، اساطیر نہیں ، جن پر جہل کی انگلیوں نے علم کی چھاپ لگادی ہے ۔ وہ علم بھی نہیں ، جس کے مدعی کاہن و ساحر و احبار و رہبان ، پروہت اور پادری ، عامل اور سیانے رہے ہیں ، کیونکہ جس چیز کا نام انہوں نے علم رکھا ہے ، علم نہیں ہے کچھ رموز ، اسرار ، دغیر مفہوم الفاظ ، ٹونے ٹوٹکے ، جنتر منتر اور نہ سمجھ میں آنے والی بولیاں ہیں ، چھپی چھپی ڈھکی ڈھکی باتیں ہیں ، جو نہ سب کے سامنے کہی جاتی ہیں ، نہ سب کو بتائی سکھائی جاتی ہیں ان کی " بڑائی " اور ان کا " اثر " بس اسی میں ہے کہ سینوں میں بند رہیں اور سرگوشیوں میں آگے بڑھیں ۔

اسلام نے دنیا میں قدم رکھتے ہی ببانگ دہل اعلان کر دیا کہ یہ " علم " وہ علم نہیں ہے ، جو انسان پر اللہ تعالیٰ کی منت کبریٰ و نعمت عظمیٰ ہے ، بلکہ علم وہی ہے ، جو راز نہیں بنتا ، بلکہ قلم و کتابت سے ثبت و مدون ہوتا ہے ۔ اور جسے ہر آدمی جب چاہے حاصل کر کے پرکھ سکتا ہے ۔ وہ چیز علم کیونکر ہو سکتی ہے جو ظاہر ہونے ، روشنی میں آنے اور لکھی ، پڑھی ، پرکھی جانے سے بچتی ، بدکتی اور ڈرتی ہے ۔ یقیناً یہ چیز ، علم نہیں ہو سکتی ۔ علم کے نام سے جہل اور مکر و دجل ہو سکتی ہے ۔ اسلام نے اسی علم کو انسان پر خدا کا سب سے بڑا احسان بتایا ہے ، جو تحریر میں آنے سے گریز نہیں کرتا ، جسے لکھ کر تمام دنیا کے سامنے سورج کی روشنی میں رکھا جاسکتا ہے اور جو زبان حال سے چیلنج کرتا ہے کہ آؤ اور مجھے پرکھو ، دیکھو ، میں کندن ہوں یا ملمع کیا ہوا پیتل ۔

قرآن حکیم نے یہی نہیں کیا کہ حقیقی علم کو مصنوعی و فرضی علم سے الگ کر دیا ، بلکہ نعمت علم کو ، نعمت تخلیق سے کہیں زیادہ برتر و افضل دکھایا ہے ۔ ارشاد ہوتا ہے " اقراء باسم ربک الذی خلق O خلق الانسان من علق " O (۸) نعمت تخلیق عام ہے ، جس میں انسان اور تمام مخلوقات برابر کے شریک ہیں ، اس لئے اس نعمت کو محض " رب " کی طرف منسوب کیا ، لیکن اس کے بعد ہی کلمہ خطاب کو دہرا کر فرمایا " اقرء اوربک الاکرم O الذی علم بالقلم O علم الانسان مالم یعلم O " (۹) اس مکرر " اقراء " میں نعمت علم کو نہ " رب " کی طرف منسوب کیا ، نہ " رب کریم " کی طرف بلکہ " رب اکرم " سے اسے نسبت دی تاکہ معلوم ہو جائے کہ علم کی نعمت ، وہ نعمت ہے ، جو از حد کرم والے پروردگار کا کرم ہے ۔

اسلام نے علوم جدیدہ کو عام کیا

مسلمانوں کے زوال کے بعد اہل یورپ نے ان کی دریافتوں اور تحقیقات کو اپنی زبان میں ترجمہ کیا اور

ان کی جامعات انہی عربی کتابوں کے تراجم پر زندہ رہیں ، یہ عرب ہی ہیں جنہوں نے یورپ کو علم ، اخلاق اور تہذیب کی راہیں دکھائیں ، نظری علوم میں انہماک کے ساتھ عربوں نے ان علوم سے صنعت و حرفت میں بھی پورا کام لیا ۔ ان کے علوم نے صنعتوں کو درجہ کمال تک پہنچا دیا ، ہم ان کے اکثر طریقوں سے واقف نہیں ہیں ، لیکن ان طریقوں کے نتیجے ہمارے سامنے ہیں ، مثلاً ہم جانتے ہیں کہ وہ کانیں کھودتے اور ان سے گندھک ، تانبہ ، لوہا ، چاندی اور سونا نکالا کرتے تھے ۔ صباغی کے فن میں انہیں حیرت انگیز مہارت حاصل تھی ۔ فولاد کے بنانے میں انہوں نے اور زیادہ کمال حاصل کیا تھا ۔ اس کمال کا بہترین زندہ ثبوت ، صفائح طلیطلہ ہیں ۔ پھر کپڑا بننے ، ہتھیار بنانے ، کھال کی دباغت کرنے اور کاغذ بنانے میں ان کی شہرت ، دنیا بھر میں عام تھی ۔ غرض انہوں نے بہت سی صنعتوں میں ایسا کمال حاصل کیا تھا ، جس کی مثال آج بھی نہیں ملتی ، اس لئے کہنا پڑتا ہے کہ عرب تہذیب ، بلاشبہ تاریخ انسانی کا محیرالعقول معجزہ ہے ۔"

فرانسیسی محقق کی رائے

فرانسیسی محقق ، ہنری دی شامیوں تحریر کرتے ہیں کہ " چارلس مارٹل کی فیصلہ کن فتح ، فرانس میں عرب جیش قدمی ہمیشہ کے لئے روک نہ دیتی ، تو فرانس ، عہد تاریک کی وحشیانہ بربادیوں اور ہولناک مذہبی خونریزیوں سے ضرور بچ جاتا ۔ اس فتح نے فرانس ہی کو تباہیوں کے حوالے نہیں کیا بلکہ محاکم احتساب کی صورت میں اسپین کی پیشانی پر بھی کلنک کا ٹیکہ لگا دیا ، اور دنیا کی تہذیب پورے آٹھ سو سال پیچھے رہ گئی ۔ اس وقت ہمارے پاس جو کچھ بھی متاع ہے ، ہماری تہذیب ، ہمارے علوم ، ہماری صنعتیں ، اس سب میں ہم براہ راست عربوں ہی کے احسان مند ہیں ۔ عرب آٹھ سو سال تک ، کمال انسانی کا شاندار نمونہ رہے ہیں ۔ یہ اس زمانے کی بات ہے ، جب ہم جہل و وحشت کا بد ترین نمونہ تھے " ۔ (۴)

ایچ۔ جی۔ ولز کی رائے

ایچ۔ جی۔ ولز اپنی شہرہ آفاق تاریخ میں تحریر کرتے ہیں " اسلامی تمدن ، مغربی تمدن کا پیش رو ہے ۔ بصرہ ، کوفہ ، بغداد ، قاہرہ اور قرطبہ کی جامعات ، علم و حکمت کے مراکز تھیں اور تمام جہاں میں نور پھیلا رہی تھیں ۔ یورپ میں عربی فلسفہ ، اسپین کی راہ سے داخل ہو کر پیرس ، آکسفورڈ اور شمالی اٹلی کی جامعات پر چھا گیا ۔ اس عربی فلسفے نے ، جس میں ابن رشد کو خاص خصوصیت حاصل ہے ، یورپین ذہن کی کایا پلٹ دی ۔ طب میں مسلمانوں نے جو ترقی کی ، یونان اس کے پاسنگ کو بھی نہیں پہنچا ۔ مسلمانوں کا طریقہ علاج ترقی یافتہ تھا ان میں سے کئی علاج معالجے کے طریقے ابھی تک اسی طرح رائج ہیں ۔ مثلاً عمل جراحت میں عرب بھی کلورو فارم سے کام لیتے تھے ۔ لیکن اس کے مقابلے میں ہمارا مسیحی کلیسا ، طب کو حرام قرار دے رہا تھا اور جھاڑ پھونک ہی کو ذریعۂ شفا سمجھتا تھا " ۔ (۱)

غیر مسلم اہل علم کے قلم سے مسلمانوں کی علمی سرگرمیوں کی یہ ایک ہلکی سی جھلک ہے، اس سے بھی ہر آدمی با آسانی سمجھ سکتا ہے کہ علم سے مسلمانوں کا شغف کس قدر سچا اور ہمہ گیر تھا، لیکن اس شغف پر جو بظاہر نہایت عجیب اور قدیم دنیا میں بیمثال ہے۔ کسی ایسے شخص کو تعجب نہیں ہو سکتا، جو اسلام سے واقفیت رکھتا ہے۔ مسلمانوں میں علم سے جو بے اندازہ محبت پیدا ہوئی، اس کا سبب صرف اسلام ہے، کیونکہ دوسرے تمام ادیان کے برخلاف، اسلام علم و عمل، تفکر و تدبر کا دین ہے۔ اسلام کی اپیل ہمیشہ "اولی الالباب" سے رہی ہے۔ اسلام نے طلب علم ہر مسلمان، مرد و عورت پر واجب کر دی ہے کیونکہ اسلام میں جہل سے زیادہ مذموم کچھ نہیں۔

فصل دوم: علم اور اہل علم کی فضیلت و اہمیت

تعلیم و تعلم کی تعریف

اسلامی انسائیکلوپیڈیا کے مصنف اس ضمن میں لکھتے ہیں کہ کسی کو کچھ بتانا، پڑھانا، سکھانا، تعلیم کے وسیع تر مفہوم میں شامل ہے۔ دوسرے الفاظ میں تعلیم میں وہ تمام معلومات و تجربات شامل ہیں، جو گود سے لیکر قبر تک ہر فرد باضابطہ خود حاصل کرتا ہے یا اسے حاصل کرائے جاتے ہیں۔ ماہرین تعلیم کے نزدیک اپنے تجربے کو دوسروں تک بعینہٖ منتقل کرنا تعلیم کہلاتا ہے۔ مہذب انسان کے لئے تعلیم ہمیشہ سے ایک اہم ترین ضرورت رہی ہے۔ افلاطون کے نزدیک "تعلیم کا مقصد افراد کی قدرتی صلاحیتوں کو دریافت کر کے ان کو نشو و نما دینا ہے" تاکہ ہر فرد کو اس کی فطری صلاحیتوں کے مطابق کام دیا جاسکے۔

ارسطو کے نظریہ کے تحت "انسان روح اور جسم کا مجموعہ ہے، جبکہ روح دو طرح کی ہوتی ہے، یعنی روح فعالی اور انفعالی۔ تعلیم وہ ہے جو روح فعالی اور روح انفعالی کی تربیت کر سکے۔ روح فعالی کی تربیت کے لئے سائنس اور فلسفہ جبکہ روح انفعالی کے لئے موسیقی، ادب اور اخلاق کی تعلیم دی جائے"۔ وہ مملکت کی اصلاح اور استحکام کے لئے بھی تعلیم کو ضروری سمجھتے ہیں۔

بقول ملٹن "تعلیم وہ عمل ہے جو کسی فرد کو زمانہ امن و جنگ میں انفرادی و اجتماعی فرائض کو منصفانہ طور پر اور ہنر مندی سے انجام دینے کے قابل بنائے"۔

جان ڈیوی نے تعلیم کی تعریف اس طرح سے کی ہے "یہ تجربے کی مسلسل تعمیر نو کا نام ہے، جس سے تجربے کے معنی وسیع ہو جاتے ہیں اور جس کے طفیل بعد میں پیش آنے والے تجربات کی صلاحیت بڑھ جاتی ہے"۔

جان اسٹورٹ کے نزدیک "تعلیم وہ معاشرتی عمل ہے، جس کے ذریعے کوئی نسل اپنے بعد آنے والوں کو موجودہ ثقافت منتقل کرتی ہے، تاکہ وہ نہ صرف حاصل کردہ ترقی کا معیار برقرار رکھ سکے بلکہ ممکن ہو تو اسے بلند بھی کرے"۔

اسلام نے تعلیم کا مقصد اللہ تعالیٰ کا صالح بندہ بنانا بیان کیا ہے یعنی انسان کی فطری صلاحیتوں کو اجاگر کرنا ان کے طبعی رجحانات کو صحیح رخ پر ڈالنا اور انہیں ذہنی، جسمانی، عملی اور اخلاقی اعتبار سے بتدریج اس لائق بنانا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے بن کر رہیں۔ کائنات میں اس کی مرضی کے مطابق تصرف کریں، عائلی اور اجتماعی حیثیت سے ان پر جو ذمہ داریاں ان کے خالق کی طرف سے عائد ہوتی ہیں ان سے وہ کما حقہ عہدہ برا ہو سکیں۔ (۱۲)

اسلام نے مسلمانوں کو تعلیم حاصل کرنے کی جتنی پر زور ہدایت کی ہے، اس کی مثال کسی دوسرے

دین میں نہیں ملتی ۔ قرآن و حدیث میں جگہ جگہ تعلیم کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے ، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "ہم نے اسے (انسان کو) راستہ دکھادیا ہے اب چاہے تو وہ شکر گذار بن جائے اور چاہے تو ناشکرا" ۔ (۱۳) "اللہ تعالیٰ سے وہی لوگ ڈرتے ہیں جنہیں علم سے نوازا گیا ہے" (۱۴) ایک اور جگہ ارشاد ہے ۔ "اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے درجات بلند کرے گا جو تمہارے درمیان علم رکھتے ہیں" ۔ (۱۵)

علامہ ابن عبدالبر نے علم کی فضیلت کے موضوع پر ایک ضخیم کتاب تصنیف کی ہے ، جس میں علم اور اہل علم کے حوالہ سے بہت سی روایات جمع کردی ہیں ، ان میں سے چند روایات پیش کی جارہی ہیں ۔ ابو ہریرۃ سے ایک روایت نقل کی ہے ، جسے صحیح مسلم ، سنن ابی داؤد ، نسائی ، جامع ترمذی ، ابن ماجہ اور ابن حبان وغیرہ نے مختلف طرق سے بیان کیا ہے ۔

" حدثنا ابو القاسم خلف بن القاسم و ابو زید عبدالرحمن بن یحییٰ بن محمد و ابو القاسم احمد بن فتح بن عبداللہ قراءۃ منی علیہم ان حمزۃ بن محمد الکنانی املی علیہم قصر قال حدثنا محمد بن جعفر بن الامام البغدادی قال احمد بن عبداللہ بن یونس قال حدثنا زائدۃ وھو ابن قدامۃ عن الاعمش عن ابی صالح عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم " ما من رجل یسلک طریقا یلتمس فیہا علما الا سہل اللہ لہ طریقا الی الجنۃ ومن ابطا بہ عملہ لم یسرع بہ حسبہ " ۔ (۱۶)

ترجمہ ۔ جو کوئی علم کی تلاش میں نکلتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ بھی آسان کر دیتا ہے اور جو اپنے عمل کی وجہ سے پیچھے رہ گیا ، نسب اسے آگے نہیں کر سکتا ۔

دوسری روایت ہے کہ ،

وقرات علی ابی الفضل احمد بن قاسم بن عبدالرحمن ان قاسم بن اصبغ حدثہ قال نا الحرث ابن ابی اسامۃ قال نا معاویۃ بن عمرو نا زائدۃ عن الاعمش عن ابی صالح عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال " ما من قوم یجتمعون فی بیت من بیوت اللہ یتعلمون القرآن و یتدارسونہ بینہم الا حفتہم الملائکۃ و غشیتہم الرحمۃ و تنزلت علیہم السکینۃ " (۱۷)

ترجمہ ۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" جو لوگ خدا کے کسی گھر میں جمع ہو کر قرآن کی تعلیم و مذاکرے میں مشغول ہوتے ہیں تو فرشتے انہیں گھیر لیتے ہیں ، رحمت الٰہی ان کا احاطہ کر لیتی ہے ۔ سکینت ان پر نازل ہوتی ہے ، اور اللہ تعالیٰ اپنے مقرب ملائکہ میں ان کا تذکرہ کرتا ہے ۔ (۱۸)

اسی موضوع پر مزید روایات درج کی جاتی ہیں

قل حدثنی ابن ابی خیرۃ و عمرو بن ابی کثیر عن ابی العلا عن الحسن قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم " من جاءہ الموت وھو یطلب العلم لیحیی بہ الاسلام فبینہ و بین الانبیاء فی الجنۃ درجۃ واحدۃ " و بہذا الاسناد عن الحسن قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم " رحمۃ اللہ علی خلفائی ثلاث مرات قالوا ومن خلفاؤک یا رسول اللہ قال

الذین یحیون سنتی و یعلمونہا عباد اللہ " وقد روی من حدیث علی بن زید عن سعید بن المسیب ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال " من تعلم العلم یحیی بہ الاسلام لم یکن بینہ و بین الانبیاء الا درجۃ " (۱۹)

ترجمہ ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا " جو کوئی علم حاصل کرنے کے ارادہ سے نکلے کہ علم حاصل کر کے اسکو پھیلائے گا ، اسی حالت میں اسے موت آگئی تو قیامت کے دن اس کے اور انبیاء کے درمیان ایک درجہ کا فرق ہوگا ۔ اسی طرح روایت ہے " جس نے علم حاصل کیا تاکہ اسلام کو پھیلائے تو قیامت کے دن اس کے اور انبیاء کے درمیان ایک درجہ کا فرق ہوگا ۔ (یعنی بہت معزز مقام عطا کیا جائیگا) ۔

اس ضمن میں اور بھی کئی روایات ملتی ہیں ۔ جیسے حضرت ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا " جس علم و ہدایت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے ، اس کی مثال ، تیز بارش کی سی ہے ، جس کے برسنے سے ایک زمین پانی سے سیراب ہوئی اور اس میں بہت سا ہرا بھرا سبزہ اگا ۔ دوسری زمین بھی سیراب ہوئی اور اس نے پانی جمع کر لیا ، جس سے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کا بھلا کیا ، انہوں نے پیا ، اس سے کھیتی کی ، آب پاشی کی ، لیکن ایک زمین ایسی بھی نکلی ، جس نے نہ سبزہ پیدا کیا نہ پانی روکا ۔ یہی مثال ان لوگوں کی ہے ، جنہوں نے دین الہیٰ میں مہارت حاصل کی اور میری لائی ہوئی ہدایت سے فائدہ اٹھایا ۔ انہوں نے خود علم حاصل کیا ، اس پر عمل کیا اور دوسروں کو سکھایا ، اور دوسری مثال ان لوگوں کی ہے ، جنہوں نے نہ میری ہدایت قبول کی نہ اس سے کوئی فائدہ اٹھایا " ۔ (۲۰)

اسی مفہوم کی مزید وضاحت ہوتی ہے ۔ جیسے فرمایا گیا " علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے ۔ " علم سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ " (۲۱) " جو علم حاصل کرنے کے لئے گھر سے باہر نکلتا ہے وہ اللہ کی راہ میں ہوتا ہے ۔ جب تک واپس نہ آجائے " ۔ (۲۲) " مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے " ۔ (۲۳) " میری تعلیم لوگوں تک پہنچاؤ خواہ ایک ہی آیت ہو " جس شخص سے علم کی کوئی ایسی بات پوچھی جائے ، جس کو وہ جانتا ہو ، اسے چھپائے تو قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی لگام دی جائے گی " ۔ (۲۴)

امام غزالی کے نظریات کے مطابق تعلیم کا مقصد تشکیل و تکمیل اخلاق ہے ۔ اٹھارویں صدی کا جرمن فلسفی اور ماہر تعلیم " ہربارٹ " سات سو سال بعد اہل یورپ کو اسی مقصد تعلیم کی دعوت دیتا ہے ۔ جبکہ امام موصوف نے عقیدہ کی پختگی پر زور دیا ہے اور " عقل فعالی " کی نشوونما پر توجہ دینے کی سفارش کی ہے تاکہ حیوانی صفات پر انسانی صفات غالب رہیں ۔ فرد میں نیک و بد کی تمیز پیدا ہو اور وہ نیک راستہ اختیار کرے ۔ (۲۵)

اسلامی انسائیکلو پیڈیا کے مصنفین لکھتے ہیں کہ اسلام کے نزدیک تعلیم کا مقصد انسان کو خلافت ارضی کا اہل بنانا ہے ، مقصد کے حصول کے لئے تعلیم ایسی ہونی چاہیے ۔ جو افراد کو علم و بصیرت کی دولت عطا کرے ۔ یعنی انہیں زندگی کے ابدی ، روحانی ، سائنسی اور معاشرتی علوم کے حقائق کو سمجھنے کے قابل بنائے اور افراد کو عمل پر آمادہ کرے ۔ تاکہ وہ حقائق کو سمجھ کر عبادت کی لذت سے روشناس ہوسکیں ۔ اس کے علاوہ سائنسی علوم کا علم انہیں فنی اور تکنیکی مہارتوں پر قدرت عطا کرسکتا ہے اور معاشرتی مسائل کو سمجھ کر وہ قوم کی خدمت پر

آمادہ ہو سکتے ہیں۔ یعنی تعلیم ایسی ہونی چاہئے کہ جو رضائے الٰہی کا اس حد تک دلدادہ بنادے کہ وہ اس کی خاطر کسی قربانی سے دریغ نہ کرے۔ (۲۶) حضرت علیؓ فرماتے ہیں

رضینا قسمة الجبار فینا　　لنا علم وللاعداء مال
فان المال یفنی عن قریب　　وان العلم باق لا یزال

یعنی مال تو فنا ہو جائے گا اور علم ہمیشہ باقی رہے گا۔ علم جس کے ساتھ ہو وہ دنیا بھر سے مستغنی ہے، اسے نہ رفیق کی ضرورت نہ مونس کی۔ کسی بادشاہ کو تو بھی وہ خوشی اور اطمینان حاصل نہیں، بلکہ بادشاہ کو تو اپنے مصاحبوں ہی سے خطرہ ہوتا ہے، کہ یہ مجھے زہر نہ دیدیں، مار نہ ڈالیں، اور عالم کے اطمینان کی یہ حالت ہوتی ہے کہ تن تنہا جنگل میں ہے مگر محفوظ، اور بادشاہ سے زیادہ اطمینان میں ہے۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں، کیونکہ علم کے ثمرات اس سے بھی کہیں زیادہ ہیں۔ (۲۷)

مولانا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں کہ علم ایک نور ہے، جس کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں " وجعلنا له نورا یمشی به فی الناس "۔ ہم نے علم کو ایک نور بنایا ہے، جس کے ذریعہ آپ لوگوں میں چلتے پھرتے ہیں۔ اور اس نور کے ہوتے ہوئے قلب کی یہ حالت ہوتی ہے کہ اگر چاروں طرف سے اسے تلواروں میں گھیر لیا جائے، تب بھی اس کے دل پر ہراس نہیں ہوتا۔ جیسے،

ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی سفر میں تھے، دوپہر کے وقت ایک درخت کے نیچے آرام فرمانے کے لئے اترے، آپ نے اپنی تلوار درخت میں لٹکادی اور درخت کے نیچے سو گئے۔ ایک دشمن نے موقع غنیمت سمجھا، اس نے دبے پاؤں آکر تلوار پر قبضہ کیا اس کے بعد اس کو نہایت آہستگی سے نیام سے نکالا اور آپ کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔ آپ کو بیدار کیا اور پوچھا کہ " من یعصمک منی " کہ اس وقت آپ کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟ آپ نے اس کی یہ ہیئت دیکھ کر اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ فرمائی اور اس کے جواب میں نہایت اطمینان سے فرمایا " اللہ " یعنی مجھے اللہ تعالیٰ بچائے گا۔ بھلا ایسا کوئی کر کے تو دکھائے۔ بدون اللہ تعالیٰ کے تعلق کے کوئی ایسا نہیں کر سکتا، تو علم اس کا نام ہے۔ ورنہ نرے الفاظ تو شیطان بھی خوب جانتا ہے۔

راز اس کا یہ ہے کہ علم کامل سے معرفت کامل ہوتی ہے، وہ جانتا ہے کہ " عسیٰ ان تکرهوا شیأ و هو خیر لکم " (ہو سکتا ہے کسی شے کو تم برا سمجھتے ہو لیکن تمہارے حق میں وہ بہتر ہو) اس لئے گھبراتا نہیں اور سمجھتا ہے کہ یہ میرے لئے علاج اور کفارہ سیئات ہو رہا ہے۔ نیز اس میں یہ خیال ہوتا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ہیں، اپنے نہیں، ان کو اختیار ہے کہ جس حالت کو ہمارے لئے مناسب سمجھیں اس میں رکھیں۔ (۲۸)

عالم کی تعریف، فضائل اور فرائض

ڈاکٹر ایچ. بی. خان خلیق احمد نظامی کے حوالہ سے عالم کی تعریف اس طرح کرتے ہیں۔

" Any body who had Acquired religious Knowledge upto a generally accepted and Prescribed standard could become an alim (۲۹)

یعنی ایک عالم دین بننے کے لئے مذہبی علوم کی تحصیل، ایک مخصوص اور مقرر کردہ نصاب تعلیم کے تحت ضروری ہے اور تسلیم شدہ نصاب تعلیم کی تکمیل کے بعد کوئی بھی شخص عالم کہلا سکتا ہے۔ لیکن "لیونارڈ بنڈر" نے ایک عالم دین کی تعریف یہ کی ہے۔ "Any one who studied Law can be an Alim" (۳۰)

موصوف کی رائے میں کسی شخص کا قانون (شریعت) کو پڑھ لینا ایک عالم دین ہونے کے لئے کافی ہے۔ مندرجہ بالا ہر دو مصنفین کی آراء میں نظامی کی رائے زیادہ صحیح اور وقیع معلوم ہوتی ہے۔ اصولاً ایک عالم دین کے لئے قرآن حکیم، علم الکلام، اصول تفسیر، اصول حدیث، اصول فقہ، اصول قرات و تجوید، علم صرف و نحو، علم منطق اور علم ریاضی کا پڑھنا ضروری ہے۔ (۳۱) لیکن اسلام میں چرچ یا Priesthood وغیرہ کا کوئی تصور نہیں ہے۔ اس لئے ہر فرد کو خواہ کسی طبقہ، ملک یا خطہ سے تعلق رکھتا ہو، ایک مقررہ نصاب تعلیم کی تکمیل کے بعد عالم دین ہو سکتا ہے۔ (۳۲)

"لیونارڈ بنڈر" کی رائے نہ صرف محتاج تفصیل ہے بلکہ علمی اعتبار سے نامکمل اور غیر منطقی بھی ہے، وہ یہ کہ قانون یعنی "لا" (Law) کا مطلب صرف قانون فقہ ہے اور کسی شخص کا صرف علم فقہ ہی پڑھ لینا ایک عالم دین بننے کے لئے ناکافی ہے۔ نظامی نے مزید صراحت کرتے ہوئے کہا ہے، کہ ایک عالم دین کے لئے ضروری ہے کہ وہ قرآن کریم، علم تفسیر، علم حدیث، علم فقہ و اصول فقہ، علم تصوف، علم ادب، علم الکلام اور علم منطق حاصل کرے۔ مندرجہ بالا علوم میں طلب کو مخصوص و مقرر کردہ نصاب کی تکمیل کرنا ضروری ہے اس کے بعد ہی کوئی شخص مستند یا فارغ التحصیل عالم دین کہلا سکتا ہے۔ (۳۳)

علمائے دین کی اقسام

علمائے دین کی عام طور پر دو اقسام کی جاتی ہیں، علمائے حق اور علمائے سوء۔ لیکن خلیق احمد نظامی نے (بحوالہ مصنف مصباح الہدایہ) علماء کی تین قسمیں بیان کی ہیں (الف) علمائے ربانی (ب) علمائے آخرت اور (ج) علمائے دنیاوی۔ (۳۴) ان کی بیان کردہ (الف اور ب) اقسام میں کوئی بظاہر خاص فرق نظر نہیں آتا، کیونکہ علمائے ربانی کو آخرت بخیر ہونے کی فکر لازماً لاحق ہوتی ہے۔ ان کا سب سے پہلا اور اہم کام ہی "نہی عن المنکر" یعنی برائی سے خود رکنا اور دوسروں کو منع کرنا، نیز بھلائی کرنا اور بھلائی کی ترغیب دینا ہے۔ (۳۵) علمائے سوء۔۔۔ وہ علماء ہیں، جو حب جاہ و مال کی خاطر سلاطین وقت کے فعل و عمل، خواہ وہ صالح ہوں یا غیر صالح پر اپنی مہر توثیق و تصدیق ثبت کرنے میں کوئی عار یا جھجک محسوس نہیں کرتے۔ (۳۶) علماء کے سلسلے میں خلیق احمد نظامی ایک حدیث کا حوالہ دیتے ہیں کہ

The prophet said " The best kings and the best nobles are those who visit the doors of ulema " and the worst ulema " are those who visit the doors of kings and the nobles". (۳۷)

ترجمہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بہترین حکمران اور امراء وہ ہیں، جو علماء کے دروازوں پر حاضری دیتے ہیں۔ اور بد ترین علماء وہ ہیں، جو حکمران اور امراء کے دروازوں پر جاتے ہیں۔ اسی طرح ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے "المقاصد" کے حوالے سے ایک اور حدیث کا تذکرہ کیا ہے۔

"The learned persons (ulema) among my people are like the prophets of Israel" (38)

ترجمہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "میرے علماء میری امت میں ایسے ہیں، جیسے کہ بنی اسرائیل میں پیغمبر۔" ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے اس حدیث کو ضعیف بیان کیا ہے۔ دراصل حدیث یہ ہے کہ "**علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل**" یہ حدیث "المقاصد" سے لی گئی ہے، مصنف نے لکھا ہے کہ "**لا وصل له قال ابن حجر و قبله الدمیری والزرکشی زاد بعضهم ولا تصرف فی کتاب معتبر**" یعنی اس حدیث کی اصل نہیں ملتی، لیکن ابن حجر، دمیری اور زرکشی نے اسے حدیث تسلیم کیا ہے۔ دوسرے معنی یہ ہوئے کہ یہ حدیث ضعیف کے زمرے میں آتی ہے۔(۳۹)

ڈاکٹر ایچ بی خان علمائے حق کے فضائل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علمائے حق کے متعلق فرمایا ہے کہ "**العلماء ورثة الانبیاء**" (۴۰) یعنی علماء، انبیاء علیہم السلام کے وارث ہوتے ہیں۔ یعنی جو بات اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے تحت حق ہوتی ہے۔ اسے حق ہی بیان کرتے ہیں۔ اور اپنے عمل و کردار سے وہ لوگ فرمان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق اپنا فریضہ ادا کرتے ہیں۔ یعنی حق بات کو پورا کرنے کے لئے حکومت، جماعت، فرد یا افراد کا خوف و لالچ اور دنیاوی طمع و حرص کے بغیر اس بات کو برملا کہتے اور کرتے ہیں۔ گو کہ اس راہ حق میں یا اس امر میں ان کو کتنی ہی سختیاں حتیٰ کہ قید و بند کی صعوبتیں بھی جھیلنا پڑیں، تب بھی وہ ان تمام مصائب و آلام کو خندہ پیشانی اور صبر و رضا کے ساتھ برداشت کرتے ہوئے کلمہ حق پر قائم رہتے ہیں (۴۱) مزید برآں ایک دوسری حدیث یہ ہے کہ "**افضل الجہاد کلمة الحق عند سلطان جائر**" (۴۲) یعنی سب سے بڑا جہاد، جابر سلطان کے سامنے حق بات کی ادائیگی ہے۔ علمائے حق، سلاطین وقت کے غیر شرعی اعمال و افعال و غیر شرعی طرز زندگی پر تعرض اور تنقید کرنے میں کوئی جھجک یا عار محسوس نہیں کرتے۔ قرون وسطیٰ سے لے کر دور حاضر تک ایسے علماء کی مثالیں موجود ہیں، جنہوں نے احکام شرع کی پیروی میں سخت سے سخت اذیتیں اور صعوبتیں برداشت کیں، مگر کلمۂ حق کی ادائیگی سے سرمو تجاوز نہیں کیا۔(۴۳) امام ابو حنیفہ کو عہدہ قضا قبول نہ کرنے پر ۱۴۳ھ میں قید کر دیا گیا۔ آپ نے دوران اسیری امام محمد کی تعلیم جاری رکھی۔ امام اعظم کی شہرت اور عزت و تکریم میں قید میں رہنے کے باوجود بھی کوئی کمی واقع نہ ہوئی تو خلیفہ منصور نے امام ابو حنیفہ کو زہر دے کر ہلاک کرادیا (۴۴) خلیفہ مامون معتزلی عقائد کا حامل تھا، لہٰذا اس نے بھی علمائے حق کو اس عقیدہ کے خلاف پیروی کرنے پر طرح طرح کی اذیتیں اور تکالیف دیں۔(۴۵)

امتحانات اور ابتلاء کے باوجود علمائے حق نے "امر بالمعروف ونہی عن المنکر" کی ادائیگی سے

غفلت نہیں برتی، چنانچہ کلمہ حق کی ادائیگی پر امام احمد بن حنبل نے ڈھائی برس تک قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ امام مالک بن انس کی سر بازار تضحیک کرائی گئی۔ حافظ ابن عبدالبر کو جلا وطن کیا گیا۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ برسوں تک جیل میں محبوس رہے۔ لیکن ان سب نے ان تمام دنیاوی مصائب کو امتحان اور ابتلاء سمجھ کر صبر و شکر، عزم و استقلال اور خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کیا (۴۶) لیکن مصائب و آلام کے باوجود ان علماء کے عزم و ثبات میں کوئی کمزوری یا کمی واقع نہ ہوئی اور کلمہ حق کی ادائیگی بلا پس و پیش کرتے رہے۔ چنانچہ یہ علماء، امتحان اور ابتلاء میں کامیاب اور کامران رہے۔

باری تعالیٰ نے انسان کو پیدا کرنے کے بعد سب سے پہلے جس شرف سے مشرف فرمایا وہ علم تھا، اسی بنا پر انسان اشرف المخلوقات کہلایا۔ چنانچہ علم کی دولت سمیٹنے والے عالم اور بے بہرہ رہنے والے جاہل کہلائے۔ عالم اور جاہل میں تفریق خود ذات باری تعالیٰ نے فرمادی کہ "قل هل يستوى الذين يعلمون والذين لايعلمون" یعنی عالم اور جاہل میں کوئی مقابلہ نہیں اور وہ برابر نہیں ہوسکتے۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "ہم نے اہل ایمان اور اہل علم کے درجات بلند فرمائے" انہی اہل ایمان اور اہل علم میں معلم بھی شامل ہیں۔

اسلامی نظام تعلیم میں معلم کو بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ گرچہ ملی اور سماجی زندگی کے دوسرے کارکن بھی شرف و فضیلت رکھتے ہیں، لیکن جو مقام معلم کو حاصل ہے وہ شاید ہی کسی دوسرے کو حاصل ہو۔ اس لئے کہ اسلامی نظام تعلیم میں معلم اسلامی نظریہ حیات، اسلامی اخلاق اور اسلامی احکام کی تعلیم و تربیت کا ذریعہ ہوتا ہے اور اپنی ذاتی مثال سے قابل عمل اور قابل تقلید نمونہ بھی پیش کرتا ہے۔ نئی نسل کے مستقبل کی تعمیر کے سلسلے میں معلم کی مثال ایک کسان اور باغبان کی سی ہے۔ جن کے شب و روز کی محنت سے فصلیں، پودے اور درخت لہلہا اٹھتے ہیں۔ ماں باپ عموماً جسمانی تربیت پر زیادہ توجہ مرتکز کرتے ہیں، لیکن معلمین اپنے شاگردوں کے عقلی اور اخلاقی پہلو کو منظم اور متحرک کرتے اور ان کے کردار کو روح سے مالا مال کرتے ہیں۔ یہ معلم ہی ہے جو تہذیب کو وجود میں لاتا ہے۔ علامہ اقبال نے معلم کے اس مقام کو یوں متعین کیا ہے۔

"معلم حقیقت میں قوم کے محافظ ہیں، کیونکہ آئندہ نسلوں کو سنوارنا اور ان کو ملک کی خدمت کے قابل بنانا انہی کی محنت کا حاصل ہے۔ سب محنتوں سے اعلیٰ درجے کی محنت اور سب کارگزاریوں سے زیادہ بیش قیمت کارگزاری، ملک کے معلموں کی کارگزاری ہے۔ معلم کا فرض سب فرائض سے زیادہ مشکل اور اہم ہے، کیونکہ تمام قسم کی اخلاقی، تمدنی اور مذہبی نیکیوں کی کلید اسی کے ہاتھ میں ہے اور تمام قسم کی ترقی کا سرچشمہ اس کی محنت ہے"۔

علامہ اقبال کے اس تجزیے سے ظاہر ہے کہ معلمی کا فرض بہت اہم اور مشکل فرض ہے۔ معاشرے کا کوئی اور کارکن اس سلسلے میں معلم کی ہمسری نہیں کرسکتا۔ یہ وہ کام ہے، جس کے لئے دنیا میں نبی اور رسول بھیجے گئے، جنہوں نے انسانوں کو بھلائی کی تعلیم دی اور انہیں ہمیشہ لازوال صداقتوں کی طرف بلایا۔ اللہ تعالیٰ

کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو اس امر پر فخر و مسرت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔ "انما بعثت معلما" مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا۔ اس ارشاد مبارکہ سے اسلامی نظام تعلیم میں معلم کے مقام کی وضاحت و صراحت بخوبی ہو جاتی ہے۔ اس حدیث مبارکہ کی روشنی میں ہم بجا طور پر درس و تدریس کو پیغمبرانہ پیشہ قرار دے سکتے ہیں۔ لیکن یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ اس پیشے کی یہ فضیلت پر خلوص اور محنتی اساتذہ کے دم قدم سے ہے، جو انسانیت کو آداب زندگی سکھا کر نبیوں کی سنت ادا کرتے ہیں۔ ایسے ہی اساتذہ کا فیضان نظر و محبت کار ثواب اور ان کا وجود قوموں کے لئے باعث حیات ہوتا ہے۔ اسلامی نظام تعلیم معلم کے طور پر ایسے فعال اور متحرک انسان کا تقاضا کرتا ہے جو بعض قواعد و ضوابط کے تحت متعلمین کی ذہنی صلاحیتوں کے مطابق ان کی پرداخت کر سکتا ہو۔

اسلامی نظام تعلیم میں استاد کے مقام اور کردار کا تعین کرتے وقت ہمیں اسلامی نظریہ تعلیم پر بھی غور کر لینا چاہئے۔ اسلام بنیادی طور پر مسلمان کی شخصیت کو بلند مقام عطا کرتا ہے اور پھر اسے ایک مخصوص مشن کے لئے تیار کرتا ہے۔ ایک مسلمان متعلم، تعلیم حاصل کرنے کے بعد نہ صرف اپنے خاص علم و فن میں مہارت و قابلیت حاصل کر لیتا ہے بلکہ امت مسلمہ کا بھی ایک اچھا فرد ثابت ہوتا ہے۔

معلم اعظم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اقدس ان مقاصد جلیلہ کے حصول میں گزری۔ آپ نے انسانیت کو نیکی، سچائی اور راستی کی تعلیم دی، انسانی کردار کو جلا بخشی اور فکری سطح کو عظیم رفعتوں سے ہمکنار کیا۔ آپ نے مسلمانوں کی تعلیم و تربیت اس انداز سے کی کہ جس سے ایک طرف تو ملت کی تعمیر ہوئی اور دوسری جانب وقت کے جلیل القدر انسان بھی پیدا ہوئے اور تعلیم و تربیت کا ایک ایسا لامتناہی سلسلہ شروع ہوا کہ جس کی مثال دنیا میں کہیں اور نہیں ملتی۔ تاریخ گواہ ہے کہ مسلمان معلمین نے ہر دور میں اپنی بساط کے مطابق فکر و عمل کے چراغ روشن کیے اور آج بھی یہ عمل جاری و ساری ہے۔

معلم کے مقام و کردار کی وضاحت حضور اقدس حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد سے بخوبی ہوتی ہے کہ مجھے عمدہ اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہے۔ ہم اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ آپ نے عملی طور پر یہ سب کچھ کر کے دکھایا۔ مسلمان معلمین نے معلم انسانیت کے اس انداز تدریس اور قرآنی ہدایت کی عمومی ہدایت کو زندگی کے فرائض کے لئے رہنما اصول کے طور پر اپنائے رکھا۔

آج عالم اسلام میں معلمی کا یہ فریضہ ایک پیشہ بن گیا ہے۔ ہمیں آج شاید ہی کوئی ایسا معلم نظر آئے جو کیف و کم سے بے نیاز ہو۔ تاہم آج بھی ہمیں وہی معلم کامیاب ترین نظر آتا ہے جو ایثار، خلوص اور لگن سے کام کرتا ہو اور ہر طرح کے کیف و کم سے بے نیاز ہو

ہر کہ حق باشد چوں جاں اندر تنش
خم نہ گردد پیش باطل گردنش
خوف را در سینہ او نیست
خاطرش مرعوب غیر اللہ نیست

علم کا سلسلہ ہی کچھ ایسا ہے کہ ہمیشہ چراغ سے چراغ جلتا ہے، آج انسان تدریسی معاونات، ترسیل علم اور فروغ علم کے لئے استعمال کر رہا ہے، لیکن یہ مشینیں اور تدریسی معاونات، معلم کا بدل ثابت نہیں ہو سکے مسلم معاشرے میں معلم کی حیثیت ہمیشہ ایک بالغ نظر اور صاحب الرائے انسان کی رہی ہے۔ معاشرے میں ہمیشہ اسے تکریم سے دیکھا گیا۔ اسے کسی کے سامنے دست سوال دراز کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ اسلامی معاشرے میں وہ لوگ خوش قسمت تصور کئے جاتے ہیں، جنہیں معلمانہ منصب نصیب ہوتا ہے، اس قدر و منزلت کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ معلمین بھی ایک صالح اور فعال معاشرے کی تعمیر اور تشکیل میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔

آج بھی مسلمان معلم، انبیاء کے منصب کا وارث ہے اور معلم انسانیت کی تعلیمی تحریک کو آگے بڑھانے کا ذمہ دار ہے۔ پھر ایک آزاد اسلامی ملک کے باشندے اور مسلم معاشرے کے فرد کی حیثیت سے بھی معلم کا فرض ہے کہ وہ قرآنی تعلیمات اور معلم اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ تعلیمی کو مشعل راہ بنائے اور تدریس کے ذریعے نئی نسل کی تعمیر کرے، انہیں اسلامی فکر و عمل کے سانچے میں ڈھالے، یہ واقعی ایک مشکل کام ہے اگر اساتذہ عظیم جذبوں سے سرشار ہوں اور ان کی تدریس محبت کے شیریں نغموں کی مانند ہو تو بہت سہل ہے۔(۴۷)

فصل سوم: علوم کی تقسیم

دینی علوم کی تقسیم فرض عین و فرض کفایہ کی بنیاد پر تو سمجھ میں آتی ہے لیکن دین اور غیر دین کی بنیاد پر یہ اسلام کی روح کے خلاف ہے۔ اس تقسیم کے رواج میں کچھ برصغیر کے پس منظر کو بھی دخل ہے، جیسا کہ باب چہارم میں اس پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ امام غزالی کے نظریہ کے تحت "عقل فعالی" کو نشوونما دینے کے لئے عقیدہ کی پختگی اور ایمان پہلی شرط ہے۔ اس لئے بچے میں شروع ہی سے ایمان کی پختگی اور عمل صالح کی عادت ڈالی جاتی ہے تاکہ وہ نیکی سے رغبت اور بدی سے نفرت کرے۔ لہٰذا ابتدائی تعلیم مذہبی عقائد اور مذہبی احکامات کے مطابق ہونی چاہیے۔

امام غزالی کی نظر میں علوم کی تقسیم

امام غزالی نے علوم کی دو قسمیں کی ہیں۔ اول وہ علوم جن کو حاصل کرنا ہر فرد کی مرضی پر منحصر ہے یعنی فرض کفایہ، دوم فرض عین جس میں دینی علوم اور ارکان اسلام شامل ہیں۔ فرض کفایہ، میں دنیوی علوم مثلاً طب، زراعت، ریاضی وغیرہ آتے ہیں۔ اس کے بعد فرض کفایہ کی بھی آپ نے دو قسمیں کی ہیں۔ علوم شرعیہ، ان میں تفسیر، حدیث، فقہ اور علم الکلام، دوسرے دنیوی علوم، جن کی انسان کو زندگی میں ضرورت پڑتی ہے۔ آپ نے صنعتی علوم مثلاً پارچہ بافی، زراعت، خیاطی، بال تراشی وغیرہ کو بھی نصاب میں شامل کیا ہے۔ موجودہ زمانہ میں فنی تعلیم کی طرف زیادہ توجہ دی جارہی ہے۔ اس زمانے میں صنعت نے اتنی ترقی نہیں کی تھی، پھر بھی انہوں نے تعلیم میں صنعتی تربیت کو شامل کرنا ضروری قرار دیا۔ امام غزالی، فلسفہ اور منطق کی تعلیم کو بہت ضروری سمجھتے ہیں اور اس کو حاصل کرنے کی ہدایت کرتے ہیں۔ آپ نے اس وقت کے مروجہ نصاب میں قیمتی اضافہ کیا۔ اس سے قبل نصاب میں صرف علوم شرعیہ اور دینی تعلیم شامل تھی لیکن انہوں نے دین کے ساتھ دنیوی تعلیم پر بھی توجہ دلائی۔ آپ کے یہ نظریات اسلام کے عین مطابق ہیں۔ اسلام دنیا کو ترک کر کے رہبانیت کی طرف نہیں لے جانا چاہتا، بلکہ اسلام نے زندگی کا ایک ایسا متوازن نظریہ پیش کیا ہے۔ جو فطرت کے مطابق ہے۔ جس میں دین اور دنیا کو ایک کانٹے میں تول کر رکھا اور دونوں میں اعتدال قائم کیا ہے۔ وسطی عہد میں جب عیسائیت کو یورپ میں فروغ حاصل ہوا اور تعلیم پادریوں کے تصرف میں آگئی، تو انہوں نے تعلیم کو محض دینی اشاعت کا آلہ کار بنا دیا۔ جس سے تعلیم محدود ہو گئی اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انفرادیت کی تشکیل کی راہیں مسدود ہو گئیں، معاشرہ ایک بے جان جسم بن کر رہ گیا۔ سارے یورپ کی زندگی میں جمود پیدا ہو گیا اور یہ زمانہ تاریخ میں تاریک دور کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اسی بنا پر امام غزالی نے نصاب میں دینی اور دنیوی علوم کو شامل کر کے ایک تعلیمی انقلاب کی بنیاد ڈالی۔ (۴۸)

مولانا اشرف علی تھانوی کی نظر میں علوم کی تقسیم

مولانا اشرف علی تھانوی نے بھی علوم کی جماعت بندی کی ہے، موصوف نے لکھا ہے کہ سب کا عالم بننا ضروری نہیں، کچھ لوگوں کو کاشت کاری بھی کرنا چاہیے، تجارت کا پیشہ اپنانا چاہیے، افواج میں ملازمت اور دیگر امور زندگی میں بھی حصہ لینا چاہیئے جیسے حضرت آدم علیہ السلام نبی بھی تھے اور کاشتکار بھی، اسی طرح کئی دوسرے انبیاء، نبی ہونے کے ساتھ روزگار کے حصول کیلئے مختلف ذرائع معاش اختیار کئے ہوئے تھے۔

علم فرض عین

مولانا تھانوی لکھتے ہیں کہ علم دین کی دو مقداریں ہیں، ایک یہ کہ ضروری عقائد کی تصحیح کی جائے، فرض عبادتوں کے ضروری ارکان و شرائط و احکام معلوم ہوں، معاملات و معاشرات جن سے اکثر سابقہ پڑتا ہے ان کے ضروری احکام سیکھے جائیں، مثلاً نماز کن چیزوں سے فاسد ہو جاتی ہے، کن کن صورتوں میں سجدہ سہو واجب ہوتا ہے۔ اگر سفر پیش آجائے تو کتنے سفر میں قصر ہے، اگر امام کے ساتھ پوری نماز نہ ملے تو بقیہ نماز کس صورت میں کس طرح پوری کرے، قضا کے کیا احکام ہیں۔ زکوۃ کن احوال میں واجب ہے، اور اس کی ادائیگی کی کیا کیا شرائط ہیں۔ اسی طرح حج و صوم کے احکام، اور یہ کہ نکاح کن کن عورتوں سے حرام ہے، کن الفاظ سے نکاح جاتا رہتا ہے، ولایت نکاح اور عورت کے کیا احکام ہیں۔ رضاعت کے اثر سے کون کون سے رشتے حرام ہو جاتے ہیں۔ مبادلہ اموال (معاملات) میں کیا کیا رعایت واجب ہے، اجرت طے کرنے میں کون کون سی صورتیں جائز ہیں اور کون سی ناجائز ہیں۔ نوکریاں کون سی جائز اور کون سی ناجائز ہیں۔ اگر کوئی صاحب حکومت ہو تو اس کو فیصلہ، مقدمات کے شرعی قوانین کا بھی علم ہونا چاہیے، گو ان کے نافذ کرنے پر قادر نہ ہو مگر جاننا اس لئے واجب ہے کہ شرعی فیصلوں کے ناحق اور غیر شرعی کو حق ہونے کا اعتقاد کر بیٹھے، ماکولات و مشروبات کیا جائز اور کیا ناجائز ہیں۔ اسباب تفریح میں کن اشیاء کا استعمال درست ہے اور کن کا درست نہیں۔

باطنی اخلاق میں محمود و مذموم کا امتیاز ہو اس کے علاج کا طریقہ معلوم ہو مثلاً ریا، کبر، غضب، حرص، طمع، ظلم، وغیرہ کی حقیقت جانتا ہو، تاکہ اپنے اندر ان کا ہونا نہ ہونا معلوم ہو اور ہونے کی صورت میں ان کے ازالہ کی تدبیر کر سکے اور کوتاہی پر استغفار کرے۔ علم دین کی یہ مقدار عام طور پر ضروری ہے، کیونکہ اس کے بغیر اکثر اوقات حق تعالی کی ناراضگی اور معصیت میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ جن لوگوں نے بعض علوم کو فرض عین کہا ہے اس بعض سے یہی مقدار مراد ہے، اس کا مطلب ہے کہ یہ سب کے لئے عام طور پر ضروری ہے۔ (۴۹) فرض عین کا حکم یہ ہے کہ ہر شخص اس کا مکلف ہے جو شخص اس میں کوتاہی کریگا وہ گنہ گار ہوگا۔ (۵۰)

علم فرض کفایہ

علم فرض کفایہ کی مقدار یہ ہے کہ اپنی ضروریات سے تجاوز کر کے پوری قوم کی ضرورتوں کا لحاظ کرتے ہوئے نیز دوسری قوموں کے شبہات سے اسلام کو جس مضرت کا اندیشہ ہے اس پر نظر کر کے معلومات دینیہ کا ایسا وافی ذخیرہ (مع اس کے متعلقات و لواحق اور آلات و خوادم کے) جو مذکورہ ضرورتوں کے لئے کافی ہو۔ یہ مقدار فرض علی الکفایہ ہے۔ یہ انتظام ضروری ہے کہ کافی تعداد میں ایک معتدبہ جماعت ایسی ہو، جو ہر طرح علوم دینیہ میں کامل، مکمل، محقق و متبحر ہوں اور عمر کا بڑا حصہ ان علوم کی تحصیل میں اور ساری عمر ان کی خدمت و اشاعت میں صرف کریں اور اس کے سوا ان کا کوئی کام نہ ہو، قرآن مجید کی اس آیت میں اسی جماعت کا تذکرہ ہے۔ "ولتكن منكم امة يدعون الى الخير و يامرون بالمعروف و ينهون عن المنكر" حدیثوں میں اصحاب صفہ کی یہی مثال ہے اور عام مسلمان اس جماعت سے تقریراً و تحریراً اپنی ضروری دینی حاجتیں رفع کیا کریں۔(۵۱)

پورا عالم بننا تو فرض کفایہ ہے، فرض عین نہیں، لیکن بقدر ضرورت دین کا علم حاصل کرنا فرض عین ہے۔(۵۲) فرض کفایہ کا حکم یہ ہے کہ اگر ہر مقام پر ایک ایسی جماعت قائم رہے جو ان ضرورتوں کو پورا کر سکے تو سب مسلمان گناہ سے بچے رہیں گے ورنہ سب گناہ میں شریک ہوں گے۔(۵۳)

سب کا عالم دین بننا ضروری نہیں

جن علماء کے بارے میں عوام کی یہ رائے ہے کہ وہ سب کو مولوی بنانا چاہتے ہیں، یہ خیال غلط ہے، بلکہ وہ تو خود ہی سب کو مولوی بنانے سے منع کرتے ہیں، کیونکہ اس سے دو نقصان ہوں گے۔ ایک تو یہ کہ جب تمام لوگ مولوی بن جائیں گے تو کھیتی باڑی، تجارت اور کار خانۂ زندگی سب برباد ہو جائیں گے۔ کیوں کہ پوری قوم پر معاش کی حفاظت کرنا فرض ہے۔ اگر سب چھوڑ دیں اور اس سبب سے مر جائیں تو سب گنہ گار ہوں گے۔ تو واجب ہے کہ ایک جماعت کھیتی باڑی کے لئے، ایک تجارت کے لئے رہے۔ ایک خدمت دین کے لئے، جس کو لوگوں نے غلط سمجھا ہے، دوسرا نقصان یہ ہے کہ اگر سب مولوی بنے تو چونکہ اکثر طبائع میں حرص اور لالچ غالب ہے اور معاش سے بھی اکثر لوگ مستغنی نہیں ہوتے، تو نتیجہ یہ ہوگا کہ مولوی کہلائیں گے اور حرص دنیا میں دین کو تباہ کر دیں گے اور دین کو دنیا کی تحصیل کا ذریعہ بنائیں گے، یہ ان کا ضرر ہوگا اور دوسرے لوگ ان کی اس ذلیل حالت کو دیکھ کر دین کو بھی ذلیل سمجھیں گے، یہ دوسروں کو نقصان ہوگا۔(۵۴)

اسلام حصول علم میں تقسیم کا قائل نہیں

اسلام نے وہ تمام علوم جس کے ذریعے انسان رموز کائنات سمجھ کر، معرفت خداوندی حاصل کر کے، ہستی باری تعالیٰ تک پہنچ سکے، سیکھنا لازمی قرار دیا ہے، قرآن حکیم نے علوم دینی و دنیوی کی تفریق بھی نہیں کی تو آج، دینی مدارس اور دنیاوی تعلیمی اداروں کی حد بندی کی بات سمجھ میں نہیں آتی، جبکہ ان دینی اور غیر دینی تعلیمی اداروں میں کئی ایک مشترکہ مضامین کے اعلیٰ درجات تک کی تدریس کے انتظامات بھی موجود ہیں، آج کے علوم جدیدہ کی بنیادیں تو بہت پہلے خود مسلمان قائم کر چکے تھے۔ قرآن حکیم جس نے دنیا میں وہ عظیم انقلاب پیدا کیا، جس کی مثال تاریخ میں ڈھونڈنے سے نہیں ملتی۔ یہ کتاب صرف مذہبی احکام کا مجموعہ نہیں، بلکہ اس نے روحانی و اخلاقی اصلاح کے ساتھ ساتھ لوگوں کو بے شمار علوم و معارف سے بھی روشناس کیا۔ قرآن حکیم نے بغیر سوچے سمجھے اور آنکھیں بند کر کے مان لینے کا حکم نہیں دیا، بلکہ عقل کو استعمال کر کے اس کے ذریعے ہستی باری تعالیٰ کو پہنچاننے کا حکم دیا۔ اوحام باطلہ اور مشرکانہ ضعیف الاعتقادیوں کی تکذیب و تردید کر کے لوگوں کو دعوت دی کہ وہ اپنے گرد و پیش پر نظر ڈالیں۔ رموز فطرت کو سمجھنے کی کوشش کریں، زمین و آسمان کے اسرار پر غور کریں، اور اجرام سماوی کے عقدے حل کرنے کی سعی کریں۔ اگر وہ اس پر غور و تدبر کریں گے تو ان کی فطرت سلیمہ خود بخود ان کی راہنمائی اس ہستی کی طرف کر دے گی جو ان تمام اشیاء کا منتظم و مدبر ہے

قرآن حکیم نے علوم دینی و دنیوی کی تفریق نہیں کی، ان تمام علوم کو جن کے ذریعے انسان رموز کائنات کو سمجھ سکے اور ہستی باری تعالیٰ تک پہنچ سکے، سیکھنا لازمی ہیں، قرآن حکیم میں بڑی تاکید کے ساتھ علم حاصل کرنے پر اکسایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لفظ علم یا اس کے مشتقات کا تذکرہ قرآن حکیم میں ۷۶۵ مرتبہ ہوا ہے۔ اور تقریباً ۷۵۰ ایسی آیات ہیں، جن میں مختلف کائناتی علوم کا ذکر ہے۔ قرآن حکیم میں بجز لفظ اللہ کے کوئی کلمہ علم سے زیادہ نہیں دہرایا گیا۔ یہ قرآن حکیم کی نظر میں علم کی عظمت و جلالت کی بہت بڑی دلیل ہے۔

قرآن حکیم میں ایسی آیات بہت کثرت سے ہیں، جن میں مختلف علوم کو سیکھنے، رموز کائنات معلوم کرنے، اسرار مخلوقات پر غور و فکر کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ مثال کے طور پر "انسان کو چاہیئے کہ وہ اس بات پر غور کرے کہ اس کی تخلیق کس چیز سے ہوئی ہے" (۵۵) "کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کو کس طرح تہہ بہ تہہ پیدا کیا۔ اور اس نے انہیں چاند کو روشن کیا اور سورج کو چراغ بنایا۔ اور اللہ تعالیٰ نے تم کو زمین سے اگایا۔ ایک طرح کا اگانا۔ پھر تم کو زمین میں ہی لوٹائے گا، اور نکال کھڑا کرے گا تم کو دوبارہ، اور اللہ ہی نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا تاکہ تم اس کے کھلے راستوں میں چلو" ۔(۵۶) ارشاد ہوتا ہے "اور زمین میں نشانیاں ہیں اور خود تمہارے نفوس میں بھی نشانیاں ہیں۔ پس کیا تم غور سے نہیں دیکھتے" ۔(۵۷) بے شک آسمانوں اور زمینوں میں مومنین کے لئے نشانیاں ہیں۔ اور تمہارے ان جانداروں کی پیدائش میں بھی جو اللہ تعالیٰ نے پھیلا رکھے ہیں۔ اہل یقین کے لئے نشانیاں ہیں۔ رات اور دن کے بدل کر

آنے میں اور اللہ تعالیٰ نے آسمان سے جو رزق (پانی) نازل کیا اس کے لئے زمین کو اس کے مرجانے کے بعد زندہ کیا اور اس میں اور ہواؤں کے بدل کر لانے میں عقل مندوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ یہ آیات ہیں جو آپ کو ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سناتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ اور اس کی آیات کے بعد وہ کس پر ایمان لائیں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "کیا تو نے نہیں دیکھا کہ کشتی سمندر میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے چلتی ہے تاکہ وہ تم کو اپنی قدرت کے نشان دکھائے۔ بے شک اس میں ہر بڑے صابر و شاکر کے لئے نشانیاں ہیں"۔ (۵۸)

مندرجہ بالا اور اسی طرح کی کئی دیگر آیات قرآنی میں تمام علوم و فنون پر غور و فکر کرنے کے احکام شامل ہیں۔ علم فلکیات، نیچرل سائنس، دن رات، پہاڑ، دریا، نباتات، جمادات، آسمان و زمین، پانی، ہوا اور روح کے متعلق اعلیٰ معلومات حاصل کرنے، ان چیزوں میں جو قوانین قدرت کے راز پوشیدہ ہیں ان کا پتہ چلانے کی پر زور ہدایات ان آیات سے معلوم ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اپنی پیدا کی ہوئی کئی چیزوں کی قسم کھائی ہے، اس طرح انسانوں کو ان اشیاء کی طرف متوجہ کیا ہے، تاکہ وہ انہیں پہچانیں اور ان کے فوائد سے خبر دار ہو کر نفع اٹھائیں، ان کی قسم کھانے کا مقصد صرف یہ ہے کہ انسان ان کا علم حاصل کرے اور مصنوعات باری تعالیٰ کے عجائب و غرائب سے واقف ہو کر اس کی عظمت و جلالت کا قائل ہو۔

پروردگار عالم نے اجرام علوی اور ان کے خواص، روشنیوں اور دیگر مواقع کی بیسیوں قسمیں کھائی ہیں، ایک جگہ فرمایا کہ یعنی اگر تم معلوم کرو تو یہ ایک بہت بڑی قسم ہے۔ کہ قسم کھا کر انسان کو مقسم بہ کی اہمیت سے آگاہ کیا گیا ہے، تاکہ وہ ستاروں کے مواقع ان کے اندازوں، دائروں اور حرکات و سکنات کی معرفت و شناخت حاصل کر سکے، یہ علویات اور سفلیات کی قسمیں اس بات کا فائدہ دیتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر علویات اور سفلیات کے بارے میں غور و فکر کرنے کا حکم صادر فرمایا، ان پر حساب، ہندسہ، نجوم، طبیعات، کیمیا، عمرانی علوم اور علم النفسیات وغیرہ تمام علوم کا جاننا لازمی قرار دیا ہے۔ پھر ایک اور نکتہ پر غور کیجئے علماء کو وارثین علوم نبوت کہا جاتا ہے اور یہ غور نہیں کیا جاتا کہ حکمران کو اللہ کا خلیفہ کہا گیا ہے ایک اگر نبی کا خلیفہ ہے تو دوسرا اللہ کا خلیفہ ہے، صرف علم حاصل کرنے اور پھیلانے والوں کے فضائل بیان کئے جاتے ہیں، جو فضائل عادل حکمران کے بارے میں ہیں انہیں چھوڑ دیا جاتا ہے حالانکہ ان علوم کا مقصد بھی معاشرہ کی اصلاح ہے اور علوم حکومت معاشیات، سائنس یہ بھی اگر مسلمانوں اور اسلام کی سربلندی کے ارادہ سے سیکھے اور سکھائے جائیں تو خالص دین کہلائے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف احادیث میں ترغیب دی ہے کہ جو جہاد کے لئے گھوڑا پالتا ہے تو اسے اس کی خدمت کا صلہ بھی ثواب کی صورت میں عطا کیا جائے گا۔ اس طرح تیر تراشنے تلوار تیز کرنے والے بھی جہاد میں حصہ دار سمجھے گئے۔ اسی طرح آج اسلحہ کی فیکٹریوں میں کام کرنے والے اور سائنسدان بھی اسی زمرے میں آتے ہیں۔

فصل چہارم: مسلمان خواتین کا تعلیم و تعلم میں حصہ

اسلام سے پہلے خواتین کی تعلیم:

ڈاکٹر احمد شلبی کے حوالے سے مسلم ممالک کی عورتوں کی تعلیم پر بحث کرنے سے پہلے ایسے چند اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں جن سے اندازہ ہو سکے گا کہ اس دور میں غیر مسلم خواتین خاص طور پر یورپ کی خواتین کا علمی معیار اور ان کی معاشرے میں حیثیت کیا تھی۔ ہمیں علم ہے کہ زمانہ وسطیٰ میں یورپی عورتوں کی تعلیم کی جانب بہت ہی کم توجہ دی گئی۔ Wieth Knud کے مطابق "کیتھولک عقائد کے تحت عورت دوسرے درجہ کی مخلوق سمجھی جاتی تھی۔ اس عہد کے لوگوں کا خیال تھا کہ اسے اقتدار تو درکنار کسی قسم کا اختیار بھی نہیں دینا چاہیے، بلکہ ان کی سرگرمیاں گھر کی چار دیواری تک محدود رکھنی چاہئے۔ جیسا کہ انسائیکلوپیڈیا آف ایجوکیشن میں اس نظریے کی وضاحت کی گئی ہے۔" فرانسسکو دابار برینو "کا خیال ہے کہ "طبقہ امراء کی لڑکیوں کو پڑھانا، لکھانا ضروری ہے۔" تاکہ وہ بڑی ہو کر اپنے علاقے کا انتظام سنبھال سکیں، جبکہ رئیسوں، ججوں، ڈاکٹروں اور دوسرے معزز لوگوں کی لڑکیوں کے سلسلے میں وہ بحث و تمحیص کے بعد یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ ان کے لئے بہتر یہ ہے کہ پڑھنا، لکھنا نہ سیکھیں بلکہ تاجروں اور دستکاروں کی لڑکیوں کو بھی وہ علم حاصل کرنے سے روکتے ہیں۔

لانگڈن ڈے ویز (Langdon Davies) نے اپنی کتاب "عورتوں کی مختصر تاریخ" (A Short History of Women) میں اس دور کی عورتوں کا کچھ ایسا ہی نقشہ پیش کیا ہے، لکھتے ہیں "بڑے بڑے سورماؤں کی عورتیں کس قسم کی زندگی بسر کرتی تھیں؟ بہت سی عورتیں برائے نام پڑھی لکھی ہوتیں۔ بچپن میں کوئی اتالیق انہیں پڑھاتا یا پھر ابتدائی مدرسوں میں داخل کر دی جاتیں، جہاں انہیں پڑھنا، لکھنا، سکھایا جاتا تھا۔ یہ عورتیں صرف ایسے قصے کہانیاں اور رومانی افسانے پڑھ سکتی تھیں، جو خانہ بدوش تاجروں سے خریدے جاتے تھے۔ اس سے یہ بات یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ نچلے طبقے کی عورتوں کو اتنی بھی تعلیم میسر نہ تھی۔ ازمنہ وسطیٰ کے حالات کا جائزہ اے ابرام نے نہایت واضح طور پر پیش کیا۔ لاتور لانڈری (L.Laundry)، کے نائٹ، جن کی رائے اس موضوع پر سند سمجھی جاتی تھی، وہ اس بات کے متمنی تھے کہ ان کی لڑکیاں پڑھنا سیکھ لیں، ان کا خیال تھا کہ لڑکیوں کو کتاب مقدس کی اچھی اچھی باتیں سیکھنے کے لئے مدرسوں میں داخل کرنا چاہیے تاکہ وہ اپنے فرائض کو بہتر طور پر سمجھ کر سلیقہ شعار بن سکیں۔ لیکن انہوں نے عورتوں کی اس سے زیادہ تعلیم و تربیت کو ضروری نہیں سمجھا، اس دور میں مرنے والے اپنے وصیت نامے میں

لڑکیوں کی تعلیم کے لئے کچھ نہیں رکھتے تھے۔ اس کی بجائے وہ شادی کے لئے جائداد میں سے حصہ دیتے تھے۔ اگر لڑکیاں معمولی لکھائی، پڑھائی کے بعد امور خانہ داری سے واقفیت پیدا کر لیتیں تو والدین ان کی طرف سے مطمئن ہو جاتے۔(۵۹)

اسلام میں خواتین کی تعلیم

اللہ تعالیٰ نے خلافت الٰہی قائم کرنے کی ذمہ داری عورت اور مرد دونوں پر عائد کی ہے۔ دونوں کو مرنے کے بعد اپنے اپنے کارنامۂ حیات خدا کے حضور پیش کرنے ہیں۔ یہ ذمہ داری فرداً فرداً ہر شخص کو ادا کرنی ہے۔ منصب خلافت کی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کی تیاری تعلیم کے ذریعہ کی جاتی ہے۔ یہ تعلیم جتنی مردوں کے لئے ضروری ہے اتنی ہی عورتوں کے لئے بھی ضروری ہے۔ دونوں کے درمیان کسی قسم کا کوئی فرق نہیں ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان اس سلسلے واضح ہے۔ "طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ" علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔

اسلام نے اول روز سے عورتوں کی تعلیم کی طرف توجہ دلائی ہے۔ مکی زندگی کی سختیوں میں جہاں جاں باز مرد بے پرواہ ہو کر اسلام قبول کر رہے تھے، وہاں جاں نثار خواتین تکالیف سے بے نیاز ہو کر اسلام سے سرفراز ہو رہی تھیں۔ جس طرح مرد مخفی طور پر قرآن مجید سیکھتے تھے، تو خواتین بھی ان سے پیچھے نہ رہتیں۔ حضرت عمرؓ کے اسلام قبول کرنے میں اس واقعہ کو اہمیت حاصل ہے کہ اس وقت ان کی بہن فاطمہ گھر میں قرآن مجید کی تلاوت کر رہی تھیں۔

مدینہ میں جب اسلامی ریاست قائم ہو گئی اور وہاں باقاعدہ تعلیم و تربیت کا نظام قائم ہو گیا تو جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد نبوی میں مردوں کو تعلیم دیتے تھے وہاں گھر کے اندر خواتین کے لئے بھی ایک دن مخصوص تھا۔ تعلیم کے لئے سب سے پہلا مدرسہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اپنے گھر میں قائم کیا۔ وہ اپنے گھر میں بچیوں کو قرآن مجید پڑھاتی اور عورتوں کو اسلامی مسائل کی تعلیم دیتیں۔ مرد بھی ان کے علم سے مستفید ہوتے۔ باہر صحن میں مرد بیٹھ جاتے اور وہ پردہ کے پیچھے سے ان کے علمی سوالات کے جوابات دیتیں۔ قرآن، حدیث اور فقہ کے علاوہ حضرت عائشہ صدیقہؓ اشعار عرب، انساب عرب اور طب عرب کی بھی ماہرہ تھیں۔ یہ علوم انہوں نے اپنے والد حضرت ابو بکر صدیقؓ سے سیکھے تھے۔ حضرت عروہؓ بن زبیرؓ نے بھی اپنی خالہ حضرت عائشہؓ سے علم حاصل کیا تھا۔(۶۰)

ڈاکٹر احمد شلبی اس ابتدائی عہد پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "یہ سچ ہے کہ کچھ عورتوں نے تعلیمی سہولتوں سے فائدہ اٹھایا تھا۔ لیکن جہاں تک میرا مطالعہ ہے اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ عورتوں میں تعلیم کا عام چرچا تھا۔ اگر مردوں سے موازنہ کیا جائے تو ان پڑھ عورتوں کے مقابلے میں شائستہ خواتین کا

تناسب یقیناً بہت کم تھا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کا سبب کیا تھا؛ کیونکہ مذہب اسلام میں جنس کو حصول تعلیم میں کبھی رکاوٹ نہیں سمجھا گیا۔ میرے خیال میں اس کی وجہ وہ مشکلات ہیں جو عام طور پر طالب علموں کو برداشت کرنی پڑتی ہیں ان دنوں علم کے حصول کے لئے سفر ناگزیر تھا، اکثر بڑے اور طویل سفر کرنے پڑتے تھے عرب عورتیں اس مشقت کی عادی نہ تھیں کیونکہ انہیں معاشرے میں ایک مقدس مقام حاصل تھا، جس کا اظہار ایک عرب شاعر نے ان الفاظ میں کیا ہے: "ہمارا فرض یہ ہے کہ جنگ میں حصہ لیں اور اپنے لوگوں کی آخری دم تک حفاظت کریں، جبکہ ہماری عورتوں کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ محلوں میں آرام سے بیٹھی رہیں" یہی وجہ ہے کہ تعلیم یافتہ مردوں کے مقابلے میں پڑھی لکھی مسلم خواتین کی تعداد بہت کم رہی۔

ظہور اسلام کے ابتدائی دنوں سے بات شروع کرتے ہوئے ہم البلاذوری کے بیان کا حوالہ دے رہے ہیں اس نے لکھا ہے "طلوع اسلام کے وقت صرف پانچ عورتیں لکھنا، پڑھنا جانتی تھیں"۔ جن کے نام یہ بتائے گئے ہیں ۱۔ حفصہؓ بنت عمرؓ ۲۔ ام کلثومؓ بنت عتبہ ۳۔ عائشہ بن سعد ۴۔ کریمہ بن المقداد ۵۔ اور ان سب سے بڑھ کر الشفاء جس نے حفصہؓ کو پڑھایا تھا۔ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حفصہؓ سے عقد کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "الشفاء" سے درخواست کی کہ وہ تعلیم کا سلسلہ جاری رکھیں۔ پیغمبر اسلام کی دو اور ازدواج یعنی عائشہؓ اور ام سلمہؓ پڑھنا جانتی تھیں البتہ وہ لکھ نہیں سکتی تھیں۔

"الشفاء" نے نجی طور پر حفصہؓ کو جس طرح پڑھایا اسے لڑکیوں کی تعلیم کے لئے ایک نمونہ سمجھا جاتا تھا اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملا کہ لڑکیاں مکتب جاتی تھیں یا یہ کہ عورتیں مردوں کے ساتھ پڑھتی تھیں۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ روایت ہے کہ کچھ عورتیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گئیں اور درخواست کی کہ آپ عورتوں کی تعلیم کے لئے ہفتے میں ایک دن مقرر کر دیں۔ آپ نے ایسا ہی کیا اور اس دن باقاعدگی سے عورتوں کو درس دیتے اور انہیں تلقین فرماتے، بعض مصنفوں نے اس بارے میں غلطی کی ہے جیسے خلیل طوطح نے "التربیۃ والتعلیم عندالعرب" کے صفحہ نمبر ۹۹ پر الاغانی کے تین اقتباسات نقل کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ لڑکیاں بھی لڑکوں کیساتھ مکتب جاتی تھیں لیکن اصل کتاب میں یہ اقتباسات بجنسہ موجود نہیں۔ "الاہوانی" نے بھی اس مسئلے پر بحث کرتے ہوئے متضاد بیانات دیئے ہیں، پہلے وہ لکھتا ہے کہ لڑکیوں کو مکتب میں تعلیم دی جاتی تھی اور آگے چل کر وہ لکھتا ہے "لڑکیوں کو گھروں میں ہی پڑھانے کا رواج تھا"۔

مجھے یقین ہے کہ قرون وسطیٰ میں مسلمان لڑکیوں کو گھر پر ہی تعلیم دی جاتی تھی۔ ابن سحنون کی "ادب المعلمین" کے دیباچے میں بھی یہی خیال ظاہر کیا گیا ہے۔ اس میں لکھا ہے "اکثر والد ہی اپنی لڑکیوں کو پڑھاتے تھے، جیسا کہ عیسیٰ بن مسکین (متوفی ۲۶۸ھ) کا دستور تھا۔ وہ نماز عصر کے وقت تک اپنے شاگردوں کو پڑھاتے اور اس کے بعد وہ اپنی بیٹیوں، پوتیوں اور نواسیوں کو بلاتے جنہیں وہ قرآن حکیم اور دوسرے مضامین

پڑھاتے تھے"۔

مشہور شاعر الاعشا نے اپنی بیٹی کو تعلیم دی۔ وہ اس قدر مہذب اور شائستہ ذوق کی خاتون تھیں کہ الاعشا اپنی نئی نظموں پر ان کی تنقید کو صحیح تسلیم کرتے تھے۔ البتہ بعض جگہوں پر امیروں اور شہزادوں کے خاندان کی لڑکیوں کو تعلیم دینے کے لئے اتالیق اور معلم رکھے جاتے تھے۔ بہر حال نجی طور پر علم حاصل کر کے بہت سی خواتین نے مختلف مضامین خصوصاً اصول فقہ میں بڑا کمال پیدا کیا تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ حضرت عائشہؓ انصاری عورتوں کی تعریف کرتی تھیں کہ وہ تعلیم کے حصول میں شرم و حجاب سے کام نہیں لیتیں۔

مسلم خواتین صرف اسلامی تعلیم ہی حاصل نہیں کرتی تھیں بلکہ ان میں اسلامی کردار اور شرافت کا جوہر بھی تھا۔ اس سلسلے کا ایک مشہور واقعہ ہے جس سے مسلمان خواتین کے معیار کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ۷۳ ہجری میں حجاج کی فوجوں نے خلافت کے دعویدار عبداللہ بن زبیرؓ کی فوج کو شکست فاش دی۔ عبداللہ بن زبیرؓ کے بیشتر ساتھیوں نے ہتھیار ڈال دیئے، جن میں خود ان کے قبیلے کے بہت سے لوگ بھی شامل تھے۔ اس کسمپرسی کے عالم میں ابن زبیر اپنی ماں اسماء کے پاس گئے، جو حضرت ابو بکرؓ کی بیٹی تھیں۔ ماں اور بیٹے میں جو گفت و شنید ہوئی وہ درج ذیل ہے۔

ابن زبیر۔ "ماں! میرے حامیوں نے میرا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔ چند خستہ حال لوگ جو میرے ساتھ ہیں، ان کا بھی کچھ ٹھکانہ نہیں کہ کب مجھ سے الگ ہو جائیں۔ دوسری جانب، میرا حریف ہتھیار ڈالنے کے سلسلے میں میری شرطیں قبول کرنے کو آمادہ ہے، بتایئے میں کیا کروں؟"۔

اسماء۔ "بیٹا تم خود مجھ سے بہتر جانتے ہو۔ اگر تمہیں یقین ہے کہ تم حق پر ہو اور باطل کے خلاف جنگ کر رہے ہو تو مرتے دم تک لڑتے رہو اور امویوں کی اطاعت قبول نہ کرو اور اگر تم دنیاوی جاہ و حشم کے آرزو مند ہو، تو تم کس قدر ذلیل ہو کہ ایسے حقیر مقصد کیلئے خود کو اور اپنے حامیوں کو برباد کر رہے ہو۔ اپنے ساتھیوں کی کمزوری کی وجہ سے گھٹنے نہ ٹیکنا، کیونکہ یہ صالح انسان کا عمل نہیں ہے۔ یاد رکھو، کہ تمہارے رفیقوں نے اس مقصد کی خاطر اپنی جانیں قربان کی ہیں اور تمہیں آخری دم تک اس کے لئے لڑنا چاہئے، فتح حاصل کرو یا جان دے دو۔ اور یہ بھی یاد رکھو کہ دنیا میں تمہیں ہمیشہ نہیں رہنا ہے"۔

ابن زبیر۔ "ماں، مجھے ڈر ہے کہ شامی مجھے دار پر چڑھا دیں گے۔ میری لاش کو گھسیٹتے پھریں گے اور ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے"۔

اسماء۔ "بیٹے! جب بھیڑ ذبح ہو جاتی ہے تو کھال اتارنے سے اسے کوئی تکلیف نہیں پہنچتی"۔

جیسے جیسے وقت گزرتا گیا اور تہذیبی ترقی کا دامن وسیع ہوتا گیا۔ مسلمان خواتین تمام ثقافتی سرگرمیوں میں حصہ لینے لگیں (۲۱)

علم

اسلام کی ابتدائی صدیوں میں مسلمانوں نے علوم و فنون میں بے حد ترقی کی، اس بہار علم میں مردوں کے ساتھ عورتوں کا بھی حصہ ہے۔ اس دور میں سب سے اشرف اور اعلیٰ علم حدیث شمار ہوتا تھا۔ اس کے حصول کی خاطر سخت محنت و مشقت اور مسافت اختیار کرنا پڑتی تھی۔ اس شعبہ میں بھی خواتین نے نام پیدا کیا ہے۔ امام شافعی (۲۰۴ھ۔ ۸۲۰ء) نے ایک خاتون حضرت نفیسہ سے بھی سند حدیث حاصل کی تھی۔ حافظ ابن عساکر (۵۷۰ھ۔ ۱۱۷۵ء) نے "تاریخ دمشق" میں ان ۸۰ (اسی) خواتین کا تذکرہ کیا ہے جن سے انہوں نے علم حدیث حاصل کیا۔ تصوف کے امام شیخ محی الدین ابن عربی (۶۳۸ھ۔ ۱۲۴۰ء) نے علم حدیث حضرت شہدہ ایک خاتون سے حاصل کیا تھا۔ امام ابن تیمیہ (۷۲۸ھ۔ ۱۳۲۸ء) کے اساتذہ میں بھی ایک عورت زینب شامل ہے، دوسرے علوم و فنون میں بھی خواتین مردوں کے دوش بدوش ہیں۔ تذکرہ کی کتابوں میں محدثات، قاریات، فقیہات، خواتین کے تذکرے ملتے ہیں، وہ اعلیٰ علوم کی تحصیل میں مردوں سے پیچھے نہیں تھیں۔ اس کے علاوہ خواتین طب کا مشغلہ بھی رکھتی تھیں۔ مشہور طبیب ابو القاسم زہراوی اندلسی (۱۰۰۹ء) کی بہن اور بھانجی دونوں علم طب کی فاضلہ تھیں اور عورتوں کے علاج معالجہ میں مہارت رکھتی تھیں۔ اشاعت تعلیم کے شعبہ میں بھی وہ مردوں سے کم نہیں تھیں۔ عالم اسلام کی کتنی ہی جامعات اور مدارس خواتین کی فیاضی اور دلچسپی کی زندہ یادگاریں ہیں۔ غازی صلاح الدین ایوبی (۱۱۹۳ء) کی بہن "زمرد" اور بھتیجی "عذرا" نے دمشق میں علیحدہ علیحدہ مدرسے قائم کیے تھے۔ یہ شرف بھی ایک خاتون کو حاصل ہے کہ دنیا کی قدیم ترین یونیورسٹی جو آکسفورڈ یونیورسٹی اور جامعہ ازہر سے بھی قدیم ہے۔ ایک خاتون نے قائم کی تھی جو آج تک درس و تدریس کا فریضہ انجام دے رہی ہے۔ یہ جامعہ قرویین ہے۔

جامعہ قرویین مراکش کے شہر فاس میں قائم ہے۔ اس جامعہ کی عمارت ایک متمول تاجر محمد الفہری کی لڑکی فاطمہ نے اپنے ترکہ پدری سے (۸۵۹ء) میں تعمیر کرائی تھی۔ جب تک یہ جامعہ تعمیر ہوتی رہی، وہ خاتون تقرب الٰہی کے لیے مسلسل روزے رکھتی رہیں۔ یہ جامعہ فن تعمیر کی ایک اعلیٰ مثال ہے۔ اس میں چودہ دروازے، ستر ستون اور اکیس محراب دار صفیں ہیں۔ اس میں تیئیس ہزار آدمی نماز ادا کر سکتے ہیں۔ ابتداء میں اس کے اندر ایک سو تیس جھاڑ روشنی کے لیے لگائے گئے تھے، جن میں سے ہر ایک کی قیمت اس وقت ہزاروں دینار سرخ تھی۔ ہر جھاڑ میں پانچ سو بیس گلاس روشنی کے لیے تھے۔ ماہ رمضان المبارک میں تمام جھاڑ فانوس روشن ہوا کرتے تھے۔ اب صرف ختم القرآن کے دن یعنی ۲۷ رمضان کو چراغاں ہوتا ہے۔ وضو کا انتظام نہایت عمدہ ہے۔ وسط مسجد میں سفید بے داغ سنگ مرمر کی نہر جاری ہے۔ دونوں کناروں پر چھوٹے چھوٹے بارہ دری نما سقاوے (ٹنکی) اس قدر خوش نما اور سبک بنے ہوئے ہیں کہ ان پر قصر الحمرا (اندلس) کا دھوکا ہوتا ہے۔ سقاوے سے شفاف اور سرد پانی کی دھاریں جھم جھم کرتی مستانہ وار گرتی ہیں اور دوسری بارہ دری میں پہنچ کر غائب ہو جاتی ہیں۔ مسجد کے مینارے زیادہ بلند نہیں ہیں۔ مگر دلچسپ بات یہ ہے کہ بارہ بجے شب سے حفاظ

میناروں پر چڑھ کر وظائف پڑھنے لگتے ہیں ۔ ہر حافظ نصف گھنٹہ بہ آواز بلند وظائف اور آیات قرآنی پڑھ کر عجب سماں پیدا کر دیتا ہے ۔

۱۹۴۱ء میں بوقت دورہ سیاح مذکورہ جامعہ قرویین میں ڈیڑھ سو اساتذہ چھ سو طلبہ کو مختلف علوم و فنون ، تفسیر ، حدیث ، فقہ ، منطق ، فلسفہ ، ریاضی ادب وغیرہ کا درس دے رہے تھے ۔ مغرب (مراکش) کے علاوہ الجزائر ، سوڈان ، ٹمبکٹو (نائجیریا) آل غنا (گھانا) صحرائے اعظم سے مسلمان طلبہ تحصیل علم کے لیے یہاں آتے تھے ۔ یہاں ایک عظیم الشان اور نادر کتب خانہ بھی موجود تھے ۔ (۹۲)

خواتین کی تعلیم کے متعلق امام غزالی کے نظریات موجودہ دور کے مفکرین سے مختلف ہیں ۔ وہ عورتوں کو ابتدائی تعلیم کی نہ صرف اجازت دیتے بلکہ اس کو ضروری سمجھتے ہیں ۔ یہ ابتدائی تعلیم ایسی ہو جو معاشرہ کی وقتی ضروریات کو پورا کر سکے اور عورتیں امور خانہ داری اور بچوں کی تعلیم و تربیت کے فرائض معقول طور پر انجام دے سکیں ۔ (۹۳)

خواتین کے پسندیدہ علوم :

کتب تواریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث اور فقہ ، عورتوں کے پسندیدہ موضوع رہے ہیں ۔ ایسی بہت سی خواتین ایسی ہیں جنہیں محدثوں / راویان حدیث اور فقیہوں کی صف میں امتیازی حیثیت حاصل رہی ہے ۔ ابن حجر نے " الاصابہ فی تمیز الصحابہ " میں ان ۱۵۴۳ راویان حدیث خواتین کا مختصر حال لکھا ہے ، جنہوں نے اسلام کی ابتدائی دور میں شہرت پائی تھی ۔ " النواوی " نے اپنی کتاب " تہذیب الاسماء " میں الخطیب بغدادی نے " تاریخ بغداد " میں اور السخاوی نے " الدالامع " میں ان خواتین کا تفصیل سے ذکر کیا ہے جو اپنے علم اور قابلیت کے لئے مشہور تھیں ۔

یہاں ہم چند ایسی خواتین کا مختصر تذکرہ کرتے ہیں جن کی حیثیت دینی امور میں مسلمہ تھی ، اس ضمن میں اولیت کا شرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ حضرت عائشہؓ کو حاصل ہے ۔ روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں سے کہا تھا کہ وہ پچاس فیصد دینی امور میں حضرت عائشہؓ کی بات کو مستند سمجھیں ، انہیں ایک ہزار احادیث یاد تھیں جو انہوں نے براہ راست رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی تھیں ۔

اسی طرح خاندان علی کی ایک خاتون نفیسہ اس قدر جید محدثہ تھیں کہ امام الشافعی اپنی شہرت کے انتہائی عروج کے زمانے میں بھی فسطاط میں ان کے حلقے میں شریک ہوتے تھے ۔ فاطمہ بن الحقرع ایک نامور فاضلہ اور اعلیٰ درجہ کی خوش نویس تھیں ۔ انہوں نے بہت سے لائق معلموں سے درس لیا تھا ۔ اور ان سے طلباء کی خاصی بڑی تعداد نے علم حاصل کیا ۔

○ شیخا شہرا جو فخر النساء کے لقب سے مشہور تھیں، بغداد کی جامع مسجد میں بڑے بڑے اجتماع کے سامنے ادب، علم بلاغت اور شاعری کے موضوع پر تقریریں کرتی تھیں۔ تاریخ اسلام میں ان کا شمار ممتاز ترین علماء کی صف میں ہوتا ہے۔

○ ایک ممتاز خاتون زینب بن الشعری نے اپنے زمانے کے نامور متکلمین سے درس لیا اور اسناد حاصل کی تھیں۔ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ اس نے اس وقت انہیں ایک سند دی جب وہ صرف دو سال کے تھے۔ اس زمانے میں اس قسم کی رسم کا رواج تھا۔ یہ اسناد بچے کو برکت اور حوصلہ افزائی کے خیال سے دی جاتی تھیں تاکہ وہ محنت کرے اور خود کو ان اسناد کا اہل ثابت کرے۔

○ آخر میں اس حیرت انگیز واقعہ کا ذکر بھی ضروری ہے کہ ابوالخیر الاقتاع کی خوشدامن عنیزہ کے حلقہ درس میں پانچ سو سے زیادہ طلباء شامل تھے۔

ان تعلیم یافتہ عورتوں کا ذکر بھی مناسب معلوم ہوتا ہے، جن کے علم وہدایت سے بہت سے دانشوروں نے فیض حاصل کیا۔

○ ممتاز عالم الخطیب البغدادی، کریمہ بن احمد المروزی کے شاگرد تھے، وہ انہیں صحیح البخاری کی تفسیر پڑھایا کرتی تھیں۔

○ علی بن عساکر نے بے شمار اساتذہ سے علم حاصل کیا تھا، ان میں سے ۸۰ (اسی) خواتین شامل تھیں۔

○ غرناطہ کے ابوحیان نے اپنے معلموں کی فہرست بتاتے ہوئے تین ممتاز خواتین یعنی معنسابنت الملک الکامل، شامیہ بنت الحافظ اور زینت بنت عبداللطیف بغدادی کا ذکر کیا ہے۔

○ دو ممتاز خواتین عائشہ بنت محمد اور زینت بنت کمال الدین نے شہرہ آفاق سیاح ابن بطوطہ کو سرٹیفیکیٹ دئے تھے۔

ادب:

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ بہت سے عورتوں نے شاعری اور علم بلاغت میں بڑا نام پیدا کیا۔ بعض عورتیں اپنے زمانے کے مردوں سے بھی بازی لے گئی تھیں۔ چند مثالیں درج کی جاتی ہیں۔

○ النضر بن الحارث، ہجرت سے قبل رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پتھر پھینکتا تھا اور آپ کو بڑی اذیت پہنچاتا تھا۔ بعد میں غزوہ بدر میں جب وہ قید ہو کر آیا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے قتل کرادیا اس کی ہمشیرہ قاتلہ نے ایک انتہائی مربوط اور دردانگیز مرثیہ لکھا۔ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ مرثیہ سنا تو فرمایا کہ "اگر میں اسے پہلے سنتا تو شاید مقتول کا قصور معاف کر دیتا۔"

○ الفرازق کی اہلیہ کو ادب پر اس قدر عبور حاصل تھا کہ اس کا شوہر اور شوہر کا حریف شاعر جریر دونوں

ایک نظم پر فیصلے کے لئے اس کے پاس پہنچے۔ اس نے یہ فیصلہ دیا کہ نظم کی بہترین حصوں میں دونوں برابر ہیں۔ البتہ جہاں گھٹیا اشعار ہیں وہاں جریر بہتر ہے۔

○ Seville کی ایک خاتون صفیہ نہ صرف فن خطابت اور شاعری میں ممتاز تھیں بلکہ خطاطی کے فن میں بھی اپنا ثانی نہیں رکھتی تھیں۔ ان کی خطاطی کی ہر طرف دھوم تھی اور خوشنویسی کے بڑے بڑے ماہرین ان کی تقلید کرتے تھے۔

○ زیاد کی بیٹیاں، زینت اور حمدہ اعلیٰ درجہ کی شاعرہ تھیں، انہیں علم و حکمت کے تمام شعبوں میں مہارت حاصل تھی۔ دونوں نہایت خوبصورت، دولت مند، شریف النفس اور منکسر المزاج تھیں۔ علم و ادب کے ذوق کی وجہ سے وہ علماء و فضلا کی محفلوں میں بیٹھتیں اور بڑے وقار اور متانت کے ساتھ ان کی گفتگو میں برابر کا حصہ لیتیں۔ لیکن انہوں نے صنف نازک کے رکھ رکھاؤ کو کبھی نظر انداز نہیں کیا۔

○ مریم بنت ابی یعقوب انصاری ایک بلند مرتبہ شاعرہ اور ادب کی معلمہ تھیں، ان کا حلقہ خواتین کے لئے مخصوص تھا، جہاں ان کے علم و فضل سے استفادہ کرنے کے لئے عورتوں کا ہجوم لگا رہتا تھا۔

○ ہدانیہ نے اپنے آقا ابو مطرب عبدالرحمن سے تعلیم پائی تھی، لیکن اپنے استاد پر سبقت لے گئیں، وہ المبرد کی کتاب "الکامل" اور القالی کی "النوادر" پڑھا کرتی تھیں اور علم عروض کی بڑی ماہر تھیں۔

○ غرناطہ کی حفصہ الرکونیہ اپنی شرافت، حسن، دولت اور لیاقت کے لیئے مشہور تھیں۔ یاقوت اور ابن الخطیب نے ان کے اشعار کے حوالے دئے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی شاعری میں بڑا سوز و گداز ہے وہ خلیفہ کے محل میں خواتین کی اتالیق اور معلمہ کے فرائض انجام دیتی تھی۔

دمشق کے کتب خانہ "الظاہریہ" میں السیوطی کی کتاب "نزہت الجلساء و فی اخبار النساء" کا ایک قیمتی نسخہ موجود ہے۔ اس مسودے میں ۷۰ شاعرات کی مختصر سوانح حیات درج ہیں۔ اس میں سے ہم ایک اقتباس پیش کرتے ہیں۔

تقیہ ام علی بنت ابی الفراج (متوفی ۵۷۹ ہجری) بڑی اعلیٰ صلاحیتوں کی مالک تھیں۔ ایک موقع پر انہوں نے صلاح الدین کے بھتیجے تقی الدین عمر کی شان میں ایک قصیدہ لکھا۔ اس نظم میں مے نوشی کی ایک محفل کا ذکر تھا، شاعرہ نے اس بزم میں، ساغر و مینا اور دیگر عام لوازمات کی اس قدر خوبصورتی اور باریکی سے عکاسی کی جیسے وہ خود بلا نوش رہ چکی ہوں۔ تقی الدین نے اس نظم کو پڑھنے کے بعد کہا کہ شاعرہ کو اس بارے میں ضرور ذاتی تجربہ ہوگا۔ اس کے بعد اس عورت نے ایک رزمیہ نظم لکھی، جس میں اس نے جنگ کی تمام جزویات بیان کیں اور میدان جنگ کے سورماؤں کی ہو بہو تصویر کھینچ دی، انہوں نے یہ نظم تقی الدین کو روانہ کر دی اور ساتھ ہی یہ بھی لکھ بھیجا کہ "شاہد و شراب کی محفلوں کا بھی اتنا ہی تجربہ ہے جتنا میدان جنگ کا"۔ تقی الدین اس نظم کو پڑھ کر اس کی اعلیٰ تخلیقی صلاحیتوں کا قائل ہو گیا اور بہت تعریف کی۔ (۹۳)

حواشی و حوالہ جات باب دوم

۱۔ العلم والعلماء مصنفہ ابن عبدالبر مترجم ص / ۵

۲۔ دوسرے بڑے مذاہب کی صحیفوں کے نام اس مفہوم سے خالی ہیں جیسے "وید" کے معنی محض علم ہیں "توراۃ" کے معنی شریعت یا قانون اور "انجیل" کے معنی بشارت ہیں۔

۳۔ سورۃ العلق / ۱۔ ۵

۴۔ سورۃ الجمعۃ / ۲

۵۔ سورۃ التوبۃ / ۱۲۲

۶۔ سورۃ المجادلۃ / ۱۱

۷۔ رپورٹ قومی کمیٹی برائے دینی مدارس، پاکستان ص ۲۲

۸۔ سورۃ العلق / ۱۔ ۲

۹۔ سورۃ العلق / ۳۔ ۵

۱۰۔ العلم والعلماء ابن عبدالبر / مترجم ص / ۳۸

۱۱۔ ایضاً ص / ۳۹

۱۲۔ اسلامی انسائیکلوپیڈیا ص / ۵۱۰۔ ۵۱۱

۱۳۔ سورۃ الدہر / ۳

۱۴۔ سورۃ الفاطر / ۲۸

۱۵۔ سورۃ المجادلۃ / ۱۱

۱۶۔ العلم والعلماء ابن عبدالبر (عربی) ص / ۱۳

۱۷۔ ایضاً ص / ۱۳

۱۸۔ العلم والعلماء ابن عبدالبر مترجم ص / ۴۳

۱۹۔ العلم والعلماء ابن عبدالبر (عربی) ص / ۱۳

۲۰۔ العلم والعلماء ابن عبدالبر (مترجم) ص / ۴۳

۲۱۔ اسلامی انسائیکلوپیڈیا ص / ۵۱۱ بحوالہ سنن بیہقی

۲۲۔ ایضاً۔ بحوالہ جامع ترمذی

۲۳۔ ایضاً بحوالہ مشکوٰۃ

۲۴۔ اسلامی انسائیکلوپیڈیا ص / ۵۱۱

۲۵ ـ تاریخ التعلیم خالد یار خان ص / ۱۱۵

۲۶ ـ اسلامی انسائیکلوپیڈیا ص / ۵۱۱

۲۷ ـ العلم والعلماء مصنفہ مولانا اشرف علی تھانوی ص / ۴

۲۸ ـ ایضاً ص / ۵

۲۹ ـ SOME ASPECTS OF RELIGION AND POLITICS IN INDIA DURING THE 13TH CENTURY P. -151

۳۰ ـ LEONARD BINDER, RELIGION AND POLITICS IN PAKISTAN, CALIFORNIA 1963 - P.25

۳۱ ـ SOME ASPECTS OF RELIGION & POLITICS IN INDIA DURING THE 13TH CENTURY P.-151

۳۲ ـ ULEMA IN POLITICS P.P 12-13

۳۳ ـ IBID

۳۴ ـ SOME ASPECTS OF RELIGION & POLITICS IN INDIA DURING THE 13TH CENTURY P. - 125

۳۵ ـ القرآن ـ سورہ آل عمران ۳، ۱۰

۳۶ ـ سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ص ـ ۴۰ ـ ۴۱ (امام غزالی اور مجدد الف ثانی و دیگر اکابر علماء نے علماء سوء کی شدید مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ ۔ سلاطین کی حالت اس وجہ سے بگڑی کہ علماء نے اپنی دینی حالت بگاڑی اور عماء کی حالت اس وجہ سے خراب ہوئی کہ دنیا کی محبت اور جاہ و مال نے ان کے قلوب مسخر کر لئے ۔ ـ

۳۷ ـ SOME ASPECTS OF RELIGION AND POLITICS IN INDIA DURING THE 13TH CENTURY P. - 4

۳۸ ـ ULEMA IN POLITICS P. - 4

۳۹ ـ محمد بن عبدالرحمن السخاوی ـ المقاصد الحسنہ ـ مصر ۱۳۷۵ ھ ـ ص ـ ۲۸۶

۴۰ ـ ایضاً ص / ۲۸۶

۴۱ ـ ماہنامہ برہان دہلی مارچ ۱۹۳۹ اور نظرات ص / ۹۳

۴۲ ـ عبدالرؤف المناوی فیض القدیر الجامع الصغیر مطبوعہ مصر ۱۹۳۸ ج / ۲ ص / ۳۰

۴۳ ـ علماء کا سیاسی کردار ص / ۳۲

۴۴ ـ سیرۃ النعمان، ص ۳۶ ـ ۳۷ انتظام اللہ شہابی، مشرق، علماء حق اور ان کی مظلومیت کی داستانیں ۔ دہلی ـ س ن ـ ص ـ ۲۴ ـ ۲۵

۴۵ ـ THE ARABIAN PROPHET HIS MESSAGE AND ACHIEVEMENT - P.-358

۴۶ ـ " برہان " دہلی ـ ماہنامہ " نظرات " مارچ ۱۹۳۹ ء ـ ص ـ ۱۹۲ ـ ۱۹۳

۴۷ ـ ماہنامہ افکار معلم لاہور اگست ۱۹۹۵ ء ص / ۲۹ تا ۳۱

۴۸ ـ تاریخ تعلیم خالد یار خان ص / ۱۰۹

۴۹ ـ علوم و فنون اور نصاب تعلیم مولانا اشرف علی تھانوی ص / ۲۹ تا ۳۰ بحوالہ حقوق العلم ص / ۸ ـ ۵ اور تجدید تعلیم ص / ۱۷

۵۰ ـ علوم و فنون اور نصاب تعلیم مولانا اشرف علی تھانوی ص / ۳۰ بحوالہ حقوق العلم ص / ۱۰

۵۱ ـ علوم و فنون اور نصاب تعلیم ص / ۳۱ بحوالہ حقوق العلم ص / ۱۰

۵۲ ـ علوم و فنون اور نصاب ص / ۳۱ بحوالہ التبلیغ ج / ۱۲ ص / ۲۱۳

۵۳ ـ علوم و فنون اور نصاب ص / ۳۲ بحوالہ دعوات عبدیت ج / ۱۰ ـ ص / ۳۵

۵۴ ـ سورہ الطارق / ۵

۵۵ ـ سورہ نوح / ۱۵ ـ ۲۰

۵۶ ـ سورہ الغاشیہ / ۲ تا ۶

۵۷ ـ مسلمانوں کا نظام تعلیم ڈاکٹر احمد شلبی ص / ۲۱۵ ـ ۲۱۹

۵۸ ـ ہند و پاکستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت ص / ۱۲۸ تا ۱۳۱

۵۹ ـ مسلمانوں کا نظام تعلیم ڈاکٹر احمد شلبی ص / ۲۱۸ تا ۲۲۰

۶۰ ـ ہند و پاکستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت ص / ۱۲۸ تا ۱۳۱

۶۱ ـ تاریخ تعلیم خالد یار خان ص / ۱۱۰

۶۲ ـ مسلمانوں کا نظام تعلیم ڈاکٹر احمد شلبی ص / ۲۲۱ تا ۲۲۳

باب سوم : عہد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

خلافت راشدہ اور بعد کے ادوار میں تعلیم و تعلم کی صورتیں

فصل اول : عہد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں منہاج تعلیم

- سفری معلم
- اصحاب صفہ کی تعلیم وتربیت
- مسجد نبوی بطور درسگاہ
- مدینہ میں فروغ علم
- مدینہ سے باہر اشاعت علم
- تدریس کے عوض قیدیوں کی رہائی
- مکہ میں فروغ علم

فصل دوم: خلفائے راشدین کی تعلیمی خدمات اور منہاج تعلیم

- خلفائے راشدین کی تعلیمی خدمات
- حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور میں منہاج تعلیم
- حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں منہاج تعلیم
- حضرت عثمان غنیؓ کے دور میں منہاج تعلیم
- حضرت علیؓ کے دور میں منہاج تعلیم

فصل سوم: عالم اسلام کے اساسی تعلیمی ادارے

- اسلامی تعلیمی ادارے
- باضابطہ مدارس کے قیام سے پہلے تعلیم و تعلم کی صورتیں
- فروغ علم میں مسجد کا حصہ
- اساتذہ کی رہائش گاہوں کا فروغ علم میں حصہ
- فروغ علم کیلئے عاملین کو احکامات
- حلقہ
- چند مشہور حلقات العلم

باب سوم: عہد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خلافت راشدہ اور بعد کے ادوار میں تعلیم و تعلم کی صورتیں

فصل اول: عہد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں منہاج تعلیم

پیغمبر تعلیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن کے پیغمبرانہ مشن کا آغاز ہی ذکر، علم و قلم سے ہوا، دنیا کے علم کے لیے ایک انقلاب آفرین پیغام لے کر تشریف لائے۔ انھوں نے تعلیم کو ہر مرد و زن کا بنیادی فریضہ قرار دے کر ہزار ہا سال پرانی اجارہ داری کو ختم کر دیا جو انسان کے خود ساختہ نظاموں نے علم اور بالخصوص مذہبی علم پر عائد کر رکھی تھی۔ عرب کا حال یہ تھا کہ جب وہاں اسلام آیا تو بقول بلاذری قبیلہ قریش میں صرف سترہ آدمی لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ جبکہ یہ قبیلہ تمام عرب میں اپنی مذہبی اجارہ داری کی وجہ سے ممتاز تھا۔ سینٹ پال نے مسیحیت کے نام پر جس نظام کی ترویج کی اس میں کسی عام آدمی کا مذہبی علم سے بہرہ ور ہونا آسان کام نہ تھا۔ ہندوؤں کے طبقاتی نظام کا فیصلہ تھا کہ اگر کسی شودر کے کان میں بلا ارادہ بھی وید کا کوئی اشلوک پڑ جاتا تو اس کے کان میں پگھلا ہوا سیسہ بھر دیا جاتا تھا۔ لیکن محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان تمام اجارہ داریوں کو ختم کر کے ہر انسان کے لئے حصول علم کو ضروری قرار دیا نیز تعلیم و تربیت اور حصول علم کے لئے راہنما اصول متعین کر کے بعثت کے فوری بعد اس فریضہ کی عملی ادائیگی کے لئے خدیجہ الکبریٰ کے مکان سے درس و تدریس کی بنیاد ڈالی۔(۱)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی تعلیم کی ابتداء غار حرا سے ہوئی اور حکم دیا گیا "اقرا" وقت گزرنے کے ساتھ اسلام کا پیغام پھیلنے سے طالبان علم کا دائرہ وسیع ہوتا گیا۔(۲) چنانچہ یہ تعلیمی سرگرمیاں "دار ارقم" منتقل ہو گئیں، یہ مکان ارقم بن ارقم صحابی کا تھا، اس مقام پر آپ تین سال یعنی ۶ نبوی تک تعلیم و تربیت کا فریضہ سرانجام دیتے رہے۔ یہاں نو مسلم چھپ چھپ کر جمع ہوتے تھے اس دوران کبھی بصورت وحی اور کبھی اپنے علم و حکمت کے ذریعے طالبان علم کو تعلیم دیتے، اس طرح یہاں تعلیم و تربیت کا سلسلہ ۷ نبوی شعب ابی طالب کے واقعے تک جاری رہا(۳)، اس تمام دور کو ایک لحاظ سے تعلیمی دور بھی کہا جا سکتا ہے۔ اس لئے کہ آپ پر نازل شدہ پہلی وحی میں اس حقیقت کی جھلک نظر آتی ہے۔

ہجرت مدینہ سے قبل، مدینہ کے جن لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تھا، ان کی درخواست پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معصب بن عمیرؓ اور ام کلثوم کو مدینہ کے مسلمانوں کی تعلیم کے لئے بھیجا، جب یہ دونوں اصحاب مدینہ پہنچے تو انہیں اسعد بن ضرارہ نے تعلیم دینے کے لئے اپنا مکان پیش کیا، اس طرح علم کی روشنی قبل از ہجرت مدینہ پہنچا دی گئی۔

سفری معلم

عالم اسلام کا سب سے پہلا تعلیمی ادارہ "سفری معلم" سمجھا جاتا ہے، اوائل اسلام میں جو قبائل دعوت اسلام قبول کر لیتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم حسب ضرورت کسی صحابی یا صحابہ کی جماعت کو انہیں دینی احکام کی

تعلیم دینے کے لئے بھیج دیتے، یہ ایک جگہ پر اپنا کام مکمل کرنے کے بعد کسی دوسری جگہ تعلیم دینے کے لئے چلے جاتے۔ اس طرح وہ زیادہ تر سفر ہی میں رہتے۔ انہیں عام طور پر "قرا۔" کہا جاتا جو سفری معلم کا فرض انجام دیتے تھے۔ قرا۔ کا کام لوگوں کو قرآن حکیم کی سورتیں اور شرعی احکام زبانی یاد کرانا تھا، تاکہ وہ اسلامی تعلیمات کے مطابق اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو منظم کر سکیں۔

اصحاب صفہ کی تعلیم و تربیت

مسجد نبوی میں قائم تعلیمی مرکز "صفہ" میں اس وقت اعلیٰ اور معیاری تعلیم و تربیت کے انتظامات موجود تھے۔ اس لئے کہ ان کے معلم خود رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے، اس مدرسہ میں ایک وقت میں طالبان علم کی تعداد ۷۰ / ۸۰ تک پہنچ جاتی تھی (۴) جبکہ سیوطی نے اس تعداد کو ۱۰۱ تک ذکر کیا ہے، دراصل ان طلبہ کی تعداد مستقل نہ تھی (۵) بلکہ مدینہ میں قبائل کے وفود کی آمدورفت کے باعث مذکورہ تعداد میں کمی بیشی ہوتی رہتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیثیت معلم اول اصحاب "صفہ" اور مسلمان طالبان علم کو شخصی تعلیم دیتے ہوئے تعلیمی سرگرمیوں میں نظم ونسق کا خصوصی اہتمام کرتے، اسیطرح دیگر جگہوں پر بیٹھنے والے حلقہ ہائے درس کی نگرانی بھی فرماتے اور تعلیمی انتظامات میں باقاعدگی ملحوظ رکھتے، اگر کہیں کوئی بے قاعدگی نظر آتی تو فوراً تدارک فرما دیا کرتے۔

"صفہ" کی مجلس علم میں داخلے کی مخصوص شرائط بھی تھیں، جن پر باقاعدہ عمل درآمد کیا جاتا تھا، اس درس گاہ میں ہر عمر و درجہ کے مسلمانوں کے لئے حصول علم کے یکساں مواقع موجود تھے، اس درس گاہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ معلمین کا طریقۂ تعلیم نفسیاتی نقطہ نگاہ کے عین مطابق تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم آسان و دلنشین انداز میں تعلیم دیتے، جو باتیں اہم ہوتیں انہیں تین مرتبہ دہراتے تاکہ ہر درجہ کی ذہنی استعداد رکھنے والا شخص اسے اچھی طرح سمجھ کر ذہن نشین کر لے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم تعلیم دیتے وقت ہر شخص کی صلاحیت، عمل اور مزاج کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے دیگر معلمین کو بھی یہی ہدایت کرتے۔

مقررہ اوقات کے علاوہ مسجد نبوی میں ہر نماز کے بعد خصوصاً اور بوقت ضرورت بھی تعلیم کے حلقے لگا کرتے تھے، جن میں احکام شریعت کی تعلیم و مبادیات اسلام کی واضح تلقین ہوتی رہتی، آپ اس درس گاہ میں زیر تعلیم طلباء کی تعلیمی صلاحیت و استعداد کا وقتاً فوقتاً امتحان بھی لیتے رہتے، جو مسلمان مطلوبہ حد تک زیور تعلیم سے آراستہ ہوجاتے انہیں دیگر علاقوں میں اسلام کی تعلیم و تبلیغ کے لئے بھیج دیا جاتا۔ جو قبائل دائرہ اسلام میں داخل ہوجاتے، ان کی تعلیم و تربیت کیلئے بھی معلمین اسی درس گاہ سے بھیجے جاتے، تاکہ تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم دوسروں تک پہنچانے کا سلسلہ جاری رہے۔ دور دراز کی اسلامی بستیوں میں تعلیم کی غرض سے وہاں کے ذہین وفطین اور نو عمر مسلمانوں کو بطور خاص مدینہ بلوا کر کچھ عرصہ اسلامی صدر مرکز مدینہ میں رکھا جاتا، تاکہ انہیں اسلامی تعلیم و تربیت سے آراستہ کر کے اپنے اپنے علاقوں میں واپس بھیجا جاسکے، الغرض آپ کی کامیاب تعلیمی حکمت عملی سے اسلامی تعلیم وتدریس کا سلسلہ باقاعدگی اختیار کرتا گیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑے صحابہ کرام میں سے کئی ایک کو مختلف علوم کی تعلیم و تدریس کے لئے مقرر فرما دیا تھا، جن میں سے سعید ابن العاص مسلمانوں کو لکھنا سکھاتے۔ (۶) اور عبادہ ابن صامت لکھنا سکھانے کے ساتھ ساتھ قرآن حکیم کی تعلیم بھی دیتے۔ ان کے علاوہ عبداللہ ابن مسعود، ابی ابن کعب اور زید بن ثابت بھی درس دیا کرتے تھے۔ آپ نے صحابیات کے لئے بھی الگ تعلیمی حلقہ کے قیام کا اہتمام کیا۔ نیز اپنی اہلیہ حفصہؓ کے لئے بھی ایک معلمہ مقرر کیں جو انہیں تعلیم دیتی تھیں۔(۷) بلاشبہ اسلام کی سب سے پہلی باضابطہ درسگاہ مسجد نبوی میں قائم ہوئی، اسے اولین رسمی اقامتی جامعہ کی حیثیت بھی حاصل تھی۔ جہاں دن رات تعلیم وتربیت کا سلسلہ جاری رہتا تھا اس میں جہاں مقامی لوگ زیر تعلیم ہوتے، وہاں باہر سے آنے والے طالبان علم بھی مختلف اوقات کے لئے اس درس گاہ میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے قیام پذیر ہوتے۔ صفہ ان کے لئے دن میں مدرسہ اور رات میں دارالاقامہ کا کام دیتا تھا۔

جن اصحاب صفہ کا گھر بار نہ ہوتا اور وہ تنگدستی کی وجہ سے مہاجر و انصار کی طرح تجارت، زراعت میں مشغول نہ ہوسکتے تو وہ شب و روز اسی سائبان کے نیچے طلب علم میں تمام وقت گزارتے۔ یہ لوگ اگرچہ نادار تھے لیکن ان کی ناداری حصول علم میں رکاوٹ نہیں بنتی تھی نہ وہ عوام و ریاست پر بارگراں تھے، ان میں سے کچھ اصحاب دن میں تلاش معاش کرتے اور رات طلب علم میں مصروف رہتے، صفہ میں زیر تعلیم "قراء" کی خبرگیری عامۃ المسلمین کے سپرد تھی، اصحاب ثروت و وسعت باشارہ نبوت ان کی امداد بھی کرتے تھے۔ اصحاب صفہ کے کھانے پینے کے انتظامات معاذ ابن جبل کے سپرد تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان طلباء کی خورونوش و دیگر ضروریات زندگی کے انتظامات میں حصہ لیتے تھے۔ (۸) اصحاب صفہ نے تنگدستی اور فاقہ کشی کے باوجود سب سے زیادہ علم حاصل کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیضان صحبت سے صحابہ بڑے بڑے عالم اور فقیہہ بن کر نکلے۔ ان میں ابوہریرہ بھی شامل ہیں جو احادیث نبوی کے سب سے بڑے راوی بنے، آپ مدینہ منورہ کی اس مرکزی تعلیم گاہ کے ناظم تعلیمات بھی رہے۔

مسجد نبوی بطور درس گاہ

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کرکے جب مدینہ پہنچے تو ابتدائی ۱۰ ماہ کا عرصہ ابو ایوب انصاری کے مکان پر قیام کیا، بعد ازاں المرید میں جب آپ نے مسجد نبوی کی بنیاد ڈالی تو اس مسجد کے شمالی گوشے میں ایک چبوترہ بنایا، جس پر سائبان کا بندوبست کردیا گیا، یہی جگہ تاریخ میں صفہ کے نام سے مشہور ہوئی، جہاں سے تعلیم و تعلم کا ایک سلسلہ شروع ہوا۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ صرف صفہ تک ہی تعلیم و تعلم کا سلسلہ محدود نہ تھا بلکہ مسجد نبوی میں بھی گاہے بگاہے متعدد تعلیمی حلقے لگا کرتے تھے، تعلیم حاصل کرنے والوں کو اس وقت کی اصطلاح میں "قراء" کہا جاتا تھا (۹) یہ قراء ہمہ وقت خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں دین اسلام کے احکام و اصول و حقائق سیکھتے اور خدمت تعلیم میں مصروف رہتے، جبکہ دیگر لوگ کھیتی باڑی،

تجارت اور محنت مزدوری میں مشغول رہتے اور بوقت ضرورت طلب علم کے لئے مادر علمی میں حاضر ہو جاتے۔

مدینہ میں فروغ علم

مدینہ منورہ کی اس مرکزی تعلیم گاہ سے محض مسلمانان شہر ہی مستفیض نہیں ہو رہے تھے بلکہ علم کی چاشنی مختلف انداز میں دوسرے علاقوں کے نئے مسلمانوں کو بھی اپنی جانب متوجہ کر رہی تھی۔ لہذا تحصیل و ترویج علم کے غیر نمایاں طریقے بھی بھرپور انداز میں وسعت علم کا ذریعہ بن رہے تھے۔ عہد اسلامی کے ابتدائی ایام میں مدینہ منورہ کے معاشرتی و معاشی حالات ایسے نہ تھے کہ تمام مسلمانان عرب کو بیک وقت مدینہ منورہ یکجا کر کے ان کی تعلیم و تربیت کی جاتی اس لئے ایک طرف تو یہ کوشش کی گئی کہ مدینہ سے باہر کے لوگ جب اسلام قبول کرلیں تو انہیں ترغیب دی جائے کہ وہ ترک وطن کر کے مرکز اسلام کے قریب آبسیں (۱۰) بعض مرتبہ انہیں اس مقصد کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کے تحت سرکاری زمین بھی عطا کی گئی۔ (۱۱) اس وقت کے حالات کے تحت علم کے فروغ میں فطری انداز اختیار کئے گئے، جن سے نہ تو ان کی خوراک، رہائش اور آمد و رفت کا کوئی مسئلہ پیدا ہوا نہ کثیر تعداد میں لوگوں کے ایک جگہ سے دوسری جگہ آنے جانے میں روزمرہ زندگی متاثر ہوئی اور نہ تعلیم و تربیت کے عمل میں کوئی تشنگی باقی رہی۔

ہجرت کے بعد دور نبوت کے تعلیمی حالات کا بنظر غائر مطالعہ شاہد ہے کہ اس وقت مدینہ میں آنے والا ہر شخص چاہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی غرض سے تھوڑی دیر کے لئے آتا تو وہ بھی تعلیم و تربیت کی دولت سے مستفیض ہو کر واپس جاتا۔ اوائل عہد مدنی میں مدینہ منورہ میں زیادہ افرادی قوت مجتمع نہ تھی۔ البتہ بیرون مدینہ کے مسلمان جب بھی صدر مرکز اسلام، مدینہ آتے جاتے یا فریضہ جہاد کی ادائیگی کا معاملہ ہوتا تو اس دوران ان کی ضروری تعلیم و تربیت کر دی جاتی، اس فریضہ کی بجا آوری کے بعد لوٹنے والے مسلمان دوس جہاد اور ابتدائی اسلامی تعلیمات سے سرفراز ہو چکے ہوتے بلکہ اس قابل ہو جاتے کہ اپنے مقام پہ واپس جاکر دوسرے لوگوں کو اسلامی زندگی گزارنے میں ضروری راہنمائی کر سکتے تھے۔

صدائے اسلام جب اس دور میں دور دور تک پھیلی تو حقیقت حال معلوم کرنے کی غرض سے بھی مختلف علاقوں سے بے شمار وفود مدینہ آنے جانے لگے، دوران قیام یہ لوگ تعلیمات نبوی سے فیض یاب ہوتے رہتے اس وقت بیشتر عرب لوگ تجارت پیشہ تھے، لہذا تلاش معاش کے لئے نقل و حرکت کرتے رہتے، چنانچہ ان تجارتی قافلوں کی آمد و رفت سے بھی اسلامی علوم دور دراز کے علاقوں میں پہنچنا شروع ہو گئے۔ بخاری نے عمرو ابن سلمہ کے حوالے سے قافلوں کی آمد و رفت کا جو تذکرہ کیا ہے اس راوی حدیث کا تعلق قبیلہ بن جرم سے تھا، جس کا قیام اسی جگہ پر تھا جہاں قافلوں کا اکثر گزر رہتا، انہوں نے قافلے والوں سے پوچھ پوچھ کر قرآن حکیم کا معتد بہ حصہ ازبر کرلیا تھا، اسی لئے آپ اپنے قبیلے میں سب سے بڑے حافظ قرآن سمجھے جاتے تھے، جبکہ یہ اس

وقت کمسن تھے۔

مدینہ سے باہر اشاعت علم

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں تو علم کا مرجع آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہی تھی، لیکن آپ کی زندگی میں ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض یافتہ صحابہ اشاعت علم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگے۔ ہجرت مدینہ کے بعد مدینہ منورہ میں تعلیم و تربیت کا مکمل نظام رائج ہو گیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی ہی میں علم کو اس قدر عظمت عطا کر کے اسے عام و سہل الحصول بنا دیا کہ ہر شخص بقدر استطاعت چشمہ علم و عرفان سے فیض یاب ہونے لگا چنانچہ اس تعلیمی ادارے کے پڑھے ہوئے مدینہ سے باہر بھی اشاعت علم میں لگ گئے اور جہاں تک پہنچ سکتے تھے پہنچ، یہی وجہ ہے کہ ان کوششوں کے نتائج جلد سامنے آنے لگے، یہاں سے تعلیم حاصل کرنے والوں کی تعداد کا شمار نہیں کیا جاسکتا البتہ اس امر سے ان کی تعداد کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ بیر معونہ اور رجیع کے المیہ میں شہادت پانے والے تقریباً ۸۰ معلمین "صفہ" کے ہی تعلیم یافتہ تھے۔

تدریس کے عوض قیدیوں کی رہائی

تاریخ عالم کا حیرت انگیز واقعہ ہے، کہ مدینہ منورہ میں ہجرت کے ڈیڑھ سال بعد ۲ ھ میں جبکہ اسلام میں تعلیم و تعلم کا انتظام ابھی بہت بنیادی مرحلے میں تھا کہ جنگ بدر کا معاملہ پیش آیا۔ اس جنگ کی فتح کے بعد جب قریش کے ستر سر کردہ افراد گرفتار ہو کر آئے تو ان میں سے کچھ لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کی تعلیمی ضرورت کے پیش نظر اس موقع پر اسیران جنگ کی رہائی کے لئے یہ شرط عائد کی کہ اگر ان میں سے ہر ایک شخص مدینہ کے دس مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دے گا تو ان سے مالی تاوان لینے کی بجائے ان کی یہ تعلیمی خدمت ان کی رہائی کا سبب بن جائے گی۔ (۱۲) اس زمانے میں عرب میں بہت کم لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ عربی رسم الخط بھی اس وقت ابتدائی مرحلے میں تھا اسی لئے اسے سیکھنا بھی سہل نہ تھا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فیصلے سے نہ صرف مسلمانوں میں لکھنے پڑھنے کی رغبت اور تعلیم و تعلم کے عمل کو عظمت، بلکہ آنے والے وقت میں اس تدبیر سے نوشت وخواند کے معاملے کو آگے بڑھانے میں بہت مدد ملی۔

مکہ میں فروغ علم

ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد شروع کے سات سالہ دور میں ہی مدینہ کی اسلامی فلاحی ریاست میں بنیادی تعلیم و تعلم کا ایک نظام قائم ہو چکا تھا، چنانچہ ۸ ھ میں فتح مکہ کے بعد ضرورت اس امر کی تھی کہ مکہ کے نو مسلموں کی تعلیم و تربیت کی طرف بھی پوری توجہ دی جائے، اس مقصد کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے ابتدائی پیش رفت کے طور پر اپنے دو صحابہ معاذ ابن جبل خزرجی اور ابو موسیٰ اشعری کو بطور معلم مکہ میں ہی چھوڑ دیا انہوں نے ایک مدت تک تعلیم و تربیت کا سلسلہ جاری رکھا اور اسلامی تعلیم کی بنیادی ضروریات پوری کرتے رہے۔ طائف کے محاصرے کے دوران ثقیف کے جن غلاموں نے اپنے آقاؤں کا ساتھ چھوڑ کر اسلام کے دامن میں پناہ لی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں تعلیم و تربیت کی غرض سے چھ صحابہ کے سپرد کر دیا تھا۔ عہد رسالت کے آخری دور میں اسلامی تعلیم و تربیت محض درس گاہوں تک محدود نہ رہی بلکہ اس کی ذمہ داری ریاست کے ہر ذمہ دار اور بالغ نظر شہری پر عائد کر دی گئی کہ وہ اپنے دائرہ کار اور تعلیمی استعداد کے مطابق علم کے فروغ میں معاونت کرکے تعلیم عام کرنے کی کوشش کرے۔

فصل دوم: خلفائے راشدین کی تعلیمی خدمات اور منہاج تعلیم

خلفائے راشدین کی تعلیمی خدمات

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی تعلیم کے ساتھ ساتھ خواندگی کی جو مہم شروع کی اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تھوڑے ہی عرصے میں صحابہ نے معمولی نوشت وخواند کی بقدر تعلیم حاصل کرلی۔ خلافت راشدہ کے زمانے میں (۶۳۲ء - ۶۶۱ء) ان علوم وفنون کا دائرہ مزید وسیع ہوا جو عہد نبوی میں رائج تھے۔ تبلیغ کی ضرورت اور دوسری اقوام کے تیزی سے حلقہ اسلام میں داخل ہونے کی وجہ سے جو مسائل پیدا ہوئے انہیں حل کرنے کے لئے نئے علوم وفنون ایجاد ہوئے جن میں نحو، اصول فقہ اور حدیث کی صحت کو جانچنے کے علوم سرفہرست آتے ہیں۔ اسکے علاوہ سیر ومغازی کی بنیاد پڑی نیز خطابت، علم انساب اور علم الفرائض کو فروغ ہوا۔

علم انساب عربوں کا پرانا علم تھا۔ خلیفہ اول حضرت ابو بکرؓ اس کے مانے ہوئے عالم اور اپنے زمانے کے مشہور نساب تھے۔ حضرت عمرؓ نے وظائف دینے کے سلسلے میں قبائل عرب کا نقشہ مرتب کرایا جس سے انساب کے علم کی تحریر وتدوین کا آغاز ہوا۔ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ شعر وسخن کے بڑے ناقد تھے۔ علامہ ابن جوزی نے سیرت العمر میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے جو مکاتب قائم کئے تھے، ان میں آگے چل کر ادب، لغت اور شعر وغیرہ کی تعلیم دی جانے لگی۔ خود حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ "تم اپنی اولاد کو اچھے اشعار یاد کراؤ" تبلیغ، معاشرتی معاملات، جنگ اور صلح کی شرائط طے کرنے کے سلسلے میں فن خطابت کو بالخصوص ترقی ہوئی۔ حضرت علیؓ کے مجموعہ خطبات، نہج البلاغہ سے اس زمانے کی خطابت کے معیار کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ علم الفرائض یعنی میت کے ترکے کی تقسیم کی طرف خاص طور پر توجہ دی گئی۔ میراث کی تقسیم کے لئے حساب کا جاننا ضروری تھا لہذا حضرت عمرؓ نے ایک رومی حساب دان سے اس علم کے اصول مرتب کروائے۔ حضرت زید بن ثابت اور عبداللہ ابن مسعود اس علم کے بڑے ماہر تھے۔ عربی عربوں کی زبان تھی، وہ بغیر اعراب اور قواعد کے اسے صحیح پڑھ لیتے تھے۔ لیکن جب دوسری قومیں مسلمان ہوئیں تو وہ قرآن پڑھنے میں غلطی کرتی تھیں۔ اس لئے حضرت علیؓ کی ہدایت پر ابوالاسود دؤلی (م ۔ ۶۸۸ء) نے نحو کے چند ابتدائی قاعدے وضع کئے، جن سے بعد میں رفتہ رفتہ نحو کا جامع اور مبسوط علم وجود میں آیا (۳)

فقہ کے فن نے خلفائے راشدین کے دور میں جنم لیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جب کوئی نیا مسئلہ پیدا ہوتا تو اس کے حل کے لئے وحی نازل ہوتی یا آپ خود اس کا حل بتادیتے۔ اس لئے اس زمانے میں فقہ کی ضرورت نہ تھی۔ آپ کی وفات کے بعد قرآن وحدیث کی بنیاد پر فقہ کا نیا علم وجود میں آیا۔ صحابہ کرامؓ

انہی سے نئے مسائل کا استنباط کرتے تھے۔ جب ان دونوں میں مسئلے کا حل نہ ملتا تو عقل سے کام لیتے جسے فقہی اصطلاح میں قیاس کہتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کو فقہ ور اجتہاد میں غیر معمولی درک تھا انہوں نے اصول فقہ کی بنیاد ڈالی جس نے بعد میں ترقی کرتے کرتے ایک مستقل اور مبسوط فن کی حیثیت حاصل کر لی۔

حضرت عمرؓ نے دینی اور لسانی علوم کی تعلیم کے لئے وسیع نظام قائم کیا۔ تمام مفتوحہ ممالک میں قرآن کے درس کے لئے تنخواہ دار معلم مقرر کئے۔ ابو دردا کے حلقہ درس میں طلباء کی تعداد سولہ سو تک پہنچ جاتی جنہیں وہ دس دس کی جماعت میں تقسیم کر دیتے اور خود ان کی نگرانی کرتے۔ زیادہ تر شرعی احکام سورۃ بقرہ، سورۃ نساء، سورۃ مائدہ، سورۃ حج اور سورۃ نور میں ہیں اس سے ان کا سیکھنا لازمی قرار دیا گیا۔ بدوؤں کے لئے قرآن حکیم کی ابتدائی تعلیم لازمی بلکہ جبری کر دی گئی۔ ابو سفیان کی قیادت میں ایک معائنہ ٹیم اس غرض سے مقرر کی کہ وہ مختلف قبائل میں جاکر ہر شخص کا امتحان لیں اور جسے قرآن کی کوئی سورۃ بھی یاد نہ ہو اسے سزا دی جائے۔ طلباء کے لئے وظائف مقرر کئے۔

قرآن مجید کی صحیح قرآت اور اعراب کی غلطیوں سے بچنے کے لئے عربی زبان اور ادب کی تعلیم لازمی کر دی گئی اور یہ حکم جاری کیا گیا کہ جو شخص لغت کا عالم نہ ہو وہ قرآن عزیز نہ پڑھائے۔(۱۴) حدیث کی صحت کی تحقیق کے اصول مقرر کئے اور غلط روایات کی اشاعت کا سدباب کیا۔ اصول حدیث کی طرح اصول تفسیر کی بنیاد ڈالی۔ کیونکہ قرآن شریف عربی زبان میں ہے اور سب سے مستند دور جاہلیت کے عرب شعراء کا کلام ہے۔ اس لئے مفسر قرآن صحابہ کو قرآن مجید کے جن الفاظ کے معانی میں شبہ ہوتا تھا وہ اس کی تحقیق دور جاہلیت کے عرب کلام سے کرتے تھے۔ ترجمان القرآن عبداللہ بن عباس کہا کرتے تھے کہ جب اللہ تعالیٰ کے کلام میں کسی لفظ کے معنی سمجھ میں نہ آئیں تو اسے اشعار عرب میں تلاش کریں۔(۱۵) اس لئے شاعری کا ذوق اس دور میں بھی قائم رہا۔ الجاحظ نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حکم صادر کیا تھا کہ " اپنے بچوں کو تیراکی، گھوڑے کی سواری، مشہور کہاوتوں اور عمدہ اشعار کی تعلیم دیں "۔ منہاج تعلیم اس مختصر سے تعارف کے بعد اب خلفائے راشدین کے اپنے اپنے دور کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے دور میں منہاج تعلیم

(۱۲ ربیع الاول ۱۱ ہجری تا ۲۱ جمادی الثانی ۱۳ ہجری)

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اسلام کی اساسیت کو محفوظ رکھنا اور ان کی اشاعت و ترویج وہ اہم فریضہ تھا جسکی ذمہ داری خلفائے راشدین پر عائد ہوئی۔ ان میں سے خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیقؓ کا دور خلافت نسبتاً مختصر یعنی دو سال تین ماہ اور دس دن پر محیط رہا۔(۱۶) لیکن آپ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ

اسلامی نظام حیات منظم شکل میں آگے بڑھا کر اسلامی اصولوں کے مطابق حکومت اور اس کے تمام شعبہ جات تشکیل دیئے تھے، نیز اسلامی تہذیب و تمدن کی بنیاد ڈالی تھی، ان تمام امور کی انجام دہی کے لئے سب سے پہلے امن و امان قائم کرنا اور سازگار ماحول پیدا کرنا ضروری امر تھا، چونکہ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کو زمام خلافت سنبھالتے ہی کئی ایک مہمات پر بیک وقت توجہ دینی پڑی، جیسے مرتدین کا محاسبہ، بغاوتوں کا فرو وغیرہ اس لئے آپ کو اتنی مہلت نہ مل سکی کہ عرب اور مفتوحہ علاقوں میں اسلامی نظام تعلیم کو مکمل طور پر رائج و نافذ کر سکتے (۱۷) اس کے باوجود آپ علم کے فروغ میں کوشاں رہے۔ اگرچہ اس وقت شعبہ تعلیم میں جو کچھ کام ہوا وہ ابتدائی نوعیت کا تھا، لیکن اس کی بنیاد ایسی مستحکم رکھ دی گئی کہ بعد میں آنے والے ادوار میں اسی نہج پر کام آگے بڑھتا رہا۔

اسلامی تعلیم و تعلم کا بنیادی و اہم ماخذ قرآن حکیم جو اس وقت متفرق اور منتشر نوشتوں کی صورت میں موجود تھا آپ ہی کے دور میں یکجا ہو کر پورا قرآن حکیم کتابی صورت میں آگیا (۱۸) اس کتاب سے پہلے عربوں میں کوئی مدون کتاب موجود نہ تھی، آپ کی حتی المقدور کوشش رہی کہ لوگ قرآن حکیم پڑھیں، سمجھیں، اپنے سینوں میں محفوظ کریں اور اس پر عمل پیرا ہوں۔

حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں منہاج تعلیم

(۱۳ھ تا ۲۳ھ)

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بعد حضرت عمر فاروقؓ دس سال چھ ماہ دس دن تک منصب خلافت پر فائز رہے۔ آپ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے وضع کردہ راہنما اصولوں کے تحت خلافت کی ذمہ داریوں کو پورا کیا، البتہ جن ملکی و انتظامی امور پر حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنے دور میں بوجوہ توجہ نہ دے سکے تھے، آپ نے انہیں پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں حکومت کے زیر انتظام شعبہ جات میں تنظیمی امور کی انجام دہی کے لئے نمایاں اقدامات کئے نیز مسلمانوں کی ذہنی و تمدنی ترقی کی جانب بھی بھرپور توجہ دیتے رہے، قرآن حکیم کی تدوین، ترویج و اشاعت میں جس قدر حصہ لیا اس کی صداقت کے لئے حضرت شاہ ولی اللہ کا یہ قول برمحل لگتا ہے کہ امت مسلمہ کا جو فرد قرآن حکیم کی تلاوت کرتا ہے وہ فاروق اعظم کا احسان مند ہے۔ (۱۹) بلاشبہ اسلامی تعلیم و تربیت کا اصل اصول قرآن حکیم ہے، اس لئے حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے دور میں قرآن حکیم کی تدوین و صحت کے ساتھ اس کی اشاعت و تعلیم کے لئے کئی طرح سے اس کا اہتمام کیا، بچوں کی تعلیم پر خصوصی توجہ دی نیز مدینہ منورہ میں موجود چھوٹے بچوں کے جو مکتب تھے ان کے معلموں کا وظیفہ یعنی مشاہرہ اس وقت ۱۵ درہم ماہانہ مقرر فرمایا۔ (۲۰) آپ کے دور میں بچوں کی تعلیم گاہیں بالعموم مساجد تھیں یا گھروں پر ان کے والدین انہیں تعلیم و تربیت دیا کرتے تھے۔ (۲۱)

حضرت عمرؓ نے قرآن حکیم کی تلاوت کے اصول و قواعد مرتب کروائے اور اعراب لگوا کر صحیح تلفظ کی ادائیگی کا اہتمام کیا، کیونکہ قرآن حکیم دنیا کے تمام حصوں میں پہنچایا جانا تھا، اس لئے ضروری ہوا کہ اس پر اعراب وغیرہ لگوا دیئے جائیں تاکہ ہر زبان بولنے والے اسے صحیح تلفظ کے ساتھ تلاوت کرسکیں، اس غرض سے حفظ ماتقدم کے طور مختلف تدابیر اختیار کی گئیں عمال کو اس مقصد کے لئے تاکیدی احکامات بھیجے گئے، کہ قرآن حکیم کی تعلیم میں صحت الفاظ و صحت اعراب کو ملحوظ رکھا جائے نیز قرآن حکیم کی تعلیم کے ساتھ ادب و عربیت کی تعلیم بھی لازمی دی جائے تاکہ پڑھنے والے لوگ خود غلط یا صحیح اعراب میں تمیز کرسکیں، یہ بھی حکم دیا کہ کوئی شخص جو لغت کا عالم نہ ہو قرآن حکیم کی تعلیم نہ دے۔ یعنی ہر طرح سے بہتر تعلیم کا معقول انتظام کیا، اور ایک بڑی تعداد میں مفتوحہ علاقوں میں بھی قرآن حکیم کے درس جاری کئے، اس مقصد کے لئے معلمین و قراء مقرر کئے گئے، ان کے باقاعدہ مشاہرے کا انتظام کیا گیا۔ خانہ بدوش بدوؤں کے لئے قرآن مجید کی تعلیم لازمی قرار دی گئی اس کا مقصد یہ تھا کہ تعلیم عام ہو اور اس نعمت عظمیٰ سے ہر شخص مالا مال ہو۔

حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں دمشق و فلسطین کے مسلمانوں کی قرآن حکیم کی تعلیم کے لئے صحابہ بھیجے ان میں ابو درداء بھی شامل تھے۔ ابو درداء نے دمشق کی جامع مسجد میں قیام کرکے قرآن حکیم کی مکمل تعلیم کا اعلیٰ انتظام کیا، نتیجتاً کچھ ہی عرصہ بعد ایک وقت میں ابو درداء کے سامنے زانوئے ادب تہہ کرنے والوں کی تعداد سولہ سو پہنچ گئی۔ حضرت عمرؓ نے عمال کو ہدایت کی کہ وہ لوگ جو قرآن حکیم کی تعلیم حاصل کرلیں ان کے لئے تعلیمی وظیفہ جاری کردیا جائے اس طرح آپ نے قرآن حکیم کی تعلیم حاصل کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کی رسم ڈالی۔ آپ نے تعلیم عام کرنے کی غرض سے جو اقدام لئے ان کے تحت اسلامی فوج میں شامل تمام لوگوں کے لئے قرآن حکیم کی تعلیم حاصل کرنے کا حکم دیا گیا۔ آپ اکثر و بیشتر عمال سے قرآن حکیم پڑھنے والوں کا رجسٹر حاضری طلب کرکے طالب علموں کی تعداد سے باخبر رہتے۔

اسلامی تعلیمات میں قرآن حکیم کے بعد حدیث نبوی کا مقام ہے، یہی وجہ ہے کہ آج تک کسی قوم نے اپنے کسی ہادی یا پیشوا کے جملہ اقوال و اعمال کو یکجا کرکے دستور حیات کی سند نہیں دی، یہ صرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا امتیاز ہے کہ آپ کے پیروں نے آپ کی تعلیم کو اس قدر خالص کرکے محفوظ کیا کہ یہ دستور حیات۔ اسلام کے بنیادی ماخذ کا دوسرا اہم رکن بن گیا۔ اب ضرورت اس امر کی تھی کہ وہ اصول قائم ہوجائیں جس سے اس علمی خزانے میں کسی طرح تحریف نہ کی جاسکے۔ لہٰذا آپ نے غیر معمولی شغف کے ساتھ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سماع اور روایت کا اہتمام کیا۔

آپ نے حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و ترویج میں احتیاط کے پہلو کو ملحوظ رکھتے ہوئے حکم دیا کہ بجز خاص صحابہ کے کوئی عام شخص حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم نہ دے۔ حضرت عمرؓ نے دینی علوم کے بنیادی ماخذ کی حفاظت اور ان کی ترویج میں یکساں طور پر انہماک سے کام لیا۔ آپ کے دور میں جیسے

جیسے فتوحات اسلامی کا دائرہ وسیع ہوتا گیا ان مفتوحہ ممالک میں نت نئے رونما ہونے والے حوادث وحالات کی وجہ سے جو مسئلے پیدا ہو رہے تھے ان کے حل کے لئے دین اسلام کے مطابق شریعت کی مناسب تشریح ضروری تھی، چنانچہ آپ نے تفقہ فی الدین کے عمل کو زیادہ منظم و مربوط کیا، فقہی مسائل کی تعلیم کے لئے حسب ذیل تدابیر اختیار کیں۔ جہاں تک وقت و فرصت آپ کو میسر ہوتی آپ بالمشافہ احکام اسلام کی تعلیم دیتے۔ جمعۃ المبارک کے موقع پر جو خطبہ پڑھتے اس میں تمام ضروری اسلامی احکام ومسائل بیان کرتے۔

حج کے موقع پر خطبہ میں مناسک حج کے احکام بیان فرماتے۔ مؤطا امام احمد میں ہے کہ آپ نے حج کے ایک موقعہ پر عرفات کے میدان میں جو خطاب کیا اس میں حج کے متعلق تمام احکامات کا احاطہ کرتے ہوئے جملہ مسائل تعلیم کئے۔ اسی طرح آپ نے ملک شام و بیت المقدس وغیرہ کے سفر میں وقتاً فوقتاً جو مشہور و پر اثر خطاب کئے۔ ان میں اسلام کی تمام مہمات کے اصول و ارکان بیان کئے، کیونکہ ان مواقع پر لوگوں کی بڑی تعداد موجود ہونے کے باعث ان مسائل و احکام کی دوسروں تک بلاواسطہ پہنچنے کی بہترین صورت پیدا ہوجاتی۔ دمشق میں بمقام جابیہ جو مشہور خطبہ آپ نے دیا، فقہائے اسلام نے اسے بہت سے مسائل فقہ کے حوالے سے جابجا نقل کیا ہے۔

حضرت عمرؓ نے بدلتے ہوئے حالات میں عوام کی ضرورت دینیہ کے پیش نظر تمام ممالک محروسہ میں فقہا اور معلمین مقرر کئے تاکہ مسلمانوں کے مذہبی احکام کی تعلیم ہوسکے۔ مورخین نے اگرچہ ایسے امور کسی خاص عنوان کے تحت یکجا نہیں کئے، اس لئے ان معلمین کی صحیح تعداد معلوم نہیں ہوسکی، تاہم جستہ جستہ تصریحات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہر شہر میں متعدد فقہا اس کام پر مامور تھے۔ ان اساتذہ کے درس وتدریس کا طریقہ یہ تھا کہ زیادہ تر مساجد کے صحن میں ایک جانب کسی ستون یا دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ جاتے اور طالبان علم کثرت سے ان کے گرد حلقہ کی صورت میں جمع ہوکر ایک ایک کرکے ادب کے ساتھ فقہی مسائل پوچھتے اور فقہ شافی جوابات دیتے چلے جاتے۔

ابو مسلم خولانی کا بیان ہے کہ میں حمص کی مسجد میں داخل ہوا تو دیکھا کہ تیس بڑے صحابہ وہاں تشریف رکھتے تھے اور فقہی مسائل پر مدلل گفتگو کرتے تھے، لیکن جب کسی مسئلے میں کچھ دشواری درپیش ہوتی تو وہ ایک نوجوان شخص سے رجوع کرتے، میں نے ان لوگوں سے اس نوجوان کا نام پوچھا تو معلوم ہوا کہ آپ معاذ ابن جبل ہیں۔ لیث بن سعد کا بیان ہے کہ ابو درداء جب مسجد میں آتے تو ان کے ساتھ لوگوں کا اس قدر ہجوم ہوتا جیسے بادشاہ وقت کے ساتھ ہوتا ہے، یہ سب لوگ آپؓ سے مسائل دریافت کرتے تھے۔ ابن جوزی کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ان فقہاء کی تعیناتی کا نہ صرف ایک نظام ترتیب دیا بلکہ اس دور میں آپ نے تعلیم و تربیت کا ایک معقول اور منظم سلسلہ قائم کردیا تھا۔ بعد میں آنے والے لوگوں نے اسے قائم رکھا بلکہ اسی پر عمل پیرا ہے۔ (۲۲)

حضرت عثمان غنیؓ کے دور میں منہاج تعلیم

(۲۴ تا ۳۵ھ)

خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنیؓ کے دور خلافت کی مدت گیارہ سال گیارہ ماہ اور اٹھارہ دن ہے ۔ (۲۳) آپ کے زمانے میں اسلامی فتوحات کا سلسلہ زیادہ وسیع ہوگیا تھا، اس لئے اس دور میں مقتدر مسلمانوں کی زیادہ توجہ بیرونی سیاست کی طرف مبذول رہی ۔ اس کے ساتھ بنوامیہ کے برسراقتدار آجانے کی وجہ سے باہمی اختلافات بھی رونما ہوگئے ۔ لہٰذا حضرت عثمان غنیؓ کو وہ سیاسی اطمینان حاصل نہ ہوسکا جو خالص علمی خدمت کے لئے ضروری تھا ۔ بہرکیف آپ نے حضرت عمرؓ کی تعلیمی پالیسی کو بروئے کار لاکر اسے وسعت دی ۔ حضرت عثمان غنیؓ نے اپنے عہد خلافت میں قرآن عظیم کی کتابت اقرآت کے اختلافات کو دور کیا ۔ مصحف صدیقی (نسخہ الامم) کی مصدقہ نقلیں تیار کرواکر بلاد اسلامیہ کے مختلف مراکز میں رکھوا دیں ۔ (۲۴) تاکہ لوگ اس سلسلے کے اپنے اختلافات اس کی روشنی میں رفع کر سکیں ۔

حضرت علیؓ کے دور میں منہاج تعلیم

(۳۵ تا ۴۰ھ)

آپؓ کی خلافت کی مدت چار سال اور چند ایام کم نو ماہ ہے ۔ (۲۵) حضرت علیؓ کی خلافت کا جب دور شروع ہوا تو اس وقت متبعین اسلام کے دو ٹکڑے ہوچکے تھے ۔ ملک میں تشتت وانتشار پیدا ہوگیا تھا ۔ اسکے باوجود آپؓ نے علم کے فروغ میں نمایاں حصہ لیا ۔ حضرت علیؓ جنہیں لسان نبوت سے باب العلم کا لقب ملا تھا ۔ حضرت عمرؓ کی مروجہ تعلیمی پالیسی پر ہی عمل پیرا رہے بلکہ اس میں مفید اضافے بھی کئے ۔ مثلاً علم نحو کی بنیاد آپؓ نے رکھی ، حضرت علیؓ نے اپنے ایک شاگرد ابوالاسود دوئلی کو چند اصولی قاعدے تعلیم کرکے علم نحو کی تفاصیل مرتب کرنے پر مقرر فرمایا ۔ (۲۶)

فصل سوم: عالم اسلام کے اساسی تعلیمی ادارے

اسلامی تعلیمی ادارے

دنیائے اسلام میں دو قسم کے اساسی ادارے تعلیمی سرگرمیوں کے مراکز رہے ہیں۔ رسمی تعلیمی ادارے اور غیر رسمی تعلیمی ادارے

رسمی تعلیمی ادارے : سفری معلم، حلقے، کتاب، مکتب، مکتبی مدارس، شاہی مدارس، صحرائی مدارس، مسجد، مسجد سے ملحق مدارس، مدارس، جامعات، دارالعلم اور دارالعلوم وغیرہ پر مشتمل رہے ہیں۔

غیر رسمی تعلیمی ادارے : کتب خانہ، اساتذہ کی رہائش گاہیں، شاہی محلات، خانقاہیں، بادیہ اور رباط وغیرہ پر مشتمل رہے ہیں۔ مندرجہ بالا دونوں طرح کے تعلیمی ادارے اسلامی نظام تعلیم کے اساس تھے۔ مجموعی طور پر انہی رسمی اور غیر رسمی تعلیمی اداروں کے ذریعے اسلامی تعلیمات اور تعلیم و تعلم کا سلسلہ ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل ہوتا رہا ہے۔

باضابطہ مدارس کے قیام سے پہلے تعلیم و تعلم کی صورتیں

اسلامی نظام تعلیم و تعلم کی تاریخ پر گہری نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ درس و تدریس کا سلسلہ اسلامی دور کی ابتدائی کئی صدیوں میں مختلف ہیئتیں تبدیل کرتے ہوئے اپنی طبعی و ارتقائی منازل طے کرتا رہا ہے، جس سے علم کا فروغ اور اس میں ندرت فکر و عمل بھی ہوتا رہا لیکن اسلامی نظام تعلیم میں مسجد کو ہی مرکز تعلیم کے طور پر اساسی حیثیت حاصل رہی، اگرچہ اسلامی تعلیمات کی نشرواشاعت میں مختلف انداز و طریقے وقت و ضرورت کے پیش نظر بدلتے رہے، جن کی مندرجہ ذیل امکانی صورتیں کسی نہ کسی حیثیت سے وجود پذیر ہوتی رہیں۔

جیسے حلقہ، مکتب، مسجد، مسجد سے ملحق مدرسہ، مکتبی مدرسہ، بیت الحکمہ، مدرسہ دارالعلم، رباط، خانقاہ، اساتذہ کی رہائش گاہیں، شخصی درسگاہیں، شاہی مدرسہ، شاہی محل، کتب خانے اور جامعہ وغیرہ، البتہ ان مقامات میں وقت اور جگہ کے اعتبار سے تخصیص کرنا ایک وقت طلب کام ہے کہ علم کے فروغ میں ایک شکل دوسری صورت میں کیسے مدغم ہوئی اور اس نے ارتقائی مدارج کیسے طے کئے نیز ارتقاء شدہ حالت پہلی حالت سے کسی صورت میں کن تقاضوں کے تحت بہتر اور ممتاز ہوئی، کن علاقوں میں تعلیم و تعلم کی کون سی مخصوص صورتیں کیوں کر مقبول ہوئیں، ان کی افادیت کس حد تک تسلیم کی گئی، پھر کب زمانہ اور ضرورت کے مد نظر

انہیں ترک کر دیا گیا، یا انکی ارتقائی صورت اختیار کر لی گئی ان مذکورہ بالا عنوانات کے تحت تاریخ کے اوراق میں مختلف مقامات پر بکھری ہوئی صورت میں تھوڑی بہت تفاصیل ملتی ہیں لیکن ان عنوانات کے تحت یکجا تحقیقی کام میری نظر سے نہیں گزرا۔

فروغ علم میں مسجد کا حصہ

عہد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہی صفہ کے علاوہ دیگر مقامات پر تعلیمی ضروریات پوری کرنے اور بڑھتی ہوئی مسلمانوں کی تعداد کے پیش نظر مدینہ منورہ کے مختلف علاقوں میں مسلمانوں نے مساجد قائم کر لی تھیں، مورخین نے ان مساجد کی تعداد ۹ تک بتائی ہے جبکہ علامہ شبلی کی تحقیق کے مطابق ان مساجد کی تعداد ۳۱ تھی، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہر مسجد اپنے آس پاس کے محلے والوں کے لئے درسگاہ کا کام دیتی تھی، خاص طور پر بچے وہاں پڑھنے آیا کرتے تھے، مسجد قبا مدینہ منورہ کے جنوب میں مسجد نبوی سے تین کلو میٹر کے فاصلے پر واقع تھی، ابن عبدالبر کی تصریح کے مطابق آپ وقتاً فوقتاً اس مسجد میں تشریف لے جاتے اور مسجد کے مدرسہ کی خود نگرانی فرماتے، بعض احادیث کی روشنی میں واضح ہوتا ہے کہ آپ نے علم کی ترویج کے سلسلے میں فرمایا کہ لوگ اپنے پڑوسیوں سے تعلیم حاصل کریں۔ مذکورہ بالا مساجد کے علاوہ مقام الحسا میں بھی ایک مسجد بنائی گئی تھی جہاں پر تعلیم کا انتظام کیا گیا تھا۔(۲۷)

اساتذہ کی رہائش گاہوں کا فروغ علم میں حصہ

مؤرخ بلاذری کی تصریح کے مطابق مدینہ منورہ میں صفہ کے علاوہ بھی ایک درسگاہ تھی جو ۲ھ میں مخرمہ ابن نوفل کے مکان میں دارالقراء کے نام سے قائم ہوئی۔ اسطرح اساتذہ کے گھروں پر بھی تعلیم وتربیت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ امام احمد بن حنبل نے انس ابن مالک کے حوالے سے ذکر کیا ہے، اصحاب صفہ میں سے ۷۰ اشخاص مدینہ کے ایک معلم کے گھر رات کے وقت پڑھنے جاتے جہاں یہ بزم علم صبح تک آراستہ رہتی۔ اسے ہم غیر رسمی تعلیمی مرکز کہہ سکتے ہیں جہاں اساتذہ اپنی من پسند چیدہ چیدہ کتابوں کا درس دیتے اور اپنے ذاتی کتب خانے کے نایاب مسودوں سے طلباء اور شائقین کو مستفید کرتے۔ جیسا کہ ابن سینا اپنے گھر پر الشفاء اور القانون کا درس دیا کرتے تھے۔ ابو سلیمان السجستانی کی رہائش گاہ علماء اور ادباء کی نشست گاہ بنی ہوئی تھی جہاں ادب، نحو، لسانیات، فلسفے اور منطق پر سیر حاصل بحثیں ہوتی تھیں۔ غزالی نے نظامیہ بغداد سے فراغت کے بعد اپنے گھر پر ہی علوم دین اور اخلاق کی تعلیم کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔(۲۸)

فروغ علم کے لئے عاملین کو احکامات

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم عام کرنے اور علوم نبوت تمام لوگوں تک پہنچانے کے سرکاری انتظامات بھی کئے۔ چنانچہ اسلامی فلاحی ریاست کے مختلف انتظامی عہدیدار یعنی گورنر، مرکزی اور مقامی منتظمین حتیٰ کہ فوجی سالار اور زکوۃ کے عاملین کو بھی اپنے اپنے علاقوں کے علمی و مذہبی تقاضوں کو پورا کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی۔ اس ضمن میں جنوبی عرب، عدن، سواحل نجران، عمان، بحرین، صنعاء کے گورنروں کے نام قابل ذکر ہیں (۲۹)

حلقہ

اسلامی نظام تعلیم میں حلقہ کا قیام ایک منفرد تعلیمی تجربہ تھا، عمر رضا کحالہ لکھتے ہیں کہ طلباء کی وہ مجلس جو علم حاصل کرنے کے لئے استاد کے اردگرد ہوتی تھی حلقہ کہلاتی (۳۰) حلقہ ایک استاد کے وجود کا نام تھا تاہم اسکی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ استاد چوکی یا اونچے چبوترے پر بیٹھتا تھا، جو عام طور پر دیوار یا ستون سے ملحق ہوتا تاکہ استاد کی توجہ تمام طلبہ پر یکساں رہے اور طلباء کا استاد سے رابطہ و درمیانی فاصلہ کم و مساوی رہے، نصف دائرے میں استاد کے سامنے بیٹھنے میں طلباء کی انفرادی تعلیمی استعداد کو ملحوظ رکھا جاتا، ذہین ترین طلباء کو نصف دائرے میں استاد کے قریب جگہ ملتی یعنی دو دائرے کے دونوں سروں پر ہوتے جبکہ درمیان میں نسبتاً کم ذہنی استعداد رکھنے والے طلباء کو جگہ دی جاتی، اس طرح استاد کی نظر میں مختلف استعداد رکھنے والے طلباء درجہ بہ درجہ جگہ پاتے، جبکہ ملاقات کے لئے آنے والے طلباء کے والدین و دیگر متعلقین لئے کچھ جگہ استاد کے دائیں بائیں مخصوص رہتی۔ حنفی کی درسگاہ میں بھی حلقہ کی طرز پر تعلیم و تدریس ہوتی، مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بیک وقت کئی طرح کے تعلیمی حلقے لگا کرتے تھے۔ جن میں مختلف علوم کے درس جاری رہتے۔ ابتدائے اسلام میں حلقہ ابتدائی تعلیم کے لئے مخصوص تھا۔ یہ اپنی مخصوص ہیئت اور افادیت کے پیش نظر قرون اولیٰ میں بھی مقبول رہا حتیٰ کہ کئی صدیوں بعد تک یہ سلسلہ اپنی اصلی شکل میں قائم رہا، بلکہ اسکے آثار اب بھی کسی نہ کسی صورت میں موجود ہیں۔

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں قائم ان حلقوں میں تعلیم بالغان کا اہتمام بھی ہوتا تھا اسکے بعد دیگر مساجد میں بھی ایسے حلقے قائم ہونے لگے، ابو درداؓ کے حلقہ میں شامل طلباء کی تعداد ایک وقت میں سولہ سو تک پہنچ جاتی تھی، اس لئے انہوں نے زیر تعلیم طلباء کو دس دس کی ٹولیوں میں تقسیم کر دیا تھا، تاکہ انکی نگرانی کرنا آسان ہو جائے۔

ابتدائے اسلام میں درس و افادہ کسی ایک فرد کے ساتھ مخصوص نہ تھا، بلکہ ہر صحابی، تابعی اپنے علم واستعداد کے بقدر حلقہ درس قائم کرتا تھا، ان میں اس دور کے مروج تمام علوم کی تعلیم ہونے لگی ۔ مدینہ طیبہ میں کئی حلقات درس قائم تھے، ان میں ربیعہ رائی کا حلقہ نہایت وسیع تھا، طلباء کا ہروقت ہجوم رہتا تھا، مدینہ کے علماء، عمائد اور اشراف سب اسمیں شریک ہوتے تھے، امام مالک اوزاعی، یحیٰی بن سعید انصاری اور شعبہ جیسے علماء اسی حلقۂ درس کے فیض یافتہ تھے، حضرت عمرؓ کے غلام اسلم کا حلقہ نہایت وسیع تھا، جس میں بیک وقت چالیس چالیس طلباء شریک ہوتے، ان میں امام زین العابدین جیسے بزرگ بھی شامل درس ہوتے، اسی طرح ہر قبیلے کا اپنا حلقۂ درس بھی ہوا کرتا تھا۔ (۳۱)

حجاز کے بعد دوسرا بڑا تعلیمی مرکز عراق میں خصوصاً کوفہ تھا جہاں بڑے بڑے علماء دین کے متعدد حلقے قائم تھے، ان میں عبدالرحمان بن ابی لیلیٰ کا حلقہ درس نہایت ممتاز تھا اس میں صحابہ بھی شریک ہوکر سماع حدیث کرتے، امام شعبیؒ کا حلقۂ درس صحابہ کی موجودگی میں قائم ہوگیا تھا، سرزمین شام میں حمص بن خالد بن معدان کا حلقۂ درس نہایت وسیع تھا۔ ابو صالح تابعی سے روایت ہے کہ میں نے عبداللہ بن عباس کا حلقہ دیکھا ہے، اگر سارا عرب اس پر فخر کرے تو بجا ہے کیونکہ اس میں طلباء کا اتنا ہجوم ہوتا تھا کہ آمد ورفت مشکل ہوجاتی، اسمیں قرآن حکیم، فقہ اسلامی، حدیث، عربی زبان اور شعر و شاعری ادب و انشاء جیسے علوم کی تعلیم ہوتی تھی۔ (۳۲)

علامہ سیوطی کا بیان ہے کہ شیخ ابو اسحاق ابراہیم المروزی آخری عمر میں جب مصر منتقل ہوئے تو لوگ دور دراز کا سفر طے کر کے ان کے گرد جمع ہونے لگے چنانچہ انکے حلقہ حدیث سے فیض یافتہ ستر امام بن کر دنیا میں پھیلے ۔ انکے درس میں املا کا طریقہ رائج تھا۔ جسے آجکل لیکچر (Lecture Method) کہا جاتا ہے۔ استاد کسی علم وفن کے مسائل زبانی بیان کرتا تو طلباء جو ہمیشہ قلم دوات لے کر بیٹھتے تھے، استاد کے دہن سے ادا ہونے والے الفاظ لکھتے جاتے تھے ۔ اسطرح روزانہ لئے گئے نوٹ سے ایک مستقل شکل اختیار کرجانے والی کتاب امالی کے نام سے مشہور ہوجاتی تھی، ایک حلقہ درس میں جب معمول سے زیادہ طلباء جمع ہوجاتے تو اس موقع پر استاد کے دائیں بائیں چند فاضل کھڑے ہو جاتے جو دور بیٹھے ہوئے طلباء کو استاد کے تمام الفاظ سناتے رہتے جسے مستملی کہا جاتا تھا ۔ عثمانی عہد میں املا کا یہ طریقہ رفتہ رفتہ ترک کردیا گیا۔ جسے آٹھویں صدی ہجری میں حافظ زین الدین عراقی نے دوبارہ زندہ کرنا چاہا چنانچہ انہوں نے تقریباً چار سو مجلسوں میں اسی انداز پر درس بھی دیا، حافظ ابن حجر وسخاوی نے بھی انکی تقلید کی لیکن اس طریقہ کا انہی اساتذہ پر خاتمہ ہوگیا۔ جلال الدین سیوطی نے بھی اسی طریقے کو اختیار کرنے کا ارادہ کیا لیکن شاگردوں کی بے توجہی کے سبب خود باز رہے۔ اسطرح املا کی جگہ کتاب

کے درس نے لے لی۔ درس میں تسلسل قائم رکھنے کیلئے استاد نئے سبق کا آغاز پچھلے سبق کے جائزے سے کرتا تھا۔ اور مشکل مقامات پر نسبتاً زیادہ وقت دیتا تھا۔ املا کے دوران سوال اٹھانے کی عام اجازت تھی۔

چند مشہور حلقات العلم

۱۔ حلقہ تاج الدین عبدالرحمن بن ابراہیم بن السباع الشافعی۔
۲۔ حلقہ رشید الدین الفارقی۔
۳۔ حلقہ شیخ شرف الدین احمد بن المقدسی۔
۴۔ حلقہ برہان الدین بن المراغی۔
۵۔ حلقہ القاضی زین الدین بن المرحل
۶۔ حلقہ زین الدین علی بن المنجا الحنبلی۔
۷۔ حلقہ الشیخ نجم الدین بن اسماع الحنفی۔
۸۔ حلقہ شیخ تاج الدین عبدالرحمن الزواوی المالکی۔
۹۔ حلقہ الشیخ مجد الدین الماورانی۔ (۳۳)

چند مشہور حلقات الحدیث النبویؐ

۱۔ میعاد الامیر سیف الدین الفرس (خلیل)
۲۔ میعاد المسجد تجاہ قبر السی یحییٰ بن ذکریا۔
۳۔ میعاد بالکلام ستہ للقاضی الفاضل۔

کتاب

طلوع اسلام سے قبل بلاد عرب میں قائم درسگاہیں کتاب کہلاتی تھیں، ان میں لکھنے پڑھنے بالخصوص کتابت یعنی فن تحریر کی تعلیم دی جاتی تھی۔ یہ کتاب، اساتذہ اپنے گھروں پر قائم کرتے، ظہور اسلام کے بعد ان مراکز میں ابتدائی دینی تعلیم بھی دی جانے لگی۔ کتاب میں ابتدائی تعلیمی نصاب قرآن حکیم پڑھنے پر مرکوز تھا جبکہ پڑھنے کے علاوہ لکھنے کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ نوشت و خواندہ کے ساتھ ساتھ طلباء کو عربی قواعد، رسول اکرمؐ کی زندگی کے حالات بالخصوص حدیث کی تعلیم دی جاتی تھی۔ ابن جبیر، ابن بطوطہ اور ابن خلدون کی روایت کے مطابق ایک ہی استاد تمام علوم یعنی کتابت اور قرآن مجید سکھانے کیلئے نہیں ہوتا تھا بلکہ دونوں کے لئے الگ الگ استاد تھے، کچھ کتاب میں صرف پڑھنے لکھنے کی تعلیم دی جاتی تھی اور بعض ایسے بھی تھے جہاں قرآن شریف

کے ساتھ کتابت بھی سکھائی جاتی تھی۔ کتاب قریہ قریہ قائم تھے۔ لیکن اندلس، اٹلی، افریقہ اور مشرق وسطیٰ میں ان کا بہت شہرہ تھا۔ ان کتاب کے اساتذہ کو " معلمین " کہا جاتا تھا۔ (۳۴)

مکتب

مکتب کی جمع مکاتب ہے، اس سے مراد معمولی نوشت و خواند اور ناظرہ قرآن عزیز پڑھانے کے انتظام کی جگہ ہے (۳۵) عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور دور خلافت راشدہ میں خصوصی طور پر مدینہ منورہ میں بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے مکاتب قائم تھے، حضرت عمرؓ نے اس وقت ان مکاتب میں تعینات معلمین کے لئے پندرہ درہم ماہانہ مشاہرہ مقرر کیا تھا، ان مکاتب میں بچوں کو لکھنا، پڑھنا سکھایا جاتا تھا، اس دور میں تعلیم کتابی صورت میں نہیں ہوتی تھی بلکہ زبانی پڑھایا جاتا تھا یعنی یہ مکاتب ابتدائی تعلیم کے لئے مخصوص تھے تمام بچوں کو یکساں تعلیم کے لئے یکساں مواقع میسر تھے۔ قبل از اسلام بھی عرب میں مختلف علوم وفنون کے ماہرین کی رہائش گاہوں پر بھی ایسے مکاتب قائم تھے، ان مکاتب کے اساتذہ کو بھی معلمین کہا جاتا تھا۔ ظہور اسلام کے بعد کئی ایک ایسے مخصوص مکاتب بھی قائم ہوئے جہاں پر صرف قرآن حکیم اور دین کی تعلیم ہوا کرتی تھی جس میں بچے و بچیاں دونوں یکجا تعلیم حاصل کرتے تھے۔

ابتدائے اسلام سے ہی یہ مکاتب ابتدائی تعلیم کے فروغ میں اہم ترین ذریعہ ثابت ہوئے چنانچہ قبول عام ہونے کے باعث تھوڑے ہی عرصے میں قریہ قریہ، گاؤں گاؤں بے شمار تعداد میں قائم ہوگئے، اس بات کی شہادت موجود ہے کہ ابتدائی مکاتب نہ صرف مساجد میں قائم کئے جاتے تھے بلکہ یہ کسی ایسی عمارت میں بھی قائم کئے جاتے تھے جو مسجد سے ملحق ہوا کرتی تھی۔ یہ کسی کی ذاتی رہائش گاہ میں بھی قائم ہوئے تھے، ابو مسلم خراسانی کے متعلق ابن خلکان نے لکھا ہے کہ وہ جب عہد طفولیت سے نکلے تو ان کا قیام شیخ عیسیٰ بن العقیل کے گھر پر تھا انہوں نے اپنے بچے کے ساتھ انہیں بھی مکتب میں بھیجا جہاں سے یہ ایک ادیب لبیب بن کر نکلے۔ (۳۶) امام شافعی فرماتے ہیں کہ میری ماں نے مجھے مکتب میں داخل کیا جب میں نے قرآن مجید حفظ کرلیا تو مجھے مسجد میں پڑھنے کے لئے بھیجا گیا (۳۷) یہ بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ ابتدائی تعلیم کے لئے بچے مکتب میں ہی داخل کئے جاتے تھے، اور اس کے بعد مزید تعلیم کے لئے مسجد میں انتظام تھا۔

یہ بات بھی اہم ہے کہ ان دنوں علوم و فنون کی تعلیم کے لئے الگ الگ مکاتب قائم تھے۔ جن کی وجہ شہرت ان کے استاد ہی ہوا کرتے تھے۔ ان میں سے کچھ مکتب خود کفیل بھی ہوا کرتے تھے، یعنی ان مکاتب میں تعلیم و تربیت کا مکمل انتظام تھا طالب علم کے مکتب میں زیر تعلیم رہنے سے نہ صرف انکی ضروری تعلیم مکمل ہو جاتی بلکہ ان کے قیام و طعام کا بھی انتظام ہوتا تھا، اس طرح کا ایک مکتب ابوالقاسم بلخی نے ۱۰۵ھ میں کوفہ میں

قائم کیا اس میں تقریباً تین ہزار طلباء زیر تعلیم تھے جنکی دیکھ بھال کے لئے انہیں خچر پر سوار ہو کر چکر لگانا پڑتا۔ ابتدائی دنوں میں اسلامی دنیا میں مکاتب اور معلمین کی تعداد سرعت سے بڑھنے سے تعلیم کو بہت فروغ ملا (۳۸)

مکتب میں یتیم طلبہ کی معاشی کفالت

بنو عباس کے دور حکومت میں جو بہت سے رفاہی ادارے وجود میں آئے ان میں تعلیمی ادارے بھی شامل تھے۔ جہاں مفت تعلیم دی جاتی تھی ان کے دروازے سب کے لئے کھلے ہوئے تھے البتہ یتیم طلباء کے لئے انہوں نے خاص مکاتب تعمیر کروائے۔ یہ مکاتب زیر تعلیم بچوں کے لباس، طعام و قیام کے علاوہ دیگر ضروریات کی بھی کفالت کرتے تھے۔ سب سے پہلے یحییٰ برمکی نے یتیم طلباء کے لئے مکاتب قائم کئے (۳۹) اس کے بعد ممالک اسلامیہ میں ان کی تعداد بڑھتی گئی ان مکاتب کی طرف زیادہ توجہ نورالدین محمود الشہید نے دی جس نے نہ صرف بیشتر شہروں میں ان مکاتب کو تعمیر کروایا، بلکہ ان مکاتب کے طلباء و اساتذہ کے لئے بہت سے وظائف بھی مقرر کئے اور اخراجات پورے کرنے کے لئے مستقل انتظام کیا۔ شمس الدین نظام الملک نے محلہ عنابین میں یتیم طلباء کے لئے ایک مکتب تعمیر کروا کر ایک جائیداد اس کے اخراجات پورے کرنے کے لئے وقف کی اس میں زیر تعلیم طلباء کے جملہ اخراجات مثلاً جیب خرچ، لباس، خوراک وغیرہ کا بندوبست تھا، طلبا اس مکتب میں بھی قرآن حکیم حفظ کرنے کے ساتھ عربی ادب اور ابتدائی اسلامی تعلیم بھی حاصل کرتے تھے۔ (۴۰)

چھٹی صدی ہجری میں دیندار اہل ثروت جب کوئی مدرسہ تعمیر کرواتے تو اسکے ساتھ ایک مکتب برائے یتیم طلباء کا اہتمام بھی کرواتے، جب یتیم طلباء اس مکتب کا نصاب پورا کرلیتے تو مدرسہ میں منتقل کر دیئے جاتے۔ ایسے طلباء کے لئے تکمیل تعلیم تک نان نفقہ کے ساتھ وظیفہ کا انتظام بھی ہوتا تھا۔ مجاہد الدین قیماز رومی نے دریائے دجلہ کے کنارے شہر کے نیچے والی پناہ گاہ کے قریب جب ایک مدرسہ تعمیر کروایا تو اس میں یتیم طلباء کے لئے ایک مکتب کا انتظام بھی کیا۔ علامہ سیوطی ان مکاتب کے تذکرہ میں رقم طراز ہیں کہ ان میں ہزاروں یتیم طلباء تعلیم حاصل کرتے تھے۔ ۷۵۷ ھ میں جب قاہرہ میں سلطان حسن کے مدرسہ کے دروازے کا مینار گرا تو اس کے نتیجے میں ۳۰۰ یتیم طلباء شہید ہوگئے جو مدرسہ کے قریب مکتب الایتام میں زیر تعلیم تھے۔ (۴۱) یتیم طلباء کے لئے مفت تعلیم کا اہتمام صرف بلاد عرب میں خاص نہ تھا، بلکہ تمام ممالک اسلامیہ میں اس کا انتظام شروع ہو گیا تھا۔ ابن بطوطہ جب آٹھویں صدی ہجری میں ہندوستان پہنچے تو انہوں نے یہاں ایک شہر میں تیرہ مکاتب لڑکیوں کی تعلیم کے لئے اور تیئیس مکاتب لڑکوں کی تعلیم و تربیت کے لئے دیکھے جو خصوصی طور پر یتیم طلباء کے لئے بنائے گئے تھے۔ (۴۲)

مکتبی مدارس

مکتبی مدارس، مکتب، حلقہ اور مساجد سے ملحق مدارس کی ترقی یافتہ شکل میں سامنے آئے۔ مکتبی مدارس میں تعلیم و تدریس کے علاوہ دیگر لوازمات کا اہتمام بھی تھا جس میں کتابت، نقل نویسی اور جدید علوم کی تعلیم کا انتظام تھا۔ (۴۳)

دارالعلم

دارالعلم اسلامی تعلیم و تہذیب کے مرکز رہے ہیں۔ یہ علوم و ادب کی اشاعت و فروغ میں نمایاں حصہ ادا کرتے رہے ہیں لیکن دانش کدوں سے کئی طرح سے مختلف ہوتے کیونکہ انکے نصاب میں شامل کتب زیادہ تر علم و ادب، لغت، فقہ، سیر انبیاء سے متعلق تھیں۔ ان دارالعلم میں نادار طلباء کی مالی امداد کے ساتھ کتابت وغیرہ کے لوازمات کی فراہمی کا انتظام بھی کیا جاتا تھا۔ ان دارالعلم میں سے ایک خاتون حفصہ بن حمدان الموصل نے ۳۲۳ھ میں موصل میں قائم کیا تھا۔ اس سلسلے میں یاقوت الحموی نے رقم کیا ہے کہ جعفر بن حمدان موصل اس ریاست میں بڑی حیثیت والے تھے۔ اس لئے انہوں نے بھی شہر میں ایک دارالعلم تعمیر کر وایا۔ اس میں جملہ علوم کی کتابیں استفادہ کرنے والوں کے لئے وقف تھیں نیز اس دارالعلم میں کسی طالبعلم کا داخلہ ممنوع نہ تھا۔ اس دارالعلم میں جعفر بن حمدان کے گرد جو طالبعلم جمع ہوجاتے، وہ انہیں اپنے اور دوسرے شعراء کے منتخب اشعار سناتے اور اپنی تصانیف اور نادر تالیفات میں سے املا کراتے، فقہ اور متعلقات فقہ سکھاتے، اور اپنی یادداشت سے اچھے اچھے قصے سناتے تھے۔ (۴۴)

چند اہم دارالعلم

دارالعلم البستی جسے ابو حاتم محمد بن حبان التمیمی البستی متوفی ۳۵۴ھ نے تعمیر کرایا تھا اپنے وقت کے عظیم فقہا میں شمار ہوتے تھے۔ احادیث کے حافظ ہونے کے علاوہ طب نبوی اور دیگر فنون میں بھی کمال درجہ مہارت رکھتے تھے۔ انہوں نے اس دارالعلم کے ساتھ غرباء کے لئے ایک قیام گاہ بھی تعمیر کرائی تھی، جس میں قیام پذیر طلباء کے لئے نہ صرف وظائف مقرر تھے بلکہ نادر و عمدہ کتب کا خزانہ بھی تھا۔

اس نے کرخ ۳۸۳ھ میں ایک مکان خرید کر اسے دارالعلم بنادیا، جس میں نادر کتب رکھی گئیں، ان کی تعداد دس ہزار سے بھی زیادہ تھی۔ یہ دارالعلم، علما اور اہل فضیلت کا مرجع تھا۔ المقریزی صاحب الخطط نے اپنی کتاب میں ایک اور دارالعلم کا تذکرہ کیا ہے۔ جسے حاکم بامرات نے قصر غربی کے قریب تعمیر کرایا تھا۔ (۴۵)

بادیہ

عرب ادبیات و شاعری کے بے حد دلدادہ تھے ۔ دور جاہلیت میں بھی عربوں کیلئے علم اور ثقافت کے اظہار کا ذریعہ عربی زبان ہی تھی۔ مسلمانوں کی بازنطینہ اور ایران پر فوج کشی سے عربی زبان بھی پھیلی لیکن اس کی وسعت سے ایک طرف زبان میں خرابیاں پیدا ہو گئیں۔ زبان کی یہ غلطیاں بڑی شرمناک اور ناقابل معافی تصور کی جاتی تھیں ۔ ایک موقع پر رسول اکرمؐ کی حضوری میں کسی عرب نے محاورہ کے استعمال میں کوئی غلطی کی تو آں حضرتؐ نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا " اپنے بھائی کی اصلاح کرو! وہ بھٹک گیا ہے " ۔ (۳۶)

حضرت عمرؓ کے عہد سے عربوں اور غیر عجیوں میں میل جول اور آمد و رفت بہت زیادہ بڑھنی شروع ہوئی۔ چنانچہ مملکت اسلامیہ کے دارالحکومت مدینہ ، دمشق ، اور بعد ازاں بغداد وسیع المشرب مقامات بن گئے ۔ کوفہ اور بصرہ جیسے شہروں میں بھی بہت زیادہ غیر عجمی آبادی بڑھ گئی تھی ، خصوصاً ایرانیوں کی تعداد زیادہ تھی جو بطور قیدی وہاں لائے گئے تھے اور بعد ازاں مسلمان ہو گئے ۔ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ عربوں میں دوسری اقوام سے تعلق رکھنے والی خواتین سے شادی کرنے کا رواج بڑھ رہا تھا ، اس مستقل میل جول کے علاوہ ہر سال مختلف ممالک سے ایک بڑی تعداد میں لوگ حج کرنے آتے اور مقامات مقدسہ میں عرصہ تک مقیم رہتے تھے ۔ اگرچہ عوام کی زبان عربی ہی تھی لیکن چونکہ غیر ملکیوں کے لئے صرف و نحو کی پابندی مشکل تھی لہذا ایک نئی اور ٹوٹی پھوٹی عربی بولی پیدا ہو گئی ۔ جاحظ اس زبان کو مولدین اور عوام کی زبان کہتے ہیں ۔ چنانچہ صحیح عربی سیکھنے کا مرکز صرف بادیہ تھا جہاں بدو عربی زبان سکھاتے تھے ۔

چونکہ بدو ریگستان میں بالکل الگ تھلگ رہتے تھے لہذا ان کی نسل بھی خالص رہی اور انہوں نے زمانہ جاہلیت والی خالص عربی کو بھی قائم رکھا ۔ لہذا بدو ہی ایسے لوگ رہ گئے تھے کہ جن سے صحیح عربی زبان سیکھی جا سکتی تھی ۔ انہوں نے اپنی اس حالت سے فائدہ اٹھایا ۔ وہ شہروں میں آجاتے اور ایک جگہ بیٹھ کر زبان کے متعلق سبق دیا کرتے تھے ۔ چنانچہ چند مشہور بدووں نے معلمی کا پیشہ اختیار کر لیا تھا ۔ جیسے ابو البیداء الریاحی بصرہ آگئے تھے اور عموماً کچھ معاوضہ لے کر بچوں کو پڑھایا کرتے تھے ۔ ابو جاموس ثور بن یزید بھی بصرہ آگئے تھے اور ان ہی سے ابن المقفع نے فصاحت و خطابت سیکھی تھی ۔ ابو العمیثل عبداللہ بن خلید خراسان چلے گئے اور وہاں عبداللہ بن طاہر کے لڑکوں کے اتالیق مقرر ہو گئے ۔ عبداللہ بن عمرو بن ابی صبح بغداد آگئے تھے اور بہت سے نامور اہل علم ان کے شاگرد تھے ۔ (۳۷)

شہروں اور قصبوں میں کثرت سے لوگ حلقہ بنائے کسی بدو کے گرد بیٹھ کر اس کی باتیں سنا کرتے تھے ۔ لیکن دولت مند لوگ جیسے شاہی خاندان کے افراد اور اولوالعزم علماء بادیہ ہی میں چلے جاتے تھے جو اس دور میں

ایک مدرسہ کا کام دیتا تھا۔ اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ اس بگڑی ہوئی زبان سے جو ان کے گرد ہر طرف بولی جاتی تھی دور ہو جائیں اور چند سال تک عربی زبان کے گھر (بادیہ) میں رہیں۔ ابتدائی دور کے اموی شہزادوں کے لئے شاہی بادیہ ایک مدرسہ کا کام دیتا تھا جہاں نوجوان لڑکے خالص عربی سیکھنے کے لئے بھیج دیئے جاتے تھے جہاں سے وہ شاعری میں حاذق ہو کر آتے تھے۔ یہی وہ جگہ تھی جہاں حضرت معاویہؓ نے اپنے بیٹے اور ولی عہد یزید کو بھیجا تھا۔

بشار بن برد (متوفی ۱۶۷ ھ) اپنے زمانے کے واحد شاعر تھے جس نے کبھی عربی زبان کی کوئی غلطی نہیں کی۔ اپنے تمام معاصرین پر اپنی اس افضلیت کے اسباب بتاتے ہوئے انہوں نے کہا: " میری ولادت اور نشوونما بنو عقیل کے اس فصحاء اور شعیبوں کے درمیان ہوئی ہے جہاں ان کی خواتین بھی تھیں جو فصاحت میں مردوں سے بھی بالاتر تھیں۔ اس قبیلہ میں کوئی شخص عربی زبان دانی کی غلطی نہیں کرتا تھا اور جب میں کچھ بڑا ہوا تو مجھے بادیہ بھیج دیا گیا جہاں میں سن بلوغ تک رہا۔

بیت الحکمۃ

اسلامی دور حکومت میں اکثر خلفا اور انکے درباری عالم، فاضل ہوا کرتے تھے۔ انہوں نے متعدد بیت الحکمۃ قائم کئے۔ ان میں عالمانہ اور مختلف موضوعات پر تبادلہ خیالات کیا جاتا تھا۔ اسلئے یہ بیت الحکمۃ قابل ذکر تعلیمی و ادبی مراکز کی حیثیت رکھتے تھے۔ اس نے دانش کدے کے باعث اعلیٰ تعلیم کو بہت فروغ ملا۔ انہیں عباسی خلفاء خصوصاً ہارون الرشید کے عہد میں بہت عروج حاصل ہوا۔ کیونکہ بیت الحکمۃ نے کئی پہلوؤں سے علم کی خدمت سر انجام دی۔ یہ غیر رسمی مراکز تھے۔ دراصل انکی ابتداء خلفائے راشدین کی نجی مجالس سے ہوئی جن میں وہ دین سے متعلق لوگوں کے سوالات کا جواب دیتے تھے۔ ان بیت الحکمۃ کا سلسلہ کسی نہ کسی شکل میں جاری رہا مگر ان میں تنوع المامون کے دور میں پیدا ہوا۔ ان بیت الحکمۃ میں ادب، قواعد، شاعری، مذہب، فلسفہ اور کلام پر سیر حاصل بحثیں ہوتی تھیں۔ لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان بیت الحکمۃ نے اعلیٰ تعلیم کو فروغ دیا (۳۸)

رباط

رباط کے لفظی معنی مسافر خانہ اور عارضی قیام گاہ کے ہیں۔ قرون اولیٰ میں تعلیم کی ترویج میں چند ایسے مقامات کی نشاندہی بھی ملتی ہے جن میں سے ایک کو اصطلاح میں رباط کہا جاتا تھا۔ یہ تعلیم گاہ ابتدائی نوعیت کی تھی۔ اس میں کوئی نصاب مخصوص نہ تھا، صرف بنیادی درجہ کی تعلیم ہوتی تھی۔

رباط کو عام طور پر علماء و امراء اپنے طور پر قائم کر کے تعلیم بھی خود دیا کرتے تھے۔ فخر الدین عمر ابن اسحاق الدورقی نے مدینہ و ست میں ایک رباط تعمیر کرائی تھی، اسمیں زہاد اور فقراء کی جماعت مقیم رہتی، ان کے لئے اس رباط میں تعلیم قرآن حکیم اور حدیث کا انتظام کیا گیا تھا۔(۴۹) اسی طرح ایک رباط ابوالفتح ابن ابی النجم کے نام سے منسوب تھی، جس میں ادب کی تعلیم دی جاتی تھی۔(۵۰) شیخ برہان الدین ابراہیم اپنے رباط میں حدیث اور طب کی تعلیم دیتے تھے۔

رباط النساء

اسلام میں تحصیل علم مرد و خواتین دونوں پر یکساں فرض کی گئی ہے۔یہی وجہ ہے کہ ابتداء ہی سے ہر دور میں اس کا انتظام بھی رہا ہے چنانچہ مختلف ادوار میں مستورات کے لئے جن تدریس گاہوں کا تذکرہ ملتا ہے، ان میں سے رباط النساء خصوصی طور پر خواتین کی تدریس کے لئے مشہور ہوئے، ان رباط کا انتظام و انصرام خواتین کے ہاتھ میں ہی تھا، نیز خواتین ہی درس و تدریس کے فرائض سر انجام دیتی تھیں، ان رباط میں خواتین کے لئے اسلامی ماحول قائم رکھنے کی سعی کی جاتی تھی۔

۶۵۲ھ میں خلیفہ مستعصم عباسی نے دارالشط کو مستورات کی تعلیم کے لئے وقف کر دیا تھا، جس میں شیخ الشریفہ بنت المستعدی کو معلمہ کی حیثیت سے تقرر کیا گیا(۵۱)، قاہرہ میں بھی اسی طرز پر ایک رباط البغدادیہ کے نام سے موسوم کیا گیا، اسے ایک خاتون بنت الملک الظاہر بیبرس نے ۶۸۴ھ میں تعمیر کرایا تھا۔اس میں زینب بنت ابی البرکات المعروفہ بنت البغدادیہ کو معلمہ رئیسہ کی حیثیت سے مقرر کیا گیا، ان کے ساتھ اور بہت سی معلمات تھیں جو تعلیم و تربیت کے سلسلے میں ان کی معاونت کرتی تھیں(۵۲)، اس کے بعد ان کی جگہ ام زینب فاطمہ بنت عباس البغدادیہ نے لی جو اپنے وقت کی بڑی عالمہ اور فقیہہ تھیں، قاہرہ میں بھی اسی طرح کی ایک اور رباط کا تذکرہ ملتا ہے۔جو رباط الحجازیہ کے نام سے مشہور تھی۔جسے سیدہ فوز نے تعمیر کرایا تھا(۵۳)، اس میں ام الخیر الحجازیہ کو معلمہ کی ذمہ داری سونپی گئی تھی۔

خانقاہ

دینی تعلیم کی ترویج میں مساجد و مکاتب کے ساتھ خانقاہ بھی مرکز تعلیم و تدریس رہی ہے۔(۵۴) جن میں متعدد علوم کی تدریس ہوتی تھی خصوصی طور پر تعلیم بالغان کا انتظام تھا، البتہ اصلاح باطن کی طرف زیادہ توجہ دی جاتی تھی، یہ خانقاہیں بیک وقت عبادت گاہیں بھی تھیں اور درس و تدریس و اصلاح باطن کے مراکز بھی، عموماً ہر خانقاہ میں ایک کامل شیخ موجود ہوتا تھا، جو خانقاہ میں آنے والے افراد کی ظاہری و باطنی اصلاح کرتا تھا، اور انہیں زیور تعلیم سے بھی آراستہ کرتا تھا، علم کے ذریعے جہالت دور کی جاتی، اور اصلاح باطن سے اخلاق

حسنہ پیدا کئے جاتے تھے۔ یہ خانقاہیں حفظ کی طرز تعلیم و تربیت کی عکاسی کرتی تھیں۔ یہ سلسلہ شاہ ولی اللہ کے دور تک بدستور قائم رہا۔ اب بھی یہ خانقاہیں کسی نہ کسی صورت میں موجود ہیں اور ایک حد تک مذہبی اقدار سنبھالے ہوئے ہیں۔

سرزمین مصر پر سب سے پہلی باقاعدہ خانقاہ دارالسعداء کے نام سے ۵۶۹ھ میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے تعمیر کرواکر اسے صوفیاء کے لئے وقف کردیا تھا۔ اس میں مقیم صوفیاء تعلیم و تربیت کے لئے خاص شہرت رکھتے تھے (۵۵)۔ ایک خانقاہ امیر رکن الدین بیبرس نے ۷۰۶ھ میں دارالوزراء کے مقام پر تعمیر کرائی۔ (۵۶) ۷۳۰ھ میں ایک خانقاہ اقراف کے مقام پر تعمیر کی گئی تھی۔ الشیخ الشمس محمود الاصفہانی اس خانقاہ کے پہلے متولی مقرر ہوئے، جو اپنے وقت کے مشہور مصنف تھے۔ اسی طرح امیر سیف الدین شیخو العمری نے ۷۵۵ھ میں ایک خانقاہ تعمیر کروائی، جس میں متعدد درسگاہیں قائم تھیں جس میں قرآن شریف، حدیث، سبعہ قرآت اور چاروں فقہ کی تعلیم کا اہتمام تھا۔

شاہی مدارس

علم دوستی صرف اہل علم کا طرہ امتیاز نہیں رہی بلکہ خلفاء، امراء، وزراء بھی علم کی سرپرستی میں بڑے فیاض رہے ہیں۔ بہت سے مدارس، دارالعلوم اور مکاتب ان کے نام سے موسوم تھے ان میں سے کئی ایک تعلیمی مراکز انہوں نے خود تعمیر کروائے۔ وہ علماء و فضلاء کی قدردانی کرتے اور انہیں اپنی خاص مجالس میں بھی شریک کرتے تھے۔ علمی مباحثے، مناظرے، مشاعرے، ان کے محلات میں ہوتے تھے۔ بڑے بڑے دانشور ان کے درباروں میں شامل تھے۔ یہ امر باعث فخر اور توقیر سمجھا جاتا تھا۔ بلکہ بعض خلفاء اور ارباب اختیار و اقتدار نے تو اپنے اپنے محلات میں مستقل مدارس قائم کئے ہوتے تھے۔ جہاں تعلیم کے ساتھ شاہی خاندان کے نوعمر افراد کو مخصوص سماجی، مذہبی، ثقافتی اقدار سے روشناس کرایا جاتا تھا۔ تاکہ انہیں اعلیٰ تعلیم کے لئے تیار کیا جاسکے۔ ان مدارس میں پڑھانے والے اساتذہ کو مؤدب کیا جاتا تھا۔ ان شاہی محلات کے مدارس میں خصوصی طور پر فن خطابت، آداب گفتگو، ضابطہ اخلاق، مختصر قومی تاریخ اور علم الادبیت جیسے علوم سکھائے جاتے تھے۔

یہ مؤدب وقت کے بڑے بڑے ماہرین تعلیم ہوتے تھے اس لئے ان کی قدر و عزت بھی شاہی انداز میں کی جاتی تھی۔ ان صاحبان اقتدار نے نہ صرف علم کی شمع فروزاں رکھی بلکہ خدمت علم میں کوشاں رہے۔ کبھی ان حضرات میں مسابقت پیدا ہوجاتی تو اس سے ان تعلیم گاہوں کا معیار مزید بلند ہوتا تھا۔ دور دراز سے طالبان علم ان مراکز میں پہنچتے اسی طرح خلفاء اور امراء بھی اس کوشش میں رہتے کہ بڑے سے بڑے علماء کو اپنی طرف مائل کرکے تشنگان علم کو ان بڑے علماء سے فیضیاب ہونے کا موقع فراہم کریں۔

خلفاء خود کو علم کا سرپرست تصور کرتے تھے اور ان کے محلات ترقی علم کے مراکز سمجھے جاتے تھے۔ مختلف

باللہ نے بغداد میں جب نئے قصر الشمسیہ کا نقشہ بنوایا تو اس نے حکم دیا کہ محل کا ایک حصہ مخصوص کر دیا جائے جہاں یکسوئی کے ساتھ مختلف علوم کی تحصیل کا انتظام کیا جائے ۔ دراصل شاہی مدارس خواص کی درسگاہیں تھیں جن کا اصل مقصد نو عمر شہزادوں کو مخصوص ثقافتی اقدار اور شاہی آداب سکھانا تھا ، اسلئے ان کے نصاب کا انتخاب امراء اور خلفاء خود ہی کیا کرتے تھے ۔ ان شہزادوں کے اساتذہ بھی ان محلات میں ہی رہتے تھے اور اپنے شاگردوں کے ساتھ ہی کھانا تناول کیا کرتے تھے ۔ (۵۹)

ادبی نشستیں

باقاعدہ ادبی نشستیں نہ صرف خلفاء کے محلات میں منعقد ہوتیں بلکہ ان کے وزراء کے محلات میں بھی انعقاد پذیر ہوتی تھیں ۔ اس وقت کے رائج تمام قسم کے جلسوں سے ، محلات میں منعقدہ ادبی نشستوں کا معیار سب سے بلند تھا ۔ (۶۰) ہارون الرشید ۱۹۳ھ کے عہد میں یہ علمی سرگرمیاں انتہائی اعلیٰ مدارج پر پہنچ گئی تھیں کیونکہ اس کی تعلیم و تربیت خوب بہ طریق احسن ہوئی تھی ۔ اس کے دربار میں اکثر و بیشتر مشاعرے ، مذہبی مناظرے اور ادبی مجالس ہوا کرتی تھیں ، اس لئے ان کے گرد بہت سے اہل علم و فضل جمع ہو گئے تھے ۔ جیسے شعراء میں ابو نواس ، ابو العتاہیہ ، مسلم بن ولید ، عباس بن الاحنف ۔ ماہر لسانیات میں ابو عبیدہ الاصمعی ، الکسائی ، واعظ بن السماک اور مورخ الواقدی (۶۱) اسی طرح مامون الرشید کے دربار میں بھی علماء ، فضلاء ، شعراء ، اطباء اور فلسفیوں کا ہجوم رہتا تھا جو متمدن دنیا کے ہر حصے اور مختلف مذاہب و اقوام سے تعلق رکھتے تھے ۔

امام غزالی نے وزیر نظام الملک طوسی کے دربار میں علماء کے ساتھ جو مناظرہ کیا ، اس کے نتیجے میں بغداد میں نظامیہ کی مسند درس ان کے سپرد کی گئی ۔ اخشید کے دربار میں ہر شب ادبی نشست کا ایک تاریخ ساز دور ہوا کرتا تھا ، اسی دربار میں کافور نے بھی تعلیم و تربیت حاصل کی تھی ، چنانچہ وہ تعلیم و تہذیب کے ایسے اعلیٰ معیار پر پہنچا کر اخشید کے لڑکوں کی تعلیم اس کے سپرد ہوئی ۔

فاطمیوں کی علمی و ادبی نشستوں کے مقابلے میں طولونیوں اور اخشیدیوں کی علمی مجالس کی روشنی گہنا گئی تھی ، کیونکہ فاطمی خلفاء اکثر و بیشتر ادبی نشستیں منعقد کیا کرتے تھے ۔ جہاں مشہور تعلیم گاہوں کے جید علماء جمع ہو کر اپنے اپنے شعبہ اور ذوق کے علوم کے مطابق جماعت وار تقسیم ہو جاتے تھے ۔ مثلاً منطق ، فقہ ، اقتصادیات ، طبعیات وغیرہ اور یہ سب اپنی خلعت یا مخصوص علمی لباسوں میں ملبوس ہوتے تھے ۔ (۶۲)

کتب خانہ

قرون وسطیٰ میں بیشتر اسلامی کتب خانے نہ صرف زمانہ حال کی طرح کتب خانوں کے مقاصد پورے کرتے تھے بلکہ وہ تعلیمی ادارے بھی تھے ۔ اسی لئے مورخین میں یہ اختلاف رہا کہ آیا انہیں کتب خانہ کہیں یا مدرسہ تصور کریں ۔ علی بن یحییٰ المنجم (۲۷۵ھ) کے عالی شان محل میں ایک بہت بڑا کتب خانہ تھا جسے خزانۃ

المقدس کہتے تھے اور وہاں مختلف مقامات سے بے شمار لوگ تحصیل علم کے لئے سفر کرکے آیا کرتے تھے۔ کتب خانے کے ایک حصہ میں طلباء کے قیام کا بھی انتظام تھا اور انہیں طعام کی پیش کش بھی کی جاتی تھی۔ اس کتب خانے کے ایک مشہور طالب علم ابو معشر منجم گزرے ہیں جو خراسان سے مقامات مقدسہ جاتے ہوئے یہاں ٹھہرے تھے۔ جب وہ کتب خانے میں داخل ہوئے تو وہ اس کی عظمت و شان دیکھ کر حیران رہ گئے اور اپنا سفر حج ملتوی کرکے وہیں مقیم ہوگئے جہاں ایک عرصہ قیام پذیر رہ کر انہوں نے علم نجوم میں مہارت تامہ حاصل کرلی۔ (۶۱)

جعفر بن محمد بن حمدان موصلی (متوفی ۳۲۳ھ) نے اپنے شہر میں ایک تعلیمی ادارہ قائم کیا جس کے ساتھ ایک نہایت عمدہ کتب خانہ بھی تھا۔ جس میں ہر شخص داخل ہو سکتا تھا اور غریب طلباء کی مالی امداد بھی کی جاتی تھی۔ جعفر خود بھی ایک استاد تھا اور اپنی تصانیف بھی پڑھ کر سنایا کرتا تھا۔ (۶۲)

المقدسی نے جہاں رامہرمز کا تذکرہ کیا ہے اس کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ وہاں ایک کتب خانہ بالکل ایسا تھا جیسا کہ بصرہ میں تھا۔ یہ دونوں کتب خانے ابو علی بن سوار نے قائم کئے تھے اور وہاں طلباء کے کھانے کا انتظام بھی تھا۔ بصرہ کا کتب خانہ مقابلتاً بڑا تھا اور اس کی عمارت بھی بہتر تھی۔ چنانچہ طلباء اس طرف کھنچے چلے آتے تھے تاکہ اس عظیم الشان ذخیرہ کتب سے فائدہ اٹھائیں اور وہاں کے شیخ سے علم کلام کا درس لیں۔ جن کا تعلق فرقہ معتزلہ سے تھا۔

نظامیہ مدارس کے قیام سے پہلے دور میں اسلامی علوم و فنون اپنی معراج پر تھے۔ شہر شہر، قریہ قریہ لاتعداد کتب خانے موجود تھے۔ بغداد، قرطبہ، مشہد اور قاہرہ اس سلسلہ میں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ مشرق وسطیٰ میں اس زمانے میں کتب خانوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ اندلس میں بھی اموی خلفاء کے زیر اہتمام بہت سے کتب خانوں کے اس قابل تعریف اضافے کا ایک زبردست فائدہ یہ ہوا مطلوبہ کتب تک طلبہ کی رسائی آسان ہوگئی۔ تشہیر اور ابلاغ عامہ میں ان کتب خانے نے بے پناہ اضافہ کیا۔ ایک ایسے ہی کتب خانے میں بوعلی سینا نے اپنی علمی تحقیق کا دور گزارا۔ انہوں نے اس بات کا اعتراف کیا کہ اس کتب خانہ میں طب اور دیگر مضامین پر اس قدر زیادہ کتابیں موجود تھیں جو انہوں نے اس سے قبل نہیں دیکھی تھیں۔ بیشتر عظیم مسلمان علماء میں غزالی اور ابن رشد جیسی مقتدر ہستیوں نے زیادہ تر ان کتب خانوں میں علمی تحقیق کیلئے وقت گزارا اور انہوں نے عملاً انہیں تعلیم کا مرکز بنایا۔ کتب خانوں کی مقبولیت کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ ان دنوں ان کتب خانوں میں مجلسیں ہوتی تھیں۔ جن میں نئی کتب اور نایاب مسودوں پر تبادلہ خیال کیا جاتا تھا۔ یعنی یہ کتب خانے غیر رسمی تعلیم کا مرکز بھی تھے۔

باقاعدہ مدارس

مروجہ علوم وفنون میں وقت کے ساتھ ساتھ ترقی وسعت اور اشاعت کے لئے جو روایتی ادارے موجود تھے یہ ضروری تدریسی لوازمات کماحقہ پورے کرنے سے قاصر ہوتے جارہے تھے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ دینی اور تعلیمی مقاصد کے درمیان جو توازن درکار تھا، وہ قائم نہیں رہ رہا تھا چنانچہ ان حالات کے تابع ضروری ہو گیا تھا کہ مکاتب، حلقوں، صفاتی مدارس، مساجد اور مساجد سے ملحق مدارس اور دانش گدوں کے علاوہ ایک نئی قسم کے تعلیمی اداروں کا قیام عمل میں لایا جائے تاکہ یہ موجودہ اور مستقبل کی ضروریات کے پیش نظر مروجہ و دیگر سائنسی اور تجربی علوم کی تعلیم کیلئے سازگار مواقع بہم پہنچا سکیں۔ نیز اب تک جو تعلیم و تعلم اور تجربات میں دشواریاں تھیں انہیں دور کیا جاسکے اور جو کچھ اس ضمن میں ناممکن لگ رہا تھا، اسے ممکن بنایا جاسکے اور جیسے جو تعلیم مختلف خانوں میں مختلف جگہوں پر دی جارہی تھی اس کا یکجا انتظام کر کے۔ ان مدارس میں یکسانیت پیدا کرنے کے لئے یکساں نصاب رائج کیا جاسکے۔ اس نوع کے مدارس کے بانیوں میں نظام الملک اور نور الدین زنگی کے نام خصوصیت سے قابل ذکر ہیں، ان اداروں نے ایک قلیل مدت میں بے پناہ مقبولیت حاصل کر لی، کیونکہ علوم وفنون کی تعلیم، ترقی اور توسیع جو روایتی اداروں میں پہلے ممکن نہ تھی، ان مدارس کے قیام سے آسان ہو گئی۔ ان مدارس میں کوئی وحدانی نصاب رائج نہ تھا بلکہ جغرافیائی، اقتصادی اور ثقافتی حالات کے پیش نظر ایک ملک کے بھی مختلف حصوں میں جدا جدا نصاب رائج تھا، لیکن بنیادی مہارتیں اور علوم کم و بیش یکساں تھے۔

اگرچہ ان تعلیمی اداروں کے قیام کے بنیادی محرکات مذہبی تھے، لیکن علوم وفنون کی توسیع و اشاعت اور تعلیم عامہ کے لئے عوام الناس کے مطالبات نے ان مدارس کو روایتی مدارس سے انتظامی اور تدریسی اعتبار سے بہت حد تک مختلف بنا دیا یہی امور ان کے قیام میں ممد و معاون ثابت ہوئے۔ بعد ازاں ان مدارس کے قیام اور اشاعت علم وفن سے کلیات اور جامعات قائم ہو گئیں۔ ایسے مدارس کے اہم مراکز بغداد، نیشاپور، قرطبہ، قاہرہ، اور دمشق تھے۔ ڈاکٹر احمد شلبی نے اپنی کتاب تعلیم و تربیت میں ایسے پندرہ مدارس کے نام درج کئے ہیں، جو نور الدین نے دمشق اور ملک شام کے کئی مقامات پر قائم کئے۔ اس طرح صلاح الدین ایوبی، شہزادوں، شہزادیوں، امرا، اور عوام الناس نے مصر، یروشلم، اور دمشق میں لگ بھگ ساٹھ مدارس قائم کئے۔ (۹۳)

خلاصہ

دینی تعلیم کے فروغ کے لئے مختلف صورتوں کے ارتقاء کا ایک جائزہ لینے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ دینی مدارس کی موجودہ شکل جو بیسویں صدی کے اختتام میں نظر آتی ہے، وہ کافی متنوع ہے، اس میں ابتدائی دور کی

جھلک بھی نظر آتی ہے۔ جو حلقہ، مکتب، مسجد، مسجد سے ملحق مدارس، مکتبی مدارس، مدارس، خانقاہ، رباط اساتذہ کی رہائش گاہیں، دارالعلم اور جامعہ کی صورتوں میں نظر آتے ہیں، بعد ازاں جو ترقی ان مدارس کی تعمیر، شکل و صورت، تربیت، نصاب، انتظام و انصرام میں ہوئی اس کے آثار آج بھی نظر آتے ہیں۔

دینی مدارس کی موجودہ شکل جو پاکستان میں نظر آتی ہے، اس کی واضح تفریق و امتیاز برصغیر پاک و ہند کے انگریزی عہد میں جدید رسمی تعلیم متعارف کرانے سے ہوئی، بالآخر سیاسی، معاشرتی، اور معاشی وجوہات کی بناء پر دینی و دنیاوی علوم کی درسگاہیں الگ الگ ہو گئیں۔ اب دینی مدرسہ سے مراد ایک ایسا ادارہ ہے جہاں پڑھائے جانے والے زیادہ تر علوم دینی و قدیم ہوں اور جدید سائنسی و معاشرتی علوم کا تناسب بہت کم ہو۔ یہ دینی مدارس جو اس زیر نظر مقالے کا موضوع ہیں۔ ان میں ان تمام مقاصد کی برآوری مقصود ہے اور اس میں ابتدائی شکلیں یعنی۔ ذاتی حلقے، حلقہ، مکتب، مسجد اور مدرسہ کی تمام خصوصیات یکجا ہو گئی ہیں۔ قدیم و مروجہ جدید علوم کی اکثریت کا احاطہ کرنے کے ساتھ اب یہ اسلامی مدارس ایک باقاعدہ ادارہ کی شکل میں ہیں۔ یہ زیادہ تر اپنی مخصوص عمارتوں میں قائم ہیں، بعض عارضی طور پر کہیں بھی قائم کرلئے جاتے ہیں۔

ابتداء میں تعلیم دین و دنیا کے الگ الگ خانوں میں منقسم نہ تھی، لیکن وقت کے ساتھ ساتھ اسلامی معاشرے اور اسلامی ریاست کی حدود میں وسعت ہوتی گئی۔ چنانچہ علم میں وسعت سے علم کی نئی شاخیں بنتی گئی ملک عرب سے باہر جن ممالک کو فتح کیا گیا۔ ان کی ثقافت، علوم، فلسفہ اور پرانے مدنی نظریات سے دینی و دنیاوی علوم میں امتیاز ہونے لگا۔

باقاعدہ مدارس کے مطالعہ کے لیے باب نمبر آٹھ ملاحظہ کیجئے۔

باب سوم: حواشی و حوالہ جات

۱ ـ فتح الباری ج / ۷ ص / ۴۷

۲ ـ صحیفہ ابن ہمام

۳ ـ فتح الباری ج / ۷ ص / ۴۶

۴ ـ الخطیب البغدادی ص / ۴۳۴ (کتاب الرقاق)

۵ ـ دیباچہ صحیفہ ابن ہمام از ڈاکٹر حمید اللہ

۶ ـ عہد نبوی میں نظام حکمرانی ص / ۲۰۵،۲۰۴

۷ ـ عقود الجمان فی جواز تعلیم الکتابۃ للنسوان ص / ۱۳

۸ ـ تمدن عرب از محمد ابان الحق سلیمانی

۹ ـ صحیفہ ہمام ابن منبہ

۱۰ ـ ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم ـ گیلانی جلد اول

۱۱ ـ طبقات ابن سعد ج / ۲ ص / ۲، مسند احمد ابن حنبل ج / ۱ ص / ۲۳۷

۱۲ ـ فتوح البلدان للبلاذری

۱۳ ـ مفتاح کنوز السنۃ ملفہ تحریرہ

۱۴ ـ ابو داؤد جلد / ۲ ص / ۳۲

۱۵ ـ کتانی ج / ۱ ص / ۴۳

۱۶ ـ خلفائے راشدین ص / ۳۶

۱۷ ـ خلفائے راشدین ص / ۳۶

۱۸ ـ خلفائے راشدین، حسن کردار و عمل ص / ۹۳ اور ص / ۱۰۳

اور خلفائے راشدین سیارہ ڈائجسٹ ص / ۵۸

اور خلفائے راشدین ص / ۳۸

اور خلافت راشدہ ص / ۸۶ اور ص / ۹۴ اور ص / ۱۳۱

۱۹ ـ خلفائے راشدین حسن کردار و عمل ص / ۹۹ اور خلفائے راشدین ص / ۴۰

اور خلافت راشدہ ص / ۱۰۳

۲۰ ـ خلفائے راشدین ص / ۵۸

۲۱ ـ ازالۃ الخفاء

۲۲ ـ سیرت العمرین ـ ابن جوزی

۲۳ ـ معجم البلدان ـ یاقوت حموی

۲۴ ـ خلفائے راشدین ص / ۵۹ تا ۹۸

اور خلفائے راشدین حسن کردار و عمل ص ۱۳۵ تا ۲۹۳

اور خلفائے راشدین نمبر سیارہ ڈائجسٹ ص / ۱۳۷ تا ۲۳۹

اور خلافت راشدہ ص / ۸۵ تا ۳۲۲

۲۵ ـ خلفائے راشدین ص / ۱۳۸

۲۶ ـ خلفائے راشدین ص / ۱۱۶

اور خلفائے راشدین ـ سیارہ ڈائجسٹ ص / ۲۹۱ تا ۳۳۱

اور خلفائے راشدین حسن و کردار و عمل ص / ۲۷۱ تا ۳۳۲

اور خلفائے راشدہ ص / ۳۲۲

ہمارا نظام تعلیم سعید اختر ص / ۱۸

۲۷ ـ خلفاء راشدین ص / ۱۹۸

۲۸ ـ خلفائے راشدین ص / ۱۵۱ تا ۱۹۵

اور خلافت راشدہ ص / ۳۹۱ تا ۹۰۰

اور خلفائے راشدین نمبر سیارہ ڈائجسٹ ص / ۳۷۹ تا ۴۲۸

اور خلفائے راشدین حسن و کردار و عمل ص / ۳۳۳ تا ۳۹۶

اور ہمارا نظام تعلیم ص / ۱۸ تا ۲۲

۲۹ ـ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج / ۲۰ ص / ۱۵۳

۳۰ ـ مستدرک حاکم ج / ۳ ص / ۵۳۷ تا ۵۳۸

۳۱ ـ الجامع الاموی ـ ذکر جامع بنی امیہ ص / ۱۵۱

اور الدارس النعیمی

۳۲ ـ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج / ۲۰ ص ۱۶۳

۳۳ ـ تاریخ ابن خلکان ج / اول ص / ۲۸۱

۳۴ ـ جامع بیان العلم عبدالبر ج / ۲ ص / ۹۸

۳۵ ـ معجم الادباء ج / ۳ ص / ۲۶۲

۳۶ ـ الوزراء والکتاب للجہشیاری ص / ۳۴

۳۶ - زبدۃ النصر ص / ۳۰

۳۷ - وفیات الاعیان ج / ۲ ص / ۲۹ مطبوعہ مصر ۱۳۱۰ھ

۳۸ - حسن المحاضرۃ (سیوطی) ج / ۲ ص / ۱۸۳ مطبوعہ مصر

۳۹ - سفر نامہ ابن بطوطہ ج / ۲ ص / ۱۱ مصر ۱۹۲۸ء

۴۰ - مسلمانوں کا نظام تعلیم ڈاکٹر احمد شلبی

۴۱ - جولہ - عمر رضا کحالہ ص ۴۳

۴۲ - سیرت النبی ج / ۲ ص / ۵۲

۴۳ - البلدان ۔ یعقوبی ص / ۲۰

۴۴ - مسلمانوں کا نظام تعلیم ص / ۴۱

۴۵ - الحوادث الجامعہ ص ۲۵۳

۴۶ - بغیۃ الوعاۃ ص / ۲۲۶

۴۷ - الخطط بالمقریزی ج / ۳ ص / ۳۰۳

۴۸ - دور العلاج والرعایۃ فی الاسلام ص / ۳۳ تا ۳۵

۴۹ - = = = = = = = = = ص / ۴۳

۵۰ - = = = = = = = = = ص / ۴۳

۵۱ - جولہ - عمر رضا کحالہ ص / ۴۳ تا ۴۴

۵۲ - حسن المحاضرہ ج / ۲ ص / ۲۵۸

۵۳ - = = = ج / ۲ ص / ۱۹۰

۵۴ - = = = ج / ۲ ص / ۱۹۰

۵۵ - = = = ج / ۲ ص / ۱۹۱

۵۶ - محاضرات الادباء ص / ۳

۵۷ - احیاء العلوم - غزالی - ج / ۱ ص / ۵

۵۸ - معجم الادباء ج / ۳ ص / ۴۴

۵۹ - الخطط المقریزی ج / ۲ ص / ۱۵۱

۶۰ - تاریخ تعلیم و تربیت اسلامیہ ص / ۳۳ ڈاکٹر احمد شلبی

۶۱ - تاریخ تعلیم و تربیت اسلامیہ ص / ۳۰۶ ڈاکٹر احمد شلبی

۶۲ - تاریخ تعلیم و تربیت اسلامیہ ص / ۳۰ ڈاکٹر احمد شلبی

۶۳ - مسلمانوں کا نظام تعلیم ص / ۴۱

باب چہارم برصغیر کے دینی مدارس کا ارتقاء اور ان کے نصابات کا جائزہ

فصل اول: کلیدی الفاظ اور مستعمل اصطلاحات کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ

برصغیر

ارضی کائنات کا وہ حصہ جو برصغیر کے نام سے موسوم ہے۔ ایک وقت میں مشرق سے مغرب تک ۲۵۰۰ میل اور شمال سے جنوب تک ۲۰۰۰ میل کی اراضی پر مشتمل تھا۔ اس حصہ زمین پاک و ہند میں دنیا کے دو بڑے مذاہب ہندو ازم اور بدھ مت کے بانیوں اور پیشواؤں نے جنم لیا۔ جب یہ خطہ اسلام کی روشنی سے منور ہوا تو اسلامی تعلیمات اور علوم و فنون کے فروغ کے لئے کام کرنے والی اہم شخصیات انہی علاقوں میں قیام پذیر رہیں۔

دین کا مفہوم

دین سے مراد دین اسلام ہے، چونکہ یہ دین انسان کی دنیوی و اخروی زندگی میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے بیان کردہ طریقہ کا نام ہے۔ اسی لئے یہ دین انسان کی دونوں زندگیوں سے متعلق امور پر بحث کرتا ہے، یہ امور جسمانی ہوں، روحانی ہوں یا عقلی، اسی طرح شخصی ہوں یا اجتماعی، پھر یہ حقوق اللہ تعالیٰ سے متعلق ہوں یا اسکے بندوں سے، دین اسلام ان سب پر مشتمل ہے۔ علم دین ترکیب میں علم اپنے معلوم کی طرف مضاف ہے، ظاہر ہے کہ معلوم شئی دین میں جو وسعت ہوگی وہی وسعت اس کے علم میں بھی ہوگی۔(۱)

مدرسہ

مدرسہ وہ جگہ ہے جہاں تعلیم و تعلم کیلئے جمع ہوا جائے۔ جمع ہونے والے چاہے باہم طلباء ہوں یا اساتذہ و طلباء یا صرف اساتذہ، یہ جگہ استاد کا گھر، مسجد یا کوئی مستقل عمارت جو اسی مقصد کیلئے تیار یا مخصوص کی گئی ہو مدرسہ کہلاتی ہے۔

مدرسہ اور مسجد میں فرق

ڈاکٹر احمد شلبی لکھتے ہیں کہ مدرسہ اور مسجد میں فرق ابتدائے اسلام میں کسی حد تک مبہم تھا، کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ بعض مساجد میں اساتذہ مقرر کئے جاتے تھے (۲) بعض مدارس میں مؤذن بھی ملازم رکھے جاتے تھے (۳) تاہم مدارس کی کچھ اپنی امتیازی خصوصیات تھیں، جیسے ان میں ایک ایوان ہوتا تھا (جسے ہم لیکچر روم کہہ سکتے ہیں) اس کے علاوہ بیشتر مدارس کی عمارتوں میں اقامت گاہیں بھی بنائی گئی تھیں۔ ابن الجبیر نے

لکھا ہے کہ نور الدین نے جب حلب پر قبضہ کیا اور مسجد السراجین کو مدرسہ میں تبدیل کر دیا تو اس میں ایک ایوان اور اقامت گاہ تعمیر کی گئی (۴) مدارس میں باقاعدہ طلبا کی تعداد عام طور پر محدود ہوتی تھی اور انہیں مالی امداد بھی دی جاتی تھی۔

مدرسہ کو مذہبی تعلیم کے لئے وقف کر دینے کا سبب

حقیقت یہ ہے کہ مدارس میں مختلف علوم کی حوصلہ افزائی کی بجائے، ساری توجہ دینی تعلیمات پر مرکوز کر دی گئی تو نتیجہ یہ ہوا کہ بیشتر مدارس شافعی، حنفی، مالکی اور حنبلی مذاہب سے منسوب اور فقہ کی تعلیم کے لئے وقف ہوگئے۔ اس صورت حال کا سبب یہی تھا یا وقت کا تقاضا، کہ جب عراق، شام اور مصر پر بویہیوں اور فاطمیوں کا تسلط تھا تو اس وقت یہ دونوں حکومتیں شیعہ فرقے سے تعلق رکھتی تھیں، اس لئے انہوں نے پروپیگنڈے کے ذریعہ شیعیت کو فروغ دینے کی کوشش کی اور بعض جگہوں پر اپنی رعایا کو شیعہ عقائد کی پیروی کرنے پر مجبور کیا (۵) چنانچہ ان دونوں حکومتوں کے زوال کے بعد، سلجوقی اور ایوبی سلطنتوں کو عروج حاصل ہوا جو سنی عقائد کی پیرو تھیں۔ انہوں نے ایسے مدارس قائم کئے، جہاں سنی عقائد کے مطابق دین کی تعلیم دی جا سکے لہذا سنی عقائد کے فروغ کے بعد، دیگر علوم کو پھر پہلے جیسی اہمیت حاصل ہو گئی۔ مثلاً المستنصر (متوفی ۶۴۰ھ) نے اپنے مدرسہ المستنصریہ کے لئے حکم دیا تھا کہ وہاں طلبا کو پڑھانے کے لئے ایک طبیب حاذق بھی مقرر کیا جائے۔ اس نے یہ حکم بھی دیا کہ طبیب اور اس کے طلباء کو بھی وہی وظیفے دئے جائیں جو فقیہوں، محدثوں اور ان کے شاگردوں کو دئے جاتے ہیں۔(۶)

نصاب کا لغوی، تحقیقی، تدریسی و تاریخی جائزہ

لفظ "نصاب" جسے عربی زبان میں منہاج کہا جاتا ہے۔ لاطینی زبان کے لفظ "Currere" سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی Curricalam یا رستے کے ہیں۔ یعنی نصاب، تعلیم کے مقصد یا اسکے حصول کا راستہ ہوتا ہے، جس کے ذریعے فرد یا معاشرہ اپنی منزل مقصود تک پہنچتا ہے۔ ماہرین و مفکرین کی "نصاب تعلیم" کے بارے میں جو تعریفیں ہمیں ملتی ہیں ان کے خلاصہ کے طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ نصاب سے مراد، طلب کی کسی مخصوص جماعت کو تعلیم و تربیت دینے کا ایک جامع منصوبہ ہوتا ہے۔ جو واضح مقاصد کے تحت ان کے لئے مسلسل ارتقاء پذیر سرگرمیوں کا اہتمام کرتا ہے۔ یا نصاب ان تمام سرگرمیوں کا نام ہے جو مدرسہ کی کوشش سے وجود میں آتی ہیں، اور یہ سرگرمیاں مربوط ہوتی ہیں، چاہے یہ مدرسہ کے اندر ہوں یا بیرون مدرسہ۔

نصاب کو مدرسہ کا مکمل پروگرام بھی کہا جاسکتا ہے، جس میں طالبعلم کی عمر، ذہنی سطح، موجودہ و آئندہ زندگی، فلسفہ حیات، مقاصد زندگی، نفس مضمون، طرق ہائے تدریس اور جائزے شامل ہوتے ہیں۔ گویا نصاب، طالبعلم کی زندگی کو بالواسطہ اور بلا واسطہ دونوں طرح سے متاثر کرتا ہے۔ یعنی طالبعلم کی تمام

سرگرمیوں کے لئے حدود و قیود متعین کرتا ہے۔ اس میں طالبعلم کے سماجی روابط، اس کی زندگی، ذاتی و اجتماعی مصروفیات بھی شامل ہوتی ہیں۔ یعنی نصاب ان تمام افکار اور اعمال کا احاطہ کئے ہوئے ہوتا ہے جو طالب علم کی شخصیت اور اس کے مستقبل پر اثر انداز ہوتے ہیں، دوسرے لفظوں میں نصاب ان تعلیمی سرگرمیوں کا نام ہے جو مدرسہ کی نگرانی میں طلباء کی نشوونما کے لئے منظم کیجاتی ہیں۔ نصاب سے مراد محض کتابیں نہیں، بلکہ تمام ماحول ہے جو مدرسہ اپنے اندر پیدا کرتا ہے۔ طلباء اس ماحول سے گذرتے ہیں اور تعلیم کا عمل جاری رہتا ہے۔ ان مسلسل تعلیمی سرگرمیوں کی مدد سے طلبہ کی صلاحتیں بھرپور نشوونما پاتی ہیں، یہ سرگرمیاں کمرہ جماعت کے اندر بھی ہوسکتی ہیں اور باہر بھی۔ نیز نصاب کا جدید نظریہ اس بات کا متقاضی ہے کہ طلبہ کی خداداد صلاحیتوں کو سنوارا جائے اور انہیں ترقی دیجائے۔ یعنی طلبہ کی صلاحیتوں کو متوازن، ذہنی، جسمانی، اخلاقی، مذہبی اور معاشرتی، نشوونما کے لئے منظم کیا جاتا ہے۔ اس طرح جدید تصور نصاب میں مدرسہ اور معاشرہ کو ہم آہنگ کر کے ایک وحدت بنا دیا گیا ہے۔ اس تصور میں مقاصد طلبہ کی نفسیاتی بنیادوں پر تدوین و تنظیم کی جاتی ہے۔

نصاب کا تصور و اہمیت

نظام تعلیم میں سب سے اہم جزو نصاب ہے۔ نصاب ہی سے کوئی ادارہ اپنا نصب العین پاسکتا ہے، یہ مدرسہ کا مکمل پروگرام ہوتا ہے۔ اس میں مقاصد، نفس مضمون، طریقہ ہائے تدریس، اور جائزہ سب شامل ہوتا ہے۔ نصاب تعلیمی مقاصد کو حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے، نظام تعلیم کی خرابی کے بیشتر اسباب نصاب میں ہی مضمر ہوتے ہیں اس سے ان خرابیوں کو دور کر کے تعلیمی نصب العین کے حصول کے لئے کوشش کرنی ہوتی ہیں پاکستان جو دو قومی نظریئے کا ثمر ہے، اس کی ترقی کا راز نظریہ پاکستان میں ہے، نظریہ پاکستان سے مراد پاکستان میں اسلامی معاشرہ کا قیام ہے، اس حوالے سے پاکستان میں نصاب کو اسلامی نظریہ کے فروغ اور قومی مزاج کے مطابق ہونا چاہیئے، تاکہ اس سے قوم میں ماضی سے بحث، حال کے لئے سرگرم اور مستقبل کے لئے پر امید ہونے کا جذبہ پیدا ہو سکے۔

یہ بات عہد نبوی میں ہی محسوس کر لی گئی تھی کہ ایک یکساں نصاب تعلیم تمام ادوار اور تمام تقاضوں کو پورا نہیں کرسکتا، بلکہ ہر دور کے تقاضوں کے مطابق اسے بدلتے رہنا چاہیئے۔یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم اور احادیث میں نصاب تعلیم کے اجزاء پر زیادہ بحث نہیں ملتی۔ بلکہ اصولوں پر زیادہ توجہ دیگئی ہے۔ اس کی مثال مکی اور مدنی زندگی کے مختلف حالات کے نصاب تعلیم سے دی جاسکتی ہے۔ اور اس کے بعد خلافت راشدہ کا دور ان تینوں قریب ترین ادوار کا نصاب تعلیم مختلف اور ترقی پذیر ہے۔ بدلتے ہوئے سیاسی، سماجی اور معاشی حالات اور تمدنی ترقی کے پیش نظر اس میں وسعت اور تبدیلی ناگزیر سمجھی گئی۔یہی وجہ ہے کہ علم کی توسیع سے مضامین

کی نئی شاخیں ہوئیں اور ان میں اضافہ ہوا۔ عہدِ اسلام کے ابتدائی سالوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ بچوں اور عورتوں کے لئے جدا جدا نصاب تعلیم تھا اور عوام کے لئے بالکل مختلف مگر اس میں مشترکہ ضروریات کا احساس جا بجا ملتا ہے۔ ان دونوں تعلیمی سرگرمیوں میں ہر عمر، مزاج اور ذہنی استعداد کے مسلمان شامل تھے، تاہم تعلیم و تدریس کے عمل میں نفسیاتی پہلو کو ملحوظ رکھا جاتا تھا۔

اسلام میں تعلیم کی ابتداء قرآن حکیم سے ہوئی اور عہد نبوت میں قرآن حکیم کو ہی مرکزی حیثیت حاصل رہی، اسلامی تعلیمات میں پہلے عقائد کی تعلیم دی گئی۔ پھر بدیہیات واولیات اخلاق اور اس کے بعد شہری، سیاسی اور معاشرتی زندگی کے بارے میں احادیث نبوی کی تعلیم بھی شروع ہو گئی، اس کے ساتھ ساتھ تجوید، فقہ، علم ہیئت اور علم الانساب بھی شامل نصاب کر لیا گیا، اس کے علاوہ اسلامی ریاست کی وسعت کے ساتھ ساتھ سفارتی و تبلیغی امور کی انجام دہی کے لئے دیگر زبانیں سیکھنے کو بھی ضروری سمجھا گیا۔ اصحاب صفہ کو جو تعلیم دی جاتی تھی اس میں لکھنا پڑھنا بھی سکھایا جاتا تھا، اصل بات یہ ہے کہ آپؐ نے اپنے صحابہ کی اس طرح تربیت کی کہ جو بھی حالات اور تقاضے درپیش ہوں۔ انہیں اسلامی تعلیمات کی روشنی میں حل کیا جا سکے، مثلاً جنگی اہمیت و ضرورت کے پیش نظر گھڑ سواری اور اسلحہ سازی کی تعلیم اور نشانہ بازی میں مہارت اسی طرح انسانی زندگی کی دیگر ضروریات کے پیش نظر علم ریاضی، علم الانساب اور مبادیات طب اور شعر و شاعری کی بھی تعلیم ہوتی تھی، تاکہ زندگی گذارنے کا متوازن ملکہ حاصل ہو سکے۔ اسی اصول کو آج کے حالات پر بھی منطبق کیا جا سکتا ہے۔

فصل دوم: نظامیہ سے پہلے دینی مدارس اور ان کے نصاب

اسلامی دنیا میں مدارس کا آغاز و ارتقاء

سلجوقیوں نے ۲۵/ محرم الحرام ۴۴۷ ہجری کو بغداد فتح کیا اور اس کے بعد شیعہ عقائد کے خلاف جدوجہد کا نیا دور شروع ہوا۔ شیعہ عقائد جنہیں بویہیوں نے فروغ دیا تھا، بغداد میں ختم ہونے لگے۔ سلجوقیوں نے شیعہ عقائد کی جگہ اہل سنت کے نظریات کی تبلیغ و تشہیر کے لئے جوابی تدبیریں بھی اختیار کیں۔ لوگوں کو مذہب کے راستے پر لانے کی ضرورت تھی، اس مقصد کے لئے جگہ جگہ کالجوں کا قیام ضروری خیال کیا گیا۔ سلطنت قائم ہو جانے پر، الپ ارسلان اور ملک شاہ کے وزیر نظام الملک (متوفی ۴۸۵ ھ) نے اس منصوبے کو عملی جامہ پہنایا نظام الملک نے بغداد، نیشاپور اور بہت سے دوسرے شہروں میں عالیشان درسگاہیں تعمیر کرائیں جو اسی کے نام سے منسوب ہوئیں۔ ساتھ ہی مدارس کے قیام کا سلسلہ بھی جاری رہا۔

نظام الملک کے نقش قدم پر چلنے والوں میں نورالدین زنگی کا نام سب سے زیادہ روشن ہے، جس نے دمشق میں پہلے پہل مدارس کی بنیاد رکھی (۷) لیکن محبوب رضوی اس فکر کا تعاقب کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ موجودہ شکل کے باقاعدہ مدارس کا آغاز اسلام کی تاریخ میں پانچویں صدی ہجری سے ہوتا ہے، عام خیال یہی ہے کہ دنیائے اسلام میں پہلا مدرسہ نظام الملک طوسی (وفات ۴۸۵ ھ ـ ۱۰۹۲ء) نے بغداد میں مدرسہ نظامیہ کے نام سے قائم کیا تھا، جبکہ یہ صحیح نہیں ہے، در حقیقت قدرت کی جانب سے اس اولیت کا شرف افغانستان کے نامور فرماں روا سلطان محمود غزنوی وفات (۴۲۱ ھ ـ ۱۰۳۰ء) کے لئے مقدر تھا (۸) چنانچہ (۴۱۰ ھ ـ ۱۰۱۹ء) میں سلطان محمود غزنوی نے اپنے پایہ تخت غزنی میں ایک جامع مسجد تعمیر کروائی جو اپنی نفاست اور خوبصورتی کے لحاظ سے عروس فلک کے نام سے مشہور ہوئی۔

مسجد کے ساتھ سلطان نے مدرسہ کی عمارت بھی تعمیر کروائی تھی۔ جس میں کتب خانہ تھا جو نادر الوجود کتابوں سے معمور تھا، مسجد اور مدرسہ کے اخراجات کے لئے سلطان نے بہت سے دیہات وقف کر دیئے تھے ابو القاسم فرشتہ کا بیان ہے: " درجوار آں مسجد مدرسہ بنا نہادہ و بنفائس کتب و غرائب نسخ موشح گردانیدہ دیہات بسیار " مسجد کے قریب مدرسہ قائم کیا، مدرسہ کے کتب خانہ میں عمدہ اور کم یاب کتابیں جمع کیں۔ مسجد و مدرسہ کے اخراجات کے لئے بہت سے دیہات وقف کر دیئے (۹) سلطان کی تقلید میں امراء اور ارکان دولت میں بھی مدارس قائم کرنے کا شوق پیدا ہوا، تھوڑے ہی عرصہ میں غزنی کے اطراف و جوانب میں بے شمار مدارس قائم ہو گئے۔ فرشتہ نے لکھا ہے کہ " بمقتضائے الناس علی دین ملوکھم یکے از امراء و اعیان دولت بربنا ئے مسجد و مدارس و رباطات و خوانق مبادرت نمودند (۱۰) ۔ بادشاہ کی تقلید میں

بفحوا ئے الناس علی دین ملوکھم

(لوگ اپنے بادشاہوں ہی کے راستے پر چلتے ہیں) ارباب سلطنت، مساجد، مدارس، رباطیں اور خانقاہیں تعمیر کرنے میں ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرنے لگے۔ غزنی اس زمانے میں اپنی آبادی کی کثرت اور تمدنی ترقی میں عالم اسلام کے سب سے بڑے مرکز اور خلافت عباسیہ کے پایہ تخت بغداد کا مقابلہ کر رہا تھا۔ پوری دنیا سے اہل فضل و کمال متجر علماء اور باکمال سلطان محمود غزنوی کے فرزند سلطان مسعود (۱۰۳۰ء تا ۱۰۴۰ء) نے بھی اپنے نامور باپ کی روایات کو برقرار رکھا چنانچہ اس نے اپنی حدود مملکت میں بکثرت مدارس قائم کئے۔ فرشتہ کا بیان ہے۔ "در اوائل سلطنت اور ممالک محروسہ چنداں مدارس و مساجد بنیاد و نہاوند کم زبان بیان از تعداد آں عاجز و قاصر ست" (۱۱) (اپنے عہد حکومت کے شروع میں اس نے ممالک محروسہ میں اس قدر مدرسے اور مسجدیں بنوائیں کہ ان کی تعداد بیان کرنے سے زبان عاجز و قاصر ہے)۔

ابو ریحان بیرونی کی مشہور کتاب قانون مسعودی اسی سلطان مسعود کی جانب منسوب ہے (۱۲) وسطی ہندوستان میں مسلمانوں کی مستقل حکومت کا قیام ساتویں صدی ہجری کے اوائل میں قطب الدین ایبک کے عہد (۱۲۰۵ء تا ۱۲۰۹ء) سے شروع ہوتا ہے، ملتان میں ناصر الدین قباچہ نے جو وہاں کا حکمران تھا ایک مدرسہ تعمیر کرایا، مشہور عالم و مصنف قاضی منہاج سراج (وفات ۱۲۵۹ء) کا بیان ہے کہ اس مدرسہ کا انتظام و انصرام ان کے سپرد تھا، لکھا ہے کہ "دریں سال یعنی اربع و عشرین و ستمائۃ در ماہ ذی الحج (۱۲۲۶ء)" مدرسہ فیروزی اچہ حوالہ ایں داعی شد اچ کا مدرسہ فیروزی میرے سپرد کیا گیا (۱۳)

شیخ بہاؤ الدین ذکریا ۵۷۸ھ کا ابتدائی زمانہ تھا کہ وہ روزانہ فجر کی نماز اسی مدرسہ میں پڑھتے تھے اس دور کے دو اور مدارس کا ذکر بھی تاریخ میں ملتا ہے، جن کے نام مدرسہ معزیہ اور مدرسہ ناصریہ تھے۔ قباچہ نے مولانا قطب الدین کے بادرا انہر سے ملتان آنے کے موقع پر ایک اور مدرسہ قائم کیا تھا۔ جس میں مولانا مدتوں تعلیم و تدریس میں مشغول رہے (۱۴) اس زمانے میں محمد بختیار خلجی جس نے سب سے پہلے بنگال فتح کیا تھا اس کی نسبت فرشتہ نے لکھا ہے کہ۔

در سرحد بنگال در عوض شہر نودیا شہرے موسوم برنگ نور بنا کردہ دار الملک خود ساختہ و مساجد و خوانق و مدارس درآں شہر و ولایت برسم شعار اسلام بہ رونق و رواج تمام مزین و مجلسی گردایند (۱۵)

بنگال میں ندیا کے بجائے ایک شہر رنگ پور کے نام سے آباد کیا اور اس کو دارالحکومت قرار دیا اور وہاں مسجدیں خانقاہیں اور مدرسے تعمیر کئے اور سب بارونق ہوگئے۔ آٹھویں صدی ہجری تک ہندوستان میں اسلامی مدارس قائم کرنے کا رواج کم ہو گیا تھا۔ علامہ مقریزی کی روایت کے مطابق سلطان محمد تغلق (۱۳۲۵ء تا ۱۳۵۱ء) کے عہد حکومت میں صرف دہلی میں ایک ہزار مدرسے موجود تھے مدرسین کے لئے خزانہ شاہی سے تنخواہیں مقرر تھیں۔

تعلیم اس قدر عام تھی کہ کنیزیں تک قرآن کی حافظ اور عالم ہوتی تھیں ۔ مدارس میں علوم دینیہ کے ساتھ معقولات اور ریاضی کی تعلیم بھی دی جاتی تھی ۔ محمد تغلق خود بہت بڑا فاضل اور علم دوست بادشاہ تھا ، قرآن مجید کے علاوہ اکثر فنون کی کتابیں اسے حفظ تھیں اور ہدایہ کی تو چاروں جلدیں سلطان کے برنوک زبان تھیں ۔ (۱۶) ابو الحسنات ندوی لکھتے ہیں کو سلاطین ہند کے احوال میں اکثر یہ الفاظ ملتے ہیں ۔

" در عہد حکومت خود تالابہا و چاہ ہا و پلہا بستند ، و در ہر طرف دیگر عمارات و بقاع خیر نیز بنا نہادند " ایسی عبارتوں میں " عمارات و بقاع خیر " سے مراد عموماً مدرسے ، مکتب ، مسجدیں اور خانقاہیں ہوتی ہیں (۱۷)

عمارات مدارس

ابتدائی تعلیم کے لئے عموماً مساجد ہی مدارس کا کام دیتی تھیں ، ہر وسیع مسجد ایک بڑی درسگاہ تھی ، برصغیر کے قدیم اسلامی شہروں ، دلی ، آگرہ ، لاہور ، پشاور ، ٹھٹھہ ، جونپور ، احمد آباد ، گجرات ، وغیرہ میں تعمیر کردہ عظیم الشان مساجد کی حیثیت کذائی ، صحن کے چاروں طرف چھوٹے چھوٹے حجروں کا وسیع سلسلہ ، قدیم دینی درس گاہوں کے قیام کا پتہ دیتا ہے ۔ مسلمان سلاطین ہند نے جلد ہی مساجد کے ساتھ علیحدہ درسگاہوں کی عمارات تعمیر کرنا شروع کر دیں ۔ مؤرخ تاریخ فرشتہ نے سلطان محمود غزنوی کے جانشین سلطان شہاب الدین مسعود کے متعلق لکھا ہے ۔ کہ اس نے حدود سلطنت میں بکثرت مدارس قائم کئے ۔ " دراوائل سلطنت او در ممالک محروسہ چنداں مدارس و مساجد بنیاد نہادند کہ زبان از تعداد آن عاجز و قاصر است " ۔ سلاطین دہلی اور سلاطین مغلیہ نے اجمیر ، دہلی ، پنجاب ، آگرہ ، اودھ ، بہار ، بنگال ، دکن ، مالوہ ، ملتان ، سیالکوٹ ، کشمیر ، گجرات ، سورت و دیگر مقامات پر عالی شان مدارس تعمیر کئے (۱۸) دینی مدارس سے مسلمان سلاطین کی دلچسپی اور شغف کا اندازہ مشہور مصری مصنف قلقشندی کی درج ذیل تحریر سے ہوتا ہے ۔ " و فیھا الف مدرسۃ ، منھا مدرسۃ واحدۃ للشافعیۃ و باقیھا للحنفیۃ " صرف ہندوستان کے پایہ تخت دہلی میں اس وقت ایک ہزار مدارس تھے جن میں ایک شافعیوں کا اور باقی سب حنفیوں کے تھے " (۱۹) یہ مسلمانوں کے ابتدائی عہد سلطان محمد تغلق کے زمانہ کی کیفیت تھی ، مسلمان سلاطین کے آخری دور سلطان اورنگ زیب محمد عالمگیر کے زمانہ میں ایک یورپی سیاح کپتان الیگزنڈر ہملٹن نے سندھ کے ایک شہر ٹھٹھہ کی نسبت لکھا ہے ۔ " شہر ٹھٹھہ میں مختلف علم و فن کے چار سو مدرسے ہیں " (۲۰)

مصارف مدارس

مسلمان سلاطین نے دینی مدارس کے مصارف کا بھی معقول انتظام کیا تھا مشہور مؤرخ ضیاء برنی نے مدرسہ فیروز شاہی دہلی کے ذکر میں لکھا ہے کہ اس کے لئے شاہی وظائف مقرر تھے ۔ " یہ مدرسہ اپنی شان و شوکت ، خوبی عمارت و موقع اور حسن انتظام و تعلیم کے لحاظ سے تمام مدارس ہند میں سب سے بہتر اور عمدہ ہے

مصارف کے لئے شاہی وظائف مقرر ہیں ۔ سلطان فیروز شاہ نے شہزادہ فتح خان کے مقبرہ کے ساتھ کارخیر اور ایصال ثواب کے لئے ایک مدرسہ بھی قائم کیا جس کے اخراجات شاہی وظائف سے پورے ہوتے تھے ۔

مغل شہنشاہ بھی دینی مدارس کے مصارف و اخراجات شاہی خزانے سے پورے کرتے تھے ، شہنشاہ جہانگیر نے دینی تعلیم کے فروغ اور دینی مدارس کی بہبود کے لئے یہ قانون وضع کیا تھا ۔ حدود مملکت میں جہاں بھی کوئی مالدار رئیس یا بیرونی تاجر بغیر کسی جانشین یا وارث کے مر جائے تو اس کی تمام جائداد و املاک بنام سلطنت منتقل ہو کر مدرسوں اور خانقاہوں پر صرف ہوں ۔ (۲۱)

نظامیہ سے پہلے کے نصابات

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ اسلام میں تعلیم کی ابتدا قرآن حکیم کے لفظ "اقراء" سے ہوئی ۔ عہد نبوت میں قرآن حکیم کو ہی مرکزی حیثیت حاصل رہی ۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں قرآن حکیم کی تعلیم کے ساتھ احادیث کی نشر و اشاعت اور درس و تدریس کا بھی اہتمام تھا ۔ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ علمی ضرورتیں بڑھنے سے علوم میں بھی حسب ضرورت اضافہ ہوتا گیا ۔ جس سے دوسری صدی ہجری کے وسط تک علوم و فنون ، قرآن و حدیث کے ساتھ ساتھ فقہ تک پھیل گئے ۔ چوتھی صدی کے اواخر تک یہ علوم اور آگے بڑھے ، تمدنی ترقی ہوئی ، چنانچہ کئی علوم و فنون ایجاد ہوئے اور ترجمے عمل میں آگئے ۔ لہذا حسب ضرورت ان علوم و فنون کی تعلیم و تدریس بھی ہونے لگی چنانچہ قرآن حکیم ، حدیث اور فقہ کے ساتھ ساتھ اصول تفسیر ، اصول حدیث اور اصول فقہ ، صرف و نحو ، لغات ، اشعار عرب اور تاریخ وغیرہ علوم درسیہ میں شامل ہوتے گئے ۔ ان کے ساتھ طب ، نجوم ہیئت اور کچھ یونانی علوم جیسے فلسفہ اور منطق بھی اس میں شامل کئے جانے لگے ۔

پانچویں اور ساتویں صدی کے درمیان میں امام غزالی کے ذریعہ علم الکلام کی بنیاد پڑی اور اس کی تائید کے لئے منطق اور فلسفہ وغیرہ (علوم عقلیہ) بھی اسلامی تعلیمات کے نصاب میں شامل ہوگئے ۔ اگرچہ یہ علوم کم و بیش تمام اسلامی ملکوں میں متداول تھے ۔ تاہم مختلف ممالک میں وہاں کے ملکی ، قومی و مقامی حالات و خصوصیات کا گہرا اثر رہا ۔ جیسا کہ مصر و شام وغیرہ میں عرب خاندان آباد تھے ۔ اس لئے ان ممالک میں عربی رجحانات کا غلبہ ہونے کے باعث تفسیر و حدیث اور اسماء الرجال پر زیادہ اعتناء کیا جاتا تھا ۔ اسی طرح اندلس میں ادب شعر اور تاریخ کو زیادہ فروغ حاصل ہوا ۔ ایران میں منطق و فلسفہ ، خراسان وما وراءالنہر میں فقہ ، اصول فقہ اور تصوف کا زیادہ رواج تھا ۔ مگر کہیں بھی ایک جیسا نصاب رائج نہیں رہا ، بلکہ ایک ملک کے مختلف حصوں میں مختلف نصاب کے تحت تعلیم ہوتی رہی ۔ اس کی وجہ مختلف حالات و تقاضے اور گرد و پیش کے اثرات بھی تھے ۔ اسی وجہ سے اکثر نصاب میں تغیر و تبدل اور ترامیم و اصلاح اور اضافہ ہوتا رہا ۔ فرید احمد پراچہ لکھتے ہیں کہ عہد نبوی میں تعلیم کا تعلق قرآن و سنت سے تھا جب مکہ اور مدینہ کے ساتھ دیگر علاقے تعلیم کا مرکز بن

گئے تو نصاب میں قرآن و حدیث کے علاوہ فقہ اور قواعد و ادب عربی بھی شامل ہو گئے ۔ عراق کی ہی درس گاہوں میں امام ابو حنیفہ اور ان کے صاحبین کے ہاتھوں احکام شرعیہ کی تدوین کا اہم کام انجام پایا اس مرحلہ پر معانی و بیان اور تجوید و تفسیر کے علوم کا آغاز ہوا ۔ حضرت سعید بن المسیب حدیث و تفسیر کے علاوہ اپنے حلقہ درس میں اشعار پر بھی بحث کرتے تھے ۔ المقری کے بیان کے مطابق انہوں نے جامع عمرو بن عاص قاہرہ میں الفراح کی نظموں کو املا کرایا ۔

جامعہ بنی امیہ دمشق جامع ابن طولون وغیرہ میں بھی اسی نصاب کے مطابق تعلیمی سلسلہ جاری رہا ، اموی دور کے نظام تعلیم میں علوم و فنون کے لئے تالیف و تصنیف اور ترجمے کا سلسلہ قائم ہوا ۔ اساتذہ و طلبہ کے لئے وظائف مقرر کئے گئے ۔ زبانی تعلیم کے علاوہ املا کا طریقہ بھی رائج کیا گیا ۔ اس طرح عباسی دور میں دینی تعلیم نے زیادہ منظم صورت اختیار کی اور اسے حکومت کی سرپرستی صرف مالی و انتظامی انداز کی ہی نہیں بلکہ علمی انداز میں بھی حاصل ہو گئی ۔ اسی دور میں یونانی فلسفہ شامل نصاب ہوا ۔ چوتھی صدی ہجری کے اواخر میں مدارس کے لئے علیحدہ اور مستقل عمارت بنانے کی ابتداء ہوئی ۔ پہلی عمارت نیشاپور میں ناصر الدولہ نے امام ابو بکر محمد بن حسین کے لئے بنائی ۔ نظام الملک طوسی نے اپنی وزارت کے دوران نیشاپور میں ایک مدرسہ امام الحرمین کے لئے تعمیر کرایا تھا غرضیکہ ایک طویل عرصہ تک تعلیم کا مطلب صرف دینی تعلیم خیال کیا جاتا تھا ۔ پھر امتداد زمانہ سے نصاب تعلیم میں قرآن و حدیث کے علاوہ دیگر علوم اسی طرح شامل ہوتے گئے تھے کہ کل جزو بن گیا اور جزو پھیل کر کل بن گئے ۔

برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کی آمد کے ساتھ ہی دینی مدارس کا آغاز ہو گیا ۔ ابتدائی دور میں منصورہ (سندھ) اور ملتان اسلامی علوم کے مراکز تھے ۔ اس زمانے میں بھی نصاب تعلیم میں قرآن ، تفسیر ، حدیث ، فقہ ، عربی ادب اور تاریخ کے مضامین شامل تھے ۔ ازاں بعد غزنوی دور میں لاہور پونے دوسو سال تک علماء و فضلا کا مرکز رہا ۔ غوری خاندان کے عہد میں یہ حیثیت اجمیر کو حاصل رہی اور یہاں مساجد و مدارس قائم ہوئے ۔ خاندان غلامان (۱۲۸۷ء) کے عہد میں بختیار خلجی نے بنگال میں رنگپور کا شہر آباد کیا اور یہاں دینی مدارس قائم کئے ۔ جبکہ التمش نے دہلی اور بدایوں میں علمی مراکز استوار کئے ۔ ان تمام ادوار میں نصاب تعلیم میں غالب قرآن و حدیث کے علوم ہی رہے اور عربی زبان کو خصوصی اہمیت حاصل رہی ۔ سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء نے اپنی خانقاہ میں ایک مختصر مگر جامع ، ایک سالہ نصاب جاری کیا جس میں قرآن مجید با ترجمہ اور قدوری کو بنیادی اہمیت حاصل رہی ۔ فیروز شاہ نے ۷۵۳ ہجری میں فیروز آباد اور دہلی میں مدارس قائم کئے ۔ اسی طرح لودھی خاندان (۱۴۵۱ تا ۱۵۲۶ء) کے عہد میں ہندوؤں نے بھی ان مدارس سے تعلیم حاصل کرنا شروع کی اور یوں نصاب تعلیم میں فارسی زبان کی تدریس کو اولیت اور دینی علوم کو ثانوی حیثیت حاصل ہونے لگی ۔ سلاطین مغلیہ نے بھی ملک بھر میں دینی مدارس کو فروغ عطا کیا ۔ بابر نے دہلی میں جو مدرسہ قائم کیا اس کے صدر مدرس شیخ حسن

تھے ۔ اس موقع پر نصاب میں علم ہیئت اور جغرافیہ بھی شامل کئے گئے ۔

ہمایوں نے دہلی، شیر شاہ سوری نے پٹیالہ اور اکبر نے فتح پور سیکری میں مدارس قائم کئے ۔ عہد جہانگیری میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے دہلی کو ہمیشہ کے لئے علوم دین کا دارالسلطنت بنادیا ۔ ان کے نصاب میں قرآن و حدیث مبارکہ کو خصوصی اہمیت حاصل تھی ۔ خود انہوں نے ایک سو سے زیادہ کتب تصنیف کیں، جن میں سب سے زیادہ مشہور مشکوٰۃ کی عربی اور فارسی شرحیں ہیں ۔ شاہجہان (۱۶۳۸ ۔ ۱۶۵۹ ۔) کے عہد میں دہلی کی جامع مسجد کے ساتھ دارالبقاء کے نام سے مدرسہ موجود تھا وہاں مفتی صدر الدین آزردہ تعلیم دیتے تھے ۔ عہد شاہجہانی میں سیالکوٹ میں ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کا مدرسہ زیادہ مشہور تھا اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں لکھنؤ میں مدرسہ فرنگی محل کی بنیاد پڑی ۔ مدرسے کے بانی ملا نظام الدین تھے جن کے انتساب سے درس نظامی مشہور ہوا ۔ اس نصاب میں نحو، منطق و فلسفہ، فقہ اور اصول فقہ پر خاص زور دیا گیا ہے ۔ اس نصاب سے پہلے مغلیہ سلطنت کے زوال تک ہندو مسلمان اکٹھے عام مکاتب میں تعلیم حاصل کرتے تھے ۔ اس نصاب میں زیادہ تر کتب فارسی مثلاً پند نامہ عطار، کریما، مامقیماں، اخلاق محسنی، گلستان، بوستان، سہ نثر ظہوری، اخلاق ناصری، سکندر نامہ، یوسف زلیخاں وغیرہ کتابیں شامل تھیں ۔ اس کے علاوہ ابتدائی تعلیم میں خوشخطی، نوشت و خواند اور ابتدائی حساب بھی جزو نصاب تھا ۔ یہ صورت حال انیسویں صدی کے آخر تک رہی ۔(۲۲)

درجات فارسی کا نصاب تعلیم

سلطان محمود غزنوی (۱۰۳۰ء) کے وقت سے لے کر کمپنی کے دور حکومت (۱۸۳۵ء) تک فارسی زبان نہ صرف سرکاری زبان رہی یعنی حکومت کا تمام کاروبار اسی زبان میں ہوتا تھا بلکہ عوامی مقبولیت نے اسے قومی زبان ہونے کا اعزاز عطا کر دیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہندوستان کے باہر بھی فارسی کی قلمرو بہت وسیع تھی۔ مغل سلطنت قائم ہو جانے کے بعد جب ایران سے بہت قریبی تعلقات قائم ہوگئے تو ایران کے بعد فارسی کا دوسرا گھر ہندوستان ہی سمجھا جاتا تھا۔ یہاں کے شعراء، ادباء اور اہل علم ایران کے شعراء، ادباء اور اہل علم کے ہم مرتبہ ہوگئے تھے۔ مرہٹوں اور سکھوں کے درباروں میں بھی فارسی بدستور سرکاری زبان رہی۔ فارسی درجات میں زبان اور ادب کی تعلیم کے ساتھ دنیاوی علوم کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ فارسی کے نصاب تعلیم میں مندرجہ ذیل علوم کی کتب شامل تھیں۔ (۲۳)

فقہ :۔ آسان فارسی زبان میں فقہ کے مختصر سے رسالے پڑھائے اور زبانی یاد کرائے جاتے تھے مثلاً رسالہ خلاصہ کیدانی۔

اخلاق :۔ اخلاق کا تصور بہت وسیع تھا۔ کتب اخلاق کے اندر دوسرے علوم بھی شامل ہوتے تھے مثلاً تدبیر منزل، سیاست مدن وغیرہ۔ جدید اصطلاح میں اگر کہا جائے تو اخلاق میں اقتصادیات، سیاسیات، اور شہریت کے علوم بھی شامل ہوتے تھے۔ یہ گویا اس دور کے معاشرتی علوم تھے۔ جیسے اخلاق ناصری، اخلاق جلالی، اخلاق محسنی وغیرہ

۔ تاریخ :۔ تاریخ کی کتابوں کے ساتھ کتب قصص بھی شامل ہوتی تھیں۔

ادب :۔ اس میں فارسی نظم و نثر، قصص اور دواوین سب ہی شامل ہوتے تھے۔ طلبہ میں ادبی شوق اور ادبی ملکہ پیدا کرنے کے لئے بیت بازی پر بھی توجہ دی جاتی تھی۔

رقعات :۔ مختلف منشیوں اور اہل قلم کے مختلف انداز کے خطوط درس میں شامل ہوتے تھے تاکہ اس کے ذریعے خطوط نویسی کے آداب، سرکاری مراسلت، عدالتی اور قانونی دستاویزات لکھنے میں مہارت پیدا ہو جائے۔

طومار خوانی :۔ قدیم زمانہ میں مخصوص خطوط کے کاغذوں کو جوڑ کر لمبا سا پلندا بنایا جاتا تھا جسے "طومار" کہتے تھے۔ اس میں مختلف کاتبوں کی تحریریں اور شکستہ خطوط شامل ہوتے تھے، جنہیں طلبہ پڑھنے کی مشق کرتے تاکہ ہر قسم کی قلمی تحریریں شکستہ خط میں پڑھنے کی مشق ہو جائے۔ ان جڑے ہوئے کاغذوں کی حفاظت اور سہولت کی خاطر انہیں گول گول لپیٹ کر رکھا جاتا تھا جس کے لئے انہیں بڑی محنت کرنی پڑتی تھی۔

علم الحساب :۔ اس میں حساب، ہندسہ، مساحت کی تعلیم ہوتی۔ اس کے ساتھ ہی کھاتہ، سیاہہ نویسی، سیاق (Accountancy) کی بھی تعلیم دی جاتی تھی تاکہ دفتری اور خانگی حسابات لکھنے میں طالب علم ماہر ہو جائیں

خوش نویسی :۔ خوش نویسی اس دور میں نہایت ضروری فن تھا ۔ اس لئے طلباء اسے سیکھنے پر کافی محنت صرف کرتے تھے ۔ پہلے تختی پر موٹے قلم سے مفرد حروف کی مشق کرائی جاتی پھر مرکبات لکھائے جاتے اور آخر میں تحریر کی بلکہ طغریٰ نویسی کی مشق کرائی جاتی تھی ۔ ابتدائی سالوں میں روزانہ شام کے وقت اور آخری سالوں میں ناغہ کے ساتھ مشق جاری رہتی ۔

فارسی درجات کی تعلیم موجودہ دور کے انٹرمیڈیٹ اور بعض لحاظ سے بی ۔ اے ۔ کے مساوی ہوتی تھی ، جبکہ بعض صورتوں میں اس کا درجہ اس سے بھی بلند تھا ۔ اس نصاب میں روزمرہ کے ضروری علوم کے ساتھ قانون اور دفتری ضروریات کی تعلیم بھی شامل تھی ۔ جن کی تحصیل کے بعد طلباء ہر قسم کی ملازمت کے اہل بن جاتے تھے ۔

مغل دور سے قبل کا نصاب

سندھ اور پنجاب میں ملا عبدالحکیم سے منسوب فارسی درجات کا ایک نصاب رائج تھا ۔ یہ مغلوں سے قبل کا نصاب تصور کیا جاتا ہے جس میں ملا عبدالحکیم سیالکوٹی نے ادنیٰ تغیر کیا ہے ۔ یہ بڑی حد تک سادہ اور آسان نصاب تھا ۔ جس میں مندرجہ ذیل علوم کی کتب شامل تھیں ۔

فقہ ۔ مالا بد منہ از قاضی ثناء اللہ پانی پتی (۱۲۰۵) یہ تیرھویں صدی ہجری کے عالم ہیں ۔ یہ کتاب بعد میں شامل کی گئی ہوگی ۔

نثر ۔ آمد نامہ ، گلستان

نظم ۔ کریما ، نام حق ، پند نامہ ، بوستان ، یوسف زلیخا ، سکندر نامہ ۔

تصوف ۔ تحفتہ الاحرار جامی ۔

خوش نویسی :۔ مختلف طرز تحریر کی مشق وغیرہ ۔

مغل دور کا نصاب

اسمیں نثر اور نظم کی مندرجہ ذیل کتب شامل تھیں

نثر :۔ نسخہ تعلیمیہ ، تعلیم عزیزی ، دستور الصبیان ، انشائے مادھورام ، انشائے فائق ، انشائے خلیفہ ، رقعات عالمگیری ، گلستان ، دفتر ابوالفضل ، بہار دانش ، انوار سہیلی ، سہ نثر ظہوری ، وقائع نعمت خان عالی ۔

نظم :۔ کریما ، مامقیماں ، خالق باری ، بوستان ، یوسف زلیخا ، قصائد عرفی ، قصائد بدرچاچ ، دیوان غنی ۔

بنگال میں رائج نصاب

آدم اسمتھ کی رپورٹ (۱۸۳۵ء) کے مطابق ضلع بردوان میں مندرجہ ذیل کتب فارسی نصاب میں شامل

تھیں ۔

۱۔ نثر :۔ تین تحق، فارسی نامہ، انشائے ہرکرن، رقعات عالمگیری، وقائع نعمت خان عالی، حدیقۃ البلاغہ ۔

۲۔ نظم :۔ نل دمن، قصائد عرفی، دیوان حافظ، دیوان غنی، قصائد بدرچاچ، خاقانی شروانی، امیر خسرو

تینوں نصابوں پر غور کرنے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ان دنوں نصاب مختصر اور آسان ہوتا تھا، بعد میں بتدریج ثقیل ہوتا چلا گیا ۔ (۲۴)

پانچ نصابی ادوار

مولانا عبدالحئی لکھنوی نے نصابی تبدیلیوں اور ان کے رواج کا لحاظ کرتے ہوئے انہیں چار نصابی ادوار میں تقسیم کیا ہے (۲۵) جسے ابوالحسنات ندوی نے معمولی ترمیم کرکے درج ذیل پانچ نصابی ادوار میں تقسیم کر دیا ۔

دور اول :۔ اس کا آغاز ساتویں صدی ہجری سے سمجھنا چاہیئے اور انجام دسویں صدی پر اس وقت ہوا، جب کہ دوسرا دور شروع ہو گیا تھا ۔ کم و بیش دو سو برس تک مندرجہ ذیل علوم و فنون کی تحصیل معیار فضیلت سمجھی جاتی رہی ۔ صرف، نحو، بلاغت، فقہ، اصول فقہ، منطق، کلام، تصوف، تفسیر، حدیث ۔ ان کے لئے مندرجہ ذیل کتب رائج تھیں

فقہ :۔ ہدایہ

اصول فقہ :۔ منار اور اس کی شروح اور اصول بزدوی

تفسیر :۔ مدارک، بیضاوی اور کشاف ۔

تصوف :۔ عوارف، فصوص الحکم، نقد النصوص، لمعات، یہ کتب ان مدارس میں رائج تھیں جو خانقاہوں سے متعلق تھے ۔

حدیث :۔ حدیث میں مشارق الانوار، مصابیح السنہ، (یعنی مشکوۃ المصابیح کا متن)

ادب :۔ مقامات حریری، زبانی یاد کرائی جاتی تھی، نظام الدین اولیا کے ملفوظات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے شمس الملک استاد شمس الدین خوارزمی، سے مقامات حریری پڑھی تھی اور اسکے چالیس مقالے زبانی یاد کئے تھے ۔

منطق :۔ منطق میں شرح شمسیہ۔ فن کلام میں شرح صحائف، اور بعض مقامات پر تمہید ابو شکور سالمی رائج تھی ۔

اس طبقہ کے علماء کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں فقہ اور اصول فقہ کو معیار فضیلت سمجھا جاتا تھا ۔ جیسے آجکل منطق اور فلسفہ کو اہمیت دی جاتی ہے ۔ حدیث میں صرف مشارق الانوار کا پڑھ لینا کافی سمجھا جاتا، جس خوش نصیب کو مصابیح ہاتھ آجاتی، وہ امام الدنیا فی الحدیث کے لقب کا مستحق ہوجاتا تھا ۔

اصل بات یہ ہے کہ اس زمانہ کے نصاب تعلیم میں جو خصوصیات نظر آتی ہیں وہ فاتحین ہند کے موثر

مذاق کا نتیجہ تھیں، ہندوستان میں اسلامی حکومت کو تخت جن اقوام نے بٹھایا وہ غزنی اور غور سے آئیں یہ وہ بلاد ہیں جہاں فقہ واصول فقہ کا ماہر ہونا علم وفن کا طرائے امتیاز سمجھا جاتا تھا۔ یہی سبب ہے کہ فقہی روایات کا پایہ بلند تھا۔ لیکن علم حدیث کی طرف کوئی توجہ نہ تھی، اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوسکتا ہے کہ جب غیاث الدین تغلق کے دربار حکومت میں مسئلہ سماع کی نسبت مناظرہ پیش آیا تو ایک طرف شیخ نظام الدین اولیاء اور دوسری طرف تمام علمائے دہلی تھے۔ شیخ فرماتے ہیں کہ میں جب کوئی حدیث استدلال کے طور پر پیش کرتا تو لوگ بڑی جرات سے کہتے تھے کہ اس شہر میں حدیث پر فقہی روایات مقدم سمجھی جاتی ہیں۔ کبھی کہتے کہ یہ حدیث شافعی کی متمسک ہے جو ہمارے علماء کے دشمن ہیں، ہم ایسی حدیثیں نہیں سننا چاہتے، شیخ فرماتے ہیں کہ جس شہر کے علماء میں اس درجہ مکابرہ وعناد ہو وہ کیونکر آباد رہ سکتا ہے، وہ تو اس قابل ہے کہ بالکل تباہ و ویران ہوجائے۔

ضیاء برنی نے اپنی تاریخ میں علاؤ الدین خلجی کے عہد حکومت کا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ مولانا شمس الدین ترک، ایک مصری محدث، ہندوستان میں علم حدیث کی ترویج کے ارادے سے ملتان تک پہنچ کر واپس چلے گئے، مگر چلتے وقت بادشاہ کو ایک رسالہ لکھکر بھیجا جس میں اس پر بہت کچھ غیرت دلائی کہ ہندوستان میں حدیث کی طرف سے علماء میں بڑی بے اعتنائی پھیلی ہوئی ہے۔

دور دوم: نویں صدی ہجری کے آخر میں شیخ عبداللہ اور شیخ عزیز اللہ ملتان سے آئے تو اول الذکر دہلی اور ثانی الذکر سنبھل میں فروکش ہوئے۔ یہ سکندر لودھی کا عہد حکومت تھا، اس نے دونوں علماء کا بڑے تزک واحتشام سے خیر مقدم کیا کچھ ان دونوں کا فضل وکمال اور کچھ بادشاہ کی قدر شناسی سے بہر کیف بہت جلد ان کی علمی عظمت ہندوستان میں ہر طرف قائم ہوگئی، انہوں نے سابق معیار فضیلت کو کسی قدر بلند کردیا اور قاضی عضد کی تصانیف مطالع و مواقف اور سکاکی کی مفتاح العلوم داخل نصاب کردیں جو بہت جلد مقبول عام ہوگئیں۔ اسی دور میں میر سید شریف کے تلامذہ نے شرح مطالع اور شرح مواقف کو رواج دیا اور علامہ تفتازانی کے شاگردوں نے مطول اور مختصر کی بنیاد ڈالی اور توضیح و شرح عقائد نسفی کو رواج دیا۔

اس زمانہ میں شرح وقایہ اور شرح جامی بھی رفتہ رفتہ داخل نصاب ہوگئیں۔ اس دور کے سب سے آخری مگر سب سے زیادہ نامور عالم شیخ عبدالحق محدث دہلوی ہیں، جو ہندوستان سے عرب گئے اور وہاں تین برس رہ کر علمائے حرمین شریفین سے فن حدیث کی تحصیل وتکمیل کی اور یہ تحفہ ہندوستان کے لئے لے آئے۔ وہ اور ان کی اولاد نے مسلسل اس کی اشاعت کی۔ دور اول کی نصابی کتب میں مندرجہ ذیل کتب کے اضافہ سے دور دوم کا نصاب ترتیب پاتا ہے۔ مطالع و مواقف اور ان کی شرحیں مطول، مختصر، توضیح، شرح عقائد نفسی، شرح

وقایہ اور شرح جامی اس طبقہ کے علما کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح ہمارے زمانہ میں صدرا اور شمس بازغہ انتہائی کتابیں سمجھی جاتی ہیں، اسی طرح اس زمانہ میں مفتاح العلوم سکاکی اور قاضی عضد کی مطالع اور مواقف منتہیانہ کتابیں تھیں۔

دور سوم:۔ دور دوم میں جو تغیر نصاب تعلیم میں ہوا، اس سے لوگوں کی امنگیں بڑھ گئی تھیں، اور وہ معیار فضیلت کو پہلے سے بھی زیادہ بلند کرنے کے متمنی تھے۔ شاہ فتح اللہ شیرازی جب ہندوستان آئے تو دربار اکبری نے ان کو عضد الملک کا خطاب دے کر بہت بلند پایہ بنادیا، انہوں نے بھی سابق نصاب درس میں کچھ جدید اضافے کئے، جس کو علماء نے فوراً قبول کر لیا۔ جس سے مدارس میں نئی قسم کی چہل پہل نظر آنے لگی۔ شاہ ولی اللہ (متوفی ۱۱۷۶ھ) نے جو اس دور کے سب سے آخری مگر سب سے زیادہ نامور عالم تھے۔ انہوں نے الجزء اللطیف میں اپنی درسیات کو حسب ذیل ترتیب سے لکھا ہے۔

نحو:۔ کافیہ، شرح جامی

منطق:۔ شرح شمسیہ، شرح مطالع

فلسفہ:۔ عقائد نسفی مع حاشیہ خیالی، شرح مواقف

فقہ:۔ شرح وقایہ، ہدایہ (کامل)

اصول فقہ:۔ حسامی اور کسی قدر توضیح تلویح

بلاغت:۔ مختصر مطول،

ہیات وحساب:۔ بعض مختصر رسائل

طب:۔ موجز القانون

حدیث:۔ مشکوٰۃ المصابیح کل، شمائل ترمذی کل، کسی قدر صحیح بخاری۔

تفسیر:۔ مدارک بیضاوی

تصوف و سلوک:۔ عوارف ورسائل نقشبندیہ، شرح رباعیات جامی، مقدمہ شرح لمعات، مقدمہ نقد النصوص

شاہ ولی اللہ نے عرب میں کئی برس رہ کر جو شیخ ابو طاہر مدنی سے فن حدیث کی تکمیل کی، ہندوستان آکر ایسی سرگرمی سے اس کی اشاعت کی کہ باوجود کساد بازاری کے اب تک اس کا اثر باقی ہے۔ ہندوستان میں صحاح ستہ کے درس وتدریس کا رواج اس وقت سے ہوا ہے جب سے شاہ ولی اللہ اور ان کے نامور اخلاف نے اس کو اپنی محنتوں سے رواج دیا اور اپنی عمر عزیز کا بیشتر حصہ اس کی اشاعت پر صرف کر دیا آپ نے ایک نیا نصاب درس بھی مرتب کیا تھا۔ چونکہ اس زمانہ میں علم کا مرکز ثقل دہلی سے لکھنؤ منتقل ہو چکا تھا، اور تمام درسگاہوں میں

منطق و حکمت کی چاشنی سے لوگوں کے کان و زبان آشنا ہو رہے تھے۔ اس لئے اسے مقبول عام ہونا نصیب نہ ہوا

دور چہارم :- جو تھا دور بارہویں صدی ہجری میں شروع ہوا۔ اس کے بانی ملا نظام الدین تھے۔ جنہوں نے اس کی بنیاد ایسی حکمت و بصیرت سے رکھی کہ باوجود امتداد زمانہ کے آج تک اس کی مقبولیت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ ملا نظام الدین، شاہ ولی اللہ کے ہم عصر تھے۔ اس دور میں جو کتابیں رائج تھیں ملا نظام الدین نے ان میں بہت کچھ کا انتخاب و اضافہ کرکے اس نصاب کو عصری تقاضوں کے مطابق کر دیا۔ اس نصاب کا تفصیلی جائزہ اگلی فصل میں پیش کیا جائے گا۔ البتہ تقابلی نکتہ نظر سے یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ اس نصاب کی بڑی خصوصیت یہ سمجھی جاتی ہے کہ طالب علموں میں امعان نظر اور قوت مطالعہ پیدا کرنے کا اس میں بہت لحاظ رکھا گیا ہے۔ یعنی جس کسی نے تحقیق سے پڑھا ہو گرچہ اس سے کسی مخصوص فن میں کمال حاصل نہیں ہو جاتا لیکن یہ صلاحیت ضرور پیدا ہو جاتی ہے کہ آئندہ شخص اپنی محنت سے جس فن میں چاہے وہ کمال پیدا کر سکتا ہے۔

دور پنجم :- یہ اسلامی تعلیم کے زوال کا دور ہے۔ اس وقت ہندوستان میں اسلامی حکومت کا چراغ گل ہو رہا تھا۔ مسلمانوں کی علمی و تعلیمی مجلسیں بھی غیر منظم و پراگندہ ہو رہی تھیں۔ اس دور میں جو نصاب تعلیم متعین ہوا وہ دراصل درس نظامی کی ترمیم شدہ صورت ہے اور یہی آج تک ہندوستان کے دینی مدارس میں رائج ہے۔ اس نصاب میں حسب ذیل علوم و فنون کی کتابیں شامل ہیں۔

صرف :- میزان منشعب، پنج گنج، زبدہ دستور المبتدی، صرف میر، فصول اکبری، شافیہ،

نحو :- نحو میر، مأتہ عامل، شرح مأتہ عامل، ہدایۃ النحو، کافیہ، شرح جامی۔

بلاغت :- مختصر معانی کامل، مطول تا ما انا قلت۔

ادب :- نفحۃ الیمن، سبعہ معلقہ، دیوان متنبی، مقامات حریری، حماسہ۔

فقہ :- شرح وقایہ اولین، ہدایہ اخرین۔

اصول فقہ :- نور الانوار، توضیح تلویح، مسلم الثبوت۔

منطق :- صغریٰ، کبریٰ، ایسا غوجی، قال اقول، میزان منطق، تہذیب، شرح تہذیب، قطبی، میر قطبی، ملا حسن، حمد اللہ، قاضی مبارک، میر زاہد رسالہ، حاشیہ غلام یحییٰ بر میر زاہد، ملا جلال، بحر العلوم، شرح سلم۔ حاشیہ عبد العلی بر میر زاہد رسالہ اور شرح مسلم۔

حکمت :- شرح عقائد نسفی، خیالی، میر زاہد امور عامہ،

ریاضی :- تحریر اقلیدس مقالہ اولیٰ، خلاصۃ الحساب، چغمنی۔

فرائض :- شریفیہ

مناظرہ :۔ رشیدیہ

تفسیر :۔ جلالین ، بیضاوی تا سورۃ بقرہ

اصول حدیث :۔ شرح نخبۃ الفکر ۔

حدیث :۔ بخاری ، مسلم ، مؤطا، ترمذی ، ابو داؤد ، نسائی ، ابن ماجہ ۔ (۴۷)

یہ بات اہم ہے کہ اس نصاب میں منطق کی جتنی کتابیں داخل ہیں وہ علی العموم ہر درسگاہ میں پڑھائی جاتی ہیں ۔ ادب و حدیث کی جو کتابیں اس میں درج ہیں وہ سب جگہ نہیں پڑھائی جاتیں ۔ دارالعلوم دیوبند نے درس نظامی کو دوبارہ کچھ ضروری ترمیمات کے ساتھ رائج کیا ، اس پر مکمل ایک فصل میں روشنی ڈالی جائے گی ۔ پہلے قدرے تفصیلاً ملا نظام الدین سہالوی کے " درس نظامی " کا جائزہ لیا جاتا ہے

فصل سوم: ملا نظام الدین سہالوی کا مرتبہ نصاب تعلیم

درس نظامی

مولانا عبدالحئی حسنی لکھتے ہیں کہ ہندوستان میں جب اسلام آیا تو اس کا پہلا مرکز ملتان بنا۔ اس کے بعد لاہور، پھر دہلی، دوسری طرف گجرات، دکن، مالوہ، جونپور اور لکھنؤ بنے (۲۸) موصوف کے بقول درس نظامی مختلف زمانوں میں بدلتا رہا ہے جسے ہم چار طبقات میں تقسیم کرسکتے ہیں (۲۹) آخری اور چوتھا طبقہ ملا نظام الدین سہالوی کا ہے (۳۰) اس نصاب کی تکمیل سے طالبعلم میں قوت مطالعہ پروان چڑھتا ہے اور علوم میں گہرائی پیدا ہونے سے استعداد بڑھتی ہے، اسی نصاب سے شاہ ولی اللہ تیار ہوئے (۳۱) جس میں بعد ازاں غیر متعلقہ کتب، حواشی و شروحات داخل کرکے نصاب برباد کردیا گیا (۳۲) اس مقبول درس نظامی کے بانی کا مختصر تعارف درج ذیل ہے۔

سوانح ملا نظام الدین شہید سہالوی (۱۷۴۷ء)

ملا نظام الدین بن قطب الدین سہالوی اپنے زمانے کے بہت بڑے فاضل اور یگانۂ روزگار تھے۔ آپ نے نہ صرف درس وتدریس میں کمال حاصل کیا بلکہ علمی تحقیق کے میدان میں بھی اپنے ہم عصروں پر سبقت لے گئے۔ آپ نے فقہ، اصول فقہ اور فلسفہ میں کئی قابل ذکر یادگاریں چھوڑی ہیں۔ موصوف کا سب سے بڑا کارنامہ اس جامع نصاب کی ترتیب ہے جو درس نظامی کے نام سے مشہور اور گزشتہ دو صدیوں سے تقریباً تمام دینی مدارس میں رائج ہے۔ بعض اصحاب، درس نظامی کو دارالعلوم نظامیہ بغداد سے منسوب کرتے ہیں جبکہ ڈاکٹر صوفی غلام محی الدین نے اپنی کتاب المنہاج میں اس خیال کی پر زور تردید کی ہے اور یہی قرین قیاس معلوم ہوتا ہے۔ (۳۳

مولانا تقی عثمانی لکھتے ہیں کہ درس نظامی ملا نظام الدین شہید سہالوی (۱۷۴۷ء) کے نام سے منسوب ہے آپ عظیم مسلمان فلسفی اور رسائل الارکان، فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت، اور، شرح سلم العلوم، جیسی بلند پایہ کتب کے مؤلف ہیں۔ لکھنؤ کے مضافاتی قصبہ سہالہ میں ۱۰۸۸ھ میں پیدا ہوئے (۳۴) آپ نے شیخ غلام نقشبندی لکھنوی (متوفی ۱۱۲۶ء) اور شیخ امان اللہ بنارسی جیسے عظیم اساتذہ اور ماہرین تعلیم کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرکے اور علوم و فنون میں گہرائی و بصیرت حاصل کی۔ فراغت تعلیم کے بعد اپنے والد علامہ بحرالعلوم کی مسند تدریس پر رونق افروز ہوئے۔ آپ کی زیر نگرانی اس مدرسہ نے تمام علوم و فنون میں ایک ممتاز مقام حاصل کرلیا جو بعد ازاں ہندوستان میں سب سے بڑا علمی مرکز قرار پایا۔

آپ اپنے مدرسہ کے لئے ایک نیا نظام ونصاب تعلیم مرتب کرکے اس کو عمل کے تجربہ میں لائے، اس

نظام تعلیم کی اہم خصوصیات کے پیش نظر ہندوستان کے تمام تعلیمی اداروں میں یہی نظام تعلیم بنیادی حیثیت سے نافذ رہا جو پاکستان بننے کے بعد یہاں بھی رائج ہو گیا ۔ (۳۵) شہید سہالوی کے دوسرے علمی کارناموں کی تفصیل حسب ذیل ہے ۔

i ۔ منار الاصول کی شرح صبح صادق

ii ۔ شرح مسلم ورشتہ صدرا

iii ۔ حاشیہ شمس بازغہ

iv ۔ حاشیہ جدید برحاشیہ شرح تجرید

v ۔ تکملہ مبارزیہ فی عقائد الاسلامیہ

vi ۔ شرح التحریر فی اصول الدین

vii ۔ مناقب الرزاقیہ (فارسی)

viii ۔ حاشیہ الصدری (۳۶)

درس نظامی کا مروجہ نصاب بلحاظ مضمون

نمبر شمار	فن	نصابی کتب	مؤلف	سنہ تالیف کتب یا سنہ وفات مؤلف
۱	صرف و اشتقاق	میزان الصرف	محمد بن مصطفیٰ بن الحاج حسن	م ۹۱۱ھ
۲	عربی	منشعب	= = =	= = =
۳	=	پنج گنج	= = =	
۴	=	صرف میر	میر سید شریف الجرجانی	م ۸۱۶ھ ۱۴۱۳ء
۵	=	علم الصیغہ	مولانا مفتی عنایت اللہ	م ۱۲۷۷ھ ۱۸۶۰ء
۶	=	فصول اکبری	قاضی محمد اکبر	معلوم نہیں
۷	عربی نحو	نحو میر	میر سید شریف الجرجانی	م ۸۱۶ھ ۱۴۱۳ء
۸	=	شرح مائۃ عامل	ملا محمد صادق	م ۱۱۹۰ھ
۹	=	ہدایۃ النحو	ابو حیان نحوی	م ۷۴۵ھ - ۱۳۲۳ء
۱۰	=	کافیہ	امام جمال الدین ابن حاجب نحوی	م ۶۴۰ھ - ۱۲۲۳ء
۱۱	=	شرح جامی	مولانا شیخ عبدالرحمن جامی	م ۸۵۰ھ ۱۴۳۶ء
۱۲	=	شرح ابن عقیل	امام عبداللہ بن احمد ابن عقیل	م ۹۹۷ھ
۱۳	بلاغت عربی	تلخیص المفتاح	علامہ جلال الدین محمد	م ۷۳۹ھ
۱۴	=	مختصر المعانی شرح تلخیص المفتاح	سعد الدین تفتازانی	م ۷۹۲ھ
۱۵	=	مطول شرح تلخیص المفتاح	= =	= =
۱۶	عروض و قوافی	عروض المفتاح	ابو ایوب سکاکی	م ۶۲۶ھ
۱۷	منطق	صغرا و کبریٰ	میر سید شریف الجرجانی	م ۸۱۶ھ
۱۸	=	ایساغوجی	اثیر الدین ابہری	م ۶۶۱ھ

نمبر شمار	فن	نصابی کتاب	مؤلف	سنہ تالیف کتب یا سنہ وفات مؤلف
۱۹	=	شرح تہذیب تفتازانی	عبداللہ یزدی	م۹۸۱ھ
۲۰	ـ	شرح شمسیہ (قطبی)	قطب الدین رازی	م۸۶۶ھ
۲۱	=	سلم العلوم	محب اللہ بہاری	۱۱۱۹ھ
۲۲	=	رسالہ میر زاہد	میر محمد زاہد ہروی	۱۱۰۱ھ
۲۳	فلسفہ	شرح میبذی	میر حسین میبذی	م۹۰۹ھ
۲۴	ـ	شرح صدرا	محمد بن ابراہیم صدر الدین شیرازی	م ۱۰۵۰ھ
۲۵	ـ	شمس بازغہ	ملا محمود جونپوری	۱۰۶۲ھ
۲۶	ادب عربی	مقامات حریری	ابو محمد قاسم بن علی حریری	م۵۱۶ھ
۲۷	ـ	دیوان متنبی	احمد بن حسین ابوالطیب متنبی	۳۰۰ھ
۲۸	ـ	دیوان حماسہ	ابو تمام طائی	۲۳۲ھ
۲۹	ـ	سبعہ معلقہ	اپنے دور کے مشہور شعراء	ـ
۳۰	تاریخ	تاریخ الخلفاء	علامہ جلال الدین سیوطی	م۹۸۱ھ
۳۱	ـ	تاریخ ابی الفداء	ابو الفداء حمودی	م۷۳۲ھ
۳۲	عقائد و کلام	شرح عقائد نفسی	سعد الدین تفتازانی	م۷۹۳ھ
۳۳	ـ	مسامرہ	کمال الدین ابن الہمام	م۹۰۵ھ
۳۴	=	خیالی	شمس الدین خیالی	۸۷۰ھ
۳۵	طب	الموجز	ابوالحسن ابن النفیس	۶۸۷ھ
۳۶	=	قانونچہ	محمد بن عمر چغمینی	معلوم نہیں
۳۷	=	حمیات القانون	شیخ بو علی ابن سینا	۴۲۷ھ
۳۸	=	شرح الاسباب	برہان الدین نفیس بن عوض کرمانی	۸۲۷ھ
۳۹	ہیئت	التشریح	امام الدین بن لطف اللہ	۱۱۳۵ھ
۴۰	=	شرح چغمینی	موسیٰ بن محمود قاضی زادہ	م۸۱۴ھ
۴۱	ہندسہ	بست باب	نصیر الدین محقق طوسی	م۶۷۲ھ
۴۲	=	اقلیدس	ابوالحسن ثابت بن قرۃ	۲۸۹ھ
۴۳	مناظرہ	رسالہ رشیدیہ	شمس الحق بن شیخ عبد الرشید	م۱۰۸۰ھ
۴۴	فقہ	نور الایضاح	حسن بن علی شرنبلالی	م۱۰۶۹ھ
۴۵	ـ	مختصر القدوری	ابوالحسن قدوری	م۴۲۸ھ
۴۶	=	کنز الدقائق	ابو البرکات نسفی	م۷۱۰ھ

۴۷	—	شرح وقایہ	صدر الشریعۃ عبیداللہ بن مسعود	م ۵۴۳ھ
۴۸	—	ہدایہ	برہان الدین علی مرغینانی	م ۵۷۳ھ
۴۹	اصول فقہ	اصول شاشی	نظام الدین شاشی	م ۷۵۳ھ
۵۰	=	نور الانوار شرح المنار	شیخ احمد ملا جیون	م ۱۱۳۵ھ
۵۱	—	مختصر الحسامی	حسام الدین محمد بن محمد بن عمر	۶۴۴ھ
۵۲	—	التوضیح	صدر الشریعہ عبیداللہ بن مسعود	۵۴۳ھ
۵۳	—	التلویح	سعد الدین تفتازانی	۷۹۲ھ
۵۴	=	مسلم الثبوت	محب اللہ بہاری	۱۱۱۹ھ
۵۵	میراث (فرائض)	مختصر السراجی	سراج الدین سجاوندی	معلوم نہیں
۵۶	=	شریفیہ	سید شریف جرجانی	م ۸۱۶ھ
۵۷	اصول حدیث	شرح نخبۃ الفکر	حافظ ابن حجر عسقلانی	م ۸۵۲ھ
۵۸	حدیث	مشکوٰۃ المصابیح	شیخ ولی الدین عراقی	
۵۹	حدیث	جامع البخاری	امام محمد بن اسماعیل بخاری	م ۲۵۶ھ
۶۰	=	صحیح مسلم	امام مسلم بن حجاج قشیری	م ۲۶۱ھ
۶۱	=	جامع ترمذی	امام محمد بن عیسیٰ ترمذی	م ۲۷۹ھ
۶۲	=	سنن ابی داؤد	امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث	م ۲۷۵ھ
۶۳	=	سنن نسائی	امام احمد بن شعیب نسائی	م ۳۰۳ھ
۶۴	=	سنن ابن ماجہ	امام ابو عبداللہ محمد بن ماجہ	م ۲۷۳ھ
۶۵	=	کتاب الشمائل	امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی	م ۲۷۹ھ
۶۶	=	شرح معانی الآثار	امام ابو جعفر احمد بن محمد سلامہ طحاوی	م ۳۲۱ھ
۶۷	=	الموطاء	امام مالک بن انس	م ۱۷۹ھ
۶۸	=	الموطاء	امام محمد بن حسن شیبانی	
۶۹	تفسیر	تفسیر جلالین شریف	جلال الدین سیوطی و جلال الدین محلی	م ۹۱۱ھ
۷۰	=	انوار التنزیل	قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی	م ۷۱۶ھ
۷۱	=	مدارک التنزیل	امام نجم الدین عمر نسفی	م ۷۵۳ھ
۷۲	اصول تفسیر	الفوز الکبیر فی اصول التفسیر	امام شاہ ولی اللہ دہلوی	م ۱۱۷۶ھ

فصل چہارم درس نظامی کا مختصر جائزہ اور دارالعلوم دیوبند میں اسکا اجراء

درس نظامی کا مختصر جائزہ

خیال کیا جاتا ہے کہ درس نظامی، نظام الملک ملا نصیر الدین محقق طوسی کا وضع کردہ نصاب ہے، جو انہوں نے مدرسہ نظامیہ بغداد کے لئے تیار کیا تھا، جبکہ یہ صحیح نہیں (۳۸) اصلاح نصاب کی ضرورت سب سے پہلے دراصل ملا قطب الدین نے محسوس کرتے ہوئے ایک نیا نصاب تشکیل دیا۔ جس میں ہر مضمون کی ایک ایک کتاب شامل کی گئی۔ ملا قطب الدین کے قتل کے بعد یہ خاندان سہالی سے نقل مکانی کر کے فرنگی محل، لکھنو میں آباد ہو گیا۔ مرحوم کے بیٹے ملا نظام الدین (۱۷۴۷ء) بھی بڑے عالم اور مدرس تھے۔ انہوں نے اس نصاب پر نظر ثانی کر کے ہر مضمون پر دو دو کتابیں نصاب میں شامل کر دیں۔ ملا نظام الدین کی وجہ سے اس کو "درس نظامی" کہتے ہیں، بوجوہ اس نصاب کو غیر معمولی مقبولیت ملی۔ آج جو شخص اس نصاب کو نہیں پڑھا ہوا ہوتا عوام اس کو عالم تصور نہیں کرتے۔ شاہ سلیمان سجادہ نشین پھلواری شریف کا خیال ہے کہ یہ نصاب خودرو پودے کی طرح پروان چڑھا ہے۔ اس کا بیج ملا فتح اللہ شیرازی نے بویا تھا، جو ترقی کرتا رہا، آخر کار ملا نظام الدین کی محنت سے یہ پورا درخت بنا ہے (۳۹)

اس موقع پر ضروری ہے کہ مختصر سا تعارف مدرسہ نظامیہ، بغداد کا بھی کرا دیا جائے اس کا سنہ تاسیس ۴۶۳ھ ہے۔ ۱۰۶۸ء بروز شنبہ اس کا افتتاح عمل میں آیا۔ مورخین کا بیان ہے کہ مدرسہ نظامیہ بغداد کی رسم افتتاح نہایت تزک و احتشام سے ادا ہوئی۔ افتتاح کے وقت سارا بغداد امڈ آیا۔ محقق طوسی نے اس دارالعلوم کے لئے دو لاکھ دینار کی خطیر رقم وقف کی، سالانہ اخراجات کے لئے پندرہ ہزار دینار اسکے علاوہ تھے۔ اس دارالعلوم میں بیک وقت چھ ہزار طلباء کی تعلیم و تدریس کا انتظام تھا۔ طلباء میں غریب اور ناداروں سے لے کر امراء و روساء کے صاحبزادے تک شامل ہوتے تھے۔ علامہ ابو اسحق شیرازی مدرسہ کے صدر اعظم تھے۔ اس دارالعلوم میں طلباء کے لئے نقد وظائف اور اساتذہ کے بیش قرار مشاہرے مقرر تھے

قدیم نصاب تعلیم میں اصلاح

قدیم نصاب تعلیم میں اصلاح کیلئے محقق طوسی کے وضع کردہ نصاب میں سب سے قابل قدر اضافے سکندر لودھی کے عہد میں شیخ عزیز اللہ اور شیخ عبداللہ نے کئے۔ انہوں نے قاضی عضد الملک کی تصانیف مطالع اور مواقف اور سکاکی کی مفتاح العلوم کو داخل نصاب کیا۔ علامہ بدایونی کے قول کے مطابق علم منطق کو ہند میں انہی حضرات کے وجود سے فروغ حاصل ہوا۔ ورنہ ان کے آنے سے پہلے اس علم کی صرف دو کتابیں رائج تھیں، ان کے بعد میر سید شریف جرجانی کے تلامذہ اور علامہ تفتازانی کے شاگردوں نے اپنے اساتذہ کی شرح کو نصاب

میں داخل کیا بعد ازاں اکبری عہد میں عضد الملک مولانا فتح اللہ شیرازی نے نصاب میں کچھ مزید اضافے کئے علماء نے انہیں بصد خوشی قبول کر لیا۔ عہد عالمگیری کے بعد مولانا شاہ ولی اللہ (متوفی ۱۱۷۶ھ مطابق ۱۷۶۲ء) نے اس نصاب میں اہم ترمیمات کیں۔ اور مروجہ کتابوں کی جگہ کئی دوسری کتابیں اس میں شامل کیں۔ (۴۰)

اس وقت ہمارے پیش نظر محقق طوسی کا وضع کردہ نصاب نہیں، بلکہ ملا نظام الدین سہالوی (متوفی ۱۱۶۱ھ) کا تیار کردہ نصاب زیر بحث ہے۔ اس نصاب کی تفصیلات اور فاضل مرتب کے حالات اس باب کی ابتداء میں مذکور ہو چکے ہیں۔ سہالوی مرحوم کا یہ نصاب مدرسہ عالیہ نظامیہ فرنگی محل لکھنؤ نے نہیں اپنایا بلکہ پاک و ہند کی ہر دینی درسگاہ نے اس نصاب کو قبول کیا۔ کچھ عرصہ بعد سب سے پہلے مدرسہ عالیہ نظامیہ فرنگی محل کے شیخ الجامعہ مولانا محمد قطب الدین عبدالولی نے اس نصاب میں متعدد اصلاحات کیں۔ انہوں نے بعض کتب اور مضامین میں ردوبدل بھی کیا۔ یہی درس نظامی معمولی تبدیلی کے ساتھ دارالعلوم دیوبند۔ اور بلا تخصیص مسلک، پاک و ہند کے جملہ مدارس عربیہ اسلامیہ میں تا حال رائج ہے۔ اگر مختلف مسالک کے مدارس کے نصاب میں کچھ فرق ہے تو صرف فقہ و عقائد اور تفسیر و حدیث کی کتب کے انتخاب میں ہے۔ (۴۱)

ملا نظام الدین سہالوی (۱۱۶۱ھ ۱۷۴۸ء) نے جب نصاب تعلیم کی تخنیم جدید کی طرف توجہ کی تو انہوں نے فلسفہ کو نصاب تعلیم کا باقاعدہ جزو بلکہ جزو اعظم بنا دیا۔ درس نظامی میں تقریباً ایک صد کتب شامل نصاب ہیں۔ ان میں سے بقول مولانا مناظر احسن گیلانی، ۴۲ کتب فلسفہ کی ہیں۔ فلسفہ کا اس دور میں ذوق اس قدر زیادہ تھا کہ بقول سر سید احمد خان (۱۳۱۵ھ ۔ ۱۸۹۸ء) تعلیم سے فراغت حاصل کرنے کے بعد بھی اپنے ذوق کی سیرابی کے لئے یہ علماء ابو نصر فارابی (۳۳۹ھ ۔ ۹۵۰ء) حکیم بو علی سینا، شیخ شہاب الدین مقتول (۵۸۹ھ ۔ ۱۱۹۳ء) ملا صدرا (۱۰۵۰ھ ۔ ۱۶۴۰ء) اور میر باقر (۱۰۴۰ھ ۔ ۱۶۳۰ء) کی کتابیں مطالعہ میں رکھتے تھے۔ (۴۲)

ملا نظام الدین کے بعد بھی دینی مدارس کے نصاب میں فنون و کتب کا اضافہ ہوتا رہا۔ صرف میں دستور المبتدی، ادب میں نفحۃ الیمن، سبعہ معلقات، دیوان متنبی، مقامات حریری، حماسہ منطق میں میزان منطق، ملا حسن، قاضی مبارک، میر زاہد، رسالہ حاشیہ غلام یحییٰ بر میر زاہد، ملا جلال اور کہیں کہیں بحر العلوم، شرح سلم حاشیہ عبدالعلی بر میر زاہد، رسالہ فرائض میں "شریفیہ اور سراجی۔ مناظرہ میں رشیدیہ۔ اصول حدیث میں شرح نخبۃ الفکر۔ حدیث میں بخاری، مسلم، مؤطا، ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجہ، نسائی۔ ابو الفضل نے "آئین اکبری" میں اپنے زمانے کا نصاب تعلیم درج ذیل قلمبند کیا ہے۔ اخلاقیات، ریاضیات، زراعت، اقلیدس، مساحت، ہیئت، رمل، قواعد مال، آئین سلطنت، طب، طبیعیات، الہیات اور تاریخ۔ (۴۳)

گذشتہ دو صدیوں کے اندر اس نصاب میں تبدیلی کی متعدد کوششیں ہوئیں۔ مثلاً علامہ شبلی نعمانی، مولانا ابو المحاسن سجاد، مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا سید سلیمان ندوی، شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی اور متعدد دیگر علماء نے اس کے لئے مساعی کیں۔ خصوصاً اہل حدیث مکتب فکر

کے مدارس میں انتخاب حدیث اور تفسیر قرآن کے سلسلہ میں نمایاں اضافے ہوئے ۔ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اور ندوۃ العلماء لکھنو میں ترمیم شدہ جدید نصاب رائج بھی ہوگئے ۔ جامعہ عباسیہ بہاول پور بعد ازاں جامعہ اسلامیہ بہاول پور، میں جدید نصاب رائج ہوا اسی طرح وفاق المدارس العربیہ ملتان نے بھی نصاب میں تبدیلیاں کیں ۔(۴۴)

درس نظامی کی نصابی خصوصیات

ملا نظام الدین کے اس نصاب کو وہ مقبولیت عطا ہوئی جو ماضی میں کسی نصاب کو حاصل نہ ہو سکی ۔ اب بھی یہ ہندوستان اور پاکستان کے علماء کے نزدیک مستند اور مقبول ترین نصاب تعلیم ہے ۔ مولوی اور عالم دین اسی شخص کو کہا جاتا ہے جو درس نظامی کا فارغ التحصیل ہو ۔ گرچہ اسلام کے مختلف فرقوں میں باہمی اختلافات ہیں ، یہ ایک دوسرے کی مخالفت بھی کرتے رہتے ہیں ، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ ہر فرقہ کے طلباء چاہے وہ سنی ، شیعہ ، دیوبندی ، بریلوی یا اہل حدیث ہوں ، سب اسی نصاب کو پڑھتے ہیں ۔ البتہ اپنی بعض مخصوص کتب کا اضافہ کر لیتے ہیں ۔ دو سو سال سے زائد عرصہ گزرنے اور سلطنتوں میں انقلاب رونما ہونے کے باوجود اس کی مقبولیت میں کمی نہیں آئی ۔

اس نظام کی چیدہ چیدہ خصوصیات درج ذیل ہیں

۱ ۔ درس نظامی کی سب سے اہم صفت جامعیت ہے یعنی اس میں دینی اور دنیاوی علوم یکجا کر دیئے گئے ہیں ۔ (۴۵)

۲ ۔ اس نصاب کا اصل مقصد معلومات کی فراہمی نہیں بلکہ طلباء میں سوچنے اور غور کرنے کی صلاحیت (Enquiry of Mind) پیدا کرنا ہے ۔ اس مقصد کو مد نظر رکھتے ہوئے ایسے مضامین پر زیادہ زور دیا گیا جن سے طلباء میں سوچنے اور غور کرنے کی عادت ڈالی جائے ۔ منطق ، فلسفہ اور علم الکلام کی متعدد کتابوں کا نصاب میں شامل کرنے کا یہی مقصد ہے ۔ نیز تمام مضامین کی جو کتابیں شامل نصاب کی گئی ہیں وہ اس مقصد کو پورا کرتی ہیں ۔

۳ ۔ ایک مقصد یہ بھی ملحوظ رکھا گیا کہ اس نصاب کے پڑھنے سے قوت مطالعہ قوی ہو جائے تاکہ بعد میں جو کتاب طالبعلم سمجھنا چاہے ، سمجھ سکے ۔ نیز خود فکری اور خود سوچنے کی صلاحیت کی پرورش ہوسکے ۔ (۴۶)

۴ ۔ اس نصاب میں اختصار کا خاص طور پر خیال رکھا گیا ، ہر فن کی صرف ایک یا دو لیکن مشکل ترین کتابیں شامل کی گئی ۔

۵ ۔ معقولات کی کتابیں زیادہ ہونے سے اس نصاب میں ایک خصوصیت یہ پیدا کرنے کی کوشش کی گئی کہ طالب علم میں تنگئ فکر و نظر نہ رہے اور نہ وہ تشدد و جمود کا شکار ہو ۔

مولانا عبدالقیوم حقانی لکھتے ہیں کہ درس نظامی کے وجود میں آنے سے پہلے ہندوستان کے علماء کی ایک تصنیف بھی داخل نصاب نہ تھی۔ ملا نظام الدین نے ہندوستان میں اپنے معاصر علماء کی اہم تصنیفات داخل درس کر دیں مثلاً سلم، نور الانوار، مسلم، رشیدیہ، شمس بازغہ وغیرہ۔ یہ کارنامہ آپ کی انصاف پرستی اور بلند حوصلگی کا بڑا ثبوت ہے۔ علماء میں یہ چیز بہت کم پائی جاتی ہے کہ وہ اپنے معاصرین کی علمی برتری کا اعتراف کریں، لیکن آپ نے اپنے وقت کے باکمال علماء کی علمیت کے اعتراف میں ان کی کتابیں داخل درس کر دیں جبکہ اپنی کسر نفسی کا یہ عالم تھا کہ اپنی کوئی تصنیف بھی اس نصاب میں داخل نہ کی۔ اس جامع اور ہمہ گیر نصاب تعلیم میں سب سے زیادہ اہم اور مقدم خصوصیت جو ملا نظام الدین اور آپ کے باکمال تلامذہ کے پیش نظر رہی، یہ تھی کہ "اس نصاب کے پڑھنے والوں میں قوت مطالعہ اس قدر قوی ہو جائے کہ نصاب کی تکمیل کے بعد طالب علم جس فن کی جو بھی کتاب پڑھیں انہیں بآسانی سمجھ لیں"۔ (۴۷)

پروفیسر سید محمد سلیم لکھتے ہیں کہ دینی مدارس کا نصاب تعلیم اجتماعی ارتقاء کے نتیجہ میں تشکیل پذیر ہوا ہے۔ ملا نظام الدین سہالوی، بانی درس نظامی نے ایک خاص انداز سے نصاب کی صورت گری کی تھی۔ اجتماعی ارتقاء کا عمل اس کے بعد بھی جاری رہا۔ جن مضامین کو قبولیت عامہ حاصل ہوتی گئی۔ ان کو بھی نصاب تعلیم میں شامل کر لیا گیا۔ جیسے علم حدیث، علم ادب اور علم تاریخ وغیرہ۔

ہندوستان میں اسلام، ترکان اور ماوراء النہر کی "فتوحات کے بعد پھیلا ہے، ان علماء کا شوق اور انہماک علم فقہ میں زیادہ تھا، اس لئے اسلام کی ابتدائی صدیوں میں فقہ کا غلغلہ تو ہندوستان میں بہت کچھ سنائی دیتا ہے، لیکن علم حدیث کا زمزمہ خال خال سننے میں آتا ہے۔ اور وہ بھی دارالسلطنت سے دور ساحلی شہروں میں۔ دسویں صدی ہجری میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے پہلی بار اس علم کو ہندوستان میں پھیلانے کی کوشش کی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ علم حدیث کو ہندوستان میں مقبول بنانے کا شرف شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کی اولاد اور شاگردوں کو حاصل ہے۔ انہوں نے تعلیم، ترجمہ اور تشریح کے ذریعہ اس علم کو ملک میں متعارف کرا کے حدیث کی اہم ترین کتب "صحاح ستہ" کو نصاب تعلیم میں شامل کیا (۴۸) بعد کے علماء نے اس اضافہ کو مستحسن قرار دیتے ہوئے اسے درس نظامی کا لازمی جزو بنا لیا۔ اب تمام دینی مدارس میں علم حدیث کو بڑے شوق اور انہماک سے پڑھایا جاتا ہے۔ (۴۹)

حکومتی انتظام چلانے کی تعلیم کا نصاب

درس نظامی دراصل مسلم دور حکومت میں سول سروس کی تعلیم و تربیت کا نصاب تھا، یہ نصاب تعلیم نہ صرف حکومت وقت کو مردان کار مہیا کرتا تھا بلکہ اس نصاب کو پڑھنے والا معاملہ فہم اور اعلیٰ ترین منصب کے لئے تیار ہو جاتا تھا۔ جس سے کاروان اور امور مملکت سے واقف لوگ پیدا ہوتے تھے اس نصاب کو پڑھ کر

ایک طالب علم حکومت کے اعلیٰ ترین منصب کے لئے تیار ہو جاتا تھا اور بڑی سے بڑی ذمہ داری کو پورا کرنے کا اہل بن جاتا تھا۔ ہندوستان میں جب ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت قائم ہوئی تو اس وقت (۱۷۵۷ء - ۱۸۵۷ء) مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت پوری طرح کار فرما تھا۔ بعض انگریز مصنفوں نے مسلمانوں کی حسن لیاقت اور حسن کارکردگی کا کھلے دل سے اعتراف کیا ہے۔(۵۰) ولیم ہنٹر نے تحریر کیا ہے کہ "حقیقت یہ ہے کہ جب یہ ملک ہمارے قبضہ میں آیا تو مسلمان یہاں سب سے اعلیٰ قوم تھی، نہ صرف جرات اور قوت بازو میں برتری رکھتی تھی بلکہ سیاسی تنظیم اور عملی سیاست میں بھی سب سے آگے تھی۔(۵۱) ہنری ہیرنگٹن نے اس طرح توصیف کی ہے کہ "عزم و ہمت، تعلیم اور ذہنی صلاحیتوں کے اعتبار سے مسلمان ہندوؤں سے کہیں زیادہ فائق ہیں۔ ہندو ان کے سامنے طفل مکتب معلوم ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں مسلمانوں میں کارگذاری کی اہمیت بھی بہت زیادہ ہوتی ہے جس کی وجہ سے سرکاری ملازمتیں زیادہ تر انہی کو ملتی ہیں"۔(۵۲)

چونکہ انگریزوں نے سلطنت مسلمانوں سے حاصل کی تھی، اگر اندیشہ ہو سکتا تھا تو مسلمانوں کیطرف سے ہو سکتا تھا۔ لارڈ ہین بارو ۱۸ جنوری ۱۸۴۳ء کے خط میں لارڈ ویلنگٹن کو لکھتا ہے۔ میں اس حقیقت سے آنکھیں بند نہیں کر سکتا کہ یہ نسل (مسلمان) بنیادی طور پر ہماری دشمن ہے۔ اس لئے ہماری صحیح پالیسی یہ ہے کہ ہندوؤں کو خوش کیا جائے۔ اس لئے انگریزی حکومت کی مشینری نے مسلمانوں کو معاشرہ میں پست، ذلیل اور ناکارہ بنانے کا ایک طویل المیعاد منصوبہ بنایا اس کے تین اہم اجزا تھے۔

۱۔ مسلمانوں کو مفلس و قلاش بنا دیا جائے کہ ان کا سارا وقت، دو وقت کی روٹی حاصل کرنے میں صرف ہو جائے تاکہ مذہب و سیاست، ملک و ملت کے اعلیٰ تصورات ان کے ذہنوں سے محو ہو جائیں۔

۲۔ مسلمانوں کو جاہل اور پسماندہ بنا دیا جائے۔ Resumption Act 1828 کے ذریعہ برصغیر میں سارے اوقاف پر حکومت نے قبضہ کر لیا۔ تمام دینی مدارس کے سرچشمے سوکھ گئے۔ مدارس بند ہو گئے۔ مزید برآں دینی تعلیم اور مولوی کے خلاف پروپیگنڈہ کر کے ایک فضا پیدا کر دی تاکہ کوئی صاحب حیثیت خاندان کا فرد ادھر کا رخ ہی نہ کرے۔

۳۔ جدید مغربی تعلیم کا ڈھانچہ ہندوؤں، عیسائی مشنریوں کی مرضی کے مطابق تیار کیا گیا اور مسلمانوں کو دیدہ و دانستہ دھکیلا گیا تاکہ وہ آگے نہ بڑھیں اس دور کے بعد فہمیدہ افراد کو انگریزوں کی اسی پالیسی کا شعور ہو گیا تھا۔ وہ اس کو "ٹھنڈی چھری" اور میٹھا زہر" کہتے تھے جیسا کہ سرسید احمد خان نے کہا۔ درحقیقت یہ Slow Poisoning کا طرز عمل تھا اور کون انکار کر سکتا ہے کہ یہ کامیاب نہیں ہوا۔

لارڈ ہارڈنگ نے ۱۱ اکتوبر ۱۸۴۴ء کو حکمنامہ جاری کیا اور غیر انگریزی خواں افراد پر ملازمت کے دروازے بند کر دیئے۔ ۱۸۶۴ء میں قاضی ایکٹ منظور ہوا جس کے تحت مسلمانوں کے شخصی معاملات (طلاق و وراثت وغیرہ) میں مسلمان قاضی کی ضرورت نہیں رہی۔ ان پے در پے حملوں کے بعد مسلمانوں کی حالت یہ تھی کہ

بقول سرسید " اب ہائی کورٹ میں جا کر علماء علوم مشرقی (وکلاء) کا حال دیکھو، ان کے منہ پر مکھیاں بھنکتی ہیں افلاس کی مار نے مدارس کو فنا کر دیا اور مسلمانوں کی کمر توڑ دی ۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ میں بھی انتقام انگریزوں نے مسلمانوں سے لیا۔

نصابی تقسیم اور اس کی وجوہ

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں بڑے پیمانے پر تباہی ہوئی ۔ جنگ کے بعد سات ہزار علماء اور معاملہ فہم سربرآوردہ لوگوں کو انگریزوں نے پھانسی پر چڑھا دیا ۔ اس طرح صرف عوام الناس باقی رہ گئے ۔ سرداران قوم فنا ہوگئے ۔ ان جاں گسل حالات کا تقاضا محسوس کر کے سرسید احمد خاں نے مسلمانوں کے تحفظ وجود کے لئے کوشش کی ان کو افلاس اور ادبار کے گڑھے سے نکالا اور مولانا قاسم نانوتوی نے مسلمانوں کے دینی اور علمی سرمایہ کو محفوظ کرنے کی کوشش کی ، اور دارالعلوم دیو بند قائم کیا ۔ انہوں نے تو فارسی حصہ بھی جوں کا توں محفوظ رکھا مگر ظاہر ہے کہ بدلے ہوئے حالات میں نہ فارسی زبان کی حکمرانی رہی نہ مغلوں کا نظام حکومت رہا ۔ بتدریج فارسی کی تعلیم گھٹتے گھٹتے تقریباً ختم ہو گئی ۔(۵۳)

نصابی تبدیلیوں اور تعلیم دو حصوں میں تقسیم ہونے کی وجوہات پر مولانا تقی عثمانی مزید روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں ۔ کہ درس نظامی کے ماہرین نے نصابی کتب کے تغیر و تبدل کے بارے میں کسی جمود سے کام نہیں لیا کہ انہی مخصوص کتب پر انحصار کئے رکھتے ۔ بلکہ اس امر کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ ہندوستان کے ارباب مدارس دینیہ اس نصاب " درس نظامی " کو اساس کے طور پر تو اختیار کئے ہوئے ہیں لیکن حالات و واقعات کے تبدل و تغیر کیساتھ ہمیشہ اس میں حذف و اضافہ بھی کرتے رہے ہیں ۔ البتہ اس ضمن میں اس بات کا خصوصی خیال رکھا گیا کہ " درس نظامی " کی حقیقی روح اور اغراض و مقاصد کسی بھی طور پر متاثر نہ ہونے پائیں ۔ چنانچہ سلطنت مغلیہ کے زوال تک ہندوستان کے تقریبا تمام مدارس میں " درس نظامی " کی یہی روح کئی صدی تک یوں ہی کارفرما رہی ۔

برصغیر ہند پر انگریزی سامراج کے مسلط ہو جانے کے بعد انگریزوں نے جہاں پر ایک جدید نظام تعلیم کے نفاذ کا پروگرام مرتب کیا ۔ یہاں اس امر کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ وقت کے مروجہ نظام تعلیم (درس نظامی) میں بعض جدید علوم و فنون کا اضافہ اشد ضروری تھا ، کیونکہ مغربی فلسفیوں اور سائنس دانوں نے فلسفہ و سائنس کے بہت سے جدید موضوعات اور مباحث کا اضافہ کیا تھا ۔ یہ تغیر اگر مسلم حکمرانوں کے عہد میں واقع ہوتا تو یقیناً وہ اس جدید فلسفہ و سائنس کو درس نظامی میں اس انداز سے اضافہ کر دیتے کہ اس سے ان کے نظام تعلیم کی حقیقی روح بھی متاثر نہ ہوتی اور نہ اس کے اغراض و مقاصد کو کوئی نقصان پہنچ پاتا ۔

بد قسمتی سے یہ تغیر انگریزی دور حکومت میں رونما ہوا اور انہوں سے نہ صرف یہ کہ اس نظام تعلیم کے

اغراض و مقاصد کی کچھ پرواہ نہ کی بلکہ اس کے علی الرغم اپنی تمام تر کوشش اس کام میں لگا دی کہ مسلمانوں کے قلوب سے دین اسلام اور اللہ تعالیٰ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے ہر پہلو کو محو کر دیا جائے۔ انگریز سامراجیوں نے فلسفہ و سائنس کے علوم میں اس تغیر کو بہانہ بنا کر تعلیم کے اس نظام کو جو قلوب و اذہان میں ایمان و حکمت کی آبیاری کرتا تھا۔ سرے ہی سے تبدیل کر دینے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ چنانچہ اس نے مدارس میں تعلیم و تربیت کا ایک ایسا جدید نظام نافذ کر دیا، جس نے مسلمانوں کے نظام تعلیم کے اغراض و مقاصد کو ہی الٹ کر رکھ دیا۔ اس جدید نظام تعلیم میں علوم قرآن و سنت اور مسلمانوں کے اسلاف کے تذکروں کو سرے سے اڑا کر صحیح دینی فکر و نظر سے یکسر محروم کر دیا۔

بظاہر انگریزوں کا دعویٰ یہ تھا کہ وہ مسلمانوں کو جدید علوم سے آراستہ کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن اس دعویٰ کے پس پردہ درحقیقت یہ مقاصد کار فرما تھے کہ مسلمانوں کے قلوب میں مغربی علوم و تمدن کے تفوق کے ذریعہ مغرب کی بالادستی کو راسخ کر دیا جائے جس کا یقیناً یہ نتیجہ ہوگا کہ مسلمانوں کے تمدن و تہذیب اور قومی تشخص و نظام تعلیم وغیرہ تمام امور ان کی نظروں میں حقیر اور بے معنی ہو کر رہ جائیں گے۔ چنانچہ اس جدید نظام تعلیم کے بانی و مرتب لارڈ میکالے نے ہندوستانیوں کے تعلیمی امور پر بحث کے دوران برطانوی دارالعوام کے ایک اجلاس میں واشگاف الفاظ میں اپنے مقاصد کا یوں اظہار کیا تھا کہ "ہمارے لئے یہ اشد ضروری ہے کہ ہم ہندوستانی نوجوانوں کے اذہان و قلوب کو بدل ڈالنے کی کوشش کریں، ہم ان کو ہندوستانی عوام اور اجنبی حکمرانوں کے درمیان رابطہ کے طور پر استعمال کرنا چاہتے ہیں ہمیں ان لوگوں کی تربیت اس انداز سے کرنا ہے کہ نسل و رنگ کے اعتبار سے یہ تو ہندوستانی ہی رہیں لیکن ذہنی و فکری انداز خالصۃً انگریزی ہونا چاہیے"

الغرض یہ جدید نظام یکے بعد دیگرے ہر علاقے میں پھیلتا چلا گیا حتیٰ کہ پورے ہندوستان میں اس کا رواج ہو گیا۔ مسلمانوں نے اس خوش فہمی میں اسے خوش آمدید کہا کہ اس طرح جدید علوم اور ٹیکنالوجی سے وہ بھی فوائد حاصل کر سکیں گے۔ اور دیگر ہندوستانی اقوام کے شانہ بشانہ چلنے کی ان میں بھی استعداد پیدا ہو سکے گی۔ دوسری طرف حکومت نے تمام سرکاری و نیم سرکاری ملازمتوں کے لئے صرف اس جدید نظام تعلیم کے تربیت یافتہ افراد کے قبول کئے جانے کا اعلان کر کے درس نظامی کے فارغ التحصیل تمام افراد کے لئے معاش کے دروازے بند کر دیئے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ ہندوستانی باشندوں کی عظیم اکثریت انہی سرکاری تعلیمی اداروں کی جانب امڈ پڑی اور ایک انتہائی قلیل تعداد کے سوا پوری قوم نے قدیم طرز کے دینی تعلیمی مدارس کے بارے میں مکمل طور پر سرد مہری بلکہ بے توجہی کا رویہ اختیار کر لیا۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ درس نظامی کے تحت چلنے والے مدارس کی تعداد روز بروز گھٹتی چلی گئی۔

اس صورتحال نے ہندوستان کے علماء کو چونکا دیا۔ انہیں علوم دینیہ کے ضائع ہو جانے کا شدت سے احساس ہونے لگا۔ چنانچہ علوم دینیہ کی حفاظت اور ان کی نشر و اشاعت کے پیش نظر انہوں نے درس نظامی کی

تعلیم کے نئے نئے مدارس کھولنے کی طرف پوری توجہ دینی شروع کر دی ۔ علماء کی ایک جماعت نے ان کی دعوت پر لبیک کہا ، کم آمدنی تھی کہ فقر و تنگ دستی کو گلے سے لگایا اور علوم اسلامیہ کی حفاظت کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دیں ۔

یہی وہ بڑا سبب ہے جسکی وجہ سے دینی اور دنیاوی دو الگ الگ شعبوں میں مسلمانوں کا تعلیمی نظام منقسم ہوکر رہ گیا نتیجہ یہ ہوا کہ سرکاری اسکولوں اور کالجوں نے علوم دینیہ سے بیگانگی کا رویہ اختیار کر کے خالصتاً جدید علوم و فنون کی ترویج و تعلیم کو ہی اپنا محور و مقصد قرار دے لیا اور دینی مدارس نے جدید مروجہ علوم سے قطع نظر کر کے علوم دین اور اس کے مقتضیات ہی کی تعلیم و تعلم کے لئے خود کو وقف کر لیا ہے(۵۴)

اس سلسلہ میں دارالعلوم دیوبند نے معمولی تبدیلی کے ساتھ درس نظامی کو رواج دیا جبکہ دینی مدارس کا نام و نشان ختم ہو چکا تھا دارالعلوم دیوبند کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس نے از سر نو درس نظامیہ کا اجراء کیا اور جو مقاصد اس وقت پیش نظر تھے ان سے تمام دباؤ کے باوجود سرمو انحراف نہیں کیا ۔

دوسری طرف دارالعلوم نے پورے برصغیر میں اپنا تلامذہ کے ذریعے مدارس کا جال پھیلا کر ہندوستان کو عیسائی بنانے کا انگریزوں کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہونے دیا ، قیام پاکستان کے بعد قابل ذکر مدارس اسی مسلک کے فارغ التحصیل حضرات نے قائم کر کے اسی نصاب کو جاری کیا ، موجودہ وفاق المدارس میں بھی اسی نصاب کا غلبہ ہے ۔ جسکی دیکھا دیکھی بعدازاں دیگر مسالک نے بھی اپنے مدارس کا سلسلہ شروع کیا اس پس منظر میں دارالعلوم دیوبند کے نصاب تعلیم کی اہمیت بڑھ جاتی ہے لہذا یہاں دارالعلوم دیوبند کا نصاب پیش کیا جارہا ہے تاکہ نصابی ترمیمات کی روشنی میں تقابلی مطالعہ کرنے میں آسانی ہو ۔

دار العلوم دیوبند کا نصاب تعلیم

فن	اسمائے کتب
صرف	میزان الصرف
	منشعب
	پنج گنج
	علم الصیغہ
	فصول اکبری
نحو	نحو میر
	شرح مائۃ عامل
	ہدایۃ النحو
	النحو الواضح
عربی ادب	عربی قواعد، معانی و بیان،
	اسباق الواضح
	روضۃ الادب
	نفحۃ الادب
	دیوان متنبی
	[illegible]
	دیوان حماسہ، النثر الجدید
منطق	تیسیر المنطق
	مرقات و تہذیب
	سلم العلوم

فن	اسمائے کتب
	قاضی مبارک
	شمس بازغہ
	صدرا
-	مسلم الثبوت، رسالہ حمیدیہ
تجوید	مشق تجوید
-	جمال القرآن
خوشنویسی	تصحیح خط و املا نویسی
فقہ	قدوری
	نور الایضاح
-	کنز الدقائق
	شرح وقایہ
	الاشباہ و النظائر
اصول فقہ	نور الانوار
-	اصول الشاشی
	حسامی
	توضیح و تلویح
-	ہدیہ سعیدیہ
فلسفہ	میبذی

	ملا حسن		
		فرائض	سراجی
	حمد اللہ	عقائد و کلام	عقیدہ الطحاوی
	(۲) شمس بازغہ	-	حیوانیات و نباتیات (نظری) (۲) اصول
	صدرا		
			حفظان صحت (ب) (ا) دستور ہند کے
	مسلم الثبوت ، رسالہ حمیدیہ		
			بعض ضروری ابواب (۲) مبادی معاشیات
			۳۔ چند جدید فلسفیوں کے نظریات و سوانح
	۲۔ جغرافیہ عالم (خطہ وار)	-	-
فقہ	ہدایہ ربع اول	تفسیر	جلالین شریف تمام
	ہدایہ ربع ثانی	اصول تفسیر	الفوز الکبیر تمام
عربی ادب	مقامات حریری ۱۰ مقالے	-	
منطق	ملا حسن تا جنس	اصول فقہ	حسامی تمام
اصول فقہ	نور الانوار تا قیاس	فلسفہ	میبذی تمام
عقائد	عقیدۃ الطحاوی (تمام)	عربی ادب	دیوان متنبی تا ختم قافیہ دال
معانی و بیان	البلاغۃ الواضحہ	-	تمرین عربی ، انشائے محادثہ
			تجوید اور خوشنویسی

اختیاری مضامین

فن	اسمائے کتب
حدیث	بخاری شریف تمام
	مسلم شریف تمام
	ترمذی شریف تمام
	ابوداؤد شریف تمام
	نسائی شریف

	ابن ماجہ شریف
	طحاوی شریف
	شمائل ترمذی شریف
	موطائین
تفسیر	تفسیر مدارک پارہ ۱ تا ۱۰
	تفسیر مظہری پارہ ۱۱ تا ۲۰
	تفسیر بیضاوی شریف پارہ ۲۱ تا ۳۰
	تلخیص الاتقان

تکمیل دینیات

تفسیر	تفسیر ابن کثیر سورہ بقرہ و آل عمران
حکمت شرعیہ	حجۃ اللہ البالغہ
مناظرہ	رشیدیہ
فقہ	الاشباہ والنظائر، تا فن اول

دارالعلوم کے درس نظامی میں داخلہ کے لئے تعلیمی صلاحیت / شرائط

مذکورہ بالا ۸ سالہ نصاب کی تکمیل کے بعد طالب علم "فاضل دارالعلوم" کی سند فراغت کا مستحق ہو جاتا ہے۔ لیکن دارالعلوم کے قواعد کے مطابق "درجات عربیہ" میں داخلہ کے لئے درج ذیل ابتدائی نصاب کی تکمیل لازمی ہے۔

۱۔ سب سے پہلے قرآن مجید کا کم از کم ناظرہ پڑھا ہونا ضروری ہے۔ قرآن مجید سے قبل بالعموم قاعدہ بغدادی کے نام سے جو قاعدہ مشہور ہے وہ پڑھایا جاتا ہے۔ ناظرہ قرآن مجید کی تحصیل میں کم و بیش دو سال صرف ہوتے ہیں۔ مدت کا تخمینہ ان چھوٹے بچوں کے لئے ہے جو پانچ سال کی عمر میں پڑھنے بیٹھا دیئے گئے ہوں اور متوسط درجے کا ذہن رکھتے ہوں، ورنہ ذی شعور بچے اس سے کم مدت میں بھی قرآن مجید ختم کر لیتے ہیں۔ ازاں بعد حفظ قرآن مجید کی مدت کم و بیش تین سال ہے

۲۔ قرآن مجید کے بعد ابتدائی اردو اور فارسی کی تحصیل بھی ضروری ہے لیکن حفظ قرآن مجید کے بعد جو بچے تجوید و قرآت کی تعلیم حاصل کرنا چاہیں وہ شعبہ تجوید کے نصاب تعلیم کے تحت تجوید و قرات کی مشق کے ساتھ یہ کتابیں پڑھتے ہیں۔ جمال القرآن، معرفتہ الوقوف، فوائد مکیہ، شاطبیہ، رائیہ، طیبہ یہ دو سال کا نصاب ہے۔

۳۔ قرآن مجید ناظرہ و حفظ کے بعد اردو دینیات کا شعبہ ہے، جس میں اردو زبان میں دینیات کی تعلیم کے علاوہ حساب وغیرہ دوسرے مضامین پڑھائے جاتے ہیں۔ اس شعبے کا نصاب چار سالوں پر منقسم ہے۔

۴۔ اردو دینیات کے بعد دوسرا تعلیمی شعبہ فارسی ہے، جس میں فارسی نثر و نظم، حساب، جغرافیہ، ہندی اور عربی صرف نحو کی ابتدائی کتابیں نصاب میں شامل ہیں۔ یہ شعبہ بھی چار درجات پر مشتمل ہے

ابتدائی درجات کے علاوہ مشق و تعلیم کے درجات

علوم عصریہ

اس شعبہ علوم عصریہ میں انگریزی زبان اور دیگر ضروری عصری علوم کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اس شعبے کا نصاب ایک سال پر محیط ہے

مشق افتاء

مشق افتاء کا بھی ایک شعبہ ہے اس کی مدت تعلیم بھی ایک سال ہے

جامعہ طبیہ

دارالعلوم کا ایک تعلیمی شعبہ جامعہ طبیہ بھی ہے جس میں دورہ حدیث سے فارغ شدہ طلباء داخلہ لے سکتے ہیں۔ جامعہ طبیہ کا نصاب تعلیم چار سالوں پر مشتمل ہے اس کے نصاب میں اسلامی طب اور طب یونانی کی کتابوں کے

ساتھ طب جدید کی کتابیں بھی شامل ہیں۔

شعبہ کتابت

دورہ حدیث سے فارغ شدہ طلباء شعبہ کتابت میں بھی داخلہ لے سکتے ہیں اس کی مدت مشق ایک سال ہے۔ نیز درجات عربی کے طلباء دوران تعلیم اپنے خط کی اصلاح کے لئے راہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند کے نصاب کی خصوصیات

تیرھویں صدی کے وسط میں ہندوستان میں علم کے تین مراکز فکر قائم تھے۔ دہلی، لکھنو اور خیر آباد، گو نصاب تعلیم تینوں کا قدرے مشترک تھا تاہم تینوں کے نقطہ ہائے نظر مختلف تھے۔ دہلی میں تفسیر و حدیث پر زیادہ توجہ دی جاتی تھی جسکے لئے شاہ ولی اللہ کا خاندان کتاب و سنت کی نشر و اشاعت اور تعلیم و تدریس میں ہمہ تن مشغول تھا۔ جبکہ انکے نزدیک علوم معقولہ کی حیثیت ثانوی درجے کی تھی۔ لکھنو میں علمائے فرنگی محل پر ماورا النہر کا ساتویں صدی والا قدیم رنگ چھایا ہوا تھا۔ فقہ اور اصول فقہ کو ان کے یہاں سب سے زیادہ اہمیت حاصل تھی، تفسیر میں جلالین و بیضاوی اور حدیث میں صرف مشکوٰۃ المصابیح کافی سمجھی جاتی تھی۔ خیر آبادی مرکز کا علمی موضوع صرف منطق و فلسفہ تھا۔ اور یہ علوم اس قدر اہتمام سے پڑھائے جاتے تھے کہ جملہ علوم کی تعلیم ان کے سامنے ماند پڑ گئی تھی۔ جب تیرھویں صدی کے نصف آخر میں دہلی اور خیر آباد کی علمی مرکزیت ختم ہو گئی تو لکھنو میں ابھی علم کی کچھ روشنی باقی تھی گو ان مقامات کی مرکزیت ختم ہو چکی تھی، تاہم ان تینوں مرکزوں کی مابہ الامتیاز خصوصیات ہندوستان کے مدارس عربیہ میں کم و بیش موجود تھیں۔

دارالعلوم دیوبند نے ان علوم کی عظمت کو نہ صرف یہ کہ باقی رکھا ہے، بلکہ ان کو ترقی دینے میں اس نے ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے نصاب تعلیم میں ان تینوں مقامات کی خصوصیات کو جمع کر دیا گیا ہے، اور ان کے امتزاج سے جو نصاب تیار ہوا ہے، کم و بیش ایک صدی سے وہی بالعموم مدارس عربیہ میں زیر درس ہے، بعض مقامات پر دوسرے جدید نصاب بھی رائج ہیں، ایسے مدارس میں ندوۃ العلماء لکھنو کی حیثیت زیادہ ممتاز ہے مگر یہ نصاب زیادہ عام نہیں ہے۔

نصاب دارالعلوم کی مذکورہ بالا جامعیت کے باوجود جس طرح ہر زمانے میں حالات کے تقاضوں کے مطابق نصاب تعلیم میں تغیر و تبدل ہوتا رہا ہے اسی طرح دارالعلوم کے نصاب میں بھی وقتاً فوقتاً حالات و زمانہ کے تقاضے کے مطابق حذف و اضافہ کیا جاتا رہا ہے جس میں علوم دینیہ کے ساتھ عصری علوم اور معاشی ضرورتوں کا بھی فی الجملہ لحاظ رکھا گیا ہے، اور اسے زیادہ مفید بنانے کی کوشش کی جاتی رہی ہے۔ موجودہ نصاب چار درجات پر مشتمل ہے ابتدائی، متوسط، اعلیٰ اور تکمیل۔ گرچہ درجہ تکمیل لازمی نہیں ہے اگر طالب علم کو مزید کسی خاص موضوع یا فن میں مہارت حاصل کرنا مقصود ہو تو وہ درجہ تکمیل میں داخلہ لے کر مزید اپنی تعلیم

جاری رکھ سکتا ہے۔(۵۵) جیسا کہ اس سے قبل تحریر کیا گیا ہے کہ برصغیر میں قائم دینی مدارس بالعموم اسی دارالعلوم دیوبند کا ثمر ہیں اس کے پس پردہ نصابی خصوصیات کیساتھ کچھ انتظامی خصوصیات بھی ہیں جنہیں اس ادارہ کے بانی مولانا محمد قاسم نانوتوی نے مرتب کیا۔

بانی دارالعلوم کا دستورالعمل

مولانا محمد قاسم نانوتوی (۱۸۳۳ء تا ۱۸۷۹ء) جو اس تعلیمی تحریک کے قافلہ کے سالار اور روح رواں تھے انہوں نے علمی، تعلیمی، تبلیغی، تصنیفی، سیاسی، اور معاشرتی امور میں برصغیر کے مسلمانوں کی گراں قدر خدمات انجام دیں، انہوں نے دینی مدارس خصوصاً دارالعلوم دیوبند کے قیام و بقا کے لئے جو دستورالعمل تجویز کیا ہے۔ اس میں اسلامی دور حکومت کے سابقہ طریق کے برعکس عوامی چندے اور جمہوری طرز اختیار کرنے کی پر زور تلقین کی گئی اس دستورالعمل میں آپ نے دینی مدارس کے قیام کے لئے بنیادی طور پر مندرجہ ذیل اصول ضروری قرار دیئے۔

۱۔ اصل اول یہ ہے کہ تا مقدور کارکنان مدرسہ کی ہمیشہ تکثیر چندہ پر نظر رہے خود کوشش کریں دیگر خیر اندیشان مدرسہ کو بھی یہ بات ہمیشہ ملحوظ رہے۔

۲۔ ابقائے طعام طلبہ بلکہ افزائش طلبہ میں جس طرح ہوسکے خیر اندیشان مدرسہ ہمیشہ ساعی رہیں۔

۳۔ مشیران مدرسہ کو ہمیشہ یہ بات ملحوظ رہے کہ مدرسہ کی خوبی اور خوش اسلوبی ہو اپنی بات کی پچ نہ کی جائے خدانخواستہ جب اس طرح کی نوبت آئے گی کہ اہل مشورہ کو اپنی مخالفت رائے اور اوروں کی رائے کے موافق ہونا ناگوار ہو تو پھر اس مدرسہ کی بنیاد میں تزلزل آجائے گا۔ القصہ تہہ دل سے ہروقت مشورہ نیز اس کی پس و پیش میں اسلوبی مدرسہ ملحوظ رہے سخن پروری نہ ہو اور اس لئے ضروری ہے کہ اہل مشورہ اظہار رائے میں اگر کسی وجہ سے شامل نہ ہوں تو سامعین بہ نیت نیک اس کو سنیں یعنی خیال رہے کہ اگر دوسرے کی بات سمجھ میں آجائے گی تو گرچہ مخالف ہی کیوں نہ ہو بہ دل و جان قبول کریں گے اور اسی وجہ سے یہ ضروری ہے کہ مہتمم امور مشورہ طلب میں اہل مشورہ سے ضرور مشورہ کیا کریں۔ خواہ وہ لوگ ہوں جو ہمیشہ مشیر مدرسہ رہتے ہیں یا کوئی وارد و صادر جو علم و عقل رکھتا ہو اور مدرسوں کا خیر اندیش ہو اور اسی وجہ سے ضروری ہے کہ اگر کسی وجہ سے اہل مشورہ سے مشورے کی نوبت نہ آئے اور بقدر ضرورت اہل مشورہ کی مقدار معتدبہ سے مشورہ کیا گیا ہو تو پھر اس وجہ سے ناخوش نہ ہو کہ مجھ سے کیوں نہ پوچھا، ہاں اگر مہتمم نے کسی سے نہ پوچھا تو پھر اہل مشورہ معترض ہوسکتے ہیں۔

۴۔ یہ بات ضروری ہے کہ مدرسین مدرسہ باہم متفق المشرب ہوں اور مثل علماء روزگار خود بین اور دوسرے کے درپے توہین نہ ہوں خدانخواستہ جب اس کی نوبت آئیگی تو پھر اس مدرسہ کی خیر نہیں۔

۵۔ خواندگی مقررہ اس انداز سے جو پہلے تجویز ہو چکی ہے یا بعد میں کوئی اور انداز مشورہ سے تجویز ہو پوری ہوجایا کرے ورنہ یہ مدرسہ اول تو خوب آباد نہ ہوگا اور اگر ہوگا تو بے فائدہ ہوگا۔

۶۔ اس مدرسہ میں جب تک آمدنی کی کوئی سبیل یقینی نہیں، تب تک یہ مدرسہ انشاء اللہ بشرط توجہ الی اللہ اسی طرح چلے گا اور اگر کوئی آمدنی ایسی یقینی حاصل ہوگی جیسے جاگیر یا کارخانہ تجارت یا کسی امیر محکم القول کا وعدہ تو پھر نظر آتا ہے کہ یہ خوف و رجا جو سرمایہ رجوع الی اللہ ہے ہاتھ سے جاتا رہیگا اور امداد غیبی موقوف ہو جائیگی۔ اور کارکنوں میں باہم نزاع پیدا ہو جائیگا القصہ آمدنی اور تعمیر وغیرہ میں ایک نوع کی بے سروسامانی ملحوظ رہے۔

۷۔ سرکار اور امراء کی زیادہ شرکت اور مالی اعانت بھی مضر معلوم ہوتی ہے۔

وفاق المدارس کے سابق سرپرست مولانا ادریس میرٹھی کے دور میں بھی دیو بندی مدارس کا یہی معمول رہا ہے۔ لیکن بعد میں اس مسئلہ پر نرم پالیسی اپنالی گئی۔ دارالعلوم دیوبند کا اصول تھا کہ حکمرانوں سے امداد نہ لی جائے اس اصول پر دارالعلوم کے منتظمین سختی کے ساتھ قائم رہے۔ اور عوامی چندہ سے ادارہ کو چلاتے رہے حتی کہ مختلف مواقع پر حیدرآباد دکن اور اندراگاندھی کی حکومت کی جانب سے موصول ہونے والے امدادی رقم کے چیک واپس کر دیئے گئے تھے اسی طرح دارالعلوم کورنگی کراچی میں صدر اسلامی جمہوریہ پاکستان ضیاء الحق مرحوم کے بھیجے گئے امدادی چیک بھی واپس کر دیئے گئے تھے۔

۸۔ تا مقدور ایسے لوگوں کا چندہ زیادہ موجب برکت معلوم ہوتا ہے جن کو اپنے چندہ سے امید ناموری نہ ہو بالجملہ حسن نیت اہل چندہ زیادہ پائیداری کا سامان معلوم ہوتا ہے۔ ان اصول ثمانیہ کی نہایت ہی بلیغ تشریح مولانا محمد طیب نے کی ہے جو ایک مستقل پمفلٹ میں بنام آزادی ہند کا خاموش رہنما شائع ہو چکی ہے (۵۶)

فصل پنجم ۔ مسلمان خواتین اور تعلیم و تعلم میں ان کا حصہ

برصغیر میں خواتین کے تعلیمی ادارے

مسلم ہندوستان کی تیسری حکمران سلطان رضیہ بیگم (۶۳۴ھ ۔ ۱۲۴۰ء) تھی ۔ اس نے دہلی میں دو مدرسے " معزیہ " اور " ناصریہ " جاری کئے ۔ گمان غالب یہ ہے کہ اس نے خواتین کے لئے بھی مدرسہ جاری کرایا ہوگا ، اگرچہ اس کی صراحت نہیں ملتی ۔ سلطان محمد شاہ تغلق (۷۵۲ ۔ ۷۲۵ھ ۔ ۱۳۲۵-۵۱ء) کے زمانے میں دہلی میں ایک ہزار مدرسے موجود تھے ۔ ان میں خواتین کے مدرسے بھی شامل تھے ۔ جنوبی ہند میں سفر کے دوران مشہور مراکشی سیاح ابن بطوطہ (۷۷۹ ۔ ۷۰۳ھ ۔ ۱۳۷۷ ۔ ۱۳۰۳ء) نے " ہنور " کی اسلامی ریاست میں لڑکیوں کے تین مدرسوں کا ذکر کیا ہے ۔ (۵۶)

اسی طرح محبوب رضوی کی رائے میں برصغیر کے معروف حکمران فیروز شاہ نے لڑکیوں کے لئے بھی جداگانہ مدارس قائم کئے ، ابن بطوطہ نے جنوبی ہند کے جس مقام " ہنور " (۵۸) کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے اس کے مطابق عورتیں حافظ قرآن مجید ہوتی تھیں اس نے اس شہر میں لڑکیوں کے تیرہ مکاتب دیکھے (۵۵) سلاطین نے شوقیہ صدہا مدرسے تعمیر کرائے اور علمائے و فضلاء کو دور دراز ملکوں سے بلا کر ان کو گراں قدر جاگیریں دیں (۶۰) ڈاکٹر احمد شلبی کہتے ہیں کہ مسلم دور میں لڑکوں کے ساتھ لڑکیوں کے مدرسے بھی سارے ہندوستان میں جاری تھے ۔ مالوہ کے حکمران سلطان غیاث الدین خلجی (۹۰۶ ۔ ۸۷۳ھ ۔ ۱۵۰۰ ۔ ۱۴۶۹ء) کے محل میں دس ہزار کنیزیں تھیں بقول فرشتہ ان میں سے ہزاروں حافظات قرآن ، قاریات قرآن ، عالمات دین اور معلمات تھیں ۔

ابتدائی تعلیم کی صورتیں

لڑکے اور لڑکیوں کی ابتدائی تعلیم یکجا مکتب میں ہوتی تھی جہاں استاد قرآن مجید کی تعلیم دیتا تھا ۔ نو دس سال کی عمر تک لڑکیاں مکتبوں میں جا کر قرآن مجید پڑھتی تھیں ۔ بعض مرتبہ کوئی استانی بھی اپنے گھر پر مکتب کھول لیتی تھی ۔ لڑکیاں وہاں جمع ہو جاتی تھیں اور وہ تعلیم دیتی تھیں جہاں بھی لڑکے شریک درس رہتے تھے ۔ دن میں دو وقتہ تعلیم ہوتی تھی صبح طلوع آفتاب کے بعد سے ۱۱ بجے دن تک ، پھر چھٹی ہو جاتی تھی ظہر کے بعد وہ طالبات پھر جمع ہو جاتی تھیں اور پڑھائی یا آموختہ دہرایا جاتا تھا ۔ عصر کے بعد چھٹی ہو جاتی تھی ۔

خواتین کا مدرسہ

خواتین کے مدرسہ کے لئے جدا عمارت کا پتہ اسلامی تاریخ میں نہیں ملتا ہے ۔ طریقہ یہ تھا کہ کسی آسودہ حال عورت کے گھر پر استانی آجاتی تھی ۔ وہاں محلے کی لڑکیاں جمع ہو جاتی تھیں اور تعلیم جاری ہو جاتی تھی ۔ بعض

دفعہ خود استانی کے گھر پر درس جاری ہو جاتا تھا اور وہاں لڑکیاں جمع ہو جاتی تھیں ۔ یہ لڑکیاں باپردہ ہوتیں ۔ برقعے میں آتی جاتی تھیں ۔ آسودہ حال لڑکیاں ڈولیوں میں آتی تھیں ۔ بعض دفعہ گھر کے قریبی رشتہ داروں کی لڑکیوں کو پڑھانے کے لئے کوئی خاتون آمادہ ہو جاتی تو مدرسہ قائم ہو جاتا۔ بعض دفعہ گھر کے بزرگ مرد اپنی بچیوں کو خود پڑھاتے تھے ۔

سرسید احمد خان نے لڑکیوں کے ایک مدرسہ کا نقشہ اسطرح پیش کیا ہے ۔ مکان میں ایک دالان ہوتا تھا اس میں مکتب تجویز کیا جاتا تھا ۔ جس میں تخت بچھے ہوتے ۔ ان پر نہایت صاف فرش ہوتا ۔ سب لڑکیاں وہاں بیٹھ کر پڑھتی ۔ اور استانی پڑھاتی تھیں ۔ اس گھر کی عورتیں وقتاً فوقتاً اس دالان میں جا کر لڑکیوں اور ان کے پڑھنے کے حالات کی نگرانی کرتی تھیں ۔ کبھی کبھی کوئی رشتہ دار مرد، ان لڑکیوں کا بھائی ، باپ ، نانا یا خالو آکر لڑکیوں کا سبق سنتا تھا ۔ اور کبھی کسی لڑکی کو خود بھی پڑھاتا تھا " ۔ (۶۱)

خواتین کے لئے نصاب تعلیم

ڈاکٹر احمد شبلی لکھتے ہیں کہ لڑکیوں کا نصاب تعلیم لڑکوں کے نصاب سے کافی مختلف تھا ۔ اسلام نے عورت کے لئے اندرون خانہ امور سپرد کرکے عورت اور مرد کے درمیان تقسیم کار کردی ہے ، اس لئے عورت کی تعلیم کا نصاب دین کے فرض حصہ کی تعلیم پر منحصر تھا ۔ تاکہ وہ اپنی انفرادی زندگی اور اپنے دائرہ کار میں منصب خلافت کی تیاریاں کرسکے ۔ دینی تعلیم میں بھی صرف ضروری حصے کی تعلیم دی جاتی تھی ۔ فاضل حصہ پڑھا کر اس کو عالمہ متبحرہ بنانا مقصود نہیں تھا ۔ اس لئے لڑکیوں کا نصاب بہت مختصر اور خالص دینی تھا ۔ معلوماتی اور دنیاوی علوم کی تعلیم اس کے لئے ضروری نہیں تھی ۔ آخری مغل دور میں تو خواتین کو لکھنے کی تعلیم بھی نہیں دی جاتی تھی اس کی خاص وجہ آج تک سمجھ میں نہیں آئی ورنہ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ام المومنین حضرت حفصہ کو لکھنے کی تعلیم دلوائی تھی ۔ باقاعدہ تصریح کے ساتھ لڑکیوں کا نصاب کہیں نہیں ملتا ۔ البتہ مختلف ذرائع سے جو معلومات بہم ہو سکی ہیں وہ یہ ہیں ۔

۱ ۔ تفسیر قرآن مجید ۔ آخری دور میں شاہ عبدالقادر دہلوی کا اردو ترجمہ پڑھایا جاتا تھا ۔

۲ ۔ حدیث ۔ مشکوٰۃ شریف ، حصن حصین ، چہل حدیث ، جو لڑکیاں عربی پڑھنا جانتی تھیں وہ انہیں براہ راست پڑھتی تھیں ورنہ ان کے فارسی اور آخری زمانہ میں اردو ترجمے پڑھائے جاتے تھے ۔

۳ فقہ ۔ مالا بد منہ ۔ نماز ، روزہ کے مسائل وغیرہ ۔

۴ ۔ خواتین کے فرائض ۔ تعلیم النسواں ، تہذیب النسواں ، مفید النساء وغیرہ کتب وہ پہلے فارسی میں تھیں ، بعد میں اردو میں لکھی گئیں شامل نصاب تھیں ۔

۵ ۔ اخبار سلف ۔ قصص الانبیاء ، حکایات الاولیاء ، مثنوی مولانا روم ۔

۶۔ میلاد۔ میلاد شہیدی

۷۔ خوش نویسی ۔ لڑکیوں کو خوش نویسی بھی سکھائی جاتی تھی ۔ عام طور پر گھر کے بزرگ باقاعدہ خوش نویسی کی تعلیم دیتے تھے ۔ پہلے مفرد حروف سکھاتے پھر مرکبات اور آخر میں قطعات کی مشق کراتے تھے ۔ بعض خواتین مشہور کاتبہ گزری ہیں ۔(۶۲)

خواتین کے لئے فنی تعلیم

بچیوں کو "ہنڈ کلیا" کی صورت میں امور خانہ داری کی عملی تربیت دی جاتی تھی ۔ سرسید احمد خان لکھتے ہیں ۔ "جمعہ کا دن نہایت دلچسپ ہوتا تھا سب لڑکیاں بدستور صبح کو آتی تھیں اور سب مل کر چھوٹی چھوٹی پتیلیوں میں مختلف قسم کے کھانے پکاتی تھیں جو ہماری طرف کی زبان میں "ہنڈ کلیا" کہلاتی ہے ۔ ان لڑکیوں میں ایک لڑکی میزبان بنتی باقی سب لڑکیاں انہیں پکایا ہوا کھانا کھلاتی تھیں ۔ غرضیکہ اس طرح ان کو وہ چیزیں جن کا سیکھنا اور جاننا عورتوں کے لئے نہایت ضروری ہوتا ، سکھائی پڑھائی جاتی تھیں اور خاندان کا طور طریقہ سکھایا جاتا تھا" ۔ خواتین کے لئے دستکاری کی تعلیم کا ذکر بھی ملتا ہے فرشتہ کا بیان ہے کہ محمود شاہ خلجی والئی مالوہ نے خواتین کی تعلیم کے لئے دستکاری کے اسکول کھولے تھے جہاں سوزن کاری کلاہ دوزی ، قالین بافی وغیرہ کا کام سکھایا جاتا تھا ۔

خواتین کے لئے اعلیٰ تعلیم

خواتین کے لئے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا ضروری ہے نہ فرض کفایہ ۔ اس لئے کہ اسلام نے معاشرہ میں جو کام عورت کے سپرد کیا ہے اس کی بجا آوری میں اعلیٰ تعلیم چنداں مفید نہیں ۔ اس لئے مسلمان معاشرہ میں خواتین کی اکثریت درجہ ثانوی کے بعد اپنی تعلیم ختم کر دیتی تھی ۔ دینی کتب کا مطالعہ البتہ بعد بھی جاری رہتا تھا اس لئے خواتین کی اعلیٰ تعلیم کے مدارس کا عالم اسلام میں کہیں پتہ نہیں چلتا ۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اعلیٰ تعلیم کا حاصل کرنا عورتوں کے لئے شجر ممنوعہ ہے ، معاشرہ کے اونچے طبقات کی خواتین اکثر اعلیٰ تعلیم حاصل کرتی رہی ہیں ۔ یہ عربی ، فارسی کی فاضلہ اور علوم و فنون کی ماہرہ ہوتی رہی ہیں ۔ مغل حکمران ، دیگر امراء اور نوابین کی مستورات ہمیشہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرتی رہی ہیں ۔ بہر کیف ان کی تعداد بہت قلیل ہوتی تھی ۔ لیکن ایسا دور کبھی نہیں گذرا کہ خواتین علوم و فنون سے بالکل بیگانہ رہی ہوں بلکہ مندرجہ ذیل علوم میں خواتین اکثر دسترس حاصل کرتی رہی ہیں ۔

علم حدیث ۔ بعض خواتین جو عربی جانتی تھیں وہ حسب روایت سرسید احمد خان اشعتہ اللمعات ترجمہ فارسی مشکوٰۃ از شیخ عبد الحق محدث دہلوی کا مطالعہ کرتی تھیں ۔ مولانا شاہ اسمٰعیل شہید نے اپنی بیوہ بہن کو مشکوٰۃ شریف پڑھائی تھی ۔ محمد بشیر سہسوانی محدث کی لڑکی بھی محدثہ تھی ۔

تصوف ۔ بعض خواتین فوائد الفواد ملفوظات نظام الدین محبوب الٰہی ۔ اور مثنوی مولانا روم پڑھتی تھیں ۔ جہاں آرا بیگم (۱۰۲۳ھ ۔ ۱۰۹۰ھ) دختر شاہجہاں بادشاہ نے تو صوفیا کے حالات میں "مونس الارواح" کتاب تالیف کی تھی، جس طرح اس کے بھائی شہزادہ داراشکوہ (۱۰۲۹ھ ۔ ۱۰۵۹ھ) نے صوفیا کے حالات میں "سفینۃ الاولیاء" اور "سکینۃ الاولیاء" تالیف کی تھیں ۔

فقہ ۔ مولوی عبدالاحد ۔ مالک مطبع مجتبائی کی لڑکیاں عالمہ اور شاعرہ تھیں ۔ شیروانی خاندان کی خواتین اکثر عالمہ فاضلہ تھیں ۔

عربی زبان ۔ نواب عماد الملک بلگرامی کی بھتیجی چچا کو عربی زبان میں خط تحریر کرتی تھی ۔ وہ انگریزی زبان بھی جانتی تھی ۔ نواب عزیز اللہ خان کی لڑکی عربی زبان کی شاعرہ تھی ۔

تاریخ ۔ بروایت سرسید احمد خان، ایک لڑکی کم از کم "تزک جہانگیری" پڑھتی تھی ۔

منطق ۔ شرف الملک نواب غوث محمد خان، وزیر اعظم کرناٹک نے منطق اپنی والدہ سے پڑھی تھی ۔

خوش نویسی ۔ کتنی ہی عورتیں خوش نویسی سیکھتی تھیں ۔ مطبع کی ایجاد کے بعد بعض کاپی نویسی سے روزی کماتی تھیں ۔ آج بھی کراچی میں انوری بیگم ایک کاتب ہیں ۔

طب ۔ حکیم عبدالمجید خان دہلوی کی لڑکیاں طبیبہ تھیں ۔ اور باقاعدہ علاج کرتی تھیں ۔

فنون حرب ۔ شاہی خاندان کی خواتین فنون حرب کی تعلیم بھی حاصل کرتی تھیں ۔ ہمایوں بادشاہ جب تنہا بلوچستان کے راستے ایران جا رہا تھا تو اس کی بہن گلبدن بیگم مسلح اس کے ہمراہ تھی ۔ نواب زینت محل بیگم بہادر شاہ ظفر (۱۸۵۷ء ۔ ۱۲۷۳ھ) کی جنگ آزادی میں ایک کمپنی کی کمان دار تھی ۔

دفتری امور کی مہارت ۔ نواب سکندر جہاں بیگم بھوپالی (۱۲۸۵ھ ۔ ۱۸۶۸ء) نے فارسی کی درسی کتابیں "دفتر ابوالفضل" تک پڑھی تھیں ۔ فن حساب اور ہندسہ ازبر تھا ۔ ہر درجہ شکستہ خط بھی آسانی سے پڑھ لیتی تھیں ۔ مقدمات کی باریکی اپنی غور و تامل سے معلوم کر لیتی تھیں ۔

ہمہ جہت فاضلہ خاتون ۔ نواب شاہ جہاں بیگم بھوپال کے سفر کلکتہ ۱۸۷۰ء ۔ ۱۲۸۷ھ کے موقع پر ایک خاتون کی درخواست پیش ہوئی ۔ اس نے اپنا تعارف ان الفاظ میں کرایا تھا "وطن میرا اجڑا شہر دہلی ہے ۔ فدویہ کو علم فارسی، انگریزی، فن شاعری کے علاوہ اور صناعات کے جو اور عورات شہروں کی جانتی ہیں، مہارت تام ہے ۔ حافظ محمد امیر پنجہ کش دہلوی سے خوش نویسی حاصل کی اور حضرت بہادر شاہ سے خطاب "نادر رقم" کا بھی عطا ہوا ۔ تحریر مقدمات بھی مثل منشیوں کے کر سکتی ہے ۔ اور علاج امراض خصوصاً معالجہ عورات میں مداخلت کلی ہے" (۶۳)

اردو ادب ۔ مشہور صاحب طرز ادیب مولانا محمد حسین آزاد (۱۳۲۸ھ ۔ ۱۹۱۰ء) کی لڑکی بڑی فاضلہ اور ادیبہ تھی ۔ آزاد لکھتے ہیں کہ "میری کوئی کتاب ایسی نہیں ہے جس پر نظر ثانی میری لڑکی نے نہ کی ہو" ۔ اس سے اس کی

علمی قابلیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

خواتین کے قائم کردہ تعلیمی ادارے

اشاعت علم اور قیام مدارس سے بھی خواتین کو بہت دلچسپی تھی۔ مدرسہ ماہم انگہ۔ اکبر بادشاہ کی دایہ کی یادگار ہے۔ بہار میں قاضی صغریٰ بیگم نے ایک بہت بڑی جائداد وقف کی جو "صغریٰ وقف اسٹیٹ" کہلاتی ہے۔ کلکتہ کی ایک قابل خاتون صولت النساء بیگم نے مولانا رحمت اللہ مہاجر مکی کی خدمت میں تیس ہزار روپوں کی خطیر رقم پیش کی جس سے انہوں نے حرم شریف میں "مدرسہ صولتیہ" (۱۲۹۱ھ ۱۸۷۴ء) قائم کیا جو آج تک قائم ہے (۶۳) اسی طرح خواتین نے اور بھی بہت سے تعلیمی ادارے قائم کئے جس میں والئ بھوپال وغیرہ کی خدمات قابل ذکر ہیں۔

حواشی و حوالہ جات باب چہارم

۱۔ دینی مدارس کا نظام تعلیم (۵) ص / ۴۰

۲۔ مسلمانوں کا نظام تعلیم ص / ۶۸ بحوالہ، ابو شامہ۔ الروضتین جلد اول ○ ۱۸۶

۳۔ مسلمانوں کا نظام تعلیم ص / ۶۸ بحوالہ المقریزی۔ الخطط جلد دوم ○ ص۔ ۲۰۰۔ ۲۰۲

۴۔ مسلمانوں کا نظام تعلیم ص / ۶۸ بحوالہ کنوز الذہب فی تاریخ حلب، ۱۵۵ الف، قلمی نسخہ ۔۔۔ نمبر ۲-۵

۵۔ مسلمانوں کا نظام تعلیم ص / ۶۸ بحوالہ الذہبی۔ دول الاسلام۔ جلد اول ○ ص۔ ۱۴۱

۶۔ مسلمانوں کا نظام تعلیم ص / ۶۹ بحوالہ المدرسۃ المستنصریہ مصنفہ ناجی معروف ص / ۴۰

۷۔ مسلمانوں کا نظام تعلیم ص / ۶۹

۸۔ تاریخ دارالعلوم دیوبند ج / ۱ ص / ۹۸ لیکن دنیا کی سب سے قدیم یونیورسٹی جامعہ قرویین ہے پھر جامعہ ازہر اس کے بعد دارالعلوم دیوبند کا نام ہے۔

۹۔ تاریخ فرشتہ ج / ۱ ص / ۳۰

۱۰۔ تاریخ فرشتہ ج / ۱ ص / ۳۰

۱۱۔ ایضاً ص / ۳۳

۱۲۔ تاریخ دارالعلوم دیوبند ج / ۱ ص / ۶۵

۱۳۔ طبقات ناصری ص / ۱۴۴/ اور تاریخ دارالعلوم دیوبند ج / ۱ ص / ۶۱

۱۴۔ تاریخ فرشتہ ج / ۲ ص / ۴۰۸

۱۵۔ ایضاً ص / ۲۹۴

۱۶۔ تاریخ دارالعلوم دیوبند ج / ۱ ص / ۱۴۲

۱۷۔ ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں ص / ۴

۱۸۔ رپورٹ قومی کمیٹی برائے دینی مدارس ص / ۳

۱۹۔ صبح اعشی ج / ۵ ص / ۶۹

۲۰۔ رپورٹ قومی کمیٹی برائے دینی مدارس ص / ۵ بحوالہ ہندوستان عہد عالمگیری میں مصنفہ مرزا سمیع اللہ بیگ

۲۱۔ رپورٹ قومی کمیٹی برائے دینی مدارس ص / ۵ بحوالہ منتخب اللباب

۲۲۔ دینی مدارس کا نظام تعلیم (۵) ص / ۱۵۰۔ ۱۵۱

۲۳ ۔ ابتدائی اور ثانوی تعلیم کی تقسیم اسلامی دور میں نہیں تھی ۔ یورپ میں بھی یہ انیسویں صدی میں رائج ہوئی ہے ۔ سب سے پہلے حکومت فرانس نے ۱۸۰۲ میں ابتدائی اور ثانوی مدارس کی تقسیم کو قبول کیا ۔ انگلستان میں اس اصطلاح کو (Matthew Arnold) ڈائریکٹر (۸۸-۱۸۲۲ء) آف پبلک انسٹرکشن نے ۱۸۹۹ء کے بعد مقبول بنایا ہے ۔ انگریزی حکومت نے اس اصطلاح کو ہندوستان میں رائج کیا ۔ بحوالہ ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم ص / ۹۲ ۔ ۹۳

۲۴ ۔ ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم سید محمد سلیم ص / ۹۲ تا ۹۷

۲۵ ۔ الثقافۃ الاسلامیۃ عبدالحی لکھنوی ص / ۱۱

۲۶ ۔ ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں ابوالحسنات ندوی ص / ۹۰ تا ۹۷

۲۷ ۔ ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں ص / ۹۸ تا ۱۰۰

۲۸ ۔ الثقافۃ الاسلامیہ فی الھند ص / ۹ ۔ ۱۰

۲۹ ۔ الثقافۃ الاسلامیہ فی الھند ص / ۱۱

۳۰ ۔ الثقافۃ الاسلامیہ فی الھند ص / ۱۹

۳۱ ۔ الثقافۃ الاسلامیہ فی الھند ص / ۱۸

۳۲ ۔ الثقافۃ الاسلامیہ فی الھند ص / ۱۷

۳۳ ۔ جائزہ مدارس عربیہ پاکستان حافظ نذر احمد ص / ۵۸۵

۳۴ ۔ ماہنامہ جریدہ الاشرف کے مقالہ نگار "سہالی" پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں ۔ درس نظامی ہندوستان کی علمی تاریخ اور علمی زبان کا سب سے زیادہ نمایاں لفظ ہے ۔ سہالی نامی ایک گاؤں (جو لکھنو سے کوئی بتیس میل کے فاصلہ پر ہے اور جس نے آگے چل کر فرنگی محلی کا لقب اختیار کیا) میں ملا نظام الدین نے قیام اختیار فرمایا جو رفتہ رفتہ ایک عظیم مدرسہ اور زندہ کالج کی شکل اختیار کر گیا ۔ ماہنامہ جریدہ الاشرف کراچی ص / ۹۳ نصاب و نظام تعلیم نمبر حصہ دوئم جولائی ۱۹۹۴ ۔

۳۵ ۔ ہمارا تعلیمی نظام مولانا تقی عثمانی ص / ۷۰

۳۶ ۔ جائزہ مدارس عربیہ پاکستان ص / ۵۸۵ اور ماہنامہ جریدہ الاشرف کراچی ص / ۹۳ ۔ ۹۴ نصاب و نظام تعلیم نمبر حصہ دوم جولائی ۱۹۹۴ ۔

۳۷ ۔ ہمارا تعلیمی نظام مولانا تقی عثمانی ص / ۷۰ تا ۷۴ اور جائزہ مدارس عربیہ حافظ نذر احمد ص / ۵۸۷ تا ۵۹۴

۳۸ ۔ جائزہ مدارس عربیہ ص / ۵۹۷

۳۹ ۔ ہندو پاکستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت ص / ۱۱۳ ۔ ۱۱۴ ۔

۴۰ ۔ جائزہ مدارس عربیہ پاکستان ص / ۵۹۷ ۔ ۵۹۸

۴۱ ۔ جائزہ مدارس عربیہ پاکستان ص / ۵۹۸ ۔ ۵۹۹

۴۲ ۔ ہندو پاکستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت ۔ پروفیسر سید محمد سلیم ص / ۱۱۲ ۔ ۱۱۳ بحوالہ باغی ہندو پاکستان میں ص / ۱۸۷

۴۳ ۔ رپورٹ قومی کمیٹی برائے دینی مدارس ص / ۳۷ ۔ ۳۸

۴۴ ۔ جائزہ مدارس عربیہ پاکستان ص ○ ۵۹۹ ۔

۴۵ ۔ ہندو پاکستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت ص / ۱۱۵

۴۶ ۔ مقالات شبلی ص / ۱۰۰

۴۷ ۔ ماہنامہ جریدہ الاشرف کراچی ص / ۹۳ جولائی ۱۹۹۳ ۔

۴۸ ۔ حدیث کی مندرجہ ذیل کتب کو صحاح ستہ (چھ صحیح کتابیں) کہتے ہیں ۔ صحیح امام بخاری ، صحیح مسلم ، سنن ابی داؤد ، سنن ترمذی ، سنن ابن ماجہ اور سنن نسائی

۴۹ ۔ ہندو پاکستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت ص / ۲۵۴-۲۵۵

۵۰ ۔ دینی مدارس کا نظام تعلیم (۵) ص / ۱۳۰ ۔ ۱۳۱

۵۱ ۔ Our Indian Musalmans by Hunter P.145

۵۲ ۔ دینی مدارس کا نظام تعلیم (۵) ص / ۱۳۱

۵۳ ۔ دینی مدارس کا نظام تعلیم (۵) ص / ۱۳۲ ۔ ۱۳۳

۵۴ ۔ ہمارا تعلیمی نظام ص / ۶۵ ۔ تا ۷۷

۵۵ ۔ تاریخ دارالعلوم دیوبند ج / ۲ ص / ۲۴۰ تا ۲۴۷ اور ۲۶۸ تا ۲۹۵

۵۶ ۔ ماہنامہ الرشید دارالعلوم دیوبند نمبر ص / ۲۹۳ تا ۳۰۴ اور تاریخ دارالعلوم دیوبند ج ○ ص ○ ۱۵۲ تا ۱۵۳ اور History of the Freedom Monement in India P. 383

۵۷ ۔ ہند و پاکستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت ص / ۱۳۳

۵۸ ۔ ہنور مہاراشٹر کا ایک علاقہ ہے ۔

۵۹ سفر نامہ ابن بطوطہ مطبوعہ نفیس اکیڈمی ص / ۴۰۲

۶۰ ۔ تاریخ دارالعلوم دیوبند ج / ۱ ص / ۶۴

۹۱ ۔ ہندو پاکستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت ص / ۱۳۴

۹۲ ۔ ایضاً ص / ۱۳۵ ۔ ۱۳۶

۹۳ ۔ ہندو پاکستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت ص / ۱۳۷ بحوالہ مسلم خواتین کی تعلیم مصنفہ محمد امین زبیری ص / ۵۹

۹۴ ۔ ہندو پاکستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت ص / ۱۳۰

باب پنجم: دینی مدارس ، بورڈ اور نظام امتحانات

فصل اول: کراچی کے دینی مدارس کا قیام و انتظام

کراچی

آج کراچی دنیا کا بارھواں بڑا بین الاقوامی شہر سمجھا جاتا ہے ۔ کبھی یہ مچھیروں کی ایک بستی تھی جو مائی کلاچی کہلاتی تھی ، رفتہ رفتہ کراچی کا روپ دھار گئی ۔(۱) کراچی صوبہ سندھ کا صدر مقام ہونے کے ساتھ ۱۹۶۰ء تک پاکستان کا دارالحکومت بھی تھا۔ اس کے شمال مشرق میں ٹھٹھہ اور جنوب میں بحیرہ عرب واقع ہے ۔ (۲) ایک قول کے مطابق اس شہر کی بنیاد ۱۷۲۹ء میں رکھی گئی ۔ (۳) دوسرا قول ڈاکٹر ولیم وینسنٹ کا ہے ، جو کراچی کو ۲۳۰۰ برس پرانی بستی (۴) اور اس کی بندرگاہ کا نام WOMEN'S HARBOUR قرار دیتے ہیں ، اس لئے کہ یہاں پہلی حکمران ایک عورت تھی ۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ۳۲۶ ق م میں سکندر اعظم کے کمانڈر نیارکس (Nearchus) کے بحری بیڑے نے اسی کے ساحل پر قیام کیا تھا۔(۵) بعض مؤرخین نے اس شہر کا نام کروچی ٹاؤن اور کراشی بھی لکھا ہے ۔ (۶) ۱۸۰۸ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے تجارت کے بہانے اس بندرگاہ سے داخل ہونے کے بعد (۷) ۱۸۳۹ء میں اس پر مکمل قبضہ کر لیا ۔ (۸) جو بالآخر ۱۹۴۷ء میں قیام پاکستان کے ذریعہ انگریزوں کے قبضہ سے آزاد ہوا ۔ (۹)

کراچی کے تعلیمی ادارے

۱۹۴۷ء تک کراچی میں دو قسم کے اسکول قائم تھے ۔ ایک انگریزی نصاب والے اور دوسرے بمبئی بورڈ کے تحت چلنے والے ۔ جبکہ مؤخر الذکر صرف گیارہ اسکول کام کر رہے تھے (۱۰) البتہ مسلم تشخص رکھنے والے اسکول اپنی جداگانہ حیثیت رکھتے تھے ۔ جنہیں انکے ناموں سے بھی پہچانا جاسکتا تھا ، جیسے محمڈن اسکول ، عریبک اسکول اور سندھ مدرسۃ الاسلام وغیرہ مجموعی طور پر ۱۸۸۵ء سے ۱۹۴۷ء تک کراچی میں ۱۳۱ سرکاری اور پرائیویٹ اسکول قائم ہو چکے تھے ۔(۱۱)

جن دنوں کراچی سندھ کا حصہ اور بمبئی سے منسلک تھا ، تو اس وقت بھی کراچی کو کئی طرح سے بنیادی اہمیت حاصل تھی ۔ الغرض یہاں اسلام کی آمد کے ساتھ ہی مساجد اور ان کے ساتھ مکاتب کے قیام کا سلسلہ شروع ہو گیا ۔ البتہ باقاعدہ دینی مدارس کا تذکرہ نہیں ملتا ، سوائے ایک بنیادی اسلامی تعلیم کے مدرسے کے ، جسے مولانا محمد صادق نے قائم کیا تھا ۔ یہ مدرسہ دارالعلوم دیوبند کی مدارس کے قیام کی تحریک کا نتیجہ تھا ۔ اس

مدرسہ کا تعلیمی معیار اتنا اعلیٰ تھا کہ یہاں سے ابتدائی تعلیم مکمل کرنے والے طلباء کو دارالعلوم دیوبند اور دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں اگلے درجوں میں حصول تعلیم کے لئے داخلہ مل جاتا تھا۔ مولانا خیر محمد ندوی اس مدرسہ کے نامور عالم تھے۔ طلباء یہاں سے ابتدائی اسلامی تعلیم حاصل کر کے اندرون سندھ قائم دینی مدارس میں حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کیلئے بھی سفر اختیار کرتے تھے۔ البتہ ابتدائی اسلامی تعلیم اور حفظ و ناظرہ قرآن حکیم کے معمولی مکاتب تقریباً اس وقت کی تمام اہم مساجد میں موجود تھے۔

دارالعلوم دیوبند سے دینی مدارس کے قیام کی جو تحریک اٹھی وہ آہستہ آہستہ پورے برصغیر میں پھیل گئی ۱۸۵۷ء کی جدوجہد آزادی میں ناکامی کے بعد یہی دینی مدارس اسلامی تعلیمات کی ترویج و اشاعت کیلئے مایوسی کی شب تاریک میں امید کی شعاع بنے۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ بعد علمائے دین اور علم دوست احباب کی محنت سے قائم کی جانے والی ان اسلامی تعلیم گاہوں نے تعلیم کی اشاعت کا کام شروع کر دیا۔ جن کے سبب انیسویں صدی عیسوی کے اختتام سے قبل دارالعلوم دیوبند، مدرسہ مظاہر الاسلام سہارنپور، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ اور انکے علاوہ بیسیوں چھوٹے بڑے دینی مدارس برصغیر کے چھوٹے اور بڑے شہروں میں قائم ہو گئے۔ جن سے ہزاروں طلباء دین کی تعلیم پاکر اسلامی تعلیمات کی نشرواشاعت میں لگ گئے۔ جنہوں نے مسلمانوں کو اسلام سے نہ صرف وابستہ بلکہ ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیل کر اپنے مواعظ سے ان کے دلوں کو اسلام کی محبت سے لبریز کر کے انہیں حوصلہ، ہمت اور عزیمت عطا کی۔

قیام پاکستان کے بعد بھارت سے آنے والوں میں ایک بڑی تعداد علماء کی بھی تھی۔ ان سب کے اسما کا ذکر اس جگہ باعث طوالت ہوگا لیکن ان میں سے چند کے نام لینے میں کوئی حرج بھی نہیں ہے، کیونکہ یہ رجال تاریخ ہیں۔ ان کے ساتھ بعض مقامی علماء کا بھی ذکر ضروری ہے کہ ان کی علمی اور دینی خدمات پاکستان کے لئے ناقابل فراموش ہیں، جنہیں پاکستان کی علمی و دینی تاریخ لکھنے والا قلم انداز نہیں کر سکتا، جیسے مولانا شبیر احمد عثمانی، شارح صحیح مسلم۔ سید سلیمان ندوی، مؤلف سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ مولانا مفتی محمد شفیع، بانی دارالعلوم کورنگی، کراچی۔ مفتی محمد حسن، بانی جامعہ اشرفیہ، لاہور۔ مولانا خیر محمد، بانی خیر المدارس، ملتان۔ مولانا بدر عالم، میرٹھی، مدنی مؤلف فیض الباری شرح صحیح بخاری۔ مولانا ادریس کاندھلوی، شارح مشکوٰۃ المصابیح و استاد الحدیث، جامعہ اشرفیہ لاہور۔ مولانا محمد یوسف بنوری، بانی جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن، کراچی

مولانا ظفر احمد عثمانی، استاد الحدیث، دارالعلوم ٹنڈوالہ یار، سندھ۔ مولانا عبدالرشید نعمانی استاد حدیث جامعہ علوم اسلامیہ، بنوری ٹاؤن، کراچی۔ مولانا مفتی سیاح الدین، کاکا خیل، مفتی زین العابدین فیصل آباد،

مولانا بادشاہ گل، دارالعلوم اکوڑہ خٹک ۔ مولانا گلزار احمد مظاہری ناظم اعلیٰ اتحاد العلماء لاہور۔ ان علماء کے علاوہ سینکڑوں دیگر علماء، مدرسین اور مفتیان نے پاکستان کے طول و عرض میں علوم دینیہ کی نشر و اشاعت کے لئے مدارس اور دینی ادارے قائم کئے ۔ انہی کی مساعی اور جدوجہد کی بدولت آج بھی قال اللہ تعالیٰ وقال الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صدا بلند ہورہی ہے ۔ مذکورہ بالا علماء کی اولاد میں سے اکثر انکے جانشین ہیں جو اپنے آباء کی جگہ پر اسلامی تعلیم کے فروغ کیلئے کام کررہے ہیں ۔

انہی کی بدولت ۱۹۴۷ء کے بعد پاکستان میں بے شمار چھوٹے اور بڑے دینی مدارس قائم ہوئے ، جس سے دینی علوم کا تسلسل قائم ہے ۔ پاکستان اور ہندوستان کی اسلامی تاریخ کا مطالعہ کرنے والے اس اعتراف پر مجبور ہیں کہ یہ دینی مدارس تاریخ ساز عمل سرانجام دیتے رہے ہیں ۔ انہی علماء، مدرسین، صلحاء اور مشائخ کی مساعی سے مسلمانوں کا اجتماعی مزاج دینی ہے ۔(۱۲)

مولانا تقی عثمانی ان مدارس میں جاری نصاب تعلیم پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ دین اسلام سے محبت رکھنے والے اہل علم نے برصغیر ہند کی انگریز سامراج کے چنگل سے آزادی کے بعد کوشش کی کہ اس آزاد اسلامی فلاحی مملکت میں قدیم و جدید دونوں نظامہائے تعلیم کو یکجا کر کے خالص دینی بنیادوں پر ایک ایسا نظام تعلیم مرتب کر کے رائج کیا جاسکے جس میں دین و دنیا، دونوں کے علوم متناسب مقدار میں جمع ہوجائیں ۔ لیکن دینی مدارس کی حالت قیام پاکستان کے بعد علماء کی توقع کے برخلاف رہی بلکہ یہ نظام تعلیم جدید بحرانوں اور شدید اقتصادی مشکلات میں گھر گیا ۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اب تک یہ نوبت نہیں آئی کہ پاکستان کے علماء متحد ہوکر جدید و قدیم نظام تعلیم کو یکجا کر کے ایک متفقہ جدید اسلامی نظام تعلیم ترتیب دے سکیں ۔ چنانچہ دینی مدارس میں آج بھی وہی نظام تعلیم معمولی تغیر کیساتھ رائج ہے جو ہندوستان میں مسلمانوں کے ہاں رائج چلا آرہا تھا ۔

یہی وجہ ہے کہ پاکستان میں آج بھی دو متوازی نظام تعلیم رائج ہیں ۔ ایک تو وہ نظام ہے جو سرکاری اسکولوں ، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں رائج ہے ۔ جس میں دین کی تھوڑی بہت بنیادی تعلیمات کے ساتھ دراصل جدید علوم کی تعلیم دیجاتی ہے اور دوسرا تعلیمی نظام ان قدیم طرز کے دینی مدارس میں جاری ہے جس میں معمولی ترمیمات کے ساتھ درس نظامی ہی پڑھایا جاتا ہے ۔(۱۳)

اسی طرح دینی مدارس کی مالیات اور اخراجات کے بارے میں ، قم طراز ہیں کہ عمومی طور پر دینی مدارس کے تمام تر اخراجات مسلمانوں کے عطیات وغیرہ سے پورے کئے جاتے ہیں ۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ حکومت کی طرف سے کسی قسم کا مالی تعاون بوجوہ قبول نہیں کیا جاتا ۔ ۱۳۹۲ھ کے اعداد و شمار کے مطابق ان

مدارس کے ایک سال کے مجموعی اخراجات کا تخمینہ (۸۱،۵۷،۶۰۶) اکیاسی لاکھ ستاون ہزار سات سو چھ روپے کے لگ بھگ تھا۔ حیران کن بات یہ ہے کہ ان مصارف کو طلباء کی کل تعداد میں تقسیم کیا جائے تو ایک طالب علم پر تعلیمی اخراجات صرف ایک سو اسی روپے سالانہ بنتے ہیں۔ اور اس قدر قلیل مقدار میں گزارہ کرنا انسانی عقل کو حیرت زدہ کر دیتا ہے اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ دینی مدارس کے اساتذہ اور طلباء نے زندگی کے ہر شعبہ میں سادگی کو اپنا رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ قلیل آمدنی پر ہی قناعت کر لیتے ہیں لیکن توسیع دنیوی کے پیچھے اپنی صلاحیتوں کو برباد نہیں ہونے دیتے۔(۴)

پاکستان میں دینی مدارس کے قیام کا پس منظر

مدرسہ اقوام کے عروج و زوال کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ اس کی وسعت و ترقی قوم کی ترقی و عروج کا سبب بنتی ہے۔ جبکہ اس کا تنزل قوم کے تنزل کی نشان دہی کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سربلندی کی خواہاں اقوام اپنے تعلیمی اداروں کی تعلیمی خدمات اور علمی کارناموں پر فخر کرتی ہیں۔ کیونکہ ان درسگاہوں کے فارغ التحصیل ملک و ملت کی تعمیر و ترقی میں اپنا نام پیدا کرتے ہیں۔ ایسے دینی و علمی مراکز میں جامعہ ازہر، مصر۔ مدرسہ نظامیہ، بغداد کو نمایندہ مدارس کے طور پر پیش کرکے فخر کیا جاتا ہے جنہوں نے علماء و عوام کی اصلاح و تعمیر میں نمایاں خدمات سرانجام دی ہیں۔ اسی طرز پر اس وقت بھی پاکستان کے طول و عرض میں ہزاروں مدارس موجود ہیں جو اپنی استطاعت و بساط کے مطابق اشاعت تعلیم دین اور اصلاح المسلمین کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔ جن میں سے بیشتر کی کڑیاں فکری طور پر دارالعلوم دیو بند سے ملتی ہیں۔(۵)

دارالعلوم دیو بند کے قیام کے بعد پہلے دن سے ہی فروغ و الحاق مدارس کی ایک عالمگیر تحریک چلائی گئی جس کے نتیجے میں فارغ ہونے والے علماء اسلامی فریضہ کی ادائیگی کیلئے اپنے اپنے علاقوں میں مدارس قائم کرنے لگے۔ جن کی مدد کے لئے مرکز سے اساتذہ بھیج کر ان کی تنظیمی راہنمائی بھی کی جاتی رہی، حتیٰ کہ یہ سلسلہ نیپال، سری لنکا، بنگلہ دیش، افغانستان اور افریقہ کے ممالک تک پھیل گیا۔ جب شیخ الہند محمود الحسن نے ریشمی رومال سے تحریک آزادی کا آغاز کیا تو مولانا عبیداللہ سندھی اور دیگر علماء، ان کے دست راست بنے جنہوں نے اس سلسلہ میں معاونت کی۔(۶)

قیام پاکستان کی جدوجہد میں شریک علماء۔ مثلاً علامہ شبیر احمد عثمانی، ظفر احمد عثمانی، مفتی محمد شفیع اور دیگر علماء نے ملکی ترقی اور معاشرتی تعمیر میں حصہ لینے کے ساتھ مدارس بھی قائم کئے۔ اس طرح دیگر مسالک کے مدارس بھی وجود میں آتے چلے گئے لیکن حقیقت یہ ہے کہ انگریز نے نکلتے نکلتے بھی مسلمانوں کے لئے جو جال پھیلائے اور انہیں ذہنی طور پر اپنی غلامی میں جکڑے رہنے کے لئے جو ہتھکنڈے اور منصوبے تیار کئے۔ ان میں سے ایک منصوبہ لارڈ میکالے کے نظام تعلیم کو برقرار رکھنا بھی تھا۔ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ کسی قوم یا

تحریک کے عروج و زوال میں اہم کردار نظام تعلیم کا ہوتا ہے۔ نئی نسل جس نظام میں نشو و نما پائے گی بڑے ہو کر اسی نظام کے تحت ملک کا نظم و نسق چلائے گی۔ انگریز کی یہ خواہش پوری ہوئی کہ نئی نسل نے لارڈ میکالے کے نظام تعلیم میں پرورش پائی اور بظاہر تو مسلمان رہے لیکن ان کا ذہن، دماغ اور فکر انگریزوں والی رہی۔ حالانکہ پاکستان کے حصول ، عرصہ میں کئی دینی ادارے اپنی استطاعت اور بساط کے مطابق انگریز کے چھوڑے ہوئے اس نظام کا مقابلہ کرتے رہے لیکن انگریز کے کارندوں کے لئے یہ بات قابل برداشت نہیں تھی اس لئے وہ آئے دن ان خالص دینی تعلیمی اداروں کے خلاف انگریز کی سنگ دلی کا ثبوت دیتے ہوئے سازشیں کرتے رہے۔ (۱۶)

دینی مدارس کا قیام

دینی مدارس کے قیام کا طریقہ کار سرکاری اسکول ، کالج اور یونیورسٹی قائم کرنے سے مختلف ہوتا ہے ، کیونکہ سرکاری تعلیمی اداروں کے قیام کے لئے منصوبہ بندی اور متعلقہ امور کے لئے محکمہ جاتی منظوری بنیادی اہمیت کی حامل ہوتی ہے ، اس کے بعد ہی قیام کے دیگر مراحل طے کرتے ہوئے مقصد کے حصول پر توجہ مرکوز کی جاتی ہے ، جبکہ دینی مدارس کے قیام میں محکمہ جاتی پابندی اور کسی قسم کی اجازت کی ضرورت درپیش نہیں ہوتی اس لئے کوئی بھی فرد ، ادارہ یا جماعت اپنی صوابدید کے مطابق کسی جگہ کسی بھی درجہ کا مدرسہ قائم کر سکتی ہے۔

دینی مدارس کو قائم کرنے والے اکثر افراد ، علم دوست ، عالم ، فاضل اور علمی و مذہبی خاندان سے تعلق رکھنے والے ہوتے ہیں ، لیکن مذہبی و سیاسی تحریکات سے وابستہ اور معاشرے میں مذہبی و سماجی حیثیت سے ممتاز و قائدانہ صلاحیتوں سے متصف افراد ہی اس میدان میں زیادہ کامیاب ٹھہرتے ہیں۔ جیسے دارالعلوم ، کورنگی ، کراچی۔ مفتی محمد شفیع نے قائم کیا ، اب ان کے بیٹے مولانا محمد رفیع عثمانی اور مولانا جسٹس محمد تقی عثمانی اسکا انتظام چلا رہے ہیں۔ (۱۸) اسی طرح مولانا عبداللہ درخواستی کے بیٹے مولانا فداء الرحمن درخواستی نے مدرسہ انوار القرآن ، فیڈرل بی ایریا ، کراچی۔ قائم کیا (۱۹) اس ضمن میں دیگر بھی کئی مثالیں دی جا سکتی ہیں جیسے جامعہ علوم اسلامیہ ، بنوری ٹاؤن ، کراچی۔ مولانا محمد یوسف بنوری نے قائم کیا ، اب ان کے داماد ، مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار رئیس الجامعہ اور بیٹے سید بنوری نائب رئیس الجامعہ ہیں۔ جامعہ فاروقیہ ، شاہ فیصل کالونی ، کراچی۔ مولانا سلیم اللہ خان نے قائم کیا ، اب ان کے بیٹے مولانا ڈاکٹر محمد عادل خان اپنے والد کے ساتھ مدرسہ کی نظامت سنبھالے ہوئے ہیں۔ (۲۰)

اسی طرح الجامعۃ العربیہ احسن العلوم ، ٹرسٹ ، بلاک ۲ ، گلشن اقبال ، کراچی۔ مولانا زرولی خان نے

قائم کیا ۔ (۲۱) جامعہ بنوریہ ، سائٹ ، کراچی ۔ مولانا محمد یوسف بنوری کی نسبت سے مفتی محمد نعیم نے شروع کیا ہے ۔ (۲۲) مدرسہ معارف القرآن ، پیراڈائز ہوم ، ابوالحسن اصفہانی روڈ ، کراچی ۔ مولانا محمد یوسف لدھیانوی کی سرپرستی میں مولانا سرفراز احمد نے قائم کیا ہے ۔ (۲۳) جامعہ دارالحدیث رحمانیہ ، سولجر بازار ، کراچی ۔ مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی کے نام سے موسوم ہے ۔ (۲۴) دارالعلوم نعیمیہ ، بلاک نمبر ۱۵ ، گلستان مصطفیٰ ، فیڈرل ۔ بی ایریا ، کراچی ۔ مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی سے منسوب ہے ۔ (۲۵) جامعہ حمادیہ ، شاہ فیصل کالونی ، نمبر ۲ ، کراچی ۔ مولانا حماد اللہ ہالیجوی سے منسوب ہے ۔ (۲۶)

دینی مدارس کے متعلق یہ بات معروف ہے کہ یہ نجی طور پر قائم کرکے عوام الناس کے چندے سے چلائے جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ انتظامیہ کی توجہ تعلیمی ترقی کے ساتھ آغاز مدرسہ سے ہی اپنے مالی وسائل کو وسعت دینے پر مرکوز رہتی ہے ۔ دینی مدارس میں تدریس ، ابجد سے شروع ہو کر علوم عربی و اسلامی کے اعلیٰ ترین مدارج تک جاری رہتی ہے ۔ ان مدارس میں طلباء کی تعلیم و تربیت کے ساتھ ان کے طعام و قیام کا بندوبست بھی کیا جاتا ہے لیکن طلباء سے کسی قسم کی کوئی فیس وصول نہیں کی جاتی ، جیسے ہی طلباء کی تعداد میں اضافہ ہوتا ہے انتظامیہ ان کے لئے وسائل بھی بڑھانے کی کوشش میں لگ جاتی ہے ۔ یہ ایک وقت طلب اور مسلسل عمل ہے ۔ اگر وسائل میں کمی ہونے لگے تو مدارس کا انتظام چلانا بہت کٹھن ہو جاتا ہے ۔ بعض دینی مدارس ارتقائی منازل طے کرنے کے لئے متوقع وسائل کے تحت آگے بڑھتے ہیں ، جبکہ کچھ مدارس منصوبہ بندی کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے ۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ عمومی طور پر جب مدرسہ کے قیام کا ارادہ کیا جاتا ہے تو اولاً اس کے پیچھے کسی فرد واحد ، چند افراد یا کسی ادارے کی طرف سے وسائل کی فراہمی کی یقین دہانی کارفرما ہوتی ہے ، کبھی توکل علی اللہ کی بنیاد پر بھی مدرسہ کا قیام عمل میں آتا ہے ۔ اس دوسری صورت میں دینی مدارس کئی مراحل میں ایک طویل عرصہ بعد ترقی کا عمل مسلسل جاری رکھتے ہوئے تکمیل کی منزل تک پہنچتے ہیں ۔ کیونکہ یہ مدارس اہل خیر کے غیر متوقع تعاون سے چلتے ہیں ، لہذا ان کے لئے ابتداء میں حتمی منصوبہ اور اہداف کا تعین دشوار ہوتا ہے ۔ نیز فراہمی وسائل کے لئے متعدد اقدامات لینے ہوتے ہیں ، یوں ایک مدرسہ وقت کے ساتھ ترقی کے مدارج طے کرتا جاتا ہے ، اس کے نظم و نسق میں بہتری بھی بتدریج ہوتی ہے ۔ آجکل ٹرسٹ کے ذریعے مدرسے کو قانونی تحفظ بھی دیا جاتا ہے اور انہیں حکومت سے رجسٹرڈ بھی کرایا جاتا ہے کیونکہ رجسٹرڈ مدارس حکومت سے گرانٹ بھی حاصل کرسکتے ہیں نیز ایک مکمل مدرسہ کی شرائط پوری کرنے کے بعد یہ اپنے مسلک کے بورڈ (وفاق) سے الحاق کرلیتے ہیں ۔ (۲۷)

دینی مدرسہ کا انتظامی ڈھانچہ

دینی مدارس عموماً ابتداء میں چھوٹے پیمانے پر تعلیم و تدریس کا کام شروع کرتے ہیں، پھر آہستہ آہستہ بڑھتی ہوئی ضرورت کے تحت انتظام چلانے والوں کا دائرہ وسیع ہو جانے سے مدرسہ کی انتظامیہ میں وسعت پیدا ہو جاتی ہیں۔ ایک مکمل دینی مدرسہ کو مؤثر طور پر چلانے کے لئے عموماً درج ذیل تین بڑی مجالس ہوتی ہیں۔ ہم نے ماڈل دینی مدرسہ کے طور پر دارالعلوم، کورنگی، کراچی کا انتخاب کیا ہے۔ اس دارالعلوم میں حسب ذیل مجالس قائم ہیں۔ (۲۸)

i ۔ مجلس شوریٰ

ii ۔ مجلس عاملہ

iii ۔ مجلس علمیہ

مجلس شوریٰ

مجلس شوریٰ مدرسہ کی سب سے اہم اور بااختیار مجلس ہوتی ہے، مدرسہ کا نظم و نسق اسی مجلس کے اراکین کے اختیار میں ہوتا ہے۔ منصوبہ بندی، انتظام و انصرام اور تعلیم و تعلم کے سلسلے میں اس مجلس کی تمام تجاویز اور فیصلے واجب العمل ہوتے ہیں البتہ مختلف مدارس میں ان مجالس کے ارکان کی تعداد مختلف ہوتی ہے۔ ارکان شوریٰ کی اکثریت علماء و فضلاء پر مشتمل ہوتی ہے۔ لیکن کچھ ارکان دین سے محبت رکھنے والے، علم دوست حلقوں سے متعلق اور اہل ثروت بھی لئے جاتے ہیں۔ مہتمم مدرسہ اور صدر مدرس بحیثیت عہدہ مجلس شوریٰ کے رکن ہوتے ہیں۔ اس مجلس کے سال میں دو مرتبہ اجلاس منعقد ہوتے ہیں اور اس کا کورم ۳/۱ مقرر ہوتا ہے۔

مجلس عاملہ

یہ مجلس شوریٰ کے تحت ایک ذیلی مجلس ہوتی ہیں۔ جو مجلس شوریٰ کے فیصلوں اور منظور کردہ تجاویز پر عمل درآمد کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ مدرسہ کا نظم و نسق، تعلیم اور دیگر شعبوں کی کارکردگی اور حسابات کی نگرانی بھی اس کے سپرد ہوتی ہے۔ اس مجلس کے ارکان کی تعداد مجلس شوریٰ سے کم ہوتی ہیں، مہتمم اور صدر مدرس با اعتبار عہدہ اس کے مستقل رکن ہوتے ہیں، بقیہ ارکان کا انتخاب ایک سال کے لئے ہوتا ہے۔ اسکے سال میں چار مرتبہ اجلاس منعقد ہوتے ہیں۔ اس مجلس کا کورم ارکان کی نصف تعداد ہوتا ہے۔

مجلس علمیہ

یہ مجلس مدرسہ کے تمام تعلیمی شعبہ جات کے صدور، صدر مدرس، مہتمم مدرسہ اور چند دیگر ارکان پر

مشتمل ہوتی ہے ۔ اس مجلس کا تعلق تعلیمی نظم ونسق ، مدرسہ کی ترقی ، اصلاح ، منصوبہ بندی ، دستور العمل ، نصاب کی ترتیب و تدوین وغیرہ جیسے اہم امور سے ہوتا ہے ۔ لیکن تمام معاملات میں ناظم مدرسہ کی منظوری اور مدرسہ کی پالیسی کو مد نظر رکھا جاتا ہے ۔ مہتمم عام طور پر عالم دین ، مدرس ، تجربہ کار منتظم اور قائدانہ صلاحیتوں سے متصف ہوتے ہیں ۔ مدرسہ کی تنظیم و ترقی انہی کی مرہون منت ہوتی ہے ۔ بعض بڑے مدارس میں مہتمم کے ساتھ ناظمین بھی معاون کار ہوتے ہیں ۔

دینی مدرسہ کے انتظامی عہدے

مدرسہ کا انتظام عموماً دو طرح کی انتظامیہ کے تحت ہوتا ہے ۔ انتظامیہ عاملہ اور انتظامیہ داخلیہ ۔ (۲۵)

انتظامیہ عاملہ:

اسکے تحت درج ذیل عہدیدار ہوتے ہیں ۔

I ۔ سرپرست

II ۔ مہتمم

III ۔ نائب مہتمم

IV ۔ ناظم عمومی

V ۔ ارکان عاملہ

VI ۔ خازن

انتظامیہ داخلیہ (غیر عاملہ):

اس انتظامیہ کے تحت درج ذیل ناظمین و عہدیداران ہوتے ہیں ۔

I ۔ صدر مدرس

II ۔ ناظم تعلیمات

III ۔ ناظم تکرار

IV ۔ ناظم کتب خانہ

V ۔ ناظم دارالاقامہ

VI ۔ ناظم صلوۃ

VII ۔ ناظم تعمیرات

VIII ۔ ناظم مطبخ (باورچی خانہ)

IX ۔ محاسب (کیشیئر)

X ۔ ناظم دفتر

XI ۔ ناظم بیرونی امور

دینی مدرسہ کے انتظامی شعبہ جات

شعبہ دارالتربیت:

کراچی کے بڑے مدارس میں ایک الگ شعبہ کے تحت کم سن طلباء کے قیام و طعام، ورزش، کھیل کود، اخلاقی تربیت اور ہمہ قسم کی نگرانی کا کام کسی سن رسیدہ، تجربہ کار اور بچوں کی نفسیات سمجھنے والے استاد کے سپرد ہوتا ہے۔ یہ شعبہ دارالعلوم، کورنگی، کراچی میں ایک مثالی شکل میں کام کر رہا ہے۔ (۳۰)

دارالافتاء:

دینی مدارس میں صرف طلباء کی علمی پیاس بجھانے پر ہی اکتفا نہیں کیا جاتا بلکہ اس کے ساتھ مسلمانوں کی نجی و اجتماعی زندگی میں درپیش مسائل کے حل میں ان کی معاونت اور راہنمائی کیلئے بھی ایک شعبہ قائم ہوتا ہے۔ جس کے تحت دینی مسائل میں راہنمائی، مختلف مذہبی مسائل کا جواب دینا، مشکل اور پیچیدہ مسائل میں اسلامی تعلیمات کی روشنی میں صحیح راہنمائی کرنا ہے۔ دارالافتاء سے جاری ہونے والے فتاویٰ پر تصدیق کیلئے دستخط و مہر مدرسہ بھی ثبت کی جاتی ہے۔ (۳۱)

شعبہ ترتیب فتاویٰ:

یہ شعبہ دار الافتاء سے جاری ہونے والے فتاویٰ کا ریکارڈ رکھتا ہے اور انہیں ترتیب دے کر کتابی صورت میں شائع بھی کرتا ہے۔ (۳۲)

شعبہ دارالاقامہ:

اس شعبے کے ذمے دارالاقامہ میں رہائش پذیر طلباء کی رہائشی ضروریات و سہولیات اور ان کی اخلاقی تربیت و نگرانی ہوتی ہے۔ دارالاقامہ کی ایک عمدہ مثال دارالعلوم کورنگی کراچی میں موجود ہے۔ جہاں سہولیات کے ساتھ تنظیم، جدت، صفائی اور تعمیر بھی قابل دید ہے۔ ۱۹۹۵ تک اس دارالاقامہ کا انتظام و انصرام ایک کیڈٹ کالج کے ریٹائرڈ پرنسپل، ڈاکٹر جاوید اقبال کے ہاتھ میں تھا۔ جنہوں نے اسے جدید خطوط پر منظم کرکے دیگر دینی مدارس کی انتظامیہ کیلئے راہ نما اصول متعین کئے۔ (۳۳)

شعبہ تنظیم ابنائے قدیم:

اس شعبہ میں آغاز مدرسہ سے تاحال فارغ التحصیل طلباء کے کوائف، ان کے تعلیمی امتیازات اور علمی،

علمی و تحقیقی ممتاز کام کو ریکارڈ رکھا جاتا ہے ۔ بعض اوقات انہیں مرتب شکل میں شائع بھی کیا جاتا ہے ۔ (۳۴)

محافظ خانہ Record room :

اس شعبہ کے تحت مدرسے کی تاسیس سے تمام شعبہ جات کا ضروری ریکارڈ ترتیب سے محفوظ رکھا جاتا ہے جس قدر جز۔ ۔ ۔ ہوتا ہے اسکا ریکارڈ بھی اسی طرح بہتر انداز میں دینی مدرسہ میں موجود تمام شعبہ جات کا الگ الگ رجسٹروں میں اندراج کرکے رکھا جاتا ہے ۔ (۳۵)

شعبہ امور خارجہ :

اس شعبہ میں بیرونی ممالک سے تعلق رکھنے والے طلبہ کے پاسپورٹ ، ویزے ، داخلے اور ضروری کوائف کا اندراج رکھا جاتا ہے ۔ یہ شعبہ کراچی کے تمام مدارس میں قائم نہیں ہے ۔ صرف ان مدارس تک محدود ہے جہاں غیر ملکی طلبہ زیر تعلیم ہیں ۔ مثلاً دارالعلوم ، کورنگی ، کراچی ۔ جامعہ فاروقیہ ، شاہ فیصل کالونی کراچی ، جامعہ بنوریہ ، سائٹ ، کراچی اور جامعہ علوم اسلامیہ ، بنوری ٹاؤن ، کراچی ۔ وغیرہ ۔ (۳۶)

شعبہ ترقیات :

اس شعبہ کے تحت مدرسہ کی وقف اراضیات و جائداد وغیرہ کی دیکھ بھال ، انکی اصلاح ، مرمت ، کرایہ داری کے معاملات ، بیرونی اداروں سے مراجعت کے علاوہ جملہ عدالتی و قانونی امور نیز سرکاری و نیم سرکاری دفاتر سے متعلقہ تمام امور انجام دیئے جاتے ہیں ۔ (۳۷)

شعبہ نشر واشاعت و تصنیف :

اس شعبہ کے تحت اسلامی کتب و رسائل شائع کئے جاتے ہیں ، دینی امور میں ضرورت کے تحت عوام کی راہنمائی ، خصوصی اسلامی مسائل کی وضاحت ، دینی و علمی مضامین کی تحریر و اشاعت اور مطبوعات پر تبصرے بھی اسی شعبے کی ذمہ داریوں میں شامل ہیں ، نیز مدرسہ کے کوائف اور سالانہ رپورٹ وغیرہ بھی شائع ہوتی ہیں ۔ یہ شعبہ بھی صرف کراچی کے بڑے مدارس میں قائم ہے ۔ اس شعبہ کے تحت دارالعلوم ، کورنگی ، کے ایریا ۔ کراچی سے اردو اور انگریزی زبان میں ماہنامہ البلاغ ۔ جامعہ بنوریہ ، سائٹ ۔ کراچی سے ماہنامہ البنوریہ ، جامعہ فاروقیہ ، شاہ فیصل کالونی ۔ کراچی سے ماہنامہ " الفاروق " اردو ، عربی اور انگریزی میں ، اسی طرح جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن ۔ کراچی سے ماہنامہ بینات شائع ہوتا ہے ۔ (۳۸)

شعبہ تبلیغ :

دینی مدارس تبلیغ اسلام کے لئے پاکستان کے اندر اور بیرون ممالک میں مبلغین کو ضرورت کے تحت

بھیجتے ہیں تاکہ ان علاقوں کے لوگوں کو صحیح اسلامی تعلیمات سے روشناس کراتے ہوئے انکا دینی شعور بیدار کیا جاسکے، انکی انفرادی و اجتماعی زندگی کی صحیح اسلامی احکام کی روشنی میں اصلاح کی جاسکے۔ کراچی کے متعدد مدارس کے مہتمم، تبلیغی دوروں پر اکثر بیرون ممالک جاتے رہتے ہیں۔ جنہیں تبلیغ اسلام کے ساتھ حصول چندہ اور مدرسہ کا بیرونی ممالک میں تعارف کرانا بھی مقصود ہوتا ہے۔ (۳۹)

شعبہ متفرقات

اس شعبے کے تحت مدرسے میں صفائی، ستھرائی، آب رسانی ونکاسی، مہمان خانہ، ضروریات مسجد، احاطوں کی چمن بندی اور برقی روشنی وغیرہ کا انتظام کیا جاتا ہے۔ بڑے مدارس مثلاً دارالعلوم (کورنگی۔ کراچی) میں اس شعبہ کے تحت مکمل اسٹاف موجود ہے، جس پر لاکھوں روپے ماہانہ کے اخراجات ہوتے ہیں۔ گرمیوں میں صرف بجلی کا بل ہی اس دارالعلوم میں لاکھوں روپوں تک پہنچ جاتا ہے۔ (۴۰)

دینی مدرسہ کے تدریسی اور تحقیقی شعبہ جات

شعبہ حفظ وناظرہ قرآن حکیم

ہر مدرسہ میں حفظ و ناظرہ قرآن حکیم کی تعلیم دی جاتی ہے۔ عموماً اوسط درجہ کا حافظہ رکھنے والا طالبعلم تقریباً تین سال میں قرآن حکیم حفظ کرلیتا ہے، اس شعبہ میں بالعموم کم عمر طلباء زیر تعلیم ہوتے ہیں۔ یہ شعبہ تعلیم ہر مدرسہ کا لازمی حصہ ہوتا ہے کیونکہ دینی تعلیم کا آغاز قرآن حکیم سے ہوتا ہے اس لئے کسی دینی مدرسہ میں کوئی دوسرا شعبہ موجود ہو یا نہ ہو، حفظ و ناظرہ قرآن حکیم کا اہتمام ضروری ہوتا ہے۔ (۴۱)

شعبہ تجوید وقراءت

مدرسہ میں زیر تعلیم طلباء کیلئے لازمی مضمون کے طور پر آخری سپارہ فن تجوید کی تعلیم کے ساتھ پڑھنا ضروری ہوتا ہے اسلئے طلباء کو نصاب کی تکمیل کے ساتھ عملی مشق بھی کرائی جاتی ہے۔ تکمیل نصاب کے بعد سند بھی دی جاتی ہے۔ اسی طرح سبعہ عشرہ قراءت کی بھی تعلیم دی جاتی ہے، کامیاب ہونے والا طالب علم قاری کہلاتا ہے، یہ شعبہ ناظم آباد نمبر ۴ کی جامع مسجد قدسیہ اور ناگوازہ کے مدرسہ کے علاوہ دیگر متعدد مدارس میں قائم ہیں۔ بعض بڑے مدارس میں تکمیل درس نظامی کے بعد تجوید وقراءت میں تخصص کا بھی اہتمام ہوتا ہے جسکا نصاب کم و بیش دو سال پر محیط ہوتا ہے۔ اس شعبہ سے فارغ التحصیل ہونے والے کو مجود اور قاری کہا جاتا ہے۔ (۴۲)

شعبہ عربی:

اس شعبہ کا نصاب مختلف مدارس میں اپنے پروگرام کے تحت الگ الگ ہوتا ہے ، طلباء کو جدید عربی زبان کی تقریری و تحریری مشق بھی کرائی جاتی ہے ۔ کراچی کے چند مدارس میں اس کا اہتمام ہوتا ہے ۔ مگر عام لوگ اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے ۔ کیونکہ عام طلباء کیلئے اس میں کوئی کشش نہیں ہوتی ۔ اور نہ ہی اس اہم ضرورت پر کوئی توجہ دی جاتی ہے ۔ (۴۳)

شعبہ ابتدائی تعلیم:

اس شعبہ میں طلباء کو ناظرہ قرآن حکیم ، ابتدائی دینیات ، بنیادی حساب اور تعارف جغرافیہ و تاریخ اسلام پر مشتمل کورس پڑھایا جاتا ہے ۔ (۴۴)

شعبہ درس نظامی:

دینی مدارس کے صاحب اختیار اس وقت درس نظامی کو دینی علوم و فنون کے تحفظ کا سب سے موثر ذریعہ سمجھتے ہیں لہذا اسکی تعلیم و تدریس کو بنیادی اہمیت دی جاتی ہے ۔ اسکے نصاب کی تکمیل کیلئے پانچ تدریجی و ارتقائی مراحل ترتیب دیئے گئے ہیں ۔ جنہیں متوسط ، ثانویہ (عامہ ۔ خاصہ) عالیہ اور عالمیہ کے ناموں سے منسوب کیا جاتا ہے ۔ یہ نصاب گیارہ سال کی تعلیم پر محیط ہے ۔ اس میں حسب ذیل علوم و فنون پڑھائے جاتے ہیں ۔ قرآن کریم ، تفسیر ، اصول تفسیر ، علوم الحدیث ، اصول حدیث ، فقہ ، اصول فقہ ، علم الکلام ، سیرت نبوی ، تاریخ اسلام ، ۔ ۔ الادیان ، علم ہیئت ، فلکیات ، جغرافیہ ، حساب ، فلسفہ ، منطق ، ادب ، تاریخ ادب بلاغت ، لغت ، صرف ، نحو وغیرہ ۔ (۴۵)

شعبہ خوشنویسی

طلباء کو دو درجوں میں خوشنویسی سکھائی جاتی ہے پہلے درجے میں صرف خط کی اصلاح و مشق کرائی جاتی ہے تاکہ طالب علم اپنی ضرورت پوری کر سکیں ۔ دوسرے درجے میں فن کتابت کی تکمیل کرائی جاتی ہے ۔ یہ شعبہ کراچی کے بہت کم مدارس میں قائم ہے ۔ اب کتابت کی جگہ کمپیوٹر نے لے لی ہے ۔ (۴۶)

شعبہ تحقیقات

اس شعبہ میں محققین کی تعلیم و تربیت کے لئے تحقیق کا طریقہ کار سکھایا جاتا ہے تاکہ وہ اپنے تحقیقی مقالہ جات مکمل کر سکیں ۔ یہ مقالہ جات تخصص کے نصاب کی تکمیل کا حصہ ہوتے ہیں ۔ یہ شعبہ بھی کراچی کے چند

بڑے دینی مدارس مثلاً دارالعلوم، کورنگی، کے ایریا، جامعہ فاروقیہ، شاہ فیصل کالونی، جامعہ علوم الاسلامیہ، علامہ بنوری ٹاؤن وغیرہ میں قائم ہے۔(۴۷)

شعبہ تخصص

اس شعبہ کے تحت علم التفسیر، علم الحدیث، اسلامی فقہ، دعوت والارشاد، زبان و ادب اور قراءت میں تخصص کرایا جاتا ہے۔ درج بالا شعبوں کا نصاب ہر مدرسہ کا اپنا مخصوص ہوتا ہے، جسے جید اور تجربہ کار اساتذہ کی زیر نگرانی مکمل کرایا جاتا ہے۔ عموماً نصاب کی تکمیل کا دورانیہ ایک سال سے تین سال تک محیط ہوتا ہے۔ پہلے سال میں زیر تحقیق مضمون کے متعلق بالتفصیل اور بالتحقیق تعلیم دی جاتی ہے۔ آخری سال میں طلباء مفید علمی اور تحقیقی عنوانات کے تحت مقالات تحریر کرتے ہیں۔ ان کی نوعیت اور معیار یونیورسٹی کے پی ایچ۔ ڈی کے مقالے کے طرز پر اور درجے کے برابر ہوتا ہے۔(۴۸)

شعبہ انگریزی:

کراچی کے بعض مدارس میں طلباء کو ابتدائی انگریزی زبان بھی پڑھائی جاتی ہے، تاکہ طلباء انگریزی زبان کی شد بد حاصل کرسکیں۔ تاکہ ضرورت پڑنے پر ملکی معاملات نبھانے کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی تبلیغی امور کی انجام دہی بھی کرسکیں۔(۴۹)

شعبہ کمپیوٹر:

اس شعبہ کے تحت میٹرک پاس طلباء کو سندھ بورڈ آف ٹیکنیکل ایجوکیشن کراچی کے منظور شدہ نصاب کے تحت کمپیوٹر کے مبادیات کی تعلیم دی جاتی ہے۔ امتحانات پاس کرنے پر انہیں سندھ بورڈ کی جانب سے سند بھی جاری کی جاتی ہے۔ یہ قدم اس لئے اٹھایا گیا ہے کہ دینی مدارس کے طلباء بھی اس جدید ٹیکنالوجی سے استفادہ کرسکیں اور رفتار زندگی میں پیچھے نہ رہ جائیں۔(۵۰)

ابتدائی دینی مدارس میں تعلیم کی تفصیل

ابتدائی مدارس مندرجہ ذیل تین طرح کے ہوتے ہیں۔

۱۔ مدارس ابتدائیہ:

یہ مدارس سرکاری اسکولوں کے لئے وضع کردہ ٹیکسٹ بک بورڈ کی پرائمری تعلیم کے نصاب کے کچھ منتخب حصہ کی تعلیم دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ قرآن کریم اور ابتدائی دینیات کی بطور خاص تعلیم دی جاتی ہے۔ تاہم پارہ

عم (تیسواں پارہ) کی چھوٹی سورتیں زبانی یاد کرائی جاتی ہیں تاکہ نماز میں تلاوت کی جاسکیں۔

۲۔ مدارس برائے حفظ قرآن کریم:

ان مدارس میں قرآن مجید ناظرہ و حفظ، ابتدائی دینیات، اردو زبان: تحریر سکھائی جاتی ہے مگر خصوصی توجہ حفظ قرآن مجید پر ہوتی ہے جس کے لئے عموماً تین سال کا عرصہ درکار ہوتا ہے۔

۳۔ مدارس برائے تجوید قرآن کریم:

ایسے مدارس میں قرآن حکیم کی تلاوت کے اصول و قواعد سکھائے جاتے ہیں۔ تجوید و قرأت، ابتدائی صرف و نحو، عقائد اسلام اور ابتدائی فقہ (جسکا جاننا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے) کی تعلیم دی جاتی ہے۔ مدارس برائے تجوید قرآن کریم سے فارغ التحصیل طلباء کو حافظ و قاری کے درجے پر فائز کیا جاتا ہے۔ یہاں زیر تعلیم طلبہ کی اکثریت کی عمر پانچ سے بارہ سال کی درمیان ہوتی ہے اس درجہ تعلیم سے فراغت کے بعد انہیں درجہ متوسطہ کے کسی بھی تعلیمی سال (پہلے۔ دوسرے، تیسرے) میں حسب لیاقت براہ راست داخلہ دیا جاتا ہے اس طرح انہیں موقع نصاب کے پروگرام میں شریک کرکے دینی تعلیم مکمل کرائی جاتی ہے۔ قرآن حکیم کے حافظ کو پرائمری پاس کا درجہ دیا جاتا ہے۔ سرکاری اسکولوں کے علاوہ پرائیویٹ تعلیمی ادارں جیسے اقراء روضۃ الاطفال جیسے مدارس میں بھی حافظ قرآن حکیم کو چھٹی جماعت میں داخلہ کا اہل سمجھا جاتا ہے۔ (۵۱)

دینی مدارس کے درجات کی خاص تقسیم

بورڈ کی جانب سے مدارس کی وضع کردہ درجہ بندی کے علاوہ موجودہ تحقیق کے مطابق ان کی ایک مزید حسب ذیل درجہ بندی بھی کی گئی ہے۔

۱۔ کامل مدارس

کامل مدارس میں ابتدائی درجے سے لیکر تکمیل تعلیم تک مسلسل تدریس ہوتی ہے یعنی تمام درجات ابتدائیہ متوسطہ، ثانویہ، عالیہ، عالمیہ اور تخصص تک جاری رہتی ہے۔ ان مدارس کو دارالعلوم یا جامعات بھی کہا جاتا ہے۔

۲۔ مخصوص درجات کے مدارس:

یہ مخصوص تعلیمی درجات کی تدریس کا انتظام کرتے ہیں، جن کا بورڈ کے تحت امتحان بھی ہوتا ہے۔ بعض اوقات یہ مدارس (آئندہ صفحے پر دیئے گئے) جدول میں مذکورہ مدارج تعلیم میں سے کسی ایک یا متعدد

درجات کی تعلیم دیتے ہیں۔ لیکن تعلیمی سال کی ترتیب میں مسلسل نہیں ہوتے۔ مثلاً ایک مدرسہ متوسط اور عالیہ تک کے درجات کی تعلیم کا انتظام کرتا ہے تو دوسرا ثانویہ اور عالیہ کے درجہ تعلیم کا بندوبست کرتا ہے۔

۳۔ تخصص کے مدارس:

کراچی کے بعض دینی مدارس میں بورڈز کے مرتب کردہ سولہ سالہ نصاب تعلیم کی تکمیل کے بعد اعلیٰ تعلیم و تحقیق کا انتظام بھی ہوتا ہے، جسے تخصص فی الدراسات اسلامیہ کہا جاتا ہے۔ اس کا امتحان ہر مدرسہ میں اپنے طور پر لیا جاتا ہے۔ بورڈز کی طرف سے نصاب و مدت کا تعین نہیں ہوتا۔ یہ مدارس اپنے پروگرام کے تحت تخصص کی تعلیم کا انتظام کرتے ہیں۔ اس وقت کراچی کے ۸ مدارس میں ایک سے تین سالہ نصاب کے تحت مختلف شعبہ جات میں تخصص کی تعلیم ہوتی ہے۔ بڑے مدارس میں تخصص کے کورس کا سلسلہ مسلسل چلتا رہتا ہے۔ جبکہ بعض مدارس میں طلبہ کی مخصوص تعداد کے پورا نہ ہونے کے باعث یہ سلسلہ وقتی طور پر کسی سال موقوف بھی ہو جاتا ہے۔

کراچی کے تمام بڑے دینی مدارس میں تخصص کے شعبہ جات میں یکساں طور پر تعلیم نہیں ہوتی۔ کہیں ایک، دو، یا دو سے زائد شعبوں میں تخصص کا انتظام ہوتا ہے اور کہیں صرف ایک ہی شعبے میں تخصص کی تعلیم ہوتی ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ تخصص کی تعلیم کا انتظام ایسی جگہ ہو جو باقاعدہ مدرسہ کی خصوصیات نہ رکھتی ہو بلکہ صرف ایک جید عالم و مشہور استاد کی مخصوص جگہ پر کسی ایک شعبہ میں انکی اپنی کوشش سے تخصص کی تعلیم کا انتظام ہوتا ہے۔ جیسے مسجد باب الرحمت، پرانی نمائش، کراچی، میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے تحت مولانا محمد یوسف لدھیانوی کی نگرانی میں ہر سال دس طلباء یا کم و بیش تخصص کا کورس مکمل کرتے ہیں اسی طرح مفتی رشید احمد، ناظم آباد نمبر ۴، کراچی میں عرصہ سے، ایک سال کے دورانیہ کا تخصص فی الفقہ کراتے ہیں، لیکن طلبہ کو سند نہیں دیتے ہیں۔ (۵۲)

اس وقت کراچی کے دینی مدارس میں درج ذیل شعبہ جات میں تخصص کی تعلیم کا انتظام ہے۔

تخصص کے شعبہ جات	تخصص کا رتبہ
i ۔ تخصص فی العلم التفسیر	مفسر
ii ۔ تخصص فی علم الحدیث	محدث
iii ۔ تخصص فی الفقہ الاسلامی	مفتی
iv ۔ تخصص فی الدعوۃ والارشاد	مبلغ
v ۔ تخصص فی الادب العربی	مؤدب

VI - تخصص فی التصنیف والتالیف — مصنف

کراچی کے دینی مدارس کے طلبہ میں تخصص فی الفقہ کا رجحان نسبتاً زیادہ پایا جاتا ہے ، اس لئے وقت و حالات کی مناسبت سے اس کی ضرورت عوام ، اداروں اور دینی مدارس کو زیادہ ہوتی ہے ۔ لہٰذا کسی بھی شعبے میں تخصص کرنے کے لئے اس کا مخصوص نصاب مکمل کرنا ہوتا ہے اور اس کے بعد ایک تحقیقی مقالہ (پی ایچ ڈی کی طرز کا) ماہر استذہ کی راہنمائی میں تحریر کرنا ہوتا ہے ۔ ایسا شاذ ہی ہوتا ہے کہ کوئی طالبعلم ایک سے زیادہ شعبوں میں تخصص کرے ۔ عموماً ایک ہی شعبہ میں تخصص کرنے کے بعد ، متخصص اپنے علمی میدان میں عملی طور پر وابستہ ہوجاتے ہیں ۔ [53]

دینی مدارس میں تحریر شدہ تخصص کے چند مقالہ جات کے عنوانات

I - حزب اللہ کے افکار و عقائد

II - فتاویٰ دار العلوم کی تدوین

III - فقہ القرآن مر احمد عثمانی پر تنقیدی جائزہ

IV - علمائے سندھ کی علمی خدمات

V - امام بخاری کے شیوخ

VI - دار الاسلام میں ذمیوں کے احکام

VII - دار الکفر میں مسلمانوں کے حقوق

مدارس کے درجات تدریس کا اظہار

کراچی کے دینی مدارس کے تحقیقی جائزہ کے دوران معلوم ہوا کہ دینی مدارس عموماً اپنے نام کے ساتھ کسی اصطلاح کی تخصیص نہیں کرتے کہ جس سے یہ ظاہر ہوسکے کہ اس مدرسہ میں کس درجہ تک تعلیم کا انتظام موجود ہے ۔ بعض مدارس میں ابتدائی درجات کی تعلیم کا انتظام ہوتا ہے لیکن وہ دار العلوم یا جامعہ کے نام سے موسوم ہوتے ہیں ۔ معائنہ یا استفسار کے بعد ہی درجات تدریس سے آگاہی ہوتی ہے ۔ اگرچہ بورڈز سے الحاق کے لئے مدارس کو مخصوص شرائط پوری کرنا ہوتی ہیں ، جس کے بعد ہی اس مدرسہ کا کسی خاص درجہ تعلیم کے تحت رجسٹریشن ہوتا ہے ۔ بورڈ کی جانب سے اس مدرسے کو اس سلسلہ میں الحاق نامہ بھی جاری کیا جاتا ہے ۔ لیکن بورڈ نے یہ پابندی اب تک نہیں لگائی کہ کس درجہ کے مدارس اپنا نام کس ترتیب سے رکھیں ۔ یہی وجہ ہے کہ آج کل یہ مرض عام ہوگیا ہے کہ ہر مہتمم اپنے مدرسہ کو جامعہ کہتے ہیں ۔ بعض ایسے مدارس بھی دیکھنے میں آئے ہیں جن میں صرف ناظرہ و حفظ قرآن حکیم پڑھایا جاتا ہے لیکن باہر بورڈ جامعہ کا لگا ہوتا ہے دراصل

جامعہ کا بورڈ لگانے کے بعد کوشش شروع ہوتی ہے کہ اس میں جامعہ جیسی عمارت بھی ہو کیونکہ پہلے تو صرف مسجد کے حجرہ یا ہال سے کام چل رہا ہوتا ہے۔ عمارت بن جانے کے بعد مسافر طلباء کو اپنے مدرسہ کی طرف راغب کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس مقصد کے لئے بعض میدان مدرسہ تن، من، دھن کی بازی لگا دیتے ہیں۔

سب سے مشکل مرحلہ بڑی کتابوں کی تعلیم وتدریس کا شروع ہوتا ہے، کیونکہ بڑے درجات میں تدریس کے لئے حقیقتاً اہل افراد کا حصول اس دور میں ہفت خواں کو سر کرنے سے کم نہیں۔ چنانچہ یہ مرحلہ طے کرنے کے لئے بھی بعض مدارس کے منتظم دھاندلی کرتے ہیں، لہذا باصلاحیت مدرسین کو پرکشش تنخواہوں کی پیشکش کی جاتی ہے، تاکہ وہ اپنے متعلقہ مدارس سے قطع تعلق کرکے اس جدید جامعہ میں فروکش ہوجائیں۔ یہی طریقہ بڑے درجات کے طلبہ کو نئے مدرسہ میں داخلہ کی ترغیب کے لئے اختیار کیا جاتا ہے۔ (۵۴)

مختلف درجات تدریس میں داخلہ کا ضابطہ

کراچی کے دینی مدارس میں سولہ سالہ درس نظامی کا نصاب رائج ہے، لیکن مربوط دینی تعلیم کا دورانیہ مسلسل گیارہ سال پر محیط ہے، جسے درجہ متوسطہ (مڈل) سال اول (یعنی چھٹے تعلیمی سال) سے شروع کرکے پانچ تدریسی درجات یعنی متوسطہ، ثانویہ، عالیہ اور عالمیہ میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ ابتدائی پانچ سالوں میں قرآن حکیم ناظرہ، ابتدائی دینیات، اردو نوشت وخواند یعنی سرکاری اسکولوں میں مروج پانچویں جماعت تک کے نصاب کے کچھ منتخب حصہ کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اصل دینی تعلیم درجہ متوسطہ سال اول سے ہی شروع ہوتی ہے، اس لئے طالب علم کسی بھی مدرسہ سے ابتدائی تعلیم مکمل کرنے کے بعد ان مدارس میں داخلہ لے سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ تحریری و تقریری امتحان میں کامیاب ہوجائے۔ اس کے علاوہ حفظ قرآن شریف کے بعد بھی طالب علم درجہ متوسطہ سال اول میں داخلہ لے سکتا ہے۔ اکثر طلباء درجہ متوسطہ کے پہلے دوسرے یا تیسرے سال میں ہی باقاعدہ داخلہ لیتے ہیں۔ اس سے قبل وہ چھوٹے بڑے مدارس میں بالترتیب یا بے ترتیب ابتدائی تعلیم حاصل کرتے رہے ہیں۔

طلباء میں یہ رجحان عام ہے کہ وہ دینی مدارس کی باقاعدہ تعلیم کے آغاز سے پہلے قرآن حکیم ناظرہ پڑھنے اور پرائمری جماعت پاس کرنے کے بعد ہی مدرسہ کے درجہ متوسطہ میں داخلہ لیتے ہیں۔ کچھ طلباء اپنے طور پر مدرسہ میں باقاعدہ داخلہ لئے بغیر اساتذہ سے اپنے طور پر ابتدائی تعلیم کم وقت میں بھی مکمل کرلیتے ہیں، بعد ازاں دینی مدرسے میں داخلے کا امتحان دیکر اپنی اہلیت کے مطابق مطلوبہ تعلیمی درجہ میں داخلہ لے لیتے ہیں۔

دینی مدارس کے بورڈ کے قیام سے امتحانات کا مستقل نظام رائج ہوجانے کے بعد دینی مدارس کے تعلیمی

مراحل میں تسلسل پیدا ہوگیا ہے۔ اب ایک درجہ تعلیم کا امتحان پاس کرنے کے بعد ہی طلباء اگلے درجے کے امتحان میں شرکت کے اہل کئے جاتے ہیں تاہم بورڈز نے ابھی تک کسی ذہین طالب علم کے لئے بیک وقت دو درجات آگے بڑھائے جانے کے لئے (Double Promotion) اور تعلیمی رخنہ (Educational Gap) کے سلسلے میں اصول وضع نہیں کئے۔

دینی مدارس کے دیگر بورڈز کے قواعد سے کچھ اختلاف کرتے ہوئے وفاق المدارس سلفیہ نے اپنے قواعد و ضوابط کے تحت نصاب تعلیم کو چار درجات پر منقسم کیا ہوا ہے۔ تعلیم کا آغاز درجہ متوسطہ کی بجائے ثانویہ عامہ سال اول (جماعت نہم) سے کرتے ہیں۔ اس درجہ میں داخلے کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ طالب علم مڈل یا مساوی درجہ کی سند رکھتا ہو۔ دوسرے لفظوں میں مذکورہ بورڈز میں دوسرے بورڈز کی نسبت ابتدائی درجات کیلئے زیادہ لچک موجود ہے۔ اس بورڈ میں ایک سہولت اور بھی ہے کہ درجہ عالیہ کے پہلے سال میں داخلے کے لئے طالبعلم کے لئے وفاق المدارس سلفیہ پاکستان کی شہادت عالیہ کا ہونا ضروری نہیں ہوتا ہے۔ نیز اس درجہ کے آخری امتحان میں وہ طلباء بھی شریک ہوسکتے ہیں جنہوں نے پاکستان کی کسی یونیورسٹی سے ایم اے عربی یا ایم اے اسلامیات کی ڈگری حاصل کی ہو یا بیرونی ممالک کی کسی اسلامی یونیورسٹی سے شہادۃ العالیہ کی مساوی سند کے حامل ہوں۔

کراچی کے دینی مدارس کی اقسام، درجہ بندی اور جاری کی جانے والی اسناد

مدرسہ کا اختیار کردہ نام	بورڈ کا مجوزہ نام	تعلیمی درجات	تعلیمی دورانیہ	سند فراغت کا نام
ابتدائی مدارس	مدارس ابتدائیہ	ابتدائی اسلامی تعلیم، ناظرہ و حفظ قرآن حکیم اور تجوید	۵ سال	شہادۃ الابتدائیہ و حفظ قرآن حکیم
تحتانی مدارس	مدارس متوسطہ	درجہ متوسطہ تک تعلیم ہوتی ہے	۳ سال	شہادۃ المتوسطہ
وسطانی مدارس	مدارس ثانویہ عامہ و خاصہ	ثانویہ عامہ و خاصہ کا نصاب مکمل کرایا جاتا ہے	۴ سال	شہادۃ ثانویہ عامہ و شہادۃ ثانویہ خاصہ
فوقانی مدارس	مدارس عالیہ، عالمیہ وجامعات	درجہ عالیہ و عالمیہ کا نصاب پڑھایا جاتا ہے	۴ سال	شہادۃ عالیہ و شہادۃ العالمیہ فی العلوم العربیہ والاسلامیہ

یہاں بورڈ سے مراد دینی مدارس کا وفاق یا تنظیم ہے۔

مکمل تعلیم سے مراد دینی مدرسے کے ۱۶ سالہ نصاب کی تکمیل ہے۔

جدول

دینی مدارس کے تعلیمی درجات

مدت تعلیم	سال	تعلیمی درجے کا مروج نام	بورڈ میں مروج نام (تفصیلی سالانہ)	بورڈ میں مروج امتحان کی نوعیت نام	درجے کی تکمیل کی سند (مدارس)	مساوی حیثیت
	۱					
	۲					
۵ سال	۳		ابتدائیہ	ابتدائیہ	شهادۃ الابتدائیہ	پرائمری
	۴					
	۵					
	۶	اعدادیہ سال اول	متوسطہ سال اول			
۳ سال	۷	اعدادیہ سال دوم	متوسطہ سال دوم	متوسطہ	شهادۃ المتوسطہ	مڈل
	۸	اعدادیہ سال سوم	متوسطہ سال سوم			
۲ سال	۹	اولیٰ	ثانویہ عامہ سال اول	ثانویہ عامہ	شهادۃ الثانویہ العامہ	میٹرک
	۱۰	ثانیہ	ثانویہ عامہ سال دوم			
۲ سال	۱۱	ثالثہ	ثانویہ خاصہ سال اول	ثانویہ خاصہ	شهادۃ الثانویہ الخاصہ	انٹرمیڈیٹ
	۱۲	رابعہ	ثانویہ خاصہ سال دوم			
۲ سال	۱۳	خامسہ	عالیہ سال اول	عالیہ	شهادۃ العالیہ	گریجویشن
۲ سال	۱۵	سابعہ	عالمیہ سال اول	عالمیہ	شهادۃ العالمیہ فی العلوم العربیہ والاسلامیہ	ایم اے (عربی واسلامیات)
	۱۶	ثامنہ (دورہ حدیث)	عالمیہ سال دوم			

فصل دوم: دینی مدارس کی مالیات و مصارف

شعبہ مالیات و مصارف

قیام کی ابتداء میں بیشتر دینی مدارس کی آمدنی کا کوئی مستقل اور یقینی ذریعہ نہیں ہوتا، عامۃ المسلمین کی مسلسل مالی اعانت سے ہی مدرسے کی جملہ ضروریات پوری ہوتی ہیں، مدارس کی انتظامیہ، تقریر، تحریر اور اپنے سفراء کے ذریعے عوام و خواص کو مدرسہ میں زیر تعلیم طلباء کی جملہ ضروریات و اخراجات کی طرف توجہ دلاتی رہتی ہیں۔ یہ لوگ حصول تعاون کے لئے عام افراد سے تو رابطہ رکھتے ہیں لیکن صاحب خیر لوگوں کی طرف خصوصی طور پہ رخ کرتے ہیں۔ یہ سلسلہ سال بھر جاری رہتا ہے لیکن ماہ رجب، شعبان اور خصوصاً رمضان المبارک میں مالی معاونت کے لئے زیادہ کوششیں کی جاتی ہیں۔

دینی مدارس کو اپنی روز مرہ ضروریات اور بڑھتے ہوئے ترقیاتی اخراجات پورے کرنے کے لئے حصول مالی معاونت میں اکثر و بیشتر مشکلات درپیش رہتی ہیں۔ لیکن اچھے تعلیمی معیار و نتائج کے حامل اور ممتاز دینی خدمات کی وجہ سے ایک مدت گزرنے کے بعد مدرسے کی نیک نامی پیدا ہوجائے تو اس میں نہ صرف استحکام آجاتا ہے بلکہ مالی مشکلات میں بھی کوئی نہ کمی آجاتی ہے، یعنی اہل ثروت کا اعتماد حاصل ہوجانے سے مدد دینے والے خود امداد دینے کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ مدارس اپنے اہداف کی تکمیل کے لئے اصولی طور پر درج ذیل باتوں کا خیال رکھتے ہیں۔

الف۔ حصول اعانت کے لئے ایسے وسائل اور طریقے اختیار کئے جاتے ہیں جو ازروئے شریعت اسلامی، مستحسن یا مباح اور دینی مدارس کے وقار کے شایان شان سمجھے جاتے ہوں۔

ب۔ حصول امداد کے لئے ایسے اقدامات سے اجتناب کیا جاتا ہے جن سے دینی مدارس کے اعلیٰ مقاصد یا مسلک کو نقصان یا ضعف پہنچنے کا احتمال ہو یا دینی وقار، آزادی یا خودداری کے خلاف سمجھے جاتے ہوں۔ (۵۵)

آمدنی کے ذرائع

دینی مدارس کی آمدنی زیادہ تر زکوٰۃ خیرات اور صدقات کی مدات میں ہوتی ہے، کچھ حصہ مالی امداد کا دیگر ذرائع سے بھی حاصل ہوتا ہے، جیسے خمس، فطرہ، فدیہ، عطیات، چرم قربانی، وقف جائیداد، کرایہ، املاک، اجناس، ذبیحہ کے جانور۔ اس کے علاوہ سرکاری مالی امداد اور کسی اسلامی ملک کی خصوصی مالی اعانت وغیرہ۔

(۵۶)

مصارف مدرسہ

دینی مدارس کو موصول شدہ مالی معاونت درج ذیل ضروریات پر خرچ کی جاتی ہے۔

i ۔ دینی مدارس میں زیر تعلیم مستحق مسافر طلبہ کی خوراک، رہائش پوشاک، درسی کتب، علاج معالجہ اور دیگر اہم ضروریات پوری کرنے کیلئے۔

ii ۔ مدرسہ کی تعمیر و مرمت، ترقی و اصلاح، اساتذہ اور عملہ کی تنخواہیں ادا کرنے کیلئے۔

iii ۔ مدرسہ کی تعمیر و مرمت، ترقی اصلاح اور زیر تکمیل منصوبوں کی تکمیل کیلئے۔

iv ۔ اسلامی تعلیمات کی تبلیغ، نشر واشاعت، اپنے مسلک کے دفاع اور اسلامی تحقیقی مطبوعات وغیرہ کے طبع کرانے کیلئے۔ (۵۷)

بڑے مدارس اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ زکوٰۃ، خیرات، صدقات اور دیگر ذرائع کی آمدنی نادار، مسافر اور مستحق طلبہ کی ضرویات پر خرچ کی جائے، جبکہ عطیات کی آمدنی سے اساتذہ اور غیر تدریسی عملے کی تنخواہیں ادا کی جائیں۔ ان مدات سے بچ جانے والی آمدنی کو تعمیری اور ترقیاتی کام جاری رکھنے کیلئے خرچ کیا جائے۔ مالی معاونت کی تمام صورتوں میں متعلقہ ادارہ باقاعدہ اس مقصد کیلئے چھپی ہوئی رسید جاری کر کے شعبہ مالیات میں آمدنی و اخراجات کا مکمل حساب رکھا جاتا ہے، صاحبان دینی مدارس کے بقول مالی معاونت کو بہت زیادہ احتیاط سے خرچ کیا جاتا ہے۔ تمام ضروری مصارف میں کفایت و قناعت کا حتی الامکان خیال رکھا جاتا ہے۔ اس سے اساتذہ و دیگر عملے کو کم مشاہروں پر ذمہ داریاں سونپی جاتی ہیں۔ گزشتہ کئی سالوں سے کراچی کے سیاسی و معاشی بدلے ہوئے حالات کے پیش نظر کراچی کے کم آمدنی والے علاقوں میں قائم دینی مدارس مالی مشکلات میں گھر گئے ہیں۔ مگر ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ مالی وسائل کی کمیابی کے باعث مدارس میں تعطل پیدا ہو جائے یا مکمل طور پر بند ہو جائیں۔ جبکہ مختلف رفاہی و سماجی خدمات کے ادارے آمدنی کم ہونے یا نہ ہونے کی وجہ سے اکثر بند ہو جاتے ہیں۔

مالیات کے انتظامی شعبہ جات

محاسبی

کراچی کے بڑے دینی مدارس میں اہتمام کیا جاتا ہے کہ مدرسہ کی آمدنی اور خرچ کا تفصیلی حساب رکھا جائے۔ اس سلسلے کی بنیادی دستاویز میں چندے کی رسیدیں، روزانہ کا کھاتہ اور ماہانہ گوشوارہ شامل ہوتے ہیں۔ تمام حساب کتاب سال کے آخر میں مجلس انتظامیہ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ یہ شعبہ بجٹ بھی تیار کرتا ہے

کہ امسال حاصل ہونے والی آمدنی کا کتنا فیصد طلباء پر اس کا بقیہ کتنا حصہ دیگر ترقیاتی و غیر ترقیاتی کاموں پر خرچ کیا جائے گا۔ اور اپنے حساب کتاب کا باضابطہ آڈٹ بھی کرایا جاتا ہے۔

شعبہ اوقاف

اس شعبے کے تحت مدرسہ کی تمام وقف جائیداد کا باضابطہ ریکارڈ رکھا جاتا ہے۔ دستاویز ملکی قوانین کے تحت تیار کئے جاتے ہیں تاکہ متعلقہ دستاویزات کو محفوظ رکھا جائے۔

شعبہ تنظیم و ترقی

اس شعبے کے تحت مدرسے کی تنظیم و اصلاح کے بارے میں غور و خوض کرکے اقدامات کئے جاتے ہیں۔

مالیات کی پالیسی

دینی مدارس کی نقد رقوم، املاک، اوقاف کا نظم و نسق چلانے، اخراجات پورا کرنے، مالیات سے متعلق پالیسی بنانے اور روپیہ جمع لانے میں مدرسہ کی مجلس منتظمہ ہی کو تمام اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ مجلس منتظمہ کے طے کردہ طریقہ کار اور صدر مجلس کی ہدایات کے مطابق منتخب خازن، مدارس کا حساب رکھتے ہیں۔

ضابطہ مالیات

مالیات سے متعلق درج ذیل امور کا خیال رکھا جاتا ہے۔

۱۔ دینی مدارس بنک میں رکھے ہوئے سرمائے پر نفع یعنی سود نہیں لیتے۔

۲۔ بنک کھاتہ صدر اور خازن کے مشترکہ دستخطوں سے کھولا جاتا ہے۔ رقم نکلوانے کے لئے بھی ان دونوں کے دستخط لازمی ہوتے ہیں۔

۳۔ دینی مدارس کے سالانہ حسابات قمری مہینوں کے اعتبار سے ۱۵ شعبان کو تیار کئے جاتے ہیں اور آڈٹ رپورٹ بھی تیار کروائی جاتی ہے۔

۴۔ مدارس کی تمام نقد رقوم، جائیداد دیگر املاک خالصتاً صرف اسی ادارے کی ملکیت ہوتی ہیں اور انہیں اسی کے مفاد میں خرچ کیا جاسکتا ہے۔ اسکا کوئی بھی حصہ مجلس منتظمہ کے کسی رکن یا ان کے رشتہ دار کو بطور منافع یا بونس نہیں دیا جاسکتا۔

۵۔ حکومت پاکستان، سینٹرل بورڈ آف ریونیو اپنے قواعد کے تحت رجسٹرڈ دینی مدارس کو ملنے والی امداد و عطیات کو آمدنی ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دیتا ہے۔

۶۔ ہر مدرسہ کا مالیاتی نظام ایک ہی جگہ ہوتا ہے جو محاسب کے توسط سے مرتب کیا جاتا ہے۔

۷ ۔ مالی معاملات میں خرچ کرنے کا اختیار مہتمم کے پاس ہوتا ہے ضرورت پڑنے پر ایک سے زائد افراد کی کمیٹی بنا دی جاتی ہے جو مشورہ سے فنڈ کو خرچ کرتی ہے ۔

۸ ۔ مختلف امور کے ناظمین کو محدود مقدار میں اخراجات کی اجازت ہوتی ہے تاکہ وہ اسی مقدار متعین کے اندر بغیر مہتمم و کمیٹی کی اجازت سے مناسب سے منظور کرا سکیں ۔

۹ ۔ ہر شعبہ مثلاً مطبخ، کتب خانہ، تعلیمی امور، دارالاقامہ، تنخواہیں، تعمیرات، مدرسہ کے مہمانوں کی تواضع، اور انعامات وغیرہ دینے کے لئے فنڈز مختص ہوتے ہیں ۔

۱۰ ۔ فارغ التحصیل طلبہ جب مدرسہ میں ملنے کے لئے آتے ہیں تو انہیں بھی مہمان تصور کیا جاتا ہے ۔ انہیں مہمان خانے میں ٹھہرایا جاتا ہے اور مدرسے سے کھانا فراہم کیا جاتا ہے ۔

۱۱ ۔ مہمان خانے کے لئے بستر، برتن ودیگر ضروری اشیاء خوردنی خریدی جاتی ہیں ۔

۱۲ ۔ مدرسہ کی رقم کے استعمال کی مدات میں ترجیحات مقرر کی جاتی ہیں مندرجہ بالا ہدایات کے ضابطوں کا اطلاق دارالعلوم، کورنگی کے ایریا، کراچی نے اپنائے ہوئے ہیں ۔ جیسے نمونہ کے طور پر پیش کیا گیا ہے ۔ البتہ دیگر مدارس کی انتظامیہ بھی اسی طرز پر اپنے اپنے طور طریقے اور اخلاص کے بقدر حساب کتاب رکھتی ہیں ۔ (۵۸)

فصل سوم: پاکستان کے دینی مدارس بورڈ کے قیام کی ضرورت و اہمیت

دینی مدارس بورڈ کے قیام کی ضرورت

قیام پاکستان سے قبل اس خطے میں دینی علوم کی اشاعت و ترویج اور تدریس کے لئے دینی مدارس تو کسی نہ کسی درجہ میں موجود تھے لیکن اکثر طلباء اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے ہندوستان جاتے تھے۔ اس وقت دینی علوم کے بڑے مراکز، دارالعلوم دیو بند، ندوۃ العلماء لکھنؤ، مدرسہ رحیمیہ دہلی، مظاہر العلوم سہارن پور اور فرنگی محل وغیرہ ہندوستان میں قائم تھے۔ تقسیم ہند کے بعد طلبہ کو بھارت جانے میں دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ لہذا ان مشکلات کے حل اور ضرورت دینی تعلیم کے مدنظر پاکستان میں دینی مدارس کا وسیع پیمانے پر قائم کرنا ناگزیر ہو گیا چنانچہ ملک کے طول و عرض میں متعدد چھوٹے بڑے مدارس قائم ہوتے چلے گئے۔ مدارس کے لئے فراہمی وسائل، انہیں باہمی مربوط و معیاری بنانے کا کام ان کے مہتمم، ناظمین اور اساتذہ کے ذمے ہوتا تھا جسے وہ اپنی صوابدید کے مطابق کرتے تھے۔ ان مدارس میں تدریس کا کام بھی رفتہ رفتہ بہتر ہوتا چلا گیا۔ لیکن یہ کوششیں بے ربط رہیں تاوقتیکہ ان مدارس کے بورڈ قائم ہوگئے۔ بورڈ کے وجود نے مدارس کو باہم مربوط کرنے اور ان کے نظام کو اصول و ضابطے کے تحت کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ [۵۹]

دینی مدارس کے بورڈ

پاکستان کے دینی مدارس کا انتظام پانچ بورڈ کے تحت چل رہا ہے۔ بیشتر مدارس (۹۰ فیصد) اپنے مسلکی تعلق کی بنا پر ان بورڈز سے ملحق ہیں تمام بورڈز اپنے اپنے قواعد و ضوابط پر عمل پیرا ہوتے ہوئے مخصوص نصاب کے تحت تدریس کا سلسلہ جاری رکھتے ہیں۔ اس وقت حسب ذیل بورڈز پاکستان میں قائم ہیں۔

۱۔ وفاق المدارس العربیہ پاکستان

گجا پھاٹک۔ شیر شاہ روڈ۔ ملتان

یہ بورڈ دیو بندی حنفی اہلسنت والجماعت کے مکتبہ فکر سے تعلق رکھتا ہے۔

۲۔ تنظیم المدارس (اہل سنت) پاکستان

جامعہ نظامیہ رضویہ۔ اندرون لوہاری گیٹ۔ لاہور

یہ بورڈ بریلوی حنفی اہلسنت والجماعت مکتبہ فکر سے تعلق رکھتا ہے۔

۳۔ وفاق المدارس السلفیہ پاکستان

جامعہ سلفیہ ، فیصل آباد

یہ بورڈ اہل حدیث مکتبہ فکر سے تعلق رکھتا ہے۔

۴۔ وفاق المدارس اہل شیعہ پاکستان ، مدرسہ الواعظین ، ایمپریس روڈ ، لاہور

یہ بورڈ اہل تشیع مکتبہ فکر سے تعلق رکھتا ہے۔

۵۔ رابطۃ المدارس الاسلامیہ پاکستان ، منصورہ ۔ لاہور ۔ ۱۸

یہ بورڈ جماعت اسلامی کے نظم کے تحت کام کر رہا ہے ۔ (۹۰)

بورڈز کے قیام کے بعد اب کسی مدرسہ کے لئے یہ مشکل ہوتا جا رہا ہے کہ وہ مذکورہ بالا میں سے کسی ایک بورڈز سے ملحق نہ ہو پھر بھی اپنی شناخت قائم رکھے ۔ چھوٹے مدارس جو کل مدارس کا کم و بیش ۷۰ فیصد ہیں اس وقت کسی بھی بورڈ سے ملحق نہ ہونے کی متعدد وجوہات رکھتے ہیں ۔ ذیل میں دو بڑی وجوہات درج کی جاتی ہیں ۔

ا ۔ یہ دینی مدارس کسی فرد یا انجمن کے تحت چلتے ہیں اور وہ خود ان کا تمام تر انتظام کرتے ہیں ۔ مزید یہ کہ وہ اپنے طلبہ کو اسناد نہیں دیتے اگر دیتے بھی ہیں تو اپنے ادارے کی جانب سے جاری کرتے ہیں ۔

ii ۔ ان مدارس کی انتظامیہ کو مالی وسائل کے حصول کے لئے عوام کے پاس جانا نہیں پڑتا کیونکہ وہ اپنی تمام ضروریات میں خود کفیل ہوتے ہیں ۔ حالانکہ مدرسہ کو کسی بورڈز سے ملحق نہ ہونے کی وجہ سے بہت سی مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے مثلاً ۔

الف ۔ کوئی بورڈ اپنے ملحق مدارس کے علاوہ دیگر کسی مدرسہ کے طلباء کی رجسٹریشن برائے امتحان نہیں کرتا ۔

ب ۔ فارغ التحصیل طلباء کو پاکستانی جامعات سے معادل (Equivalent) کے سلسلے میں مشکلات درپیش ہوتی ہیں اور ایسے طلبہ پاکستان کی جامعات سے M.Phil اور Ph . D نہیں کر سکتے ۔

ج ۔ ان اداروں کی جانب سے جاری کردہ اسناد کی کوئی خاص حیثیت نہیں سمجھی جاتی نہ ملازمت کے حصول میں ایسی ڈگریاں معاون نہیں ٹھہرتیں نیز ان کی اپنی شناخت بھی نہیں ہوتی ۔ لہٰذا ان کے لئے ملازمت کے مواقع نسبتاً کم ہو جاتے ہیں ۔ نیز یہ علماء کے کسی متحدہ گروپ میں شامل بھی نہیں ہو سکتے ۔

چھوٹے دیہات کے قائم شدہ دینی مدارس جن میں ابتدائی دینی تعلیم یا درجہ حفظ و ناظرہ قرآن حکیم کی تعلیم کا بندوبست ہے وہ کسی مستقل تعلق کے بغیر قائم ہوں وہ اور بورڈ سے ملحق ہوئے بغیر بھی کام کرتے رہتے ہیں ۔ انہیں اسناد جاری کرنے کی ضرورت بھی درپیش نہیں ہوتی ۔ طلباء بھی مطالبہ نہیں کرتے ۔

دینی مدارس بورڈ کے فوائد

۱۔ بورڈز کے تحت ایک مستقل نظام تعلیم وجود میں آگیا ہے۔

۲۔ ہر بورڈ نے اپنے طور پر دینی مدارس کے لئے جامع، مربوط، مسلمہ، یکساں اور اپنے طور پر عصری تقاضوں کے مطابق نصاب تعلیم ترتیب دیا ہے۔

۳۔ امتحانات کا ہمہ گیر نظام وجود میں آگیا ہے۔

۴۔ فارغ التحصیل طلبہ کو اسناد جاری کرنے کا معیاری نظام اپنا یا گیا ہے۔

۵۔ ہر بورڈ سے ملحقہ مدارس میں باہمی اتحاد اور ربط پیدا ہوگیا ہے۔ نیز مدارس کو ایک پلیٹ فارم میسر آگیا ہے۔

۶۔ دینی مدارس حکومت کے عمل دخل سے آزاد رہتے ہوئے اپنے طریقہ کار اور حکمت عملی میں خود مختار ہوگئے ہیں۔

۷۔ بورڈز کے قیام سے دینی مدارس کو اپنی بقاء، تحفظ، تنظیم، ترقی، معیار تعلیم کی بہتری اور ملت کے اتحاد و فلاح میں موثر کردار ادا کرنے کے مزید مواقع میسر آگئے ہیں۔

۸۔ تمام بورڈ اپنے اپنے ملحقہ مدارس کی تفصیلی فہرست شائع کرتے ہیں۔ نیز ہر مدرسہ کو الحاق کی سند بھی جاری کرتے ہیں۔ اس طرح مدارس کی توقیر میں اضافہ ہوا ہے۔

۹۔ ہر بورڈ اپنے معاملات میں آزاد و خود مختار ہے۔(۶۱)

دینی مدارس بورڈ کے قیام کے مشترکہ غرض و مقاصد

۱۔ دینی مدارس کی بقا و تحفظ، تنظیم و ترقی، نصاب تعلیم کی ترتیب و یکسانیت، معیار تعلیم کی بہتری اور اتحاد ملت کے لئے دینی مدارس کے کردار کو موثر فعال بنانا۔

۲۔ مدارس کی شیرازہ بندی، نظم و نسق اور ذاتی آزادی کا تحفظ کرتے ہوئے مدارس کو سرکاری دست برد سے بچانا آپس میں تنظیم و تعاون۔ مدارس کی اصلاح، نصابی سرگرمیوں کو باہم مربوط کرنا، وقت کے تعلیمی و معاشرتی تقاضوں کے تحت باہمی مشاورت سے بہتری کیلئے ترمیم کرنا۔

۳۔ قرآن و سنت پر مبنی دینی علوم کے تدریس و تعلیم کے سلسلہ میں سہولتیں بہم پہنچانا۔

۴۔ ملحقہ دینی مدارس کے لئے جامع نصاب تعلیم مرتب کرنا اور اسے عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کرنا۔

۵۔ دینی مدارس کو باہم مربوط و متحد کرکے ایک نظم میں پرونا۔

۶۔ ملحقہ مدارس کے تمام تعلیمی مراحل جیسے ثانویہ عامہ، خاصہ، عالیہ، عالمیہ اور حفظ و تجوید کے امتحانات کے

انعقاد کرنا اور کامیاب طلبہ کو اسناد جاری کرنا۔

۷۔ ملحقہ مدارس کے مفادات کا تحفظ کرنا۔

۸۔ اہم موضوعات پر علمی و تحقیقی مقالات اور کتب تیار کروا کر ان کی طباعت کا اہتمام کرنا۔

۹۔ اساتذہ کی تعلیمی ترقی کے لئے تربیتی کورس کا اہتمام کرنا اور طلبہ کی اصلاح و تربیت کے لئے اقدام کرنا۔

۱۰۔ ذہین اور محنتی طلبا کی اعلیٰ تعلیم کے لئے ملکی جامعات میں تعلیمی وظیفہ کے حصول کے لئے کوشش کرنا۔

۱۱۔ دینی مدارس کی تاسیس کے مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے مسلسل اور مؤثر اقدامات کرنا۔

۱۲۔ مروجہ نصاب تعلیم میں جدید دینی تقاضوں کے مطابق مناسب تصرف کرنا اور حسب ضرورت کتابیں طبع کرانا

۱۳۔ ملحقہ دینی مدارس میں نصاب تعلیم، نظام تعلیم اور امتحانات میں باقاعدگی، یک جہتی اور ہم آہنگی پیدا کرنا۔

۱۴۔ جدید عصری تقاضوں کے مطابق تعلیمات اسلامیہ کی ترویج، نشرواشاعت اور اہم تحقیقی موضوعات پر مستند اور تحقیقی کتابیں تالیف و تصنیف کروانا۔

۱۵۔ دینی مدارس کی بقاء، وترقی اور معیار تعلیم کو بلند کرنے کے لئے صحیح اور مؤثر ذرائع اختیار کرنا۔

۱۶۔ دینی مدارس کو فروغ و ترقی دینا اور ان کا وقار بلند کرنے کی کوشش کرنا۔

۱۷۔ علوم اسلامیہ کو ایسے خطوط پر منظم کرنا کہ فارغ التحصیل طلباء امامت و خطابت، تدریس و تبلیغ اور اسلامی قیادت کی اہم ذمہ داریاں پوری کرنے اور دور حاضر کے مسائل سے عہدہ برآ ہونے کے اہل ہوسکیں۔

۱۸۔ فضلاء کے لئے اعلیٰ تحقیقی، تدریسی اور تحریری سہولتیں فراہم کرنا۔

۱۹۔ ملحق مدارس سے فارغ التحصیل ہونے والوں کے لئے اندرون اور بیرون ملک خدمات سرانجام دینے کے لئے مواقع فراہم کرنا۔

۲۰۔ دینی اور تعلیمی امور میں مدارس کے جائز حقوق حاصل کرنے کی مشترکہ جدوجہد کرنا۔

۲۱۔ دینی مدارس کی اسناد کا اسلامی ممالک کی جامعات سے معادلہ کروانا۔

۲۲۔ اقامت دین کے لئے جدوجہد کو اپنا دینی فریضہ سمجھنا اور زیر تعلیم طلبہ کو اس کے لئے عملاً تیار کرنے میں کوشاں ہونا۔(۴۲)

دینی مدارس بورڈ کا دستور اور ضابطہ کار

دینی مدارس کے پانچوں بورڈز کے اپنے اپنے وضع کردہ دستور و ضابطہ کار ہیں۔ البتہ بیشتر دفعات و ضابطے اور اصول مشترک ہیں۔ البتہ چند امور میں فرق پایا جاتا ہے۔ جسکی وجہ اختلاف مسلک، تعلیمی فلسفہ اور مقاصد اور طریقہ تعلیم ہیں۔ تمام بورڈز نے اپنے اپنے دستور میں درج ذیل اہم امور شامل کئے ہوئے ہیں۔ جیسے بورڈ کے اغراض و مقاصد، ضابطہ کار، مجلس عمومی، شوریٰ اور عاملہ اسی طرح صدر، نائب صدر، ناظم اعلیٰ، اور خازن کے اختیارات اور فرائض، میعاد عہدیداران، تقاریب مدارس، درجات مدارس، مدارس کا الحاق اور مالیات سے متعلق ضابطے وغیرہ۔(۹۳)

بورڈ سے الحاق کی شرائط

تمام بورڈز نے مدرسہ کے الحاق کے لئے مندرجہ ذیل مشترک شرائط وضع کی ہوئی ہیں۔

۱۔ ہر وہ دینی مدرسہ جو سلف صالحین کے منہج پر قائم ہو اسکا بورڈ سے الحاق ہو سکتا ہے۔

۲۔ مدرسہ جس بورڈ سے الحاق کا خواہش مند ہو اس کے لئے اسکا ہم مسلک ہونا ضروری ہوگا۔

۳۔ کسی مدرسہ کیلئے الحاق کی منظوری اور اسکے تعلیمی مراحل کا تعین معائنہ کمیٹی کی رپورٹ اور سفارش پر فیصلہ ہوگا۔

۴۔ بورڈ سے الحاق کے بعد ہر مدرسہ کیلئے ضروری ہوگا کہ وہ قواعد و ضوابط اور وقتاً فوقتاً جاری کردہ ہدایات کا پابند رہے۔

۵۔ کسی بھی مدرسہ کا بورڈ سے الحاق پانچ تعلیمی مراحل (شعبہ تحفظ و تجوید، ثانویہ عامہ، ثانویہ خاصہ، عالیہ، عالمیہ) میں سے کسی ایک، دو یا تمام مراحل کیلئے ہوگا۔

۶۔ بورڈ کے قواعد و ضوابط اور ہدایات کی خلاف ورزی کرنے پر کسی بھی مدرسہ کا الحاق ختم کر دیا جائے گا۔

۷۔ بورڈ سے ملحق تمام مدارس، زیر تعلیم طلبہ کے داخلہ، اخراج، اور حاضری، اسی طرح اساتذہ کی حاضری، امتحانات سے متعلقہ تمام امور کا اندراج، مالیاتی معاملات اور دفتری امور کا ریکارڈ رکھیں گے۔(۹۴)

بورڈز سے الحاق کیلئے واجبات کی شرح

بورڈ سے الحاق کیلئے درخواست گزار مدرسہ کو درج ذیل شرح فیس برائے الحاق کے علاوہ اپنی آمدنی سے پچاس پیسے فی سیکڑہ سالانہ چندہ کے طور پر بھی ادا کرنے ہوتے ہیں۔ اسی آمدن سے مدارس کے بورڈز نظام امتحانات کا بندوبست کرتے ہیں۔ بورڈز کے مالی سال کا آغاز یکم محرم سے ہوتا ہے۔

تنظیم المدارس اور وفاق المدارس پاکستان کی شروح واجبات

مدرسہ کا درجہ	تنظیم المدارس	وفاق المدارس
مدارس ابتدائیہ	۲۰ روپے یکبارگی	۵۰/- روپے یکبارگی
تحفیظ و تجوید	۴۰/-	۶۵/-
متوسطہ	۵۰/-	۶۵/-
عامہ	۶۵/-	۱۰۰/-
خاصہ	۶۵/-	۱۰۰/-
عالیہ	۶۵/-	۱۵۰/-
عالمیہ	۱۵۰/-	۲۰۰/-

مندرجہ بالا شرح واجبات صرف دو بورڈز کی دی گئی ہیں جبکہ دیگر بورڈز نے بھی اسی طرح تفصیلی واجبات مقرر کئے ہوئے ہیں۔ (۹۵)

وفاق المدارس سے ملحق مدارس

وفاق المدارس العربیہ پاکستان سے ملحق مدارس کی تعداد ۱۳۶۳ سے زائد ہے۔ نئے مدارس کے الحاق کا سلسلہ تا حال جاری ہے۔ تفصیل درج ذیل ہے۔ (۹۶)

جدول

نمبر شمار	علاقہ	تعداد ملحقہ مدارس
۱	پنجاب	۷۲۰
۲	سندھ	۳۷۱
۳	سرحد	۱۸۴
۴	بلوچستان	۸۳
۵	آزاد کشمیر	۵
-	کل	۱۳۶۳

تنظیم المدارس سے ملحق مدارس

مرکزی دفتر تنظیم المدارس پاکستان کی جاری کردہ فہرست کے مطابق ان سے ملحقہ مدارس مندرجہ ذیل ہیں۔

جدول

نمبر شمار	علاقہ / صوبہ	فوقانی	وسطانی	تحتانی	ابتدائی	میزان
۱۔	پنجاب	۹۳	۲۱۵	۲۰۸	۳۴۷	۸۶۳
۲۔	سندھ	۱۶	۱۳	۵	ـــ	۳۴
۳۔	سرحد	۳	۵	۱۶	۶	۳۰
۴۔	بلوچستان	۳	۲	۱۳	۳	۲۱
۵۔	آزاد کشمیر	ـــ	۶	۹	۳	۱
ـــ	میزان	۸۶	۲۳۶	۲۵۰	۳۸۶	۵۰۶

زیر نظر فہرست کو صوبائی اور علاقائی تقسیم کے ساتھ مدرسہ کے موجودہ تعلیمی درجات کے حوالے سے مرتب کیا گیا ہے لیکن ان کی تعداد میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ کیونکہ مدارس تعلیمی میدان میں بھی آگے بڑھتے رہتے ہیں اس طرح ایک مدرسہ کے اگلے درجے میں ترقی کر جانے سے مختلف درجات کے مدارس میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ نیز نئے مدارس کے قیام سے تعداد میں اضافہ بھی ہوتا رہتا ہے۔ (۹۷)

فصل چہارم: وفاق المدارس العربیہ پاکستان

جیسا کہ اس سے قبل ذکر کیا گیا ہے کہ قیام دارالعلوم دیوبند کے بعد سے ہی دینی مدارس کے قیام اور اتفاق کی تحریک شروع ہو گئی تھی لیکن قیام پاکستان کے بعد کئی عوامل کی وجہ سے دارالعلوم دیوبند اس پر زیادہ توجہ نہ دے سکا چنانچہ دیوبندی مسلک کے مدارس نے خود اس معاملہ کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے اس پر توجہ دی پھر دیگر مسالک کو بھی توجہ دلائی گئی بالآخر متعلقہ مدارس نے اپنے اپنے وفاق قائم کئے۔ پہلے وفاق المدارس کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے جس کے لئے کراچی کے دیوبندی علماء نے سب سے پہلے پیش قدمی کی۔ ایک میٹنگ کی روداد کچھ اس طرح سے لکھتے ہیں کہ "حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کے تعلیمی اداروں میں رائج دونوں تعلیمی نظاموں کے درمیان جو وسیع خلیج حائل ہو گئی ہے اسے دور کرنے کی ضرورت عرصہ دراز سے محسوس کی جا رہی تھی کہ پاکستان کا مقصود نظریاتی اتحاد ہونا چاہیے نظریاتی خلا نہیں"۔ اس نے اس خلیج کو دور کرنے کے لئے بڑی حکمت کی ضرورت ہے۔ لہٰذا دینی مدارس کے نظام تعلیم کو منظم، مربوط اور پاکستان کے لئے زیادہ مفید بنانے کے لئے ایک آزاد خود مختار تعلیمی بورڈ کی تشکیل کی جانی چاہیے جس میں حسب ذیل امور کی رعایت رکھی جائے۔ (۹۸)

الف۔ یہ بورڈ تمام تر موجود بڑے دینی مدارس کے ایسے ذمہ دار علمائے دین پر مشتمل ہو جن پر دینی مدارس اور پوری امت مسلمہ ان کے علم و فضل اور دینی بصیرت کی وجہ سے اعتماد کرتی ہو البتہ جدید علوم کے معاملے میں مشورہ کے لئے دو ایسے صاحبان بھی اس کے رکن ہوں جو جدید نظام تعلیم کے ماہر سمجھے جاتے ہوں۔

ب۔ تمام دینی مدارس اپنی نگرانی میں پرائمری اسکول قائم کریں جس میں وہی نصاب پڑھایا جائے جو عام سرکاری اسکولوں میں رائج ہو۔ تاکہ اس مرحلے تک جدید و قدیم نظام تعلیم کا فرق بالکل ختم کر دیا جائے۔ البتہ دینی مدارس کو یہ اختیار ہو کہ وہ اپنی ضرورت کے تحت اس نصاب میں کچھ اضافہ کرنا چاہیں تو کر سکیں اور دینی مدارس کے خاص نظام تعلیم میں انہی طلباء کو داخلہ دیا جائے جو پرائمری جماعت پاس ہوں۔

ج۔ دینی مدارس کے نصاب تعلیم کو چار مراحل پر تقسیم کیا جائے علوم ابتدائیہ، علوم ثانویہ، علوم عالیہ اور تخصص۔ ان مراحل میں بورڈ اپنی صوابدید پر معاشیات، سیاسیات اور جدید فلسفہ جیسے مضامین شامل کر سکتے ہیں

د۔ بورڈ کو نصاب تعلیم کے انتخاب، اصلاح اور ترمیم، امتحانات کے انعقاد اور جملہ تعلیمی امور میں مکمل آزادی اور خود مختاری حاصل ہو اور اس معاملے میں وہ کسی ہیئت حاکمہ کے پابند نہ ہوں۔ زیر تجویز پالیسی میں بعض معیاری دینی مدارس کو اس قسم کی آزادی دی جائے کہ وہ خود امتحانات لیکر اسناد جاری بھی کریں۔

(د)۔ موجودہ نظام میں دینی مدارس کے رائج نظام کے تحت یہ عوامی مالی تعاون کی بنیاد پر چل رہے ہیں اگر ان

مدارس کی موجودہ آزادی میں کوئی فرق آیا یا حکومت نے ان کو مالی امداد دی تو یقین ہے کہ میزانیہ میں اس کی گنجائش نہیں ہوگی ۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ دینی مدارس ایک طرف اپنے تعلیمی معاملات میں مکمل طور پر آزاد ہوں اور دوسری طرف ان کا مالیاتی نظام جس طرح اب عوامی تعاون کی بنیاد پر چل رہا ہے ، اسی طرح چلتا رہے اور مرکزی بورڈ کے جملہ اخراجات بھی دینی مدارس کے چندے سے پورے کئے جائیں ۔

د ۔ دینی مدارس بورڈ کی دی ہوئی اسناد کو سرکاری طور پر تسلیم کرایا جائے اور ابتدائی مرحلے کو میٹرک کے مساوی ، ثانوی کو انٹر کے اور اعلیٰ مرحلے کو گریجویٹ کے مساوی اور تخصص کو ایم ۔ اے ۔ کے مساوی قرار دیا جائے ۔

قیام وفاق کے اجلاس میں شرکت کنندگان کے کوائف

نمبر شمار	نام	عہدہ	درس گاہ
۱ ۔	محمد شفیع	صدر مجلس انتظامیہ	دارالعلوم ، کورنگی ، کراچی ۔ ۱۴
۲ ۔	محمد یوسف بنوری	مہتمم	جامعہ علوم اسلامیہ ، بنوری ٹاؤن ۔ کراچی
۳ ۔	محمد احمد تھانوی	مہتمم	مدرسہ اشرفیہ سکھر
۴ ۔	محمد عمر بلوچ	مہتمم	مدرسہ اسلامیہ عربیہ انوار الاسلام ۔ کراچی
۵ ۔	سید محمد یوسف	استاذ عربی	جامعہ کراچی
۶ ۔	احمد درخواستی	ناظم	مدرسہ مظہر العلوم ۔ کھڈہ ۔ کراچی
۷ ۔	محمد مظہر بقا	لیکچرار	جامعہ کراچی
۸ ۔	محمد حسین	مدیر مجلس علمی	مجلس علمی کراچی
۹ ۔	بشیر احمد صدیقی	مدیر عائشہ باوانی کالج	عائشہ باوانی کالج کراچی
۱۰ ۔	محمد رفیع عثمانی	مہتمم	دارالعلوم ، کورنگی ، کراچی ۔ ۱۴
۱۱ ۔	سبحان محمود	استاذ حدیث	دارالعلوم ، کورنگی ، کراچی ۔ ۱۴
۱۲ ۔	محمد عاشق الٰہی	استاذ حدیث	دارالعلوم ، کورنگی ، کراچی ۔ ۱۴
۱۳ ۔	محمد یوسف لدھیانوی	مدیر ماہنامہ بینات	جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن ۔ کراچی
۱۴ ۔	محمد تقی عثمانی	مدیر ماہنامہ البلاغ	دارالعلوم ، کورنگی ، کراچی ۔ ۱۴
۱۵ ۔	سید مصباح	ناظم تعلیمات و مدرس	جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن ۔ کراچی
۱۶ ۔	ولی حسن ٹونکی	مدرس	جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن ۔ کراچی
۱۷ ۔	رشید احمد	مدرس	اشرف المدارس ۔ ناظم آباد کراچی
۱۸ ۔	محمد عبد الرؤف	صدر مدرس	مدرسہ عربیہ مفتاح العلوم ۔ حیدرآباد
۱۹ ۔	مفتی شمس الدین	مہتمم	مدرسہ عربیہ مفتاح العلوم ۔ حیدرآباد
۲۰ ۔	ظفر احمد عثمانی	مہتمم	ٹنڈو الہ یار (۲۱)

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کا قیام

جامعہ خیر المدارس ملتان کی مجلس شوریٰ کے اجلاس منعقدہ ۲۲ مارچ ۱۹۵۷ء کے دوران پہلی مرتبہ اس معاملہ کو ایک اہم مسئلہ تسلیم کرتے ہوئے مناسب لائحہ عمل طے کرنے کے لئے مولانا احتشام الحق تھانوی کی سربراہی میں ایک پانچ رکنی کمیٹی بنائی گئی جس میں کنوینر کے علاوہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی، مولانا شمس الحق افغانی، مولانا خیر محمد جالندھری اور مولانا مفتی محمد عبداللہ ملتانی شامل تھے۔ (۶۹)

اس کنوینگ کمیٹی نے دائرہ عمل کو وسعت دینے اور مشترکہ لائحہ عمل مرتب کرنے کے لئے ملک بھر کے جید علماء اور اکابرین کی ایک سہ روزہ تنظیمی کانفرنس منعقد کرنے کا فیصلہ کیا چنانچہ یہ کانفرنس ۲۲، ۲۳ اور ۲۴ شوال ۱۳۷۸ھ کو دارالعلوم الاسلامیہ اشرف آباد (ٹنڈوالہ یار) میں منعقد ہوئی۔ جس میں تعلیمی و تنظیمی معاملات تفصیل سے زیر بحث لائے گئے۔ لہٰذا مدارس دینیہ کی شیرازہ بندی، نظم ونسق، درس و تدریس اور نصاب و تربیت کے لئے آغاز کار کے طور پر بالاتفاق آراء جید علماء پر مشتمل ایک تنظیمی کمیٹی تشکیل دی گئی۔

اس کمیٹی کے صدر، مولانا خیر محمد جالندھری، منتخب ہوئے جبکہ دیگر منتخب اراکین میں مولانا شمس الحق افغانی، مولانا احمد علی لاہوری، مولانا محمد ادریس کاندھلوی، اور مولانا محمد صادق بہاولپوری کے اسماء شامل تھے کانفرنس نے صدر مجلس کو کمیٹی کے ارکان کی تعداد میں مناسب اضافہ کا اختیار بھی دیا۔ چنانچہ صدر مجلس، نے مندرجہ ذیل علماء کو بطور رکن کمیٹی نامزد کیا۔

۱۔ مولانا فضل احمد، کراچی

۲۔ مولانا مفتی محمد عثمان، کراچی

۳۔ مولانا مرتضیٰ محمد، کوئٹہ

۴۔ مولانا مفتی محمد شفیع، کراچی

۵۔ مولانا محمد علی جالندھری، ملتان

۶۔ مولانا مفتی محمد عبداللہ، ملتان

۷۔ مولانا عبداللہ جالندھری، ساہیوال

صدر مجلس مولانا خیر محمد جالندھری، کی زیر صدارت کمیٹی کے دو اجلاس منعقد ہوئے۔ پہلا اجلاس ۱۷۔۱۹ ذیقعدہ اور دوسرا اجلاس ۱۹۔۱۶ ذی الحجہ ۱۳۷۸ھ کو ہوا۔ دوسرے اجلاس میں تنظیمی کمیٹی کے ارکان کے علاوہ چند سرکردہ علماء بھی خصوصی دعوت پر شریک ہوئے جن میں مولانا مفتی محمود، مولانا محمد عمر، مولانا محمد شفیع، سرگودھا، مولانا عبدالحق، اکوڑہ خٹک، مولانا عبدالخالق، کبیر والا۔ علامہ خالد محمود سیالکوٹ، مولانا حافظ عبدالمجید

فیصل آباد، مولانا محمد شفیع ملتان اور مولانا عبدالکریم کراچی ۔ کے اسماء خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔

اجلاس میں ۔ اس کے تعلیمی امور، تنظیمی معاملات اور اصلاح نصاب کے لئے اقدامات پر غور کیا گیا اور بالآخر متفقہ طور پر ایک وفاقی بورڈ قائم کرنے کا فیصلہ ہوا ۔ اس بورڈ کا نام " وفاق المدارس العربیہ پاکستان " رکھا گیا ۔ جس کے اغراض و مقاصد اور دستوری خاکہ مرتب ہوا نیز اس اجلاس میں طے کیا گیا کہ ربیع الثانی ۱۳۷۹ھ میں جملہ مدارس عربیہ کے نمائندوں کا ایک اجلاس بلایا جائے جس میں مرتبہ دستور کی منظوری حاصل کی جائے اور تین سال کے لئے " وفاق " کے عہدیداران کا انتخاب بھی کیا جائے ۔ اس انتخاب کے بعد یہ تنظیمی کمیٹی اپنے فرائض سے سبکدوش ہو کر خود بخود ختم ہو جائے گی ۔ (۱۰)

کمیٹی کے عہدیداران کا انتخاب

تنظیمی کمیٹی کے اجلاس منعقدہ ۱۹، ۱۶ ذی الحجہ ۱۳۷۸ھ = ۲۳ - ۲۵ جون ۱۹۵۹ء ، میں طے شدہ پروگرام کے تحت ۱۴، ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۷۹ھ کو مجوزہ " وفاق المدارس العربیہ پاکستان " کا پہلا اجلاس مولانا خیر محمد جالندھری ، کی صدارت میں منعقد ہوا ۔ اس میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان کا دستور بعض ضروری ترامیم کیساتھ منظور کیا گیا اور آئندہ تین سال کے لئے وفاق کے عہدیداروں کا انتخاب عمل میں لاکر حسب ذیل عہدیدار منتخب کئے گئے (۱۱)

صدر ۔ مولانا شمس الحق افغانی

نائب صدر ۱ ۔ مولانا خیر محمد جالندھری

نائب صدر ۲ ۔ مولانا محمد یوسف بنوری

ناظم اعلیٰ ۔ مولانا مفتی محمود

خازن ۔ مولانا مفتی محمد عبداللہ

صدر وفاق مولانا شمس الحق افغانی نے دیگر عہدیداران کے مشورہ سے درج ذیل علماء کو وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی پہلی مجلس عاملہ کے لئے رکن نامزد کیا ۔

مجلس عاملہ

۱ ۔ مولانا احتشام الحق تھانوی ، مہتمم ، دارالعلوم الاسلامیہ اشرف آباد ٹنڈوالہ یار)

۲ ۔ مولانا مفتی محمد شفیع ، مہتمم ، دارالعلوم ، کراچی

۳ ۔ مولانا افضل احمد ، مہتمم ، مدرسہ مظہر العلوم کھڈہ ، کراچی

۴۔ مولانا عرض محمد، مہتمم، مدرسہ مطلع العلوم کوئٹہ

۵۔ مولانا مفتی محمد صادق، سابق ناظم محکمہ امور مذہبیہ ریاست بہاولپور

۶۔ مولانا قاری عبید اللہ، نائب مہتمم، جامعہ اشرفیہ، لاہور

۷۔ مولانا احمد علی لاہوری مہتمم مدرسہ قاسم العلوم شیرانوالہ گیٹ ۔ لاہور

۸۔ مولانا محمد عبداللہ، رائپوری، صدر مدرس جامعہ رشیدیہ، ساہیوال

۹۔ مولانا پروفیسر یوسف علی سلیم چشتی، ایڈیٹر "ندائے حق" لاہور

۱۰۔ مولانا محمد شفیع، مہتمم، سراج العلوم، سرگودھا۔

۱۱۔ مولانا عبدالحنان، مہتمم، دارالعلوم حنفیہ عثمانیہ، راولپنڈی

۱۲۔ مولانا سید گل بادشاہ، امیر نظام العلماء، صوبہ سرحد

۱۳۔ مولانا غلام غوث ہزاروی، مہتمم، مدرسہ تجوید القرآن بفہ، ضلع ہزارہ

۱۴۔ مولانا محمد علی جالندھری، مہتمم مدرسہ منور الاسلام چک ۲۴۹ ضلع فیصل آباد

۱۵۔ مولانا قاضی عبدالکریم، مہتمم، مدرسہ نجم المدارس کلاچی، ضلع ڈیرہ اسماعیل خان

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی مذکورہ بالا تنظیم کے بعد بالترتیب مندرجہ ذیل علماء مختلف سیشنوں میں عہدیدار رہے۔

صدر

مولانا شمس الحق افغانی، مولانا خیر محمد جالندھری، مولانا محمد یوسف بنوری، مولانا مفتی محمود، مولانا محمد ادریس، کراچی اب مولانا سلیم اللہ خان صدر ہیں۔

نائب صدر

مولانا خیر محمد، جالندھری مولانا محمد یوسف بنوری، مولانا مفتی محمد شفیع سرگودھا، مولانا عبدالحق اکوڑہ خٹک، مولانا محمد عبداللہ ساہیوال، مولانا محمد ادریس میرٹھی، کراچی اور مولانا محمد عبیداللہ، جامعہ اشرفیہ، لاہور

ناظم اعلیٰ

مولانا مفتی محمود، مولانا محمد ادریس میرٹھی کراچی اور مولانا سلیم اللہ خان، مہتمم، جامعہ فاروقیہ کراچی۔

ناظم

مولانا محمد ادریس میرٹھی ، مولانا مفتی محمد عبداللہ ملتانی ، مولانا حبیب اللہ ساہیوال ، مولانا مفتی محمد انور شاہ بنوں ۔

خازن

مولانا مفتی محمد عبداللہ ملتان ، مولانا محمد شریف جالندھری ملتان اور مولانا فیض احمد ، ملتان

مجلس عاملہ کے ارکان

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی مجلس عاملہ میں شامل ارکان حسب ذیل رہے ہیں ۔ مولانا محمد احمد تھانوی ، علامہ علاء الدین صدیقی (سابق وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی) مولانا عبدالرحمن چارہ سدہ ، مولانا عبید اللہ انور لاہور ، مولانا حامد میاں لاہور ، مولانا ظفر احمد ٹنڈوالہ یار ، مولانا محمد ایوب جان بنوری پشاور ، مولانا عبید اللہ لاہور ، مولانا فضل احمد فقیر والی ، مولانا قاری عبدالسمیع سرگودھا ، مولانا مفتی محمد شفیع ملتان ، مولانا منظور الحق کبیر والا ، مولانا عبدالغنی فیصل آباد ، مولانا عبدالرؤف پشاور ، مولانا محمد شریف جالندھری ملتان ، مولانا علی محمد کبیر والا ، مولانا عبدالواحد کوئٹہ ، مولانا مفتی احمد الرحمان کراچی ، مولانا مفتی محمد انور شاہ بنوں ، مولانا محمد یوسف ہمدانی (آزاد کشمیر) ، مولانا سمیع الحق اکوڑہ خٹک ، مولانا محمد امین کوہاٹ ، مولانا عبدالمجید کہروڑ پکا ، مولانا قاری محمد حنیف جالندھری ملتان ، مولانا مفتی زین العابدین فیصل آباد ، مولانا محمد عبداللہ اسلام آباد ، مولانا غلام محمد کولاب ، مولانا محمد اسعد تھانوی ، مولانا محمد رفیع عثمانی کراچی ، مولانا محمد اسماعیل کراچی ، مولانا حبیب اللہ ساہیوال ، مولانا فیض احمد ملتان ، مولانا محمد حسن جان پشاور ، مولانا احمد اللہ ، تھیوری ۔(۶۲)

مجلس شوریٰ

الف ۔ مجلس شوریٰ ان تمام نمائندہ دینی مدارس پر مشتمل ہوتی ہے جو علی الترتیب کم از کم عالیہ وعالمیہ کے درجات میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے نصاب تعلیم و نظام امتحان کی پابندی کرتے ہیں ۔ یہ نمائندے دائمی اور مستقل ہوتے ہیں ۔ البتہ صدر وفاق (Board) بمشورہ ناظم اعلیٰ ایسے ملحق مدارس ثانویہ سے بھی دس ارکان پانچ سال کے لئے نامزد کر سکتے ہیں جو وفاق کے نصاب و امتحان کی پابندی کرتے ہوں ۔

ب ۔ جامعہ یا مدرسہ عالیہ کا نمائندہ بورڈ کے مندرجہ ذیل عہدہ داران میں سے کوئی ایک ہوتا ہے ۔ جیسے مہتمم ، نائب مہتمم ، صدر مدرس اور ناظم تعلیمات ۔

ا ۔ مجلس شوریٰ اصل قوت حاکمہ ہوتی ہے اور یہی وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے اغراض و مقاصد کی تکمیل کی

نگران ہوتی ہے۔

۲۔ مجلس شوریٰ کا اجلاس منعقد کرنے کے لئے کم از کم ایک ماہ پہلے اطلاع دینا ضروری ہوتا ہے۔ مخصوص حالات میں بورڈ کا صدر ایک ماہ سے کم مدت میں بھی اجلاس طلب کر سکتا ہے۔

۳۔ مجلس شوریٰ کا کورم کل ارکان کی ۳/۱ تعداد سے پورا ہوتا ہے اور ملتوی شدہ اجلاس کے لئے سوائے ترامیم دستوری و معزولی عہدیداران کے کورم کی پابندی نہ ہوگی۔

۴۔ مجلس شوریٰ بورڈ کے صدر، نائب صدر، ناظم اعلیٰ، ناظم اور خازن کا انتخاب کرتی ہے۔

۵۔ مجلس شوریٰ حاضر ارکان کی اکثریت سے کسی بھی منتخب عہدہ دار کو معزول کر سکتی ہے، بشرطیکہ ایجنڈا میں یہ مسئلہ شامل ہو۔

۶۔ مجلس شوریٰ کا اجلاس کم از کم سال میں ایک بار منعقد ہونا ضروری ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ صدر اپنی صوابدید یا ۳/۱ ارکان شوریٰ کی درخواست پر بھی اجلاس طلب کر سکتے ہیں۔

۷۔ مجلس شوریٰ وفاق (بورڈ) کے حسابات کی تنقیح کر کے منظوری اور سالانہ میزانیہ کے تخمینوں کو پاس کرتی ہے۔

۸۔ مجلس شوریٰ منظور شدہ دستور میں کوئی ترمیم و تنسیخ دو تہائی حاضر ممبران کی اکثریت سے کر سکتی ہے، بشرطیکہ ایجنڈا میں ترمیم تنسیخ کا بالوضاحت ذکر کیا گیا ہو۔

۹۔ مجلس شوریٰ کے فیصلے کثرت رائے سے ہوتے ہیں۔ (۴۳)

مجلس عاملہ

۱۔ مجلس عاملہ صدر کے علاوہ ۱۲ افراد پر مشتمل ہوتی ہے۔ جن میں منتخب عہدہ داران بھی شامل ہوتے ہیں۔ باقی ارکان کو بورڈ کے صدر بمشورہ ناظم اعلیٰ نامزد کرتے ہیں۔

۲۔ مجلس عاملہ کے ارکان مجلس شوریٰ سے نامزد کئے جاتے ہیں۔

۳۔ بورڈ کا صدر بمشورہ ناظم اعلیٰ مجلس عاملہ کے مسلسل تین اجلاسوں میں معقول عذر کی تحریری اطلاع دیئے بغیر شریک نہ ہونے والے نامزد رکن کی رکنیت ختم کر سکتے ہیں۔

۴۔ ایک تہائی ارکان عاملہ کی موجودگی سے کورم پورا متصور ہوتا ہے۔

۵۔ مجلس عاملہ کا اجلاس عام حالات میں پندرہ یوم کی اطلاع پر طلب کیا جاتا ہے، اور غیر معمولی حالات میں اس سے کم عرصہ کی اطلاع پر بھی طلب کیا جا سکتا ہے۔

۶۔ مجلس عاملہ وفاق کے نظم و نسق چلانے کی ذمہ دار ہوتی اور اس کے فیصلے بھی اکثریت سے ہوتے ہیں۔ صدر کی رائے کے باوجود اگر آراء متساوی ہوں تو صدر کی رائے فیصلہ کن ہوگی۔

۷۔ مجلس عاملہ ملحقہ مدارس کے امتحانات کا معیاری اور مؤثر انتظام کرتی ہے۔

۸۔ مجلس عاملہ ملحقہ مدارس کا تعلیمی و تربیتی معیار بلند کرنے کے لیے مناسب اقدامات کرتی ہے۔ (۲۳)

مجلس کے عہدیداروں کے فرائض

صدر کے فرائض

۱۔ ارکان مجلس عاملہ کو بمشورہ ناظم اعلیٰ نامزد کرنا۔

۲۔ بورڈ کے اجلاسوں کی صدارت کرنا۔

۳۔ بورڈ کے انتظامی امور کی نگرانی کرنا۔

نائب صدر کے فرائض

۱۔ صدر کی عدم موجودگی میں صدارت کے فرائض انجام دینا۔

۲۔ صدر بورڈ کی طرف سے مفوضہ امور کو سرانجام دینا۔

ناظم اعلیٰ کے فرائض

۱۔ دفتر کے نظم و نسق کو چلانا۔

۲۔ بورڈ کے صدر کی ہدایت کے مطابق مجلس عمومی، مجلس شوریٰ اور مجلس عاملہ کے اجلاس طلب کرنا اور ایجنڈا جاری کرنا۔

۳۔ منظور شدہ تجاویز کی نقول ارکان تک پہنچانا۔

۴۔ بورڈ کے تمام ریکارڈ کی حفاظت کرنا

۵۔ بورڈ کے تمام امور کی تکمیل کرنا جو صدر یا مجلس عاملہ ان کے حوالے کرے۔

۶۔ بورڈ کے امتحانات کی نگرانی۔

ناظم کے فرائض

۱۔ ناظم اعلیٰ کی عدم موجودگی میں ان کے فرائض انجام دینا۔

۲۔ ناظم اعلیٰ کی طرف سے مفوضہ امور سرانجام دینا۔

۳۔ ناظم اعلیٰ کی ہدایات کے مطابق دفتر کے نظم و نسق کو چلانا۔

۴۔ امتحانات میں کامیاب طلبہ کو صدر اور ناظم اعلیٰ کے دستخطوں سے سندات جاری کرنا۔

خازن کے فرائض

۱۔ بورڈ کی مالیات کی نگرانی کرنا

۲۔ حسابات مرتب کرنا اور سالانہ میزانیہ تیار کرنا

۳۔ حسابات جمع خرچ بار بار از اہل محنت سے تنقیح (آڈٹ) کروا کر حسابات مجلس عاملہ کے سامنے پیش کرنا۔

میعاد عہدیداران و مجلس عاملہ

بورڈ کے عہدیداران و مجلس عاملہ کی میعاد پانچ سال ہوتی ہے۔ اس مدت کے اختتام پر جدید انتخاب اور نامزدگی ہوگی جس کے بعد سابقہ عہدے اور رکنیت ختم ہو جاتی ہے۔

مدرسہ و درجات مدارس

مدرسہ سے مراد وہ درس گاہ ہے جہاں باقاعدہ دینی تعلیم دی جاتی ہو۔

(الف) مدارس ابتدائیہ۔ ایسے مدارس جن میں وفاق کے نصاب کے مطابق درجہ ابتدائیہ کی تعلیم دی جاتی ہو۔

(ب) مدارس تحفیظ القرآن الکریم۔ ایسے مدارس جن میں حفظ القرآن الکریم کا مستقل انتظام ہو۔

(ج) مدارس تجوید القرآن الکریم۔ ایسے مدارس جن میں تجوید و قراۃ کی تعلیم کا بندوبست ہو۔

(د) مدارس متوسطہ۔ ایسے مدارس جن میں درجہ متوسطہ تک تعلیم ہوتی ہو۔

(ه) مدارس ثانویہ۔ ایسے مدارس جن میں درجہ ثانویہ عامہ اور ثانویہ خاصہ تک تعلیم ہوتی ہے۔

(و) مدارس عالیہ۔ ایسے مدارس جن میں درجہ عالیہ تک تعلیم کا انتظام ہو۔

(ز) جامعات۔ ایسے تعلیمی ادارے جن میں درجہ عالمیہ (دورہ حدیث) تک تعلیم ہو۔(۷۵)

فصل پنجم: بورڈز کا نظام امتحانات

بورڈز کے قیام کے بعد سب سے پہلے درجہ عالمیہ کے امتحانات منعقد کئے گئے تھے۔ ازاں بعد دیگر درجات کا بھی بورڈز کے تحت امتحان کا سلسلہ شروع کر دیا گیا۔

بورڈز کے تحت سالانہ امتحانات ہر سال اپنے وقت پر شعبان میں منعقد کئے جاتے ہیں جبکہ ضمنی امتحانات کا ماہ صفر میں انعقاد کیا جاتا ہے۔ امتحانات سے متعلق جملہ امور طے کرنے کیلئے مجلس عاملہ کے تحت ایک امتحانی کمیٹی تشکیل دی ہوئی ہے۔ یہ کمیٹی بورڈ کے طے کردہ اصول و ضوابط کے تحت امتحانات کے بروقت اور متعینہ جگہوں پر انعقاد کے انتظامات کرتی ہے۔ اس مقصد کیلئے ناظم امتحانات کا بھی تقرر کیا ہوا ہے۔ (۷۶)

شرائط داخلہ اور امتحانات کے قواعد و ضوابط

۱۔ بورڈز کے تحت منعقدہ کسی بھی درجے کے امتحان میں صرف وہی طلبہ بطور امیدوار شرکت کے اہل تصور کئے جاتے ہیں۔ جو اس درجہ میں بورڈز سے ملحق پاکستان کے کسی بھی دینی ادارے کے باقاعدہ طالبعلم ہوں، پرائیوٹ امیدوار شرکت کے اہل نہیں ہوتے۔

۲۔ بورڈز سے ملحق صرف ان اداروں کے طلبہ کسی بھی درجے میں شریک امتحان ہونے کے مجاز ہوتے ہیں۔ جنہوں نے جملہ واجبات، بقایاجات رکنیت ادا کر دیئے ہوں۔

۳۔ کسی بھی درجہ کے امتحان میں صرف وہی امیدوار شریک ہو سکتے ہیں۔ جو تعلیمی سال کے ایام تدریس میں کم از کم (۷۰) ستر فیصد تک جماعت میں حاضری رکھتے ہوں۔ اس سلسلے میں متعلقہ ادارے کے سربراہ کا صداقت نامہ منسلک کرنا ضروری ہوتا ہے۔

۴۔ درجہ عالیہ کے امتحان میں صرف وہی امیدوار شرکت کے مجاز ہوتے ہیں جنہوں نے بورڈز کے تحت درجہ ثانیہ کا امتحان پاس کیا ہو۔

۵۔ بورڈز کے تحت منعقدہ امتحانات میں وہی امیدوار شرکت کے اہل ہوتے ہیں۔ جو صحیح العقیدہ ہوں اور امور شرعیہ کے پابند ہوں۔

۶۔ درجہ عالیہ کے امتحان میں وہی طالبعلم شرکت کے اہل ہوتے ہیں۔ جن کی عمر کم از کم انیس برس ہو۔ عمر کے ثبوت کے لئے شناختی کارڈ کی مصدقہ نقل، پیدائش کا سرٹیفیکیٹ یا کوئی اور مصدقہ دستاویز پیش کی جانی ضروری ہوتی ہے۔ سرکاری دستاویز کی عدم دستیابی کی بنا پر امیدوار کے والد / سرپرست کا مصدقہ حلف نامہ برائے عمر (امیدوار) پیش کرنا ضروری ہوتا ہے۔

۷۔ مطلوبہ کوائف کی تصدیق اپنے مدرسہ کے صدر مدرس / مہتمم / ناظم اعلیٰ سے کرانا ضروری ہوتی ہے۔

۸۔ داخلہ فارم خود پر کرنا ہر امیدوار کے لئے ضروری ہوتا ہے۔

۹۔ ہر امیدوار کے داخلہ فارم بورڈز میں متعلقہ مدرسہ کے توسط سے ارسال کئے جاتے ہیں۔

۱۰۔ دینی مدارس بورڈز کے امتحانات کے قواعد و ضوابط میں اب باقاعدگی اور بہتری آتی چلی جارہی ہے۔ یعنی ان کے نظام امتحانات کو کسی سرکاری یونیورسٹی کے نظام امتحانات کے موازنہ کے بعد دونوں کو تنظیمی طور پر بہت قریب پایا گیا ہے۔ (۶۶)

دینی مدارس بورڈز کے امتحانات میں کامیابی کے درجات

دینی مدارس کے تمام بورڈز نے امتحانات میں کامیابی کے تقریباً ایک ہی جیسے معیارات قائم کئے ہوئے ہیں وفاق المدارس العربیہ پاکستان نے "کوائف امتحانات" کے تحت ایک کتابچہ بھی شائع کیا ہے جس میں اجمالی کارکردگی کے عنوان کے تحت جامع نصاب کی ترتیب، شہادات کا اجراء، جدید علوم وفنون اور عصری تقاضوں کے پیش نظر مروجہ نصاب میں ترمیم و تصرف، فکری ہم آہنگی، نظام تعلیم کی بہتری۔ امتحانات کی یک جہتی اور مدارس کی بقا و استحکام کے لئے کی گئی کوششوں کا ذکر کرتے ہوئے ۱۳۸۰ سے ۱۴۰۸ کے دوران مختلف درجات کے امتحانات میں اول دوم اور سوم آنے والے طلباء کے کوائف بھی پیش کئے ہیں۔ (۶۸)

اسی حوالے کے مطابق وفاق المدارس العربیہ پاکستان میں کامیابی کے درجات حسب ذیل ہیں۔

نمبر شمار	عمومی اصطلاح	خصوصی مساوی اصطلاح	گریڈ	فیصد	کل نمبرات
۱	درجہ اول	ممتاز	اے	۸۵ تا ۱۰۰	۹۰۰
۲	درجہ دوم	جید جداً	بی	۷۰ تا ۸۴	۹۰۰
۳	درجہ سوم	جید	سی	۵۵ تا ۶۹	۹۰۰
۴	درجہ چہارم	مقبول	ڈی	۴۰ تا ۵۴	۹۰۰

دیگر بورڈز نے بھی درجات کامیابی اسی انداز میں قائم کئے ہوئے ہیں بس تھوڑے بہت فرق کے ساتھ انہوں نے اپنا امتیاز قائم کیا ہوا ہے۔

دینی مدارس بورڈز کے تحت خصوصی امتحانات

وہ علماء جو مختلف مدارس سے بورڈ کے قیام سے قبل ہی فارغ التحصیل ہو گئے تھے۔ ان کے لئے بورڈز کی

انتظامیہ نے یہ سہولت فراہم کی، کہ ایسے علماء جو شہادت عالمیہ کی سند کے حصول میں دلچسپی رکھتے ہوں، اپنے مسلک کے بورڈز کے منعقدہ خصوصی امتحان میں شریک و کامیاب ہو کر یہ سند حاصل کر سکتے ہیں۔ تمام بورڈز نے یہ سہولت اپنے قیام کی ابتداء میں ایک مرتبہ اور بعض نے کئی مرتبہ فراہم کی۔ ایک حد تک علماء کو یہ اسناد جاری کرنے کے بعد میں یہ سلسلہ مستقل طور پر موقوف کر دیا گیا۔ (۷۹)

حواشی و حوالہ جات باب ہفتم

۱۔ ملاحظہ کیجئے گوہر بحیرہ عرب ص / مقدمہ اور ص / ۱۰ اس کا کلاچی جو گوٹھ نام رکھا گیا۔ یہ ۱۷۲۹ء کی بات ہے ص / ۵ اور اس زمانے میں ان علاقوں میں ڈکیتی عام تھی۔

۲۔ ملاحظہ کیجئے ایضاً ص / ۲

۳۔ ملاحظہ کیجئے۔ ص / ۷

۴۔ ملاحظہ کیجئے۔ ص / ۷

۵۔ ملاحظہ کیجئے۔ ص / ۹۔۱۰

۶۔ ملاحظہ کیجئے۔ ص / ۱۰ ص / ۱۳

۷۔ ملاحظہ کیجئے۔ ص / ۲۰

۸۔ ملاحظہ کیجئے۔ ص ۲۲

۹۔ ملاحظہ کیجئے۔ ص / ۲۴۷

۱۰۔ ملاحظہ کیجئے گوہر بحیرہ عرب ص / ۱۸۳

۱۱۔ ملاحظہ کیجئے ایضاً ص / ۱۸۴

۱۲۔ ملاحظہ کیجئے دینی مدارس کا نظام تعلیم ص / ۱۶۹۔۱۷۷

۱۳۔ ملاحظہ کیجئے ہمارا نظام تعلیم ص / ۶۸۔۶۹

۱۴۔ ملاحظہ کیجئے ہمارا تعلیمی نظام ص / ۸۰

۱۵۔ ملاحظہ کیجئے دینی مدارس کی جامع رپوٹ۔ ص / ۹

۱۶۔ ملاحظہ کیجئے تاریخ دارالعلوم دیو بند ص / ۹۵۔ ج / دوم

۱۷۔ ملاحظہ کیجئے دینی مدارس پاکستان کی جامع رپوٹ ۱۹۸۸ء ص / ۵، تیار کردہ حکومت پاکستان وزارت تعلیم اسلامک ایجوکیشن ریسرچ سیل اسلام آباد

۱۸۔ ملاحظہ کیجئے تعارف دارالعلوم کراچی اور انکی خدمات ص / ۵

۱۹۔ ملاحظہ کیجئے مختصر تعارف و روئیداد ادارہ جامع انوارالقرآن (رجسٹرڈ) C - 11، ناظم آباد نارتھ کراچی آدم ٹاؤن، کراچی

۲۰۔ ملاحظہ کیجئے ماہنامہ الفاروق کراچی۔ جامعہ فاروقیہ نمبر، شعبان المعظم ۱۴۱۲ھ

۲۱ ۔ ملاحظہ کیجئے تعارف الجامعہ العربیہ احسن العلوم ٹرسٹ ، بلاک ۲ ، گلشن اقبال کراچی

۲۲ ۔ ملاحظہ کیجئے تعارف جامعہ بنوریہ ، متصل سائٹ تھانہ ، کراچی

۲۳ ۔ ملاحظہ کیجئے مدرسہ معارف القرآن کا پیغام و تعارف ۔ کراچی

۲۴ ۔ ملاحظہ کیجئے رپورٹ کارکردگی جامعہ دارالحدیث رحمانیہ سولجر بازار ۔ کراچی

۲۵ ۔ ملاحظہ کیجئے تعارف دارالعلوم نعیمیہ ، پیشکش مولانا جمیل احمد نعیمی ناظم تعلیمات دارالعلوم نعیمیہ ٹرسٹ ، فیڈرل بی ایریا کراچی

۲۶ ۔ ملاحظہ کیجئے تعارف جامعہ حمادیہ شاہ فیصل کالونی کراچی

۲۷ ۔ ملاحظہ کیجئے مختصر تعارف شمس العلوم جامعہ رضویہ ٹرسٹ ، بلاک این نارتھ ناظم آباد کراچی ۔ المرتب ابو الخنیر غلام محمد السیالوی ناظم اعلیٰ

۲۸ ۔ ملاحظہ کیجئے تعارف دارالعلوم کورنگی کراچی

۲۹ ۔ ملاحظہ کیجئے Constitution of Jamia Farooqia , Karachi

۳۰ ۔ ملاحظہ کیجئے تعارف اور دستور العمل دارالتربیت ۔ دارالعلوم کورنگی کراچی

۳۱ ۔ ملاحظہ کیجئے تعارف دارالعلوم کورنگی کراچی ۔ س / ۸۶۱

۳۲ ۔ ایضاً

۳۳ ۔ ایضاً

۳۴ ۔ ایضاً

۳۵ ۔ ملاحظہ کیجئے تعارف دارالعلوم کورنگی ۔ کراچی

۳۶ ۔ ملاحظہ کیجئے تعارف اغراض و مقاصد جامعہ بنوریہ متصل سائٹ تھانہ ۔ کراچی

۳۷ ۔ ملاحظہ کیجئے تعارف دارالعلوم کورنگی ۔ کراچی

۳۸ ۔ Introduction Jamia Binoria Adjacent S.I.T.E. Police Station Karachi

۳۹ ۔ ملاحظہ کیجئے تعارف دارالعلوم کورنگی کراچی

۴۰ ۔ ایضاً

۴۱ ۔ ملاحظہ کیجئے دلیل الجامعہ الحمادیہ شاہ فیصل کالونی کراچی

۴۲ ۔ ملاحظہ کیجئے دلیل المکتبہ ۔ جامعہ الدراسات الاسلامیہ گلشن اقبال ۔ کراچی

۴۳ ۔ ملاحظہ کیجئے ماہنامہ الفاروق کراچی ۔ جامعہ فاروقیہ نمبر شعبان المعظم [illegible]

۴۴ ۔ ملاحظہ کیجئے مختصر جائزہ مدرسہ العرفان الاسلامیہ کراچی کی علمی و فلاحی خدمات

۴۵ ۔ ملاحظہ کیجئے سولہ سالہ نصاب تعلیم وفاق المدارس العربیہ پاکستان شائع کردہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان

۴۶ ۔ ملاحظہ کیجئے تعارف، قواعد و ضوابط فاروق اعظم کمپیوٹر انسٹیٹیوٹ ۔ دارالعلوم فاروق اعظم ٹرسٹ ناردتھ ناظم آباد ۔ کراچی

۴۷ ۔ ملاحظہ کیجئے جامعہ علوم اسلامیہ ایک نظر میں ۔ ناشر ادارہ اہتمام جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن ۔ کراچی

۴۸ ۔ ملاحظہ کیجئے دلیل جامعہ علوم اسلامیہ، علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

۴۹ ۔ ملاحظہ کیجئے تعارف ۔ قواعد و ضوابط فاروق اعظم کمپیوٹر انسٹیٹیوٹ دارالعلوم فاروق اعظم و جامع مسجد ٹرسٹ ناردتھ ناظم آباد کراچی

۵۰ ۔ ملاحظہ کیجئے سولہ سالہ نصاب تعلیم وفاق المدارس العربیہ پاکستان ۔ شائع کردہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان

۵۱ ۔ ملاحظہ کیجئے ماہنامہ "الفاروق" کراچی ۔ جامعہ فاروقیہ نمبر شعبان المعظم ۱۴۱۴ھ

۵۲ ۔ ایضاً

۵۳ ۔ ملاحظہ کیجئے ماہنامہ جریدہ "الاشرف" کراچی ۔ نصاب و نظام تعلیم نمبر (حصہ اول) مارچ و اپریل ۱۹۹۴ء

۵۴ ۔ ملاحظہ کیجئے تعارف دارالعلوم کراچی ۔ شعبہ نشر و اشاعت دارالعلوم کورنگی کراچی ۱۴

۵۵ ۔ ملاحظہ کیجئے جامعہ بنوریہ تعارف، اغراض و مقاصد اور بین الاقوامی شہرت متصل سائٹ تھانہ پی او بکس نمبر ۱۶۵۸۔۶ کراچی اور دارالعلوم نعیمیہ کراچی کا گوشوارہ آمد و خرچ ۱۹۹۳ء پیشکش مولانا جمیل احمد نعیمی ناظم تعلیمات دارالعلوم نعیمیہ ٹرسٹ فیڈرل بی ایریا کراچی

۵۶ ۔ ملاحظہ کیجئے جامعہ علوم اسلامیہ ایک نظر میں ۔ ناشر ادارہ اہتمام جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

۵۷ ۔ ایضاً

۵۸ ۔ ملاحظہ کیجئے تعارف و تاریخ اور کوائف امتحانات وفاق المدارس العربیہ پاکستان مرتبہ مفتی محمد انور شاہ ناظم امتحانات وفاق المدارس العربیہ پاکستان ۔ ملتان

۵۹ ۔ ملاحظہ کیجئے تعارف ادارہ مرکز علوم دینیہ الفلاح اکیڈمی الفلاح مسجد، ناردتھ ناظم آباد ۔ کراچی

۶۰ ۔ ملاحظہ کیجئے رپورٹ قومی کمیٹی برائے دینی مدارس پاکستان ۔ زیر اہتمام وزارت مذہبی امور حکومت پاکستان ۔ اسلام آباد ۱۹۷۹ء

۶۱ ۔ ایضاً

۶۲ - ملاحظہ کیجئے وفاق المدارس العربیہ پاکستان - تعارف و تاریخ مرتبہ مفتی محمد انور شاہ ناظم امتحانات

۶۳ - ملاحظہ کیجئے قواعد و ضوابط امتحانات تنظیم المدارس (اہل سنت) پاکستان

۶۴ - ایضاً

۶۵ - ملاحظہ کیجئے فہرست الجامعات والمدارس الملحقۃ بوفاق المدارس العربیہ پاکستان

قام بطبعہ و نشرہ مكتب وفاق المدارس العربیہ باکستان شارع العدالہ ملتان - باکستان

۶۶ - ملاحظہ کیجئے فہرست مدارس ملحقہ تنظیم المدارس (اہل سنت) جاری کردہ مرکزی دفتر تنظیم المدارس پاکستان

۶۷ - ملاحظہ کیجئے وفاق المدارس العربیہ پاکستان تعارف و تاریخ مرتبہ مفتی محمد انور شاہ ناظم امتحانات وفاق المدارس العربیہ پاکستان - ملتان

۶۸ - ایضاً

۶۹ - ایضاً

۷۰ - ایضاً

۷۱ - ایضاً

۷۲ - ایضاً

۷۳ - ایضاً

۷۴ - ملاحظہ کیجئے فہرست مدارس ملحقہ تنظیم المدارس (اہل سنت) پاکستان جاری کردہ مرکزی دفتر تنظیم المدارس پاکستان

۷۵ - ملاحظہ کیجئے قواعد و ضوابط امتحانات تنظیم المدارس (اہل سنت) پاکستان شائع کردہ مرکزی دفتر تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان جامعہ نظامیہ رضویہ اندرون لوہاری دروازہ لاہور

۷۶ - ایضاً

۷۷ - ملاحظہ کیجئے نظام وفاق المدارس السلفیہ پاکستان و مناہج الدراسیہ المنتخب الرئیسی - وفاق المدارس السلفیہ پاکستان جامعہ سلفیہ - فیصل آباد

۷۸ - ملاحظہ کیجئے قواعد و ضوابط امتحانات سالانہ شائع کردہ شعبہ امتحانات وفاق المدارس العربیہ پاکستان کچہری روڈ - ملتان

باب ششم : دینی مدارس کا منہاج تعلیم

فصل اول: کراچی کے دینی مدارس کا منہاج تعلیم

- داخلے کے قواعد و ضوابط
- داخلے کا وقت، طریقہ کار اور داخلہ فارم
- داخلہ کے لیے طالب علم کی عمر کی حد
- عہد نامہ برائے طالب علم، والدین / سرپرست
- طلباء کے لیے ضروری قواعد و ضوابط اور اخلاقی ہدایات
- کراچی کے دینی مدارس میں طلبہ کے لیے کشش
- فیس / واجبات
- اوقات تعلیم و تدریس
- تعلیمی سال کا دورانیہ
- تعطیلات مدرسہ
- درس و تدریس کیلئے نشست کا انتظام
- کمرہ تدریس کا ماحول
- درجہ تعلیم میں طلبہ کی تعداد
- حاضری کا تناسب
- حصول رخصت
- انعام و اکرام

فصل دوم: طریقہ تعلیم و تدریس

- طلباء کی تعلیم کے عمل میں شرکت
- ذریعہ تعلیم
- کتب خانہ

فصل سوم: امتحانات کے قواعد و ضوابط اور طریقہ کار

- امتحانات کا انعقاد

فصل چہارم: مدرسہ میں طعام و قیام کا انتظام

فصل پنجم: دینی مدارس میں غیر نصابی سرگرمیاں

باب ششم : دینی مدارس کا منہاج تعلیم

فصل اول: کراچی کے دینی مدارس کا منہاج تعلیم

کراچی کے دینی مدارس میں ایک ہی وقت پر سال میں ایک مرتبہ ماہ شوال کے اوائل میں طلباء کے لئے مدرسہ میں موجود تمام تعلیمی درجات کے لئے داخلہ کا عمل شروع ہوتا ہے (۱) داخلوں کے قواعد وضوابط اور طریقہ کار اصولی طور پر تمام دینی مدارس کے یکساں ہوتے ہیں، البتہ فارم ہر مدرسہ کا اپنا منفرد ہوتا ہے۔ کراچی کے سیاسی و سماجی بدلتے ہوئے حالات کے پیش نظر اب طلباء اور انکے سرپرستوں سے عہد لیا جاتا ہے کہ طلباء سیاسی و سماجی سرگرمیوں سے دور رہ کر صرف حصول تعلیم پر اپنی توجہ مرکوز رکھیں گے۔ زیر تعلیم طلباء سے عمومی طور پر واجبات وصول نہیں کئے جاتے۔ تعلیم و تدریس روزانہ اوسطاً آٹھ گھنٹے ہوتی ہے، اور یہ سلسلہ تعلیم سال میں دس ماہ بغیر وقفے کے جاری رہتا ہے۔ اس دوران طلباء کی اکثریت اپنے اسباق میں حاضر رہتی ہے۔ تعطیلات ہر سال دو ماہ کے لئے ۱۵ شعبان سے ۱۵ شوال تک ہوتی ہیں۔

کراچی کے تمام دینی مدارس میں طریقہ تدریس ایک ہی جیسا ہے سوائے چند مدارس کے، جیسے جامعہ ابی بکر، گلشن اقبال، کراچی۔ جامعہ دراسات اسلامیہ، گلشن اقبال، کراچی۔ وغیرہ جہاں طریقہ تدریس و انتظام تھوڑا بہت مختلف اور جدیدیت کی طرف مائل ہے۔ تمام مدارس کا اپنا مخصوص تعلیمی ماحول ہوتا ہے، ذریعہ تعلیم اردو ہی ہے، عربی بول چال پر زیادہ توجہ نہیں دی جاتی۔ "مطالعہ و تکرار" ابھی تک ان مدارس کا طرہ امتیاز ہے ہر مدرسہ طلباء کو اپنی جانب سے درسی کتب عاریتاً فراہم کرتا ہے، البتہ تعلیمی سال کے اختتام پر تمام کتب واپس لے لی جاتی ہیں، تدریس کیلئے تدریسی امدادی اشیاء کا استعمال بہت کم ہے، کتب خانہ تو ہر مدرسہ میں موجود ہے، مگر طلباء میں ذوق مطالعہ کا بوجوہ فقدان ہے۔

نصاب کے تحت امتحانات کی تیاری کروائی جاتی ہے، نقل کا رجحان بالکل نہیں ہے، دوسرے الفاظ میں امتحانات کے موقعہ پر سخت نگرانی کی جاتی ہے، ان مدارس میں داخلی اور بورڈ کے امتحانات بروقت منعقد ہوتے ہیں، طلباء دونوں امتحانات کو مساوی اہمیت دیتے ہیں۔ امتحانات کی تیاری اصل کتب سے کیجاتی ہے، نوٹس پر زیادہ اعتماد نہیں کیا جاتا، امتحانات کے لئے گائڈ، گیس پیپرز (Guide, Guess Papers) اور اسی طرح کی دیگر امدادی اشیاء امتحانات میں استعمال کرنے کا رواج نہیں پایا جاتا، بورڈز سے ملحق تمام مدارس کی سند کی حیثیت مسلمہ و یکساں ہے، تقسیم اسناد کے لئے مدارس اپنے اپنے جلسے منعقد کرتے ہیں، دینی مدارس کی سند "شہادت عالمیہ" کی حیثیت پاکستان کی بعض سرکاری جامعات میں ایم۔ اے، عربی اور ایم اے۔ اسلامیات کے مساوی تسلیم کی جاتی ہے۔ لیکن عام سرکاری ملازمت کے حصول میں یہ سند کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

مدارس میں تعلیمی ماحول سازگار، پر امن اور اسلامی ہے، تعلیم کے ساتھ دینی و اخلاقی تربیت کو خصوصی اہمیت دی جاتی ہے، ہر مدرسہ اپنا تعلیمی معیار اور ماحول، نیز اپنے امتیازات بھی رکھتا ہے۔ اور یہی اسکی شناخت کہلاتی ہے، آزادئ فکر و تجسس و رائے بہت حد تک نہیں پائی جاتی، طلباء کا مزاج مدرسہ کے ماحول کی غمازی کرتا ہے۔

طلباء کو اسلامی ضابطۂ اخلاق کا پابند بنایا جاتا ہے، انہیں حسب حال ہدایات بھی دی جاتی ہیں کہ برتاؤ و کردار میں اسوہ حسنہ کی پابندی کریں، اس لئے ان مدارس کے طلبہ مزاج، کردار، گفتار، وضع قطع اور فکر و سوچ میں اسکول، کالج کے طلباء سے مختلف لگتے ہیں۔ کراچی کے دینی مدارس میں طعام و قیام کی بہتر سہولتیں موجود ہیں، یہ دونوں سہولتیں مفت اور مدرسہ کی چار دیواری کے اندر فراہم کی جاتی ہیں۔ طلباء کی مجموعی صحت اچھی ہوتی ہے، علاج معالجہ کی سہولتیں بھی مدرسہ بلا معاوضہ فراہم کرتا ہے۔ آج کل مدارس میں صفائی کا التزام رکھا جاتا ہے، کراچی کے مدارس میں طلباء پر سختی اور سزا کا رجحان بہت کم ہو گیا ہے۔ مگر مزاج کی سختی انتظامیہ اور اساتذہ میں کسی قدر تاحال موجود ہے، مجموعی طور پر غیر نصابی سرگرمیاں مفقود ہیں، مطالعاتی دورے، طلباء کے بین الکلیاتی مقابلے، تبلیغی دورے، کھیل ورزش اور تفریحی مشاغل کو اصولی طور پر تضیع اوقات سمجھا جاتا ہے مدارس میں تعلیمی، تبلیغی یا سماجی تقریبات کو بھی زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی۔

بزم اطفال، بزم ادب وغیرہ، مدرسہ کی تعلیمی پالیسی میں شامل نہیں کیجاتی، البتہ انعام و اکرام اور حوصلہ افزائی یا میڈل (Medal) وغیرہ دینے کی اہمیت اجاگر ہو رہی ہے، یہ مدارس تعلیمی وظائف بھی دیتے ہیں۔ مگر ان کی مقدار ہر مدرسہ کی اپنی پالیسی اور وسائل کے تحت مختلف ہوتی ہے، عمومی طور پر مقدار وظائف زیادہ نہیں ہوتی۔ بس اسی قدر وظیفہ دیا جاتا ہے کہ طلبہ کی انتہائی اشد ضرورت پوری ہو سکے۔

داخلے کے قواعد و ضوابط

دینی تعلیم کے لئے کراچی کے دینی مدارس کے دروازے ہر "صحیح العقیدہ" مسلمان کے لئے کھلے ہوئے ہیں طالبعلم بلا تفریق رنگ و نسل متعلقہ مدرسے کی مخصوص شرائط پوری کرنے کے بعد مطلوبہ درجہ میں داخلہ لے سکتا ہے نیز داخلہ کے لئے شرائط بھی سخت نہیں ہوتیں۔ (۱)

طالب علم اپنی سمجھ بوجھ، پسند اور مسلکی تعلق کی بنا پر اپنی سہولت، رسائی و دلچسپی کے مدراس میں آزادی کے ساتھ داخلہ لیتے ہیں۔ مدارس میں داخلے کے لئے "پہلے آؤ پہلے پاؤ" کا اصول کار فرما ہوتا ہے۔ پڑھنے کا شوق رکھنے والے طالب علم کو عموماً اپنی پسند کے مدرسے میں آسانی سے داخلہ مل جاتا ہے، کسی بڑی سفارش کی ضرورت نہیں پڑتی، طلباء کی تعداد میں اضافہ کے پیش نظر، مدرسہ کی انتظامیہ طلباء کی مطلوبہ سہولیات کا انتظام کرتی ہے اور حسب ضرورت گنجائش پیدا کر لیتی ہے۔ لیکن ایک حد سے تجاوز نہیں کرتے۔

داخلے کا وقت، طریقہ کار اور داخلہ فارم

کراچی کے تمام دینی مدارس میں طلباء کے داخلے ہر سال شوال میں یکم سے ۱۵ شوال تک جاری رہتے ہیں (۴۰) تعلیمی سال کا آغاز پاکستان بھر میں بیک وقت ہوتا ہے، امیدوار کو مدرسہ کا داخلہ فارم پر کر کے اپنے اور سر پرست کے قومی شناختی کارڈز کی نقول کے ساتھ (کم سن ہونے کی صورت میں سرپرست کے شناختی کارڈ کی مصدقہ نقل منسلک کر کے) مدرسہ کے دفتر میں جمع کروانا ہوتا ہے۔ بعد ازاں متعلقہ مدرسہ کا دفتر اس فارم پر اپنی کار رروائی مکمل کرتا ہے۔ امیدوار داخلہ کا امتحان (بیشتر اوقات زبانی) لینے کے بعد اس کی تعلیمی استعداد کا جائزہ مرتب کر کے داخلہ کمیٹی اپنی رپورٹ مہتمم مدرسہ کو پیش کر دیتی ہے۔ مہتمم مدرسہ مذکورہ کمیٹی کے فیصلے کی روشنی میں "کامیاب" طلبہ کے داخلے کی توثیق کر دیتا ہے۔ داخلے کیلئے دفتری کارروائی مکمل ہونے کے بعد داخلہ کے اہل طلباء کی فہرست نوٹس بورڈ پر آویزاں کر دی جاتی ہے اور متعلقہ شعبہ جات کے دفتر میں بھی اس کی کاپیاں اطلاع کے لئے بھیج دی جاتی ہیں۔ (کاپی ملاحظہ ہو ضمیمہ نمبر) تاکہ ان شعبوں کے نگران، طلباء کی ضروریات مثلاً دارالاقامہ میں رہائش، طعام اور مجوزہ درسی کتب کا بندوبست کر سکیں، مذکورہ بالا طریقہ کار کراچی کے تمام بڑے مدارس میں رائج ہے۔ جیسے دارالعلوم (کورنگی۔کے۔ایریا۔) کراچی، جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی۔ جامعہ بنوریہ، سائٹ، کراچی۔ دارالعلوم امجدیہ۔ دارالعلوم نعیمیہ، کراچی اور جامعہ ابی بکر، کراچی، وغیرہ۔

چھوٹے مدارس میں کم طلباء کی تعداد کے پیش نظر داخلہ کا نظم سادہ اور ایک ہی شخص (ناظم یا مہتمم مدرسہ کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ مدرسہ کے داخلہ فارم کے ساتھ طالب علم کو اپنے گزشتہ مدرسہ کا جاری کردہ تعلیمی درجہ کا نتیجہ "کشف الدرجات" (مارکس شیٹ) بھی منسلک کرنا ہوتی ہے، مزید یہ کہ اپنے چھوڑے ہوئے مدرسہ سے حاصل کردہ اعلیٰ کردار (نیک چال چلن) کا تصدیق نامہ بھی پیش کرنا ہوتا ہے۔ اگر طالب علم پہلی مرتبہ کسی مدرسے میں ابتدائی درجوں میں داخلہ کا خواہش مند ہو یا اس سے پہلے کسی بھی مدرسہ میں زیر تعلیم نہ رہا ہو تو اسے درج بالا شرائط سے مستثنیٰ قرار دیا جاتا ہے۔ بیرونی ممالک کے داخلہ کے خواہش مند طلباء کے لئے ان کے اپنے ملک کا پاسپورٹ اور حکومت پاکستان کا تعلیمی ویزا و دیگر متعلقہ قانونی کارروائیوں کی تکمیل ضروری ہوتی ہے جب کبھی بھی دینی مدارس اور حکومت وقت کے درمیان تعلقات میں فاصلے بڑھتے ہیں تو بیرونی ممالک سے آنے والے طلباء کے لئے حصول داخلہ میں دشواریاں کھڑی ہو جاتی ہیں۔ بصورت دیگر داخلہ لینے میں دلچسپی رکھنے والے اپنے پروگرام میں کامیاب رہتے ہیں۔

داخلہ کے لئے طالب علم کی عمر کی حد

دینی مدارس میں کسی درجہ میں داخلہ کے وقت اب طلباء کی عمر کا بھی خیال رکھا جانے لگا ہے، اس وقت

طلباء کی عمر کی حد درج ذیل رکھی گئی ہے ۔(۴)

۱۔ درجہ اعدادیہ کیلئے ۱۲ سال سے ۱۵ سال تک

۲۔ درجہ ثانویہ کیلئے ۱۸ سال سے ۲۰ سال تک

۳۔ درجہ عالیہ کیلئے ۲۱ سال سے ۲۵ سال تک

طلباء کے داخلہ کے وقت مندرجہ بالا عمر کی حد پر زیادہ سختی نہیں کی جاتی ۔ البتہ خیال ضرور رکھا جاتا ہے ۔

عہد نامہ برائے طالب علم / والدین / سرپرست

ہر مدرسے کے داخلہ فارم پر اصول و ضوابط اور ہدایات تحریر ہوتی ہیں ، ان اصول و ضوابط کے تحت امید وار داخلہ ، والدین / سرپرست سے عہد لیا جاتا ہے کہ مدرسے میں داخلہ مل جانے کے بعد تا قیام مدرسہ ، جملہ قواعد و ضوابط اور ہدایات کا پابند اور اسکے والدین / سرپرست طالبعلم کے تمام افعال و اعمال کی ہر طرح سے نگرانی کریں گے ۔ اگر خدانخواستہ طالب علم مدرسہ چھوڑ کر کہیں چلا جائے یا اسے کوئی حادثہ پیش آجائے تو والدین / سرپرست ، مدرسہ کو اسکا ذمہ دار نہیں ٹھہرائیں گے ، البتہ اگر طالب علم سے عمداً مدرسے کا کچھ نقصان ہو جائے تو والدین / سرپرست کو اس کی تلافی کرنا ہوگی ۔(۵)

گذشتہ کئی سالوں سے کراچی شہر کے بدلے ہوئے مذہبی ، سیاسی و سماجی حالات میں دینی مدارس کی چار دیواری کے اندر حادثات رونما ہونے کے خدشات بڑھ جانے کے پیش نظر یہ طالب علم بھی محفوظ نہیں رہے ۔ اس لئے حفظ ماتقدم کے طور پر عہد لیا جاتا ہے کہ میں نے مدرسے کے اصول و ضوابط پر مشتمل عہد نامہ پوری توجہ کے ساتھ پڑھ لیا ہے ، میں صدق دل سے عہد کرتا ہوں کہ تا قیام مدرسہ جملہ قوانین و ہدایات کا پابند رہوں گا ، مدرسے کے وضع کردہ اصولوں کی خلاف ورزی نہیں کروں گا ، اور یہ کہ مجھے معرفت الہیٰ ، اسلامی تعلیم و تربیت اور اخلاق و اعمال کی اصلاح کے لئے مدرسہ میں داخلہ دیا جائے ۔ تاکہ مدرسے کی انتظامیہ مامون رہے ۔ البتہ ممکنہ حد تک احتیاطی تدابیر بھی اختیار کی جارہی ہیں ۔ جیسے سیکورٹی گارڈز کا تقرر ، گیٹ اور اونچی دیواروں کا اہتمام وغیرہ ۔ لیکن اکثر دینی مدارس ان حدود و قیود سے بے نیاز ہیں ۔

طلباء کے لئے ضروری قواعد و ضوابط اور اخلاقی ہدایات

مدرسہ میں زیر تعلیم ہر طالب علم کے لئے لازمی ہوتا ہے کہ وہ اخلاق و اعمال ، صورت و سیرت ، وضع قطع ، لباس ، پوشاک میں اسوہ حسنہ اور صلحائے امت کی اتباع کرے ۔ سگریٹ نوشی ، انگریزی طرز کے بال رکھنے ، داڑھی منڈوانے یا خلاف شرع کتروانے سے پرہیز کرے ، نیز اپنے ساتھیوں یا ملازمین مدرسہ سے لڑنے ، جھگڑنے ، بد کلامی یا بد اخلاقی سے پیش آنے ، عیب جوئی یا مذاق اڑانے ، غیبت اور بیہودہ مذاق وغیرہ سے اجتناب کرے ۔(۶) مدرسہ میں زیر تعلیم رہتے ہوئے طالب علم شعوری طور پر مدرسے کے مزاج اور ماحول کو سمجھنے لگتا

ہے اس لئے وہ خود بھی دینی مدارس کی حدود میں ایک حد تک مدرسہ کے قواعد و ضوابط اور شرعی حدود کو ملحوظ خاطر رکھتا ہے۔ بلکہ ایک وقت آنے پر وہ اس ماحول میں ڈھل جاتا ہے۔

کراچی کے دینی مدارس میں طلبہ کے لئے کشش

اس وقت پاکستان کے طول و عرض میں ہزاروں دینی مدارس قائم ہیں لیکن کراچی کے مدارس میں نسبتاً اعلیٰ معیار تعلیم، نظم وضبط اور انکی دیگر خصوصیات انہیں دوسرے مدارس سے ممتاز کرتی ہے۔ انہی خوبیوں کی وجہ سے طلباء کی اکثریت ان کی جانب راغب ہوتی ہے، یہ بھی مشاہدے میں آیا ہے کہ دیگر علاقوں کے مدارس کے آخری درجات میں زیر تعلیم طلباء کراچی میں قائم دینی مدارس سے فارغ التحصیل ہونے میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ اس کی درج ذیل وجوہات پیش کی جاتی ہیں۔

- کراچی کے دینی مدارس میں نظام تعلیم نسبتاً بہتر اور قدرے جدید بنیادوں پر قائم ہے۔
- اساتذہ جید اور قابلیت میں مشہور ہیں۔
- ان مدارس کی کئی طرح سے اپنی شان وشوکت اور شہرت ہے۔
- کراچی کے بڑے مدارس اپنی عمارات اور محل وقوع کے اعتبار سے بھی ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔
- ان مدارس میں متعدد ممالک کے طلباء زیر تعلیم ہیں۔
- زیر تعلیم طلباء کو دوسرے شہروں کے مدارس سے نسبتاً زیادہ سہولتیں میسر ہیں۔
- کراچی شہر کی علمی ترقی کا ان مدارس پر بھی اثر ہے۔
- ان مدارس کے مالی وسائل نسبتاً زیادہ ہیں۔
- ان مدارس میں طلباء کو اپنے پسندیدہ شعبوں میں تخصص کرنے کے مواقع زیادہ حاصل ہیں۔
- طلباء کو علمی و عملی طور پر آگے بڑھنے، نیز اسکول وکالج کی تعلیم کے حصول کے مواقع بھی یکساں ملتے ہیں۔
- فارغ التحصیل طلباء کیلئے ملازمت کے مواقع چھوٹے شہروں کی نسبت کراچی میں زیادہ ہیں۔

کراچی صوبہ سندھ کا صدر مقام ہے، جہاں دینی مدارس کی صوبہ بھر میں سب سے زیادہ تعداد یعنی ۸۴ مدارس ہے۔ درجہ بندی کے اعتبار سے قرآن کریم حفظ اور تجوید وقرآت کے لئے مخصوص ہیں۔ موقوف علیہ کے لئے ۲۲۔ دورہ حدیث کے لئے ۲۰۔ اور تحتانی درجہ تعلیم کے لئے ۱۹ مدارس ہیں۔ محولہ بالا درجات کے مدارس کی تعداد میں بھی روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔

فیس / واجبات

دینی مدارس میں زیر تعلیم طلباء سے کسی قسم کی داخلہ و تعلیمی فیس / واجبات وصول نہیں کئے جاتے، تمام طلباء کو بلا تخصیص، تعلیم وتربیت، طعام اور قیام کی سہولتیں بلامعاوضہ فراہم کی جاتی ہیں (۷) علاوہ ازیں

درسی کتب و تعلیمی وظائف بھی دیئے جاتے ہیں البتہ طلباء کو بورڈز کے امتحانات میں شریک ہونے کے لیئے مروجہ امتحانی فیس خود ادا کرنی ہوتی ہے ۔ (فیس کی شرح کا ذکر باب پنجم ، بورڈ کے امتحانات کے ضمن میں کیا گیا ہے) تاہم اگر کوئی طالب علم صاحب حیثیت ہو تو وہ اپنی خوشی سے مدرسہ کی جانب سے فراہم کردہ طعام و قیام کے واجبات ادا کر سکتا ہے ۔ ایسے طلباء زیادہ تر بیرون ملک سے حصول علم کے لئے آئے ہوئے ہوتے ہیں جو یہ واجبات بخوشی ادا کرتے ہیں ۔ بیرونی ممالک سے تعلق رکھنے والے طلباء کے والدین چونکہ آسودہ حال ہوتے ہیں ، جو صرف دینی جذبے کے پیش نظر اپنی نرینہ اولاد کو کراچی کے مدارس میں حفظ قرآن حکیم اور دینی تعلیم کے حصول کے لئے بھیجنے میں رغبت رکھتے ہیں ۔ ورنہ یہ بات زبان زد عام ہے کہ دینی مدارس میں صرف غریب و مفلس لوگ ہی اپنی اولاد کو حصول تعلیم کے لئے بھیجتے ہیں کیوں کہ یہ لوگ اس قابل نہیں ہوتے کہ اپنے بچوں کے تعلیمی اخراجات برداشت کر سکیں ۔ کیونکہ وہ والدین جو مالی لحاظ سے آسودہ حال ہوتے ہیں یعنی اپنی ضروریات مناسب انداز میں پوری کر سکتے ہیں ، وہ اپنی اولاد کو دینی مدارس سے بہتر ماحول میں بھیجنے کے خواہش مند ہوتے ہیں ۔

اوقات تعلیم و تدریس

کراچی کے مدارس میں روزانہ تقریباً آٹھ گھنٹے تعلیم و تدریس ہوتی ہے ۔ پہلی شفٹ میں صبح ۸ بجے سے ۱۲ بجے تک (چار گھنٹے) اور دوسری شفٹ میں نماز ظہر سے نماز عصر تک (تقریباً ڈھائی گھنٹے) ۔ صبح کے اوقات میں ایک پیریڈ کا دورانیہ ساٹھ منٹ اور ظہر کے بعد پینتالیس منٹ ہوتا ہے ہر طالب علم کے لئے دونوں اوقات کی تعلیم ضروری ہوتی ہے ۔ ہر مضمون کے ہفتے میں چھ پیریڈ ہوتے ہیں ۔ روزانہ عشاء کے بعد طلباء اجتماعی مطالعہ و تکرار کرتے ہیں جبکہ نگران اساتذہ اس دوران موجود رہتے ہیں ۔ (۸)

ان مدارس میں تعلیم کے ساتھ تربیت پر بھی توجہ دی جاتی ہے کیونکہ تعلیم اور تربیت کو ایک وحدت سمجھا جاتا ہے ۔ طلباء چوبیس گھنٹے اساتذہ کی نگرانی میں گذارتے ہیں ، کراچی کے دینی مدارس میں زیر تعلیم طلباء کا تعلق زیادہ تر ملک کے دوسرے شہروں اور بیرونی ممالک سے ہے ، اس لئے طلباء کی اکثریت مدرسہ کے دارالاقامہ میں رہائش پذیر ہوتی ہے ۔ دارالاقامہ کے نگران اور اساتذہ ، خصوصی طور پر طلبہ کی نگرانی کرتے ہیں ۔ اس طرح زیر تعلیم طلباء ہمہ وقت مدرسہ کی انتظامیہ و اساتذہ کے زیر تربیت رہتے ہیں ۔

تعلیمی سال کا دورانیہ

کراچی کے تمام مدارس میں تعلیمی سال کا آغاز ۱۲ شوال سے ہوتا ہے ۔ جو مسلسل اگلے دس ماہ تک جاری رہتا ہے ، البتہ درجہ حفظ قرآن حکیم کے طلباء سوائے چند ایام عیدین وغیرہ کی تعطیلات کے پورا سال زیر تعلیم رہتے ہیں ۔ دینی مدارس میں تعلیمی سال کا نظام الاوقات قمری مہینوں کے حساب سے ترتیب دیا جاتا ہے ۔ (۹)

تعطیلات مدرسہ

دینی مدرسہ میں عام طور پر ۱۵ / شعبان سے ۱۵ / شوال تک مسلسل دو ماہ کی تعطیلات رہتی ہیں ، اس کے علاوہ عید الاضحیٰ کے موقع پر بھی دس ایام کی رخصت ہوتی ہے ۔ قومی تہواروں یا اہم ایام مثلاً قومی و صوبائی اسمبلی کے انتخابات کے مواقع پر بھی چھٹی کی جاتی ہے ۔ ہفتہ واری تعطیل جمعۃ المبارک کو ہوتی ہے (۱۰) مدرسہ میں رہائش پذیر طلباء ، جن کے والدین کراچی میں ہی مقیم ہوں وہ جمعرات کی شام کو اپنے گھروں کو جا کر جمعۃ المبارک کی شام کو واپس لوٹ آتے ہیں ۔ ان مذکورہ بالا تعطیلات کے علاوہ طلبہ کی اسباق سے بلاوجہ غیر حاضری معیوب سمجھی جاتی ہے ، لہٰذا باقاعدہ حاضری کی تلقین کی جاتی ہے ۔ مدرسہ میں سبق سے ایک دن کی رخصت کا تصور یہ ہے کہ اس طرح طالبعلم تعلیمی لحاظ سے ایک سال پیچھے ہو جاتا ہے ۔ دور دراز کے علاقوں سے آئے ہوئے طلباء عموماً سالانہ دو ماہ کی تعطیلات میں اپنے گھروں پر واپس چلے جاتے ہیں ، اس طرح انہیں اکثر و بیشتر دس ماہ کے بعد ہی مدرسہ سے جانے کا موقع ملتا ہے ۔

بعض مدارس کی انتظامیہ جیسے جامعہ بنوریہ ، سائٹ ، کراچی وغیرہ طویل دورانیہ کی تعطیلات میں گھر جانے والے طلباء کے لئے ان کے والدین کے نام ایک خط برائے ہدایات طلباء جاری کرتی ہیں کہ طالب علم کے اوقات کی گھر پر بھی حفاظت کی جائے ، ٹی ۔ وی ۔ وی ۔ سی ۔ آر ۔ وغیرہ سے شغف نہ کرنے دیا جائے ۔ نماز کی پابندی کروائی جائے ۔ ، باقاعدہ مطالعہ کا اہتمام کرایا جائے نیز بری صحبت سے بچایا جائے ۔ (۱۱)

درس و تدریس کیلئے نشست کا انتظام

کراچی کے دینی مدارس کے کمرہ تدریس میں عموماً دو طرح کی نشست کا انتظام ہوتا ہے ۔

فرشی نشست : کے انتظام کے تحت طلبہ فرش پر ہی بیٹھتے ہیں البتہ اساتذہ کے لئے چبوترہ یا نمایاں جگہ ہوتی ہے (۱۲) اساتذہ کی نشست کو آرام دہ بنانے کے لئے گدا بچھا کر گاؤ تکیہ بھی لگایا جاتا ہے ، طلبا استاد کے سامنے دوزانو یا کسی بھی آرام دہ شکل میں مگر ادب سے قطار یا دائرے کی صورت میں ترتیب سے بیٹھتے ہیں ، کمرہ جماعت میں چٹائی ، دری ، قالین وغیرہ حسب استطاعت مدرسہ بچھی ہوئی ہوتی ہے ۔ کتب وغیرہ رکھنے کیلئے سامنے تپائی ہوتی ہے فرشی نشست سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق سمجھی جاتی ہے ۔ جس سے سادگی اور خاکساری کا پہلو برقرار رکھنا مقصود ہوتا ہے نیز خرچ بھی کم ہوتا ہے اور مغرب کی تقلید بھی نہیں ہوتی ۔

جدید طریقۂ نشست کے تحت : کمرہ تدریس میں طلباء و اساتذہ کے بیٹھنے کے لئے فرنیچر (Desk) وغیرہ استعمال کئے جاتے ہیں (۱۳) اس میں آرام اور آسائش کا پہلو مدنظر رکھا جاتا ہے ۔ اول الذکر طرز نشست اکثر مدارس میں مروج ہے اور ثانی الذکر بھی کراچی کے کئی مدارس میں رائج ہے ۔ جیسے جامعہ دراسات اسلامیہ ، گلشن اقبال ، جامعہ ابی بکر ، گلشن اقبال ۔ مدرسہ قمر الاسلام سلیمانیہ پنجاب کالونی ۔ کراچی وغیرہ ۔

کمرہ تدریس کا ماحول

دوچار سال سے شہر کراچی کے بدلے ہوئے سیاسی و سماجی حالات کے زیر اثر تمام تعلیمی ادارے بھی متاثر ہوئے ہیں، مگر دینی مدارس میں تاحال حقیقی تعلیمی ماحول قائم ہے۔ دینی مدارس کی عمارتیں اب اس طرح جدید نقشہ کے مطابق تعمیر ہو رہی ہیں کہ کمرہ جماعت روشن، ہوا دار اور طلبہ کی ضرورت کے تحت ہوتے ہیں [141] طلباء کمرے میں استاد کے سامنے مؤدب اور ترتیب سے اس طرح بیٹھتے ہیں کہ ہر طالب علم یکساں طور پر استاد کے زیر توجہ ہوتا ہے۔ طلباء کی کثیر تعداد کے پیش نظر ضرورت پڑنے پر کئی مدارس، جیسے دارالعلوم، کورنگی، کراچی۔ جامعہ فاروقیہ، شاہ فیصل کالونی، کراچی وغیرہ میں ساؤنڈ سسٹم بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ بڑے مدارس مثلاً جامعۃ العلوم الاسلامیہ، علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی، دارالعلوم، کورنگی۔ کے۔ ایریا، کراچی، جامعہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی، کراچی، جامعہ حمادیہ، شاہ فیصل کالونی، کراچی، جامعہ بنوریہ، سائٹ، کراچی وغیرہ کے دارالحدیث میں دورہ حدیث کے درجہ تدریس میں اکثر طلباء کی تعداد دو صد تک پہنچ جاتی ہے۔ اس لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ لاؤڈ اسپیکر استعمال کیا جائے۔ اس کے علاوہ ان بڑے مدارس میں کئی دوسری جماعتوں کی تعداد بھی ایک ڈیڑھ صد تک پہنچ جاتی ہے، لہٰذا تدریس کے لئے لاؤڈ اسپیکر مستقل طور پر استعمال ہوتا ہے۔ بعض مدارس، طلباء کے لئے ماحول کو آرام دہ اور خوشگوار بنانے کے لئے ائرکنڈیشنز بھی استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً اشرف المدارس، گلشن اقبال، جامعہ بنوریہ، سائٹ، کراچی۔ وغیرہ میں درجہ حفظ کے طلباء کے لئے کمرہ جماعت میں ائرکنڈیشنز لگا ہوا ہے اور فرش پر قالین بھی بچھی ہوئی ہے۔ قالین تو اب اکثر مدارس میں استعمال ہونے لگی ہے۔ اسی طرح جامعہ بنوریہ، سائٹ ایریا، کراچی۔ میں طلباء کے لئے رہائشی کمروں میں بھی ایئرکنڈیشنز لگے ہوئے ہیں، مگر یہ سہولت ان طلبہ تک محدود ہے جو دیگر ممالک سے حصول تعلیم کے لئے آئے ہوئے ہیں، اس مدرسہ میں متعدد ممالک کے طلبہ زیر تعلیم ہیں۔ جامعہ بنوریہ میں ویڈیو۔ کیمرے بھی نصب ہیں تاکہ مدرسہ کے تمام حالات انتظامیہ کی نظر میں ہروقت رہیں۔

درجہ تعلیم میں طلبہ کی تعداد

کراچی کے بعض بڑے مدارس مثلاً جامعۃ العلوم الاسلامیہ، علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی۔ دارالعلوم، کورنگی کراچی۔ میں زیر تعلیم طلباء کی کثیر تعداد کی وجہ سے اور کمرہ تدریس میں گنجائش نہ ہونے کے باعث دروازوں کے باہر بیٹھے ہوئے سبق پڑھ رہے ہوتے ہیں [151] یہ صورتحال کراچی کے صرف چند بڑے مدارس میں ہے۔ دگرنہ کراچی کے کئی مدارس میں ایک جماعت میں صرف دو، تین، چار پانچ اور چھ کی تعداد بھی مشاہدہ میں آئی ہے، دینی مدارس میں ایک جماعت میں اصولی طور پر طلباء کیلئے کوئی ایک تعداد متعین نہیں لیکن چھوٹے مدارس میں طلباء کی تعداد بہت کم ہوتی ہے۔

حاضری کا تناسب

دینی مدارس میں طلباء کی کم از کم حاضری کے تناسب کا کوئی تصور نہیں بلکہ صد فی صد حاضری کا رجحان پایا جاتا ہے (۲۱) کیونکہ اکثر طلباء ان مدارس میں دیگر شہروں یا ممالک سے آئے ہوئے ہوتے ہیں اس لئے مدرسہ میں مقیم ہوتے ہوئے سبق سے بلاوجہ غیر حاضری ناقابل معافی جرم تصور کیا جاتا ہے۔ بعض مدارس میں طلباء کی حاضری صد فی صد ہوتی ہے۔ تعلیم کے سات / آٹھ سالہ دورانیے میں بھی بعض طلباء کی غیر حاضری کا تناسب بالکل نہ ہونے کے برابر پایا گیا۔ لیکن یہ صورت حال صرف چند بڑے مدارس میں ہے۔ وگرنہ چھوٹے مدارس میں اکثر انتظامیہ اور طلبا کو قیمتی وقت کے زیاں کا احساس بھی نہیں ہوتا۔

حصول رخصت

حقیقی ضرورت مثلاً بیماری، ناگہانی حادثہ، شادی یا خوشی اور غمی کے مواقع پر مدرسہ کی انتظامیہ سے باقاعدہ رخصت حاصل کی جاسکتی ہے (۲۲) رخصت کی یہ درخواست عموماً والدین اور سرپرست کی جانب سے ناظم تعلیمات کو پیش کی جاتی ہے۔ بڑی عمر کے طلباء خود بھی چھٹی کی درخواست دے سکتے ہیں۔ ان رخصتوں کا طلباء کے حاضری رجسٹر میں اندراج کیا جاتا ہے۔ مقیم طلبہ اپنی رخصت کے بارے میں خصوصی طور پر ناظم مطبخ کو بھی مطلع کرتے ہیں تاکہ کھانا موجود طلباء کی تعداد کے مطابق تیار کیا جاسکے۔

انعام و اکرام

مدرسہ کی انتظامیہ حصول تعلیم میں گہری دلچسپی اور صد فی صد حاضری رکھنے والے اچھے تعلیمی نتائج کے حامل طلباء کے لئے تعلیمی سال کے اختتام پر دیگر انعامات کے ساتھ ایک ہزار روپے نقد (یا کم و بیش) کی حوصلہ افزائی کرنے کا بھی اہتمام کرتی ہے۔ اساتذہ کی حاضری بھی اگر صد فی صد ہو نیز انہوں نے اپنے متوقعہ فرائض بھی بخوبی انجام دیئے ہوں تو سال کے اختتام پر انہیں تین ہزار روپے تک نقد انعام دیا جاتا ہے (۲۳) جامعہ بنوریہ سائٹ، کراچی۔ جامعۃ العلوم الاسلامیہ، بنوری ٹاؤن، کراچی۔ دارالعلوم کورنگی۔ کے۔ ایریا کراچی وغیرہ، ایسے مدارس میں نظم و ضبط سخت ہونے کے باعث یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ یہاں طلباء کے تضیع اوقات کے مواقع بہت کم ہوتے ہیں۔ جب کہ چھوٹے مدارس میں وقت کی قدر کا کوئی زیادہ احساس طلباء و اساتذہ میں نہیں ہوتا ہے۔ لہٰذا چھوٹے مدارس کے طلباء و اساتذہ کو اپنی کارکردگی بہتر بنانے کے بعض اوقات مواقع ہی میسر نہیں ہوتے۔ کئی مدارس اپنے اساتذہ کو تدریس میں باقاعدگی برقرار رکھنے کی ترغیب بھی دیتے ہیں۔ ایک مقررہ مدت ملازمت تین سال / چار سال پورے کرنے پر مراعات و نقد انعامات کے علاوہ حج کی ادائیگی کے لئے قرعہ اندازی کے ذریعہ تین / چار اساتذہ کو سالانہ منتخب کیا جاتا ہے۔ انہیں رخصت مع مشاہرہ اور زاد راہ بھی دیا

جاتا ہے ۔ مثلاً جامعہ بنوریہ (سائٹ کراچی وغیرہ) میں یہ سلسلہ جاری ہے ۔ اب دینی مدارس میں یہ تصور پروان چڑھ رہا ہے کہ طلباء و اساتذہ کی تعلیمی دلچسپی بڑھانے اور کارکردگی بہتر کرنے کے لئے انہیں انعام و اکرام سے نوازا جائے ۔ لہذا متعدد مدارس میں اس سلسلے کی تقاریب کا اہتمام ہونے لگا ہے ۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اب دینی مدارس کے مالی وسائل بہتر ہونے لگے ہیں ۔

فصل دوم: طریقہ تعلیم و تدریس

دینی مدارس میں تعلیم و تدریس کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ طلباء تدریس کے وقت اپنے سامنے نصاب کی اصل کتب (Text books) کھول کر بیٹھتے ہیں۔ استاد کسی ایک طالب علم کو زیر مطالعہ کتاب کی عبارت پڑھنے کی ہدایت کرتا ہے (۱۹) جسے استاد اور دوسرے طلباء بغور سنتے ہیں، اس دوران اگر کوئی دقت درپیش ہو تو معلم اسے رفع کر دیتا ہے۔ جب طالب علم عبارت پڑھ لیتا ہے تو استاد اس عبارت کے مضمون کی تشریح کرتا ہے، نفس مضمون، مصنف کا مدعا اور ان پر ممکنہ اشکالات و حل پیش کرتا ہے۔ اس طریقہ تشریح میں بنیادی بات یہ ہوتی ہے کہ سبق سے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات طالب علم کو فراہم کر دی جائیں۔ تاکہ ضرورت پڑنے پر وہ اسے کام میں لاسکیں، ریاضی اور زبان کے قواعد کی گردانیں از بر کرائی جاتی ہیں۔ تاہم یہ انداز تدریس طالب علم کی انفرادی صلاحیت یا انفرادیت کا کوئی تصور نہیں رکھتا۔ بلکہ سب طلباء کو ایک جیسی صلاحیتوں کا حامل سمجھتے ہوئے سب سے یکساں برتاؤ کیا جاتا ہے۔

دینی مدارس میں آج بھی تدریس پرانی ڈگر پر قائم ہے۔ جسے یہ بزرگوں کا آزمودہ اور کامیاب طریقہ تدریس سمجھتے ہوئے اس سے انحراف کا تصور بھی نہیں رکھتے۔ حالانکہ اچھی تدریس کے اصول کے تحت تعلیم، طالب علم کی طلب کا نام ہے، اس سے طلباء خود آموزش کی طرف راغب ہوتے ہیں، جس میں ذہنی و جذباتی سطح کو مد نظر رکھا جاتا ہے۔ کند ذہن بچوں کو نظر انداز نہیں کیا جاتا۔ بلکہ ایسا ماحول پیدا کیا جاتا ہے کہ طالب علم میں طلب علم کا تجسس و شوق پیدا ہو۔ طلباء کو ایک منصوبے کے تحت تعلیم دی جاتی ہے۔ اور اشتراک عمل کو تدریس کی خوبی تصور کیا جاتا ہے اور یہ تدریس فکر انگیز ہوتی ہے۔ اس تدریس میں معالجاتی طریقے پر عمل کیا جاتا ہے، طالب علم کی ناکامی و کمزوری کا علاج تلاش کر کے اس کو دور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کیونکہ ایسی تدریس جامد و بے لچک نہیں ہوتی اس میں موقع محل اور معاشرتی زندگی کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے تحت ترمیم و اصلاح ہوتی رہتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ درج بالا طریقہ ہی دراصل اسلامی طریقہ تدریس ہے۔

دینی مدارس کے نظام تعلیم و تعلم کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہاں زیر تعلیم طلباء دن کے اوقات میں اساتذہ سے پڑھے ہوئے اسباق کے اعادے اور یاد کرنے کے لئے روزانہ مغرب سے عشاء کے بعد تک انتظامیہ کی نگرانی میں باہم مطالعہ و تکرار کرتے ہیں، جس سے ان کے آئندہ پڑھے جانے والے اسباق کا پیشگی مطالعہ ہو جاتا ہے، ہم سبق طلباء تین چار طلباء پر مشتمل ٹولیوں میں دائرہ بنا کر بحث و تکرار کرتے ہیں تاکہ سبق از بر ہو جائے۔ اور ذہنی قطبان بیدار رہے۔ اس سے مختلف ذہنی استعداد رکھنے والے طلباء کو یکساں طور پر سبق کو سمجھنے اور آگے بڑھنے کا مساوی طور پر موقع ملتا ہے۔

طلباء کی تعلیم کے عمل میں شرکت

جائزے کے دوران یہ بات مشاہدے میں آئی ہے کہ دینی مدارس کے طلباء مجموعی طور پر اپنی تعلیم کی طرف اب نسبتاً زیادہ توجہ دینے لگے ہیں، کراچی کے متعدد مدارس کے طلباء کے داخلے کے اندراج و شمار کے رجسٹر دیکھنے سے یہ عندیہ ملا ہے کہ اکثر طلباء مدرسہ میں داخل ہونے کے بعد مطلوبہ مدت میں اپنی تعلیم مکمل کر کے ہی مدرسہ چھوڑتے ہیں (۱۲) بڑے مدارس میں زیر تعلیم طلباء کے دوران تعلیم مدرسہ چھوڑنے کے بہت قلیل تعداد میں شواہد ملے ہیں۔

جیسا کہ پہلے تحریر کیا گیا ہے کہ بعض بڑے مدارس میں طلباء کی اکثریت کی حاضری صد فی صد رہتی ہے اور بعض اوقات سات یا آٹھ سالہ دورانیے میں چند طلباء کی غیر حاضری کا تناسب بالکل نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے یہ طلباء بغیر کسی بیرونی دباؤ کے صرف اپنے شوق کے باعث اپنی تعلیم پر توجہ دیکر مقررہ مدت میں تعلیم مکمل کر لیتے ہیں۔ یہ طلباء سیاست میں حصہ نہیں لیتے اور نہ یہ کسی سیاسی عمل میں شریک ہوتے ہیں الا یہ کہ انہیں وقت پڑنے پر آمادہ کیا جائے یا جب یہ اپنی تعلیم سے فارغ ہو چکے ہوں، ان مدارس میں طلباء یونین بھی نہیں، طلباء، اساتذہ کا احترام کرتے ہیں بلکہ ان کی ہر بات پر سر تسلیم خم کرتے ہیں، جو کچھ استاد بتاتا ہے توجہ سے سنتے ہیں، ان مدارس کے طرز تعلیم میں زیادہ زور چونکہ حافظے پر ہوتا ہے اس لئے ان کا حافظہ دوسرے طلباء کی نسبت زیادہ بہتر ہوتا ہے مگر تقلید کا انہیں خوگر بنایا جاتا ہے۔

ذریعۂ تعلیم

کراچی کے دینی مدارس میں ملا نظام الدین سہالوی سے منسوب درس نظامی پڑھایا جاتا ہے (۱۵) جس کی اکثر کتب عربی میں اور کچھ فارسی و اردو میں ہیں، آج کل عربی کتب کے اردو تراجم عام دستیاب ہیں، اس لئے زیادہ تر طلباء اردو کتب سے ہی مطالعہ کرتے ہیں تعلیم و تعلم اردو زبان میں ہوتی ہے۔ استاد عربی عبارت کا ترجمہ و تشریح اردو زبان میں کرتا ہے۔ گرچہ بڑی جماعتوں میں درجہ بدرجہ آگے بڑھتے ہوئے طلباء کی عربی زبان سمجھنے کی استعداد بڑھتی جاتی ہے حتی کہ درجہ عالمیہ تک پہنچ کر عربی متن بغیر کسی ترجمے کے باآسانی سمجھ لیتے ہیں مگر عربی میں تکلم کی عموماً قدرت نہیں رکھتے۔

کراچی کے وہ دینی مدارس جیسے جامعہ العلوم الاسلامیہ، (بنوری ٹاؤن۔ کراچی) جامعہ دراسات اسلامیہ، (گلشن اقبال۔ کراچی) جامعہ ابی بکر (گلشن اقبال کراچی) اور دارالعلوم (کورنگی۔ کے۔ ایریا۔ کراچی) جہاں عرب ممالک کے طلباء زیر تعلیم ہیں، ان کے ہم جماعت مقامی طلباء شریک تعلیم رہتے ہوئے اپنے شوق کی بنا پر ان سے عربی لہجہ میں گفتگو کرنے کی کسی قدر مہارت حاصل کر لیتے ہیں۔

کتب خانہ

دینی مدارس میں کتب خانے کی اہمیت و افادیت دوچند ہوتی ہے، کیونکہ دینی مدارس کے طلباء کو مدرسہ ہی درسی کتب عاریتاً فراہم کرتا ہے۔ عمومی طور پر طالب علمی کے زمانے میں دینی مدارس کا طالب علم نصاب اور حوالہ جاتی کتب کے علاوہ دیگر امدادی کتب خرید کر یا شوق کی خاطر اپنی پسند کی کتب کا وافر ذخیرہ جمع کر کے مطالعہ نہیں کر سکتا، خاص طور پر وہ نادر و نایاب کتب جن کی نقول بھی دستیاب نہ ہوں۔ لہذا طلباء کی اسی ضرورت کے پیش نظر تمام بڑے مدارس میں کتب خانے قائم ہیں، دارالعلوم (کورنگی۔ کے۔ ایریا، کراچی) میں ایک وسیع ہال میں ایک بڑی لائبریری قائم ہے(۲۲) اسی طرح جامعۃ العلوم اسلامیہ میں بھی ایک بڑی لائبریری موجود ہے۔ بڑے مدارس میں قائم کتب خانوں میں قدیم و جدید، نادر و نایاب کتب کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے، جو فنون، قانون، مذہب، عربی ادب، تاریخ، عمرانی علوم وغیرہ جیسے مضامین کو محیط کئے ہوئے ہے، اس کے علاوہ ان میں کئی عمدہ کتب عربی، فارسی، اردو اور انگریزی میں بھی موجود ہیں۔ لیکن زیادہ تر کتب کا ذخیرہ اسلامی علوم پر ہی مشتمل ہیں۔

مشاہدہ میں آیا ہے کہ ان مدارس میں زیر تعلیم طلباء میں کتب بینی کا زیادہ شوق نہیں ہے، اس کی کئی وجوہ ہو سکتی ہیں، ایک بڑی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ان کے ہاں رائج تعلیمی اوقات پر صبح سے عمل درآمد ہوتا ہے۔ تقریباً یومیہ ۱۲ گھنٹے یہ طلباء اساتذہ کے زیر اثر اور زیر نگرانی رہتے ہیں، دوسرے یہ کہ چھوٹی جماعتوں کے طلباء کے ذہنوں میں یہ شروع سے ہی بٹھا دیا جاتا ہے کہ استاد جو کچھ بتادے وہی کافی سمجھا جائے، نیز استاد بھی ان کو دوسری حوالہ جاتی کتب کے مطالعے کی ترغیب نہیں دیتے، کہ کہیں وہ پراگندہ ذہن اور نصاب سے غیر متعلق نہ ہو جائیں، حتیٰ کہ اخبار و رسائل بھی نہیں پڑھنے دیئے جاتے، البتہ بڑی جماعتوں کے طلباء خاص طور پر تخصص کے طلباء ان کتب خانوں سے استفادہ کرتے ہیں۔ کیونکہ تخصص کے درجہ میں زیر تعلیم طلباء کے لیئے نصاب کی جزوی تکمیل کے لیئے کورس کے اختتام پر مقالہ نگاری کیلئے متعلقہ کتب کا مطالعہ ضروری ہوتا ہے۔ اس لئے وہ اپنے اسباق کی تیاری اور تحقیقی و تخلیقی کام میں متعلقہ کتب زیر مطالعہ رکھتے ہیں۔ اکثر بڑے مدارس میں ان کتب خانوں کا انتظام لائبریری انفرمیشن سائنس میں ڈپلومہ ہولڈروں کے سپرد ہے البتہ چھوٹے مدارس میں یہ کام اساتذہ میں سے کسی ایک فہیم شخص کے ذمہ لگا یا گیا ہوتا ہے۔

فصل سوم: امتحانات کے قواعد و ضوابط اور طریقہ کار

امتحانات کا انعقاد

دینی مدارس کے تمام تعلیمی شعبوں ماسوائے درجہ قرآن حکیم حفظ و ناظرہ کے، سال میں تین مرتبہ امتحان منعقد ہوتے ہیں(۲۳) الف ۔ سہ ماہی ۔ب ۔ ششماہی ۔ ج ۔ سالانہ جبکہ شعبہ حفظ و ناظرہ قرآن حکیم کے سال میں چار امتحان ہوتے ہیں ،پہلا امتحان ذیقعد کے شروع میں دوسرا سہ ماہی صفر میں ، تیسرا ششماہی جمادی الاول اور چوتھا سالانہ امتحان ماہ شعبان میں منعقد ہوتا ہے ، شعبہ حفظ و ناظرہ کے تحت طالب علم نے جتنے پارے پڑھے ہوتے ہیں ان میں سے امتحان ہوتا ہے اور جو بچے قرآن حکیم حفظ کر چکے ہوں ان کا سب پاروں کا امتحان لازمی ہوتا ہے ، حفظ کے امتحان کے کل نمبر 100 ہوتے ہیں ، منزل و سبق کے پچاس نمبر ، تجوید و ادائیگی حروف کے پچیس نمبر اور نماز و دعاؤں کے پچیس نمبر ہوتے ہیں ۔ حفظ و ناظرہ کی ہر جماعت کے امتحان سے ایک ہفتے قبل سبق بند کر دیا جاتا ہے ۔ دوسرے تعلیمی شعبوں کے تین امتحانات کی ترتیب اس طرح ہے کہ پہلا سہ ماہی امتحان صفر کے پہلے ہفتے میں ، ششماہی جمادی الآخر کے پہلے ہفتے میں اور سالانہ امتحان شعبان کے پہلے ہفتے میں منعقد ہوتا ہے ۔

کراچی کے تمام مدارس کے اندرونی اور بورڈ کے تحت یکے بعد دیگرے یکساں طریقہ کار کے تحت امتحانات منعقد ہوتے ہیں ۔ درجات کتب کے اندرونی امتحانات اسی مدرسہ کے دیگر اساتذہ لیتے ہیں ۔ تقریری و تحریری کسی بھی امتحان کے لئے باہر سے کوئی ممتحن نہیں بلایا جاتا ۔ درجہ اولیٰ کا تقریری امتحان ایک ہی ممتحن لیتا ہے ۔ سہ ماہی اور ششماہی امتحان میں ہر پرچے کے تین تین سوالات ہوتے ہیں جبکہ سالانہ امتحان میں ہر پرچہ چھ سوالوں پر مشتمل ہوتا ہے ۔ امتحان مقررہ وقت اور تواریخ پر پڑھائے گئے نصاب میں سے ہی لیا جاتا ہے ۔ طلباء کو امتحانات میں Guess Papers استعمال کرنے کی ممانعت ہوتی ہے ۔ امتحان سے کم از کم پندرہ دن قبل اساتذہ اور مجلس تعلیمی کا اجلاس بلایا جاتا ہے ۔ امتحانی پرچہ جات کے سلسلے میں راز داری اور دیانت داری کو بہت اہمیت دی جاتی ہے ۔ مشاہدے کے مطابق دینی مدارس کے امتحانات میں تاحال زیادہ بے قاعدگی نہیں جگہ پا سکی ۔ اساتذہ پانچ دن کے اندر پرچے بنا کر واپس کر دیتے ہیں ۔ بڑی جماعتوں کے پرچوں میں امتحانی سوالات عربی میں اور چھوٹی جماعتوں کے بعض سوالات عربی اور بعض اردو زبان میں ترتیب دیئے جاتے ہیں ۔

امتحان کا نظام الاوقات اس طرح اس لئے مرتب کیا جاتا ہے کہ جس دن کسی استاد کی پڑھائی ہوئی کتاب کا پرچہ ہوتا ہے ، اس دن اس کی رخصت ہوتی ہے لہذا دوسرے اساتذہ اپنی نگرانی میں ان کا پرچہ لیتے ہیں ، امتحان کا وقت تین گھنٹے ہوتا ہے ۔ ممتحن کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ جوابی کاپی ایک ہفتہ کے اندر چیک کر کے

واپس کر دیں، ممتحن ہر سوال کے علیحدہ نمبر لگاتے ہیں اور بعد میں ان سب کو جمع کر کے نتیجہ مرتب کیا جاتا ہے تمام امتحانات کے نتائج کا اعلان ایک ماہ میں کر دیا جاتا ہے۔ ازاں بعد مناسب موقع پر جلسہ تقسیم اسناد منعقد کیا جاتا ہے۔

طلباء کا اخلاقی و مذہبی ماحول و رجحان

دینی مدارس کے طلباء ہمارے معاشرے میں ایک جداگانہ حیثیت کے حامل ہیں۔ کیونکہ ان کی مدرسہ کے اندر ایسے مذہبی ماحول میں تربیت ہوتی ہے کہ انہیں ابتدا سے ہی اسلامی تعلیمات کے مطابق زندگی گزارنے کا عادی بنایا جاتا ہے (۲۴) تاکہ امر و نہی کی تعمیل، خیر و شر میں تمیز، حلال و حرام میں امتیاز اور قناعت و خوف الہیٰ جیسی خوبیوں سے مزین ہو جائیں، راسخ العقیدہ ہونے کے ساتھ وضع قطع میں اسلامی تشخص قائم رکھیں۔ دینی مدارس کے طلباء کو تلقین کی جاتی ہے کہ وہ دینی تعلیم کے حصول میں اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کو اپنی مطمح نظر بنائیں، اپنی پسند و ناپسند میں اسلامی اصولوں کو مد نظر رکھیں نیز مذہبی و قومی تہواروں میں شریک ہوں اسی لئے یہ مذہبی جلسے جلوسوں میں زیادہ دلچسپی سے شرکت کرتے ہیں۔

نظم و ضبط کی پابندی

بڑے مدارس میں نظم و ضبط قائم رکھنے کا سختی سے اہتمام ہوتا ہے (۲۵) تاکہ طلباء کوئی نازیبا حرکت یا کوئی ایسا کام نہ کریں کہ جس سے تدریس یا مدرسہ کے نظم و ضبط میں خلل واقع ہو اور مدرسہ کا تقدس پامال ہو درحقیقت مدارس کا ماحول اس طرح ضبط میں رکھا جاتا ہے کہ طلباء کے لئے اساتذہ کی بے ادبی، عمال مدرسہ سے بد تمیزی، مدرسے کے انتظام میں خلل، ہنگامہ، نعرہ بازی، مدرسے کی دیواروں پر کسی قسم کی عبارت لکھنا، سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینا اور سیاسی کردار ادا کرنا، ہڑتال یا بائیکاٹ کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔

جیسا کہ گروہ جماعت کے ماحول کی بابت مذکور ہے کہ دینی مدارس میں پر امن و حقیقی تعلیمی ماحول ہوتا ہے کہ ایسی باتوں کی گنجائش ہی نہیں رہتی، اس لئے شعبہ تادیب کی زیادہ ضرورت ہی نہیں رہتی، مدرسے کی انتظامیہ کی جانب سے کچھ اساتذہ کو یہ ذمہ داری سونپی گئی ہوتی ہے کہ وہ مجموعی طور پر طلبہ کے طرز عمل اور سرگرمیوں پر کڑی نظر رکھیں اور بوقت ضرورت طلبہ کے جذبات کو سمجھتے ہوئے ان کی راہنمائی بھی کریں۔

طلباء کا لباس و وضع قطع

مدرسے کی انتظامیہ ابتدا ہی سے طلباء کو ایسا ماحول فراہم کرتی ہے کہ وہ لباس، وضع قطع، چال ڈھال، میں شرعی اصولوں کی پابندی کرتے ہوئے سلف صالحین کا طریقہ اختیار کریں (۲۶) داڑھی شرعی ہو، سادگی اور صفائی ستھرائی کے عادی بنیں۔ انتظامیہ اور اساتذہ خود بھی اسوہ حسنہ پر قائم رہتے ہوئے طلباء کے لئے مثال بنتے

ہیں۔ مدارس میں یونیفارم کا کوئی تصور نہیں ہوتا مگر مدرسہ کے ماحول کے مطابق اکثر طلباء سفید لباس، کرتہ، قمیض (بغیر کالر) شلوار پہنتے ہیں۔ سر پر ہلکی پھلکی سفید دھاگے کی بنی ہوئی چین سے درآمد شدہ ٹوپی ہوتی ہے۔ کچھ طلباء ٹوپی کے اوپر سفید یا دیگر رنگوں کے عمامے (عمامے کا اب زیادہ رواج نہیں رہا) یا رمال باندھتے ہیں۔ سردی سے بچاؤ کے لئے گرم چادر لیتے ہیں یا واسکٹ پہنتے ہیں۔ جوتوں میں یکسانیت نہیں ہوتی، اس معاملے میں ہر طالب علم اپنے ذوق، مالی استطاعت اور اپنے علاقائی رواج کے مطابق آزاد ہوتا ہے۔ بیرونی ممالک سے آئے ہوئے طلباء اپنے رسم و رواج کے مطابق مخصوص انداز کے کپڑے پہنتے ہیں، لیکن ان میں بھی سادگی کا عنصر نمایاں ہوتا ہے۔ ان طلباء پر پاکستانی لباس پہننے کی کوئی شرط عائد نہیں کیجاتی۔

فصل چہارم: مدرسے میں طعام وقیام

دینی مدارس میں زیر تعلیم طلباء کے لئے مدرسہ کی چار دیواری کے اندر طعام وقیام کا معقول انتظام ہوتا ہے (۲۷) یہ سہولت تمام طلباء کو بلا معاوضہ فراہم کی جاتی ہے۔ دینی مدارس کا یہ قدیم طرہ امتیاز ہے کہ وہ طلباء کو فکر طعام و قیام سے آزاد کر دیتے ہیں۔ مگر اب کئی مدارس میں اس معاملہ میں تفریق کر دی گئی ہے۔ طعام کی رقم ادا کرنے والے طلباء کے لئے الگ کھانا تیار کیا جاتا ہے۔ اور اس کا معیار بھی عام طلباء کے لئے تیار شدہ طعام سے کسی قدر بہتر ہوتا ہے۔ یہ سلسلہ کئی مدارس میں مثلاً جامعہ حمادیہ (شاہ فیصل کالونی، کراچی) اور جامعہ بنوریہ (سائٹ، کراچی) وغیرہ میں قائم ہے۔ مؤخرالذکر میں تو درج بالا تقسیم کے علاوہ مقامی اور بیرونی طلباء کے کھانے کے معیار اور مقدار میں بھی فرق ہوتا ہے۔ بیرونی ممالک کے طلباء چونکہ کھانے کے اخراجات کی ادائیگی کرتے ہیں۔ اس لئے ان کے ذوق اور پسند کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ کھانے میں سادگی اور صفائی کے ساتھ معیار کو بھی برقرار رکھا جاتا ہے۔ بڑے مدارس میں کھانا کثرت وسائل کے باعث نسبتاً بہتر اور وافر مقدار میں میسر ہوتا ہے۔

دوپہر کا کھانا اکثر مدارس میں بارہ بجے سے ایک بجے تک کھانے کے خاص کمرے میں فراہم کیا جاتا ہے۔ اور رات کا کھانا عصر سے مغرب کے درمیان بٹتا ہے۔ طلباء تنظیم کے ساتھ کھانا فرش پر بیٹھ کر تناول کرتے ہیں لیکن کھانا رکھنے کے لئے بعض مدارس میں سطح زمین سے تھوڑی اونچی (تقریباً چھ انچ) چوکی استعمال کی جاتی ہے۔ اس دوران انتظامیہ و اساتذہ میں سے کوئی ذمہ دار فرد موجود رہتا ہے۔ جو طلباء کی کھانے کی ضروریات سے باخبر رہتا ہے۔ طلبہ کو اس موقع پر خوش سلیقگی کی ہدایات بھی دیتا ہے۔ نیز اسلامی اصولوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے صرف شکم سیری نہیں بلکہ خوردن برائے زیستن کے اصول پر کاربند رہنے کی ترغیب بھی دی جاتی ہے۔ کھانے میں سادگی کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ ہر مدرسہ اپنی استطاعت و گنجائش کے مطابق طلباء کے لئے مناسب کھانے کا انتظام کرتا ہے۔ گوشت، چاول، دال اور سبزی وغیرہ کو ترتیب سے مینو (Menu) میں شامل رکھا جاتا ہے۔ البتہ مدرسہ کی جانب سے کھانے کے ساتھ موسمی پھل وغیرہ فراہم نہیں کئے جاتے۔

دارالاقامہ

ہر مدرسہ زیر تعلیم طلباء کے لئے مدرسے میں ہی رہائش کا انتظام کرتا ہے (۲۸) خواہ وہ زیر تعلیم طلباء ملک کے دور دراز علاقوں سے تعلق رکھتے ہوں، مقامی ہوں یا بیرون ملک سے آئے ہوئے، سوائے ان طلباء کے جو اپنے والدین کے ہمراہ مدرسہ کے قریب رہائش پذیر ہوں اور ڈے اسکالر (Day Scholar) کے طور پر زیر تعلیم ہوں، کیونکہ طلباء کی اکثریت ملک کے کونے کونے سے کراچی پہنچ کر اچھی تعلیمی و تنظیمی شہرت کے حامل

بڑے دینی مدارس میں داخلہ لینے میں دلچسپی رکھتی ہے۔ اس لئے بھی انہیں مدارس میں رہائش کی ضرورت ہوتی ہے دینی مدارس کی انتظامیہ روز اول سے جہاں طلباء کی تعلیمی ضروریات کا خیال رکھتی ہے اسی قدر ان کی رہائشی ضروریات کو پورا کرنے کی بھی کوشش کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے تمام مدارس میں دارالاقامہ کا خصوصی اہتمام کیا جاتا ہے بلکہ دارالاقامہ کو مدرسہ کی عام شہرت کے شایان شان بنایا جاتا ہے نیز ان ہوسٹلوں میں اسی قدر زیادہ سہولتیں فراہم کیجاتی ہیں جتنا بڑا مدرسہ ہو۔

عام طور پر ان ہوسٹلوں میں پانی، گیس کے چولہے، گیزر، ٹھنڈے پانی کیلئے الیکٹرک کولر، بجلی کے پنکھے اور شدید موسمی اثرات سے بچنے کے انتظامات کئے گئے ہوتے ہیں۔ یہ ہوسٹل مدرسہ کی چار دیواری کی اندر واقع ہوتے ہیں، بعض بڑے مدارس میں رہائش پذیر طلباء کی تعداد ہزاروں میں ہوتی ہے۔ جیسے دارالعلوم کورنگی کے۔ ایریا۔ کراچی۔ جس کا دارالاقامہ اس وقت کراچی کے تمام مدارس سے بڑا اور رہائشی سہولتوں سے آراستہ و جدید طرز تعمیر کا شاہکار ہے۔ طلباء کی دارالاقامہ میں رہائش پذیر اس کثیر تعداد کے پیش نظر نظم و ضبط قائم رکھنے اور ان کی عملی تربیت کی غرض سے طلباء کیلئے ذیل میں دیاگیا ایک تنظیمی ڈھانچہ بھی تشکیل دیا ہوا ہے۔

دارالاقامہ میں مقیم طلبہ کی عملی و تنظیمی تربیت کے لئے بطور نمونہ ایک تنظیمی ڈھانچے کا خاکہ

نگراں۔ (مدرسہ کی انتظامیہ کا فرد)

ناظم دارالاقامہ (مدرسہ کی انتظامیہ کی جانب سے متعین)

قیم دارالاقامہ (طلباء میں سے)

نائب قیم

معاونین

امیر صفائی	امیر صلوٰۃ	امیر جسمانی تربیت	امیر غیر نصابی سرگرمیاں (۲۵)

دارالاقامہ کے قواعد و ضوابط

دارالعلوم (کورنگی۔ کراچی) اس وقت ایک مثالی دینی تعلیمی ادارے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کی متنوع خصوصیات نے اسے ایک معیاری جامع صفات اور اعلیٰ دینی تعلیمی ادارہ بنا دیا ہے۔ اسی لئے اسے ایک ماڈل کے طور پر لیا گیا ہے۔ اس کے ہوسٹل میں طلباء کے لئے وہ تمام سہولیات جمع ہیں جو ایک کسی اعلیٰ پائے کی سرکاری یونیورسٹی (University) میں موجود ہوتی ہیں (۳۰) البتہ ان کے ہوسٹل میں طلباء کو آزادی زیادہ میسر نہیں ہوتی کہ وہ اپنی من مانی کرسکیں اور اصول و ضوابط کو توڑ کر ہلہ گلہ شروع کر دیں۔ ان ہوسٹلوں میں قیام کا

مقصد اول چوبیس گھنٹے کی زندگی کو اسلامی ڈھب پر لانا ہے بلکہ اسلامی عملی زندگی کے لئے مکمل طور پر تیار کرنا ہے۔

دارالعلوم (کورنگی کراچی) کے دارالاقامہ کے قواعد و ضوابط مندرجہ ذیل ہیں۔ ان ضوابط کے ملاحظہ سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ طلباء کی کس نہج پر تربیت کرنا مقصود ہے۔

۱۔ دارالعلوم کے دارالاقامہ میں رہائش پذیر طلباء اپنے ساتھیوں کے آرام و سکون کا خیال رکھیں گے۔ ۲۔ کمرے کے ساتھیوں کی مرضی کے بغیر دوسرے کمرے کے ساتھیوں کو اپنے کمرے میں نہیں بلائیں گے۔ ۳۔ سوتے وقت کمرے کی عمومی بتی نہیں کھولی جائے گی اور نہ شور و غل کرکے اپنے ساتھیوں کے آرام میں مخل ہوا جائے گا ۴۔ کمرے میں اپنا سامان، بستر، چارپائی، برتن اور کپڑے وغیرہ ترتیب سے اپنی مخصوص جگہ پر رکھیں گے۔ جسم اور اپنے ارد گرد کے ماحول کی صفائی کو اپنا شعار بنائیں نیز روزانہ غسل کا اہتمام کریں ۵۔ بستر صاف ستھرے اور سلیقے سے تہہ کئے ہوئے ہوں اور برتن دھو کر رکھے جائیں۔ ۶۔ نماز فجر باجماعت اور اس کے بعد تلاوت قرآن کریم کا اہتمام کیا جائے ۷۔ درسگاہوں میں جانے سے پیشتر اپنے استعمال کی تمام اشیاء قرینے سے رکھی جائیں نیز اپنے کمرے، غسلخانے، بیت الخلاء، باورچی خانے وغیرہ میں گندگی نہ پھیلائی جائے۔ ۸۔ کھانا ہمیشہ دستر خوان (پلاسٹک شیٹ) بچھا کر کھایا جائے۔ ۹۔ کھانے کے کمرے میں جاتے ہوئے یا حصول وظیفہ اور دیگر دفتری امور کے وقت قطار بنائیں اور طلبہ کی شان کے خلاف حرکتوں سے پرہیز کریں۔ ۱۰۔ عمارت کی در و دیوار کو گندہ کرنا ان پر لکھنا یا انہیں خراب کرنا، شائستگی اور اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔ ۱۱۔ کسی ساتھی کا سامان اس کی اجازت کے بغیر استعمال کرنا شرعاً ناجائز ہے۔ ۱۲۔ اپنے سامان کی حفاظت خود کریں۔ کپڑے سکھانے کی جگہ پر میلے کپڑے نہ ڈالیں۔ ۱۳۔ رات ساڑھے گیارہ بجے کمرے کی مرکزی بتیاں لازماً بند کر دی جائیں۔ ۱۴۔ وقت کی قدر کریں۔ اور اسے اپنا شعار بنائیں۔ ۱۵۔ پانی بجلی اور گیس کا بیجا استعمال قطعاً نہ کیا جائے۔ ۱۶۔ ہر چیز میں خود کو سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خوگر بنائیں، اٹھنے، بیٹھنے، کھانے پینے اور وضع قطع، الغرض ہر کام میں سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیں۔

علاج و معالجہ کی سہولیات

بڑے مدارس کی انتظامیہ ایک یا دو مستند (ایم۔ بی۔ بی۔ ایس) ڈاکٹر یا سینئر فزیشن کا ضرورت کے تحت مستقل طور پر کل وقتی یا جزوقتی بندوبست کرتی ہے۔ جسکا کلینک مدرسے کی عمارت میں ہوتا ہے۔ ہر طالب علم کو علاج معالجے کی سہولت بلا معاوضہ فراہم کی جاتی ہے۔ نیز ادویات بھی بلا معاوضہ مدرسے کی جانب سے دی جاتی ہیں۔ پیچیدہ و مہلک امراض میں مبتلا زیر تعلیم طلباء کا مدرسے کی جانب سے کسی اچھے اسپتال میں مکمل علاج کرایا جاتا ہے۔ (۳۱) متعلقہ مدارس میں متعین ڈاکٹروں کے بیان کے مطابق طلباء کی مجموعی صحت اچھی

ہوتی ہے ۔ یہ بہت کم ڈاکٹرز سے رجوع کرتے ہیں ۔ کیونکہ انہیں خوراک اچھی اور ماحول صحت مند ملتا ہے ، بازاری کھانوں سے اجتناب کرتے ہیں ، اخلاقی و جسمانی نظم و ضبط کے پابند ہوتے ہیں ، حفظانِ صحت کے اصولوں کی پاسداری کرتے ہیں ، سگریٹ ، منشیات اور منہیات سے مکمل اجتناب کرتے ہیں ۔

سزا کا شرعی اصول

تادیب اگر ادب سکھانے کے لئے ہو تو جائز ہے ۔ لیکن اسی قدر کہ جس سے بچے کی فہم واضح اور کھل جائے نہ کہ اس طرح کہ جیسے بیدردی سے جانوروں کو مارا پیٹا جاتا ہے ۔ "ہڈیاں والدین کی اور چمڑی استاد کی" اس مقولے کی اصل نہ قرآن حکیم میں ہے نہ حدیث وفقہ میں ۔ اسلام میں بنیادی طور پر سزا صرف اسی وقت دی جا سکتی ہے ۔ جب سکھانے کے تمام راستے مسدود ہو جائیں ، وہ بھی نیک نیتی سے اصلاح کی خاطر صرف تھوڑی بہت وہ بھی بری طرح نہیں بلکہ اعتدال کے ساتھ ۔ دینی مدارس میں خاص طور پر حفظ و ناظرہ کی جماعتوں میں بہت سخت سزائیں دی جاتی ہیں ۔ بید یا چھڑی کا آزادانہ اور بیدردی سے استعمال کیا جاتا ہے ۔ طلب اسی وجہ سے حفظ و ناظرہ سے بھاگتے ہیں اور ہمیشہ کیلئے یہ مار پیٹ انکے ذہن میں بیٹھ جاتی ہے ۔ اکثر اوقات یہ سختی بچوں کو دینی تعلیم سے بھی محروم کر دیتی ہے ۔

مولانا اشرف علی تھانوی اپنے مدرسے میں بچوں کو بری طرح مارنے والوں پر سخت تنبیہ کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ " استاد کے اختیار میں سکھلانا ، پڑھانا ہے علم کا آجانا نہیں " ۔ لیکن اساتذہ تمام کام اپنے ذمے سمجھتے ہیں کہ پڑھانا بھی ہمارے ذمے ، گھر سے بلوانا بھی اور جنتی بنانا بھی ۔ استاد کو ماں باپ کا کام اپنے ذمے نہیں لینا چاہئے ۔ انہیں اگر پڑھوانا ہوگا تو خود اس کا مزاج درست کر دیں گے ، انگریزی مدارس میں مارنے کا قاعدہ بالکل نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ اس سختی سے بچے اور زیادہ اچاٹ ہو جاتے ہیں ۔ ایسے وقت میں تو استاد کو نہایت شفقت سے کام لینا چاہیئے ۔ صرف تادیب اور سکھانے کے لئے تو پیٹنا جائز ہے لیکن اس طرح نہیں کہ بچے کے جگہ بے جگہ لگ جائے ، بے ہوش ہو جائے یا کوئی ہڈی ٹوٹ جائے یہ جائز نہیں ۔

دینی مدارس کی ابتدائی جماعتوں کے طلبہ پر آج بھی بہت سختی ہوتی ہے ۔ اس کی توجیہہ یہ کیجاتی ہے کہ ان میں تسلیم و رضا کی قوت پروان چڑھے اور سخت محنت و ریاضت کے خوگر بن سکیں ۔ اس لئے ان میں ذہنی و اخلاقی جکڑ بندیوں کے علاوہ جسمانی سزاؤں کا بھی عمل دخل رہتا ہے ۔ البتہ بڑے درجات کے طلباء میں مار پیٹ اور سزاؤں کا تناسب کم سے کم ہوتا جا رہا ہے انہیں صرف زبانی سرزنش ہی کافی ہوتی ہے ۔ سزاؤں کے سلسلے میں ہر مدرسے کا اپنا ماحول بھی ہوتا ہے اور ایک ، دوسرے سے بالکل مختلف لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس وقت دینی تعلیم و تعلم میں سزا کا عنصر بالکل ختم ہو کر رہ گیا ہے ۔ تحقیق کے دوران یہ بات بھی مشاہدے میں آئی ہے کہ بڑے مدارس کے مزاج میں نظم و ضبط اور ماحول بہتر ہونے کے باعث سزا کی نوبت کم ہی آتی ہے ، مگر درجہ حفظ

و ناظرہ میں سختی البتہ ابھی تک قائم ہے۔

سزا دینے کا تعلق استاد اور طلبہ کے انفرادی مزاج اور عادات واطوار پر بھی منحصر ہوتا ہے۔ مختصر یہ کہ اب سختی کا عنصر پہلے کے مقابلے میں روز بروز کم ہوتا جارہا ہے۔ اساتذہ اب کسی حد تک طلباء کی نفسیات کو بھی مد نظر رکھتے ہوئے تعلیم دیتے ہیں۔ مگر سختی کے انداز ابھی تک نہیں بدلے سختی کا اظہار زبان سے بھی ہوتا ہے مزاج اور کڑی نظر سے بھی۔ (۳۲)

فصل پنجم: دینی مدارس کی غیر نصابی سرگرمیاں

مطالعاتی دورے

مدارس میں اس بات کا اہتمام نہیں ہوتا کہ طلباء کو تعلیمی سیاحت یا مطالعاتی دورے کرائے جائیں، گرچہ مطالعاتی دوروں سے اجتماعی نظام کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملتا ہے، قومی نوعیت کے بڑے بڑے اداروں کتب خانوں، سرکاری جامعات اور تاریخی مقامات کی سیر اور واقفیت کے ساتھ طلباء میں وسعت فکر و نظر پیدا ہوتی ہے اور تفریح کے فطری تقاضے بھی پورے ہوتے ہیں ان کے باوجود یہ مدارس مطالعاتی دوروں کی کوئی اہمیت نہیں سمجھتے، طلباء کے تعلیمی نصاب اور نظام الاوقات پر اس قدر سختی سے عمل کیا جاتا ہے کہ انہیں فرصت کے چند لمحات بھی نکالنا مشکل ہوتے ہیں، مدارس کے منتظمین یہ سوچ رکھتے ہیں کہ یہ طلباء مدرسہ میں تعلیم کی غرض سے آتے ہیں "تفریح - سیر و سیاحت کے لئے تو عمر بھر ہے لیکن تعلیم کے لئے یہی عمر ہے - (۴۳)

بین الکلیاتی مقابلے

۱ - بعض دینی مدارس طلباء میں مسابقت کے جذبے کو ابھارنے اور انکی خوابیدہ صلاحیتوں کو ابھارنے اور نکھارنے کیلئے بین المدارس یا بین الکلیاتی تحریری، تقریری، حسن قرآت، نعت خوانی اور دیگر مفید تعلیمی مقابلوں کا اہتمام کرنے لگے ہیں (۴۴) اساتذہ ان مقابلوں کے براہ راست نگران ہوتے ہیں، کامیاب طلباء کی حوصلہ افزائی کے لئے انعام و اکرام بھی دیئے جاتے ہیں - لیکن اکثر مدارس ایسے بین الکلیاتی مقابلوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتے بلکہ اسے تضیع اوقات سمجھا جاتا ہے - یہی وجہ ہے ان مدارس کے طلباء میں اجتماعی طور پر کوئی سرگرمی نہیں ہوتی کہ یہ طلباء آپس میں مل بیٹھ کر تعلیمی سرگرمیوں کا ذکر کر سکیں - یا علمی اور تعلیمی مباحثوں، مذاکروں میں کئی مدارس کے طلباء یکجا ہو کر اپنی تعلیمی سطح کا جائزہ لے سکیں یعنی ان کے پاس کوئی پلیٹ فارم بھی نہیں یا شاید ایسا کوئی تصور انتظامیہ و طلباء اپنے ذہن میں رکھتے ہی نہ ہوں -

غیر نصابی سرگرمیاں

مدارس میں غیر نصابی سرگرمیاں زیادہ نہیں ہوتیں، کیونکہ ان کے پیش نظر طالب علم کے وقت کا بہترین مصرف حصول علم ہی ہوتا ہے (۴۵) لہذا طلباء کو نمود و نمائش اور لا یعنی باتوں سے دور رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے - اگرچہ انتظامیہ اس امر سے ناواقف نہیں کہ اچھے ذہن کے لئے صحت مند و توانا جسم ضروری ہوتا ہے - اس لئے عموماً عصر تا مغرب بچوں کے لئے کھیل کود اور جسمانی ورزشوں اور تفریح کا وقت سمجھا جاتا ہے - طلباء مختلف کھیلوں میں حصہ لیتے ہیں اکثر مدارس میں طلباء فٹبال، والی بال، کرکٹ، باسکٹ بال وغیرہ میں دلچسپی لیتے ہیں اور ان کھیلوں کو بصد شوق کھیلتے ہیں، باہم مقابلے بھی کرتے ہیں - جسمانی ورزش میں طلباء بکثی

ہلکی ورزش کے ساتھ مارشل آرٹ کی تربیت بھی لیتے ہیں لیکن یہ تمام کھیل کود شرعی حدود کے اندر رہتے ہوئے بہت ہی محدود پیمانے پر ہوتے ہیں۔ کیونکہ بہت کم مدارس کی انتظامیہ اسے مستحسن نظروں سے دیکھتی ہے۔

تفریحی مشاغل

دینی مدارس کے ماحول میں یکسانیت پائی جاتی ہے، بس نصابی تعلیم پر تمام توجہ مرکوز رکھی جاتی ہے زیادہ تر وقت درس و تدریس یا متعلقات تدریس میں ہی گزرتا ہے، نظام الاوقات اس طرح ترتیب دیا جاتا ہے کہ طالب علم کے پاس تعلیم و تعلم کے علاوہ وقت ہی نہیں بچتا، عام مدارس میں انتظامیہ کی طرف سے طلباء کی تفریح طبع کیلئے نہ تو سہولتیں مدارس کے اندر فراہم کی جاتی ہیں اور نہ ہی ان کی ذہنی تازگی حاصل کرنے کے سلسلہ میں راہنمائی کی جاتی ہے، صرف درسگاہ کی تعلیم کو ہی کافی سمجھا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ تفریح کو تضیع اوقات خیال کیا جاتا ہے۔(۴۷)یہی وجہ ہے کہ ان طلباء میں نہ تو تروتازگی پیدا ہوتی ہے اور نہ ہی مستعدی، پھرتی اور چاق وچوبند رہنے کی کیفیت۔ ان میں مسابقت کا عمل بھی سست ہو جاتا ہے۔ جواں ہمتی، ولولہ، شوق اور لگن ماند پڑ جاتی ہے۔ مدرسے کی چار دیواری میں ہی ان کا وقت گزرتا ہے اور اسی کو ہی ضبط اخلاق، ضبط نفس اور بے راہ روی سے بچنے کا مناسب طریقہ خیال کیا جاتا ہے۔

دارالعلوم (کورنگی۔ کے۔ ایریا) کراچی کے دارالتربیت کے تعارف اور دستور العمل کے مشمولات میں مشاغل کے عنوان کے تحت تحریر کیا گیا ہے کہ بچہ بے اندازہ توانائیوں کا حامل ہوتا ہے۔اس کا بڑھتا ہوا جسم، دماغ، اپنی تعلیم، ماحول کے نت نئے تجربات، تفریحات و مشاغل ہی سے اپنی مستقبل کی شخصیت تعمیر کرتا ہے لہذا مشاغل میں ایسی تنظیم کی ضرورت ہے کہ جو نیک سیرت، مشفق اور بیدار مغز اتالیق کی راہنمائی میں اسے بے راہ رو ہونے سے محفوظ رکھ سکے۔چنانچہ بچوں کو تربیتی، تعلیمی، ورزشی اور تفریحی مشاغل سے وابستہ رکھا جاتا ہے کہ ان کے ذہن کو بھٹکنے اور جسم کو غلط افعال میں مبتلا ہونے کے مواقع نہ ملیں۔اپنا کام خود کریں۔ تاکہ نظم و ضبط، مستعدی، خوداعتمادی، پھرتی، اور انتظامی صلاحیت نشوونما پاسکے۔ مگر اس سب کے باوجود کراچی بھر کے دینی مدارس میں ایسی تفریحات و مشاغل کا فقدان ہے۔

جلسہ تقسیم اسناد اور دستار بندی

دینی مدارس کی روایت ہے کہ فارغ التحصیل طلباء کی جلسہ تقسیم اسناد کے موقع پر کسی اہم علمی و دینی شخصیت کے ہاتھوں دستار بندی کرائی جاتی ہے اور سند فراغت بھی دی جاتی ہے۔ کراچی میں دستار بندی کا اب زیادہ رواج نہیں رہا اور نہ ہی اس تقریب کو اتنا پر کشش بنایا جاتا ہے کہ یہ ہمیشہ یاد رہے۔ عام طور پر بغیر سند فراغت کے باقاعدہ عالم، مولوی یا مفتی تسلیم نہیں کیا جاتا۔

دینی کے بڑے دینی مدارس میں قومی ایام کے دنوں میں ان موضوعوں کی مناسبت سے مختلف پروگرام ترتیب دیئے جانے لگے ہیں۔ جیسے یوم آزادی، ۱۴/ اگست ۱۹۹۹ء کے موقع پر مرتبہ ایک پروگرام، دارالعلوم، کورنگی، کراچی۔ حسب ذیل ہے۔ (۳)

نمبر شمار	اسماء	عنوان	موضوع	درجہ زیر تعلیم
۱۔	قاری محمد افضال اللہ	قراءت	ونادیٰ نوح ربہ فقال ربّ ان ابنی ،	سال سوم
۲۔	محمد نور	ملی نغمہ	ہمارا پرچم ، یہ پیارا پرچم	مدرسہ ثانویہ
۳۔	محمد عدنان عزیز	ملی نغمہ	یہ وطن تمہارا ہے ، تم ہو پاسباں اسکے	درجہ اولی
۴۔	عبدالرفیق اور ساتھی	حمد	اللہ جل جلالہ	مدرسہ ثانویہ
۵۔	امان اللہ کراچوی	نعت	اگر کملی والے کی رحمت نہ ہوتی ۔	درجہ حفظ
۶۔	فیض الہدی گلگتی	سلام	سلام اس پر جس نے بیکسوں کی دستگیری	درجہ ثانیہ
۷۔	طاہر حنیف کشمیری	ملی نغمہ	تیرا پاکستان ہے ، یہ میرا پاکستان ہے ،	سال سوم
۸۔	محمود ابراہیم میرپوری	نظم	یہ بھیک نہیں آزادی ہے ، تقریر نہ کر	متوسطہ اول
۹۔	عبدالمنان صابری بلوچ	عربی نظم	ان ندت یا روح الصبا ..	درجہ ثالثہ
۱۰۔	عبدالحی افغانی	فارسی نظم	اے ملت یکتا پرست	درجہ سادسہ
۱۱۔	راشد محمود اور ساتھی	اردو نظم	پاکیزہ فطرت ، یہ پاک لشکر	متوسطہ دوم
۱۲۔	محمد مظہر	پنجابی نظم	-	سابعہ
۱۳۔	قمر الدین	سندھی نظم	-	اولی
۱۴۔	منور شاہ کوہاٹی	پشتو نظم	سوزے کتمہ رسولہ ...	رابعہ
۱۵۔	عبدالولی بلوچی	بلوچی نظم	ویشتن طالب را روانہ	متوسطہ سوم
۱۶۔	حمزہ محمد (ویسٹ انڈیز)	انگریزی نظم	افغانستان از دی لینڈ آف اسلام	القسم العربی
۱۷۔	سیف اللہ اور ساتھی	اردو نظم	آؤ بچو تم کو سیر کرائیں پاکستان کی	متوسطہ دوم
۱۸۔	عبدالعظیم کراچوی	اردو نظم	ہم دین محمد کے وفادار سپاہی	متوسطہ سوم
۱۹۔	محمد اشرف عالم کراچوی	اردو نظم	مجھے زندگی میں یارب ! سربندگی عطا کر	متوسطہ دوم
۲۰۔	فرحان احمد	تقریر اردو	یوم آزادی	مدرسہ ثانویہ
۲۱	ساجد محمود اور ساتھی	کوئز پروگرام	حضور کے غزوات وغیرہ سے متعلق	درجہ سابعہ
۲۲۔	عبیداللہ	تقریر	ہم اور آزادی	جماعت دہم
۲۳	ذاکر اللہ پشاوری	کوئز پروگرام	قرآنی کمپیوٹر اور قرآن کریم	متوسطہ ۔ دوم
۲۴	سعید اللہ راحیل	فی البدیہہ تقریر	مسجد کے آداب	دورہ حدیث
۲۵	مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی	تقریر	" پاکستان ہمارا ہے "	صدر ۔ دارالعلوم

تعلیمی وظائف

دینی مدارس میں قیام پذیر و مستحق طلباء کو مختلف شرح سے تعلیمی وظائف دیئے جاتے ہیں ۔ بعض مدارس میں زیر تعلیم و مقیم طلباء کو ایک ہزار روپے ماہوار تک وظیفہ عطا کیا جاتا ہے ۔ لیکن ابتدائی جماعتوں کے طلباء کو کم اور اعلیٰ درجات میں زیر تعلیم طلباء کو نسبتاً زیادہ تعلیمی وظائف دیئے جاتے ہیں یہ وظائف مدرسے کے دفتر سے نقد رقم کی شکل میں باقاعدگی سے جاری کئے جاتے ہیں ۔ یہ وظائف بغیر کسی امتیاز و شرط کے تمام قیام پذیر طلباء کو دیئے جاتے ہیں یہ وظائف اس لئے دیئے جاتے ہیں کہ طلباء اپنی روز مرہ کی جائز ضروریات مالی مشکلات سے محفوظ رہتے ہوئے پوری کر سکیں اور یکسوئی کے ساتھ تعلیم حاصل کرنے میں مشغول رہیں ۔ اگر کوئی طالب علم صاحب حیثیت ہو تو اسکے وظیفہ کا استحقاق ختم ہو جاتا ہے ۔ وظیفہ لینے کے لئے ابتدا میں ہی یعنی داخلہ لیتے وقت داخلہ فارم میں تصریح بھی کی جاتی ہے کہ امداد درکار ہے یا نہیں ۔ یہ وظائف تعلیمی نتائج سے مشروط نہیں ہوتے بلکہ بلا تخصیص دیئے جاتے ہیں بعض مدارس میں یہ وظائف طلباء کو نقد دیگر مدرسہ کی جانب سے مہیا کردہ کھانے اور دوسری سہولتوں کے عوض واپس لے لئے جاتے ہیں ۔

شرح تعلیمی وظائف جامعہ علوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن ۔ کراچی

نمبر شمار	درجہ تعلیم	ملکی طلباء	غیر ملکی طلباء
۱۔	تخصص	-/۳۰۰ روپے ماہانہ	-/۳۰۰ روپے ماہانہ
۲۔	دورہ حدیث	-/۲۴۰ روپے ماہانہ	-/۳۴۰ روپے ماہانہ
۳۔	درجہ سابعہ	-/۲۴۰ روپے ماہانہ	-/۳۴۰ روپے ماہانہ
۴۔	سادسہ	-/۲۴۰ روپے ماہانہ	-/۳۴۰ روپے ماہانہ
۵۔	خامسہ	-/۲۴۰ روپے ماہانہ	-/۳۴۰ روپے ماہانہ
۶۔	رابعہ	-/۲۴۰ روپے ماہانہ	-/۳۴۰ روپے ماہانہ
۷۔	ثالثہ	-/۲۳۰ روپے ماہانہ	-/۳۳۰ روپے ماہانہ
۸۔	ثانیہ	-/۲۳۰ روپے ماہانہ	-/۳۳۰ روپے ماہانہ
۹۔	اولیٰ	-/۲۱۰ روپے ماہانہ	-/۳۱۰ روپے ماہانہ
۱۰۔	اعدادیہ سوم	-/۲۱۰ روپے ماہانہ	-/۳۱۰ روپے ماہانہ
۱۱۔	اعدادیہ دوم	-/۲۱۰ روپے ماہانہ	-/۲۱۰ روپے ماہانہ
۱۲۔	اعدادیہ اول	-/۲۱۰ روپے ماہانہ	-/۲۱۰ روپے ماہانہ

شرح تعلیمی وظائف دارالعلوم کورنگی ، کراچی

نمبر شمار	درجہ تعلیم	ملکی طلباء	غیر ملکی طلباء
۱ ۔	تخصص	۳۰۰ /۔ روپے ماہانہ	۵۰۰ /۔ روپے ماہانہ
۲ ۔	دورہ حدیث	۱۲۰ /۔	۲۲۰ /۔
۳ ۔	سابعہ	۱۰۰ /۔	۲۰۰ /۔
۴ ۔	سادسہ	۸۰ /۔	۱۸۰ /۔
۵ ۔	خامسہ	۸۰ /۔	۱۸۰ /۔
۶ ۔	رابعہ	۹۰ /۔	۱۹۰ /۔
۷ ۔	ثالثہ	۹۰ /۔	۱۹۰ /۔
۸ ۔	ثانیہ	۵۰ /۔	۱۵۰ /۔
۹ ۔	اولیٰ	۵۰ /۔	۱۵۰ /۔
۱۰ ۔	اعدادیہ سال سوم	۴۰ /۔	۱۴۰ /۔
۱۱ ۔	اعدادیہ سال دوم	۳۰ /۔	۱۳۰ /۔
۱۲ ۔	اعدادیہ سال اول	۴۰ /۔	۱۴۰ /۔
۱۳ ۔	قراءت سال سوم	۳۰۰ /۔	۴۰۰ /۔
۱۴ ۔	قراءت سال دوم	۲۵۰ /۔	۳۰۰ /۔
۱۵ ۔	قراءت سال اول	۲۰۰ /۔	۳۰۰ /۔
۱۶ ۔	حفظ و تجوید	۳۰ /۔	۱۳۰ /۔

نوٹ :۔

(۱) حصول وظیفہ کیلئے مدرسہ کے طلباء اپنا شناختی کارڈ ہمراہ لاتے ہیں ۔

(۲) وہ طلباء جو بروقت اپنا تعلیمی وظیفہ بوجوہ حاصل نہ کرسکے ہوں وہ متعلقہ ناظم کی منظوری سے بعد ازاں وصول کرسکتے ہیں ۔

(۳) طالبعلم کے رخصت پر ہونے یا تعطیلات مدرسہ کیوجہ سے تعلیمی وظیفہ جاری نہیں کیا جاتا ۔

(۴) مندرجہ بالا شرح وظیفہ کے علاوہ ہر باقاعدہ طالبعلم کو ۔/ ۵۰ روپے ماہانہ بلا تخصیص جماعت ناشتہ کیلئے فراہم کئے جاتے ہیں ۔

(۵) ہر مدرسہ کا اپنے طلبہ کو وظیفہ جاری کرنے کا اپنا اپنا طریقہ کار ہوتا ہے ۔ جس کے لئے انہوں نے جگہ ، وقت

اور وں بھی مقرر کئے ہوئے ہوتے ہیں۔

روئیداد مدرسہ

بڑے مدارس اپنی سالانہ روئیداد بھی شائع کرتے ہیں، جس میں اسلامی تعلیم کی ضرورت و اہمیت، مدرسہ کی کارکردگی، گوشوارہ آمدنی و خرچ، مدرسہ کے بانی کے مختصر حالات، تاریخ تاسیس، غایت مدرسہ، مقاصد اور آئندہ کے عزائم، فارغ التحصیل و زیر تعلیم طلباء کا اندراج، مدرسہ کے اساتذہ کی علمی قابلیت و امتیازات، رائج نصاب، تعلیم کا اجمالی تذکرہ، انتظامیہ کا تعارف اور عطیات دینے اور مدرسہ کی مدد کرنے والوں کے نام وغیرہ شامل ہوتے ہیں اور آخر میں اہل ثروت سے عطیات کے حصول کے لئے اپیل درج ہوتی ہے۔

حواشی و حوالہ جات باب ششم

۱۔ ملاحظہ کیجئے جامعہ علوم اسلامیہ ایک نظر میں ، ناشر ادارہ اہتمام جامعہ علوم اسلامیہ ، علامہ سید محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی ۷۴۸۰۰

۲۔ ملاحظہ کیجئے اہل سنت کی عظیم دینی درسگاہ دارالعلوم نعیمیہ کراچی ، پیشکش مولانا جمیل احمد نعیمی ، ناظم تعلیمات بلاک نمبر ۱۵ گلستان مصطفیٰ فیڈرل بی ایریا کراچی ۔

۳۔ ملاحظہ کیجئے ستائیسواں سالانہ روداد مدرسہ تعلیم الاسلام ، تبلیغی کالج ، زیرنگرانی دارالتصنیف پرائیوٹ لمیٹڈ ، مجاہد آباد ، حب ریور روڈ کراچی

۴۔ ملاحظہ کیجئے جامعہ علوم اسلام ایک نظر میں ، ناشر ادارہ اہتمام ، جامعہ علوم اسلامیہ ، علامہ سید محمد یوسف بنوری ٹاؤن ۔ کراچی

۵۔ ملاحظہ کیجئے ہدایات و شرائط داخلہ فارم جامعہ حمادیہ شاہ فیصل کالونی کراچی

۶۔ ایضا

۷۔ ملاحظہ کیجئے جامعہ علوم اسلامیہ ایک نظر میں ، ناشر ادارہ اہتمام ، جامعہ علوم اسلامیہ علامہ سید محمد یوسف بنوری ٹاؤن ۔ کراچی

۸۔ ایضاً

۹۔ ایضاً

۱۰۔ ملاحظہ کیجئے جامعہ بنوریہ تعارف ، اغراض و مقاصد اور بین الاقوامی شہرت متصل سائٹ تھانہ کراچی

۱۱۔ ایضاً

۱۲۔ ملاحظہ کیجئے الجامعۃ السلیمانیہ تحت ادارہ جمیعۃ قمرالاسلام السلیمانیہ کراتشی (پاکستان)

۱۳۔ ملاحظہ کیجئے بیرونی ممالک کے طلباء کی کلاسوں کا ایک منظر ۔ ذیل الجامعۃ البنوریہ سائٹ پولیس اسٹیشن کراتشی الباکستان

۱۴۔ ملاحظہ کیجئے تعارف دارالعلوم کراچی ، از مولانا محمد رفیع عثمانی ، مہتمم دارالعلوم کراچی ۔

۱۵۔ ملاحظہ کیجئے جامعہ علوم اسلامیہ ایک نظر میں ناشر ادارہ اہتمام جامعہ علوم اسلامیہ ۔ بنوری ٹاؤن ۔ کراچی

۱۶۔ ایضاً

۱۷۔ ملاحظہ کیجئے ستائیسواں سالانہ رودداد ، مدرسہ تعلیم الاسلام ، تبلیغی کالج ، مجاہد آباد ۔ حب ریور روڈ کراچی نمبر ا

۱۸۔ ملاحظہ کیجئے تعارف دارالعلوم کراچی ۔ از مولانا محمد رفیع عثمانی مہتمم دارالعلوم کراچی

۱۹۔ ایضاً

۲۰۔ ملاحظہ کیجئے، ماہنامہ الفاروق کراچی۔ جامعہ فاروقیہ نمبر شعبان المعظم ۱۴۱۲ء

۲۱۔ ایضاً

۲۲۔ ملاحظہ کیجئے تعارف جامعۃ الدراسات الاسلامیہ شارع جامعۃ کراتشی گلشن اقبال۔ کراچی

۲۳۔ ملاحظہ کیجئے تعارف و تاریخ و کوائف امتحانات مرتبہ مفتی محمد انور شاہ ناظم امتحانات وفاق المدارس العربیہ پاکستان ملتان۔

۲۴۔ ملاحظہ کیجئے تعارف و اغراض و مقاصد اور بین الاقوامی شہرت جامعہ بنوریہ۔ متصل سائٹ تھانہ۔ کراچی

۲۵۔ ملاحظہ کیجئے تعارف جامعہ حمادیہ۔ شاہ فیصل کالونی کراچی پاکستان۔

۲۶۔ ملاحظہ کیجئے دلیل جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراتشی ۵

۲۷۔ مختصر تعارف و روئداد ۱۹۸۹ء ادارہ جامعہ انوارالقرآن رجسٹرڈ زیراہتمام فداء الرحمان درخواستی نارتھ کراچی

۲۸۔ Brief Introduction Jamia Darul Khair Lil uloom - ul - Islamia wa - Lugatul Arabia Block - 15 Gulistan e Jauhar, Karachi

۲۹۔ ملاحظہ کیجئے تعارف دارالعلوم کراچی، از مولانا محمد رفیع عثمانی مہتمم دارالعلوم کراچی

۳۰۔ ایضاً

۳۱۔ ملاحظہ کیجئے جامعہ بنوریہ تعارف و اغراض و مقاصد اور بین الاقوامی شہرت متصل سائٹ تھانہ پی او بکس نمبر ۲۶۹۸ کراچی

۳۲۔ ملاحظہ کیجئے تسہیل التعلیم اور اصلاح عوام افادات مولانا اشرف علی تھانوی

۳۳۔ ملاحظہ کیجئے دارالتربیت تعارف اور دستورالعمل، دارالعلوم۔ کورنگی۔ کراچی

۳۴۔ ایضاً

۳۵۔ ملاحظہ کیجئے شمس العلوم جامعہ رضویہ ٹرسٹ کا مختصر تعارف، روئیداد۔ المرتب ابوالظفر غلام محمد السیالوی۔

۳۶۔ ملاحظہ کیجئے ماہنامہ الفاروق کراچی۔ جامعہ فاروقیہ نمبر شعبان المعظم ۱۴۰۲ھ

۳۷۔ دارالعلوم کورنگی کراچی میں منعقدہ ایک ادبی پروگرام

باب ہفتم۔ کراچی کے دینی مدارس کے طلبہ کا مذہبی، سماجی اور معاشی پس منظر

فہرست جدول

باب ہفتم: دینی مدارس کے طلبہ کا دینی، سماجی اور معاشی پس منظر

جدول نمبر ۱

جوابدہندگان کی تقسیم بلحاظ عمر

نمبر شمار	عمر سالوں میں	تعداد	فیصد
۱	۲۱-۲۲	۴۳	۱۹.۰
۲	۱۹-۲۰	۵۰	۲۲.۱
۳	۲۳-۲۴	۶۶	۲۹.۲
۴	۲۵-۲۶	۳۰	۱۳.۳
۵	۱۶-۱۸	۲۵	۱۱.۱
۶	۲۷-۲۸	۵	۲.۲
۷	۲۹-۳۰	۴	۱.۸
۸	۳۱ سے زائد	۳	۱.۳
-	کل	۲۲۶	۱۰۰.۰

اس جدول سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جوابدہندگان کی اکثریت (۲۶.۵%) ۲۱ سے ۲۲ سال کے درمیان ہے جبکہ سب سے کم (فیصد ۱.۳) ۳۱ سال سے زائد جوابدہندگان کی ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان دینی مدارس کے طلباء کی اکثریت ۲۲ سال کی عمر تک اپنی تعلیم مکمل کر لیتے ہیں۔

جدول نمبر ۴
خواہندگان کی تقسیم بلحاظ مادری زبان

فیصد	تعداد	مادری زبان	نمبر شمار
۱۴.۵	۳۳	اردو	۱
۱۳.۳	۳۰	پشتو	۲
۱۱.۸	۲۵	[illegible]	۳
۹.۷	۲۲	[illegible]	۴
۸.۳	۱۹	[illegible]	۵
۸.۳	۱۸	[illegible]	۶
۳.۹	۹	[illegible]	۷
۳.۵	۸	[illegible]	۸
۳.۵	۸	[illegible]	۹
۲.۶۵	۶	[illegible]	۱۰
۲.۲	۵	سندھی	۱۱
۱.۸	۴	[illegible]	۱۲
۱.۳	۳	[illegible]	۱۳
۱.۳	۳	کشمیری	۱۴
.۴	۱	[illegible]	۱۵
.۴	۱	[illegible]	۱۶
.۴	۱	[illegible]	۱۷
.۹	۲	[illegible]	۱۸
.۹	۲	[illegible]	۱۹
.۹	۲	انگریزی	۲۰
۴.۰	۹	دیگر *	۲۱
۱۰۰	۲۲۱	کل	

* [illegible]

زیر نظر جدول سے ... ۲۵ ... مختلف زبانیں بولنے والے طلبا زیر تعلیم ہیں ... [illegible]

[illegible]

دیگر مادری زبان بولنے والے طلبا ... [illegible]

جدول نمبر ۳

جواب دہندگان کی تقسیم بلحاظ جائے پیدائش

نمبر شمار	مقام پیدائش	تعداد	فیصد
۱	کراچی	۳۴	۱۵.۰
۲	صوبہ سرحد	۳۰	۱۳.۲
۳	بنگلہ دیش	۲۶	۱۱.۵
۴	قبائلی علاقہ جات	۲۳	۱۰.۱
۵	صوبہ بلوچستان	۲۰	۸.۸
۶	ضلع رحیم یار خان	۱۸	۸.۰
۷	صوبہ پنجاب	۱۴	۶.۲
۸	سندھ بیرون کراچی	۱۳	۵.۸
۹	آزاد کشمیر	۹	۴.۰
۱۰	ضلع کوئٹہ	۶	۲.۶
۱۱	ضلع ہزارہ	۵	۲.۲
۱۲	ضلع پشاور	۳	۱.۳
۱۳	ضلع [illegible]	۳	۱.۳
۱۴	ضلع ملتان	۲	۰.۹
۱۵	حافظ آباد	۱	۰.۴
۱۶	[illegible]	۱	۰.۴
۱۷	وانا	۱	۰.۴
۱۸	غیر ممالک *	۱۷	۷.۵
	کل	۲۲۶	۱۰۰.۰

* اس میں مندرجہ ذیل ممالک شامل ہیں۔ ان ممالک کے جواب دہندگان کی تعداد بھی قوسین میں درج کی گئی ہے۔
چین (۱)، برما (۳)، ترکی (۱)، ایران (۳)، سعودیہ (۳)، ملیشیا (۱)، تھائی لینڈ (۲)، سری لنکا (۱)، نائجیریا (۱)

اس میں یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جواب دہندگان میں سے اکثریت کی جائے پیدائش (۱۵ فیصد) کراچی ہے۔ جبکہ دوسرے نمبر پر جواب دہندگان کی جائے پیدائش صوبہ سرحد ہے، جس کا تناسب (۱۳.۲ فیصد) ہے۔ بنگلہ دیش اور قبائلی علاقہ جات سے ۱۱.۵ اور ۱۰.۱ جواب دہندگان تعلق رکھتے ہیں۔

جدول نمبر ۴

جوابدہندگان کی تقسیم بلحاظ والدین کی جائے پیدائش

نمبر شمار	والدین کی رہائش	تعداد	فیصد
۱	شہر	۱۳۵	۵۹.۷
۲	گاؤں	۶۸	۳۰.۱
۳	قصبہ	۲۳	۱۰.۲
-	کل تعداد	۲۲۶	۱۰۰.۰

مندرجہ بالا جدول جوابدہندگان کے والدین کی جائے رہائش کو ظاہر کرتا ہے۔ اس میں شہر، گاؤں اور قصبہ کی رہائش کے اعتبار سے درجہ بندی کی گئی ہے اور اس میں سب سے زیادہ (۵۹.۶۳) فیصد شہروں میں رہائش پذیر ہے۔

جدول نمبر ۵

خاندانی مکان کی تعمیری نوعیت کے لحاظ سے جوابدہندگان کی تقسیم

نمبر شمار	تعمیری نوعیت	تعداد	فیصد
۱	نیم پختہ	۸۶	۳۸.۵
۲	پختہ	۶۴	۳۲.۶
۳	کچا	۶۵	۲۸.۸
-	کل تعداد	۲۲۶	۱۰۰.۰

اس جدول میں جوابدہندگان کے خاندانی زیر رہائش مکانوں کو تعمیری نوعیت کے لحاظ سے تقسیم کیا گیا ہے زیر تحقیق نمونے کی سب سے زیادہ آبادی (۳۸.۵) نیم پختہ مکانوں میں رہائش پذیر ہے۔

جدول نمبر ۹

زیر رہائش مکان کی ملکیت کے لحاظ سے جوابدہندگان کی تقسیم

نمبر شمار	ملکیت کی نوعیت	تعداد	فیصد
۱	ذاتی	۱۶۹	۷۳.۹
۲	کرایہ پر	۴۲	۱۸.۳
۳	دیگر صورت	۱۸	۷.۹
-	کل تعداد	۲۲۹	۱۰۰.۰۰

مندرجہ بالا جدول سے ظاہر ہوتا ہے کہ جوابدہندگان کی اکثریت (۷۳.۸۰ فیصد) اپنے ذاتی مکانوں میں مقیم ہے۔ کرایہ پر رہنے والے جوابدہندگان کی تعداد ۱۸.۳ فیصد ہے۔

٭ اس میں مندرجہ ذیل صورتیں سامنے آئی ہیں۔

۱۔ عزیزوں کے ہاں رہائش پذیر افراد۔ ۶

۲۔ عارضی طور پر ہی خواہوں نے مکان دے دیا۔ ۴

۳۔ مسجد سے ملحق مکان (بغیر کرایہ)۔ ۴

۴۔ خیراتی اداروں کی فراہم کردہ رہائش۔ ۴

ذاتی رہائش میں وہ صورتیں بھی شامل ہیں، جنکی ملکیت قانونی ہے۔ جس میں مکانوں کا ۱۰۰ فیصد آباد ہے جیسا کہ کچی آبادیوں میں نظر آتا ہے۔

جدول نمبر ۷

جواب دہندگان کی تقسیم بلحاظ میسر رہائشی سہولیات

نمبر شمار	میسر رہائشی سہولیات	تعداد	کل کا فیصد
۱	پانی	۲۶۰	۳۲.۸
۲	علیحدہ باورچی خانہ	۱۴۵	۱۸.۶
۳	غسلخانہ	۱۲۶	۱۶.۲
۴	بیت الخلاء	۱۳۱	۱۶.۸
۵	بجلی	۸۹	۱۱.۳
۶	کوئی جواب نہیں	۵	۰.۶
۷	کچھ نہیں	۲	۰.۳
-	کل تعداد	۷۷۹	۱۰۰.۰

اس جدول سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کل ۷۷۹ جواب دہندگان کے گھروں میں سب سے عام سہولیات پانی، (۳۲.۸ فیصد) موجود ہے۔ دوسری عام سہولیات علیحدہ گھروں میں باورچی خانوں کی (۱۸.۶ فیصد) ہے۔ تیسری بڑی سہولت (۱۶.۲ فیصد) گھروں میں غسلخانہ ہے۔ ۱۱.۳ فیصد گھروں میں بجلی موجود ہے۔

اس جدول میں موجودہ سہولتوں کی تعداد کے اعتبار سے متعدد جوابات (Multiple choice) ممکن تھا۔ اس لئے جوابات ۲۳۹ سے زیادہ موصول ہوئے۔

جدول نمبر ۸

خاندان کی نوعیت کے لحاظ سے جواب دہندگان کی تقسیم

نمبر شمار	خاندان کی نوعیت	تعداد	فیصد
۱	اکہرا	۹۸	۴۳.۳
۲	مشترکہ	۱۱۶	۵۱.۳۲
۳	جواب نہیں ملا	۱۲	۵.۳
	کل تعداد	۲۲۶	۱۰۰.۰۰

اس جدول سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ۴۳.۳ فیصد جواب دہندگان آبائی خاندانی نظام میں رہائش پذیر ہیں۔ جبکہ ۵۱.۳۲ فیصد مشترکہ نظام سے متعلق ہیں۔

جدول نمبر ۹

جواب دہندگان کی تقسیم بلحاظ افراد خانہ کی تعداد

نمبر شمار	افراد خانہ	تعداد	فیصد
۱	۱۰–۱۲	۸۶	۳۸.۱
۲	۱۳ یا اس سے زائد	۵۵	۲۴.۳
۳	۸–۹	۳۲	۱۴.۰
۴	۶–۷	۲۶	۱۱.۵
۵	۴–۵	۱۲	۵.۳
۶	۲–۳	۸	۳.۵
۷	کوئی جواب نہیں ملا	۷	۳.۱
—	کل	۲۲۶	۱۰۰.۰

اس جدول سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جواب دہندگان کی اکثریت بڑے خاندانوں سے تعلق رکھتی ہے۔ اور افراد خانہ کی سب سے زیادہ تعداد (۳۸ فیصد) ۱۰ سے ۱۲ افراد پر مشتمل ہے دوسرے نمبر پر آنے والے گروپ کے افراد خانہ ۱۳ سے زیادہ ہیں۔ چھوٹے خاندان جن کے افراد خانہ کی تعداد ۴–۵ افراد پر مشتمل ہے یہ صرف ۵.۳ فیصد ہیں اور وہ خاندان جن کے افراد کی تعداد ۲–۳ تک ہے ان کی فیصد صرف ۳.۵ ہے۔

جدول نمبر ۱۰

جواب دہندگان کی تقسیم بلحاظ خاندان کی کل ماہانہ آمدنی

نمبر شمار	ماہانہ آمدنی (روپوں میں)	تعداد	فیصد
۱	۱۰۰۱ سے ۲۰۰۰	۳۶	۲۰.۸
۲	۲۰۰۱ سے ۳۰۰۰	۳۵	۲۰.۳
۳	۳۰۰۱ سے ۴۰۰۰	۲۷	۱۵.۵
۴	معلوم نہیں	۲۲	۱۲.۸
۵	۱۰۰۰ یا کم	۱۶	۹.۳
۶	۴۰۰۱ سے ۵۰۰۰	۱۴	۸.۱
۷	۵۰۰۱ سے ۶۰۰۰	۱۴	۸.۱
۸	ماہانہ آمدنی نہیں ہے	۹	۵.۲
—	کل تعداد	۱۷۳	۱۰۰.۰

اس جدول میں جواب دہندگان کے خاندان کی کل ماہانہ آمدنی دکھائی گئی ہے۔ کل نمونے میں سے سب سے زیادہ ان خاندانوں کی تعداد ہے (یعنی ۲۰.۸ فیصد) جنکی آمدنی ۱۰۰۱ روپے سے ۲۰۰۰ روپے تک ہے۔ اس کے بعد ۲۰.۳ فیصد وہ خاندان ہیں جنکی ماہانہ آمدنی ۲۰۰۱ سے ۳۰۰۰ روپے تک ہے۔ سب سے زیادہ آمدنی والے خاندان صرف ۸.۱ فیصد ہیں جنکی آمدنی ۵۰۰۱ سے ۶۰۰۰ روپے تک ہے۔

جدول نمبر ۱۱

جواب دہندگان کی تقسیم بلحاظ خاندانی جائیداد کی نوعیت

نمبر شمار	نوعیت جائیداد	تعداد	فیصد
۱	زرعی اراضی	۔	۔
	ا ۔ ذاتی	۴۸	۲۰.۵
	اا ۔ مزارع	۸	۳.۵
	ااا ۔ ٹھیکہ پر	۶	۲.۴
۲	رہائشی	۔	۔
	ا ۔ شہری	۶۱	۲۹.۳
	اا ۔ دیہی	۵۵	۲۰.۳
	ااا ۔ دیگر	۸	۳.۳
۳	جائیداد نہیں	۴۸	۲۰.۳
۴	جواب نہیں ملا	۱۵	۵.۲
۔	کل	۲۴۰	۱۰۰.۰

مندرجہ بالا جدول ۲۴۰ جواب دہندگان کی جائیداد سے متعلق ہے۔ اس جدول کو تین حصوں میں تقسیم کر کے جوابات حاصل کئے ہیں۔ پہلے حصے میں زرعی اراضی کی حیثیت کی بنا پر تقسیم کی گئی ہے۔ اس اعتبار سے ۲۰.۰ فیصد جواب دہندگان ذاتی زرعی اراضی رکھتے ہیں۔ ۲.۵ فیصد پٹے پر حاصل شدہ زمین رکھتے ہیں۔ جبکہ دوسرے حصے میں رہائشی جائیداد کی نوعیت کے لحاظ سے فیصد تقسیم کی گئی ہے۔ اس تقسیم کے مطابق شہری جائیداد ۲۶.۳ فیصد ہے۔ ۲۰.۰ فیصد وہ لوگ ہیں جنکی ملکیت میں کسی قسم کی جائیداد نہیں ہے۔

جدول نمبر ۱۲

جوابدہندگان کی تقسیم بلحاظ جائیداد سے حاصل ہونے والی آمدنی

نمبر شمار	ماہانہ آمدنی (روپوں میں)	تعداد	فیصد
۱	معلوم نہیں	۱۸	۵۲.۲
۲	۵۰۰۱ سے زائد	۵۵	۲۴.۳
۳	۱۰۰۰ یا اس سے کم	۱۶	۷.۵
۴	۱۰۰۱ سے ۲۰۰۰	۳	۱.۳
۵	۲۰۰۱ سے ۳۰۰۰	۲	۰.۸
۶	۳۰۰۱ سے ۴۰۰۰	۵	۲.۲
۷	آمدنی نہیں ہے	۱	۰.۴
۸	۴۰۰۱ سے ۵۰۰۰	۵	۲.۲
–	کل تعداد	۲۲۶	۱۰۰.۰

یہ جدول جوابدہندگان کی جائیداد سے حاصل ہونے والی آمدنی سے متعلق ہے۔ اس نمونے میں پانچ ہزار روپے ماہانہ سے زائد آمدنی رکھنے والے افراد کا تناسب ۲۴.۳ فیصد ہے۔ جبکہ ۱۰۰۰ روپے سے ۳۰۰۰ روپے تک ماہانہ آمدنی رکھنے والے کل نمونے کا ۲.۰۷ فیصد ہیں۔ اس جدول میں خاص بات یہ ہے کہ ۵۲.۲ فیصد جوابدہندگان نے اپنی آمدنی ظاہر نہیں کی۔ جبکہ ایسے افراد ۰.۴ فیصد ہیں جنکی جائیداد سے حاصل ہونے والی آمدنی بالکل نہیں ہے۔

جدول نمبر ۱۱

والدین کے صاحب نصاب ہونے کے لحاظ سے جوابدہندگان کی تقسیم

نمبر شمار	صاحب نصاب	تعداد	فیصد
۱	ہے	۱۱۲	۴۹.۶
۲	نہیں	۹۴	۴۱.۶
۳	جواب نہیں دیا	۲۰	۸.۸
-	کل تعداد	۲۲۶	۱۰۰.۰

زیر نظر جدول میں جوابدہندگان کے (والدین) صاحب نصاب ہونے یا نہ ہونے کی حیثیت کو ظاہر کیا گیا ہے۔ ۴۹.۶ فیصد جوابدہندگان صاحب نصاب ہیں۔ جبکہ ۴۱.۶ فیصد صاحب نصاب ہونے کے زمرے میں نہیں آتے۔ ۸.۸ فیصد ایسے جوابدہندگان ہیں جنہوں نے اس سوال کا جواب نہیں دیا۔

جدول نمبر ۱۴

جواب دہندگان کی تقسیم بلحاظ خاندانی رہائش گاہ سے اطمینان

نمبر شمار	رہائش گاہ سے اطمینان	تعداد	فیصد
۱	ہاں	۱۳۸	۶۱.۱
۲	کسی حد تک	۴۶	۲۰.۸
۳	نہیں	۵۱	۲۲.۸
۴	جواب نہیں دیا	۰۳	۱.۳
-	کل تعداد	۲۲۶	۱۰۰.۰

اوپر دیئے گئے جدول میں جواب دہندگان کا خاندانی رہائش سے اطمینان اور عدم اطمینان ظاہر کیا گیا ہے یہاں ۶۱.۱ فیصد جواب دہندگان نے اپنی خاندانی رہائش سے اطمینان کا اظہار کیا ہے جبکہ ۲۰.۸ فیصد نے کسی حد تک اطمینان کا تذکرہ کیا ہے۔ ۲۲.۸ فیصد افراد نے نفی میں جواب دیا۔

- اطمینان کی دو صورتیں ہیں۔

۱۔ حالات کا صحیح ہونا۔

۲۔ حالات کا اطمینان بخش نہ ہونا جس کے نتیجہ میں بے اطمینانی رہتی ہے اور اس سے ہی فرد میں تبدیلی کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ اگر حالات اطمینان بخش نہیں ہیں اور اس میں رہنے والے افراد قناعت پسند ہیں یا ان کی بہتری کے امکانات نہیں ہے تو اس صورت حال میں نتائج مختلف ہوں گے۔ جنکی وضاحت اگلے جدول میں کی گئی ہے۔

جدول نمبر ۱۵

جواب دہندگان کی خاندانی رہائش سے عدم اطمینان کے اسباب کے لحاظ سے تقسیم

نمبر شمار	اسباب	تعداد	فیصد
۱	رہائش ضرورت سے کم ہے۔	۹	[illegible]
۲	بنیادی سہولیات سے محرومی*	۱۵	[illegible]
۳	معاشی وسائل نہیں رکھتے۔	۳	[illegible]
۴	شہری سہولیات و اسباب نہیں**	۸	[illegible]
۵	ماحول پسند نہیں	۳	[illegible]
۶	غیر مہذب ماحول ہے	۵	[illegible]
۷	حفظان صحت کے اصولوں پر عملدرآمد نہیں	۳	۱.۳
۸	قدرتی آفات سے غیر محفوظ ہونا۔	۳	[illegible]
۹	مذہبی ماحول نہیں	۳	[illegible]
۱۰	مکان کی تعمیر میں ابتری پائی جاتی ہے۔	۲	[illegible]
۱۱	جواب نہیں دیا	۱۵۰	۶۶.۴
—	کل تعداد	۲۲۶	۱۰۰.۰

اس جدول میں جواب دہندگان کی خاندانی رہائش سے عدم اطمینان کی وجوہات و اسباب پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ۸.۰ فیصد افراد ایسے ہیں جنہوں نے رہائش ضرورت سے کم ہونے کی وجہ بیان کی ہے۔ ۶.۰ فیصد افراد نے بنیادی سہولیات سے محرومی کو ظاہر کیا ہے۔ اور معاشی وسائل نہ رکھنے والے افراد کی فیصد تعداد ۲.۰ ہے۔ ان کے علاوہ بھی کئی وجوہات سامنے آئیں مگر ان کا فیصد تناسب بہت کم ہے۔

* بنیادی سہولیات سے مراد بجلی، پانی، گیس، ٹیلیفون وغیرہ ہے
** شہری سہولیات سے مراد سڑک، اسکول، کالج، ڈاکخانہ، ہسپتال وغیرہ ہے

جدول نمبر۱۶

جواب دہندگان کی تقسیم بلحاظ خاندانی رہائش کی بہتری کی خواہش

نمبر شمار	رہائش گاہ میں بہتری کی خواہش	تعداد	فیصد
۱	ہاں	۱۹۸	۷۴.۳
۲	نہیں	۵۲	۲۳.۰
۳	کوئی جواب نہیں	۹	۲.۶
—	کل تعداد	۲۲۹	۱۰۰.۰

مندرجہ بالا جدول جواب دہندگان کی خاندانی رہائش کی بہتری کی خواہش سے **متعلق** ہے۔ اس میں ۷۴.۳ فیصد جواب دہندگان نے اپنی موجودہ خاندانی رہائش کو بہتر بنانے کی خواہش ظاہر کی ہے۔ جبکہ ۲۳ فیصد نے اس کا جواب نفی میں دیا ہے۔ اور صرف ۲.۶ فیصد افراد نے اس بارے میں اپنی رائے کا اظہار نہیں کیا۔

جدول نمبر ۱۷

جواب دہندگان کے گھروں میں روزمرہ استعمال کی اشیاء کے موجود ہونے یا نہ ہونے کی بناء پر تقسیم

نمبر شمار	گھریلو استعمال کی اشیاء	موجود		غیر موجود		جواب نہیں دیا	
		تعداد	فیصد	تعداد	فیصد	تعداد	فیصد
۱	سلائی مشین	۳	۵۰.۰	۱۰۰	۳۳.۳	۱۳	[illegible]
۲	سائیکل	۱۱۱	۳۵.۱	۱۰۱	۳۲.۶	۱۲	[illegible]
۳	ٹیپ ریکارڈر	۱۰۶	۲۶.۳	۱۰۳	۳۹.۰	۱۵	[illegible]
۴	کھانے کی میز	۸۱	۲۰.۳	۱۱۹	۵۱.۳	۱۱	۸.۳
۵	صوفہ سیٹ	۵۰	۳۶.۸	۷۶	۵۰.۸	۱۲	[illegible]
۶	پریشر ککر	۴۳	۲۲.۳	۱۳۶	۹۲.۴	۱۰	۶.۸
۷	موٹر سائیکل	۴۲	۲۶.۳	۱۳۷	۹۵.۱	۱۸	۶.۵۳
۸	ریفریجریٹر	۳۸	۲۱.۷	۱۲۰	۶۰.۸	۱۸	۶.۵۳
۹	ٹیلی فون	۳۱	۲۱.۷	۱۲۰	۶۰.۸	۱۸	۶.۵۳
۱۰	گیس ہیٹر	۳۰	۳۰.۲	۵۰	۹۹.۲	۲۳	۱۲.۹
۱۱	کار	۲۳	۱۸.۰	۱۲۶	۶۳.۹	۱۹	[illegible]
۱۲	ایئر کنڈیشنر	۳۸	۱۹.۳	۱۲۸	۶۳.۳	۲۱	[illegible]
۱۳	ٹی وی	۲۶	۱۲.۸	۱۸۰	۶۵.۶	۲۶	[illegible]
۱۴	ریڈیو	۱۵	۹.۴	۱۰۰	۳۳.۳	۵۵	۲۹.۱
۱۵	وی سی آر	۱۵	۷.۹	۲۰۲	۸۵.۳	۹	۹.۰

جدول نمبر ۱۷ میں دی گئی گھریلو استعمال کی اشیاء کی موجودگی و عدم موجودگی کی بنیاد پر حاصل کردہ معلومات کی فیصد تقسیم حاصل کی گئی ہے۔ اس لحاظ سے جواب دہندگان کے گھروں میں پائی جانے والی سب سے زیادہ استعمال کی چیز سلائی مشین ہے جس کا تناسب ۵۰.۰ فیصد ہے، جبکہ اس جدول کے مطابق دوسرے نمبر پر سائیکل آتی ہے جس کا فیصد تناسب ۳۵.۱ اور ٹیپ ریکارڈر اس ترتیب میں تیسرے نمبر پر ہے جس کا فیصد تناسب ۲۶.۳ ہے۔

جدول نمبر ۷۔الف

جواب دہندگان کے گھروں میں استعمال کی اشیاء کی عدم موجودگی کی صورت میں حاصل کرنے کی خواہش ہونے یا نہ ہونے کی بنا پر تقسیم

نمبر شمار	نام اشیاء	موجود نہیں	خواہش ہے		خواہش نہیں		جواب نہیں دیا	
			تعداد	فیصد	تعداد	فیصد	تعداد	فیصد
۱	وی سی آر	۲۰۲	۳۱	۱۳.۳	۱۵۸	۷۸.۲	۱۳	۶.۴
۲	ٹی وی	۱۸۰	۳۰	۱۶.۶	۱۳۰	۷۲.۲	۱۰	۵.۵
۳	سلائی مشین	۱۰۰	۹	۹.۰	۱۰	۱۰.۰	۸۱	۸۱.۰
۴	ریڈیو	۱۰۰	۳۵	۳۵.۰	۳۹	۳۹.۰	۲۶	۲۶.۰
۵	ٹھنڈے پانی کی مشین	۱۲۲	۵۹	۴۸.۳	۵۲	۴۲.۶	۱۱	۹.۰
۶	ٹیپ ریکارڈر	۱۰۲	۵۳	۵۱.۹	۳۹	۳۸.۲	۱۰	۹.۸
۷	سائیکل	۱۰۱	۵۹	۵۸.۴	۳۶	۳۵.۶	۶	۵.۹
۸	ہوٹل سیٹ	۱۱۶	۶۳	۵۴.۳	۳۸	۳۲.۵	۱۵	۱۳.۲
۹	مکسر گرائنڈر	۱۲۰	۶۵	۵۴.۵	۴۳	۳۶.۵	۱۲	۹.۰
۱۰	ریفریجریٹر	۲۰۰	۹۹	۴۹.۵	۵۳	۲۶.۵	۴۸	۲۴.۰
۱۱	پریشر ککر	۱۲۹	۸۰	۶۲.۳	۳۰	۲۳.۳	۱۹	۱۴.۷
۱۲	کار	۱۹۶	۱۲۸	۶۵.۳۹	۴۹	۲۶.۵	۱۹	۹.۶
۱۳	موٹر سائیکل	۱۷۶	۱۱۰	۶۳.۸	۳۸	۲۱.۱	۸	۱.۱
۱۴	گیزر	۱۵۲	۹۲	۶۲.۶	۳۶	۲۳.۰	۲۲	۱۴.۰
۱۵	ٹیلیفون	۱۶۰	۱۲۸	۸۰.۰	۲۶	۱۶.۲	۵	۳.۱۳

جدول نمبر ۷۔الف میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ وہ اشیاء جو جدول نمبر ۷ کے تحت ان جواب دہندگان کے گھروں میں موجود نہیں تھیں وہ انہیں حاصل کرنے کے خواہش مند ہیں کہ نہیں۔ اس لحاظ سے ٹیلیفون ایسی چیز ہے جس کے حصول کے لئے ۸۰.۰ فیصد افراد نے خواہش کا اظہار کیا ہے۔ دوسری چیز موٹر سائیکل ہے جس کا فیصد تناسب ۶۳.۸ ہے اگلے تیسرے نمبر پر گیزر کی روزمرہ استعمال کی چھوٹی موٹی مشینیں ہیں۔ جس کے لئے ۶۲.۶ فیصد لوگوں نے انہیں حاصل کرنے کی خواہش کا اظہار کیا ہے۔ اس جدول میں اشیاء کی دی گئی فہرست کے مطابق وی سی آر ایک ایسی چیز ہے جس کے حصول کی خواہش صرف ۱۳.۳ فیصد ہے۔

جدول نمبر ۱۸

جواب دہندگان کے والد کی تقسیم بلحاظ موجودہ ذرائع معاش

نمبر شمار	ذرائع معاش	تعداد	فیصد
۱	نجی کاروبار	۷۵	۳۳.۱۸
۲	کاشتکاری	۴۲	۱۸.۵۸
۳	غیر سرکاری ملازمت	۲۰	۸.۸
۴	پیشہ ورانہ روزگار	۱۵	۶.۶
۵	مذہبی نوعیت کے کام	۱۲	۵.۳
۶	بے روزگار	۱۱	۴.۹
۷	غیر پیشہ ورانہ روزگار	۷	۳.۱
۸	ریٹائرڈ	۸	۳.۵
۹	سرکاری ملازمت	۴	۱.۸
۱۰	فوت شدہ	۱۲	۵.۳
۱۱	جواب نہیں دیا	۷	۳.۰
—	کل تعداد	۲۲۶	۱۰۰.۰

مندرجہ بالا جدول جواب دہندگان کے والد کے ذریعہ معاش سے متعلق ہے۔ اس میں نجی کاروبار کو بطور ذریعہ معاش اختیار کرنے والے لوگوں کی فیصد تعداد ۳۳.۱۸ ہے۔ دوسرے نمبر پر آنے والا ذریعہ معاش کاشتکاری ہے جس کی فیصد تعداد ۱۸.۵۸ ہے۔ غیر سرکاری ملازمت کرنے والے افراد صرف ۸.۸ فیصد ہیں۔ پیشہ ورانہ روزگار میں ۶.۶ فیصد افراد شامل ہیں۔ جبکہ مذہبی نوعیت کے کام کرنے والے ۵.۳ فیصد ہیں۔

جدول نمبر ١٩

جواب دہندگان کی والدہ کی تقسیم بلحاظ ذریعہ معاش

نمبر شمار	والدہ کا ذریعہ معاش	تعداد	فیصد
١	خانہ داری	٢٦٨	٨١.٥
٢	قرآن حکیم پڑھانا	١٥	٤.٦
٣	سرکاری ملازمت	١	٠.٣
٤	غیر سرکاری ملازمت	١	٠.٣
٥	تجارت یا فنی	١	٠.٣
٦	سلائی کڑھائی	١	٠.٣
٧	نہ واقف	١	٠.٣
٨	دیگر	٢	٠.٦
٩	وفات پا گئیں	١٠	٣.٠
١٠	جواب نہیں دیا	١٣	٤.٠
-	کل تعداد	٣٢٩	١٠٠.٠

اس جدول میں جواب دہندگان کی والدہ کی بڑی تعداد یعنی ٨١.٥ فیصد خانہ داری سے وابستہ ہیں۔ ٤.٦ فیصد خواتین اپنے گھروں پر رہتے ہوئے بچوں کو قرآن حکیم کی تعلیم دیتی ہیں۔ مجموعہ میں شامل جواب دہندگان کی والدہ دیگر ذرائع معاش میں مشغول خواتین کا فیصد تناسب بہت کم ہے۔

جدول نمبر ۲۰

جواب دہندگان کے والد کی تقسیم بلحاظ محصلہ رسمی تعلیم کا درجہ

نمبر شمار	محصلہ رسمی تعلیم کا درجہ	تعداد	فیصد
۱	ناخواندہ	۷۶	۳۴.۰
۲	پرائمری پاس	۳۱	۱۱.۵
۳	میٹرکیولیٹ	۴۴	۱۹.۵
۴	گریجویٹ	۲۰	۸.۸
۵	ماسٹرز ڈگری	۸	۰
۶	پیشہ ورانہ تعلیم	۳	۱.۰
۷	جواب نہیں دیا	۹	۱
۸	فوت ہوگئے	۱۲	۵.۳
—	کل تعداد	۲۲۶	۱۰۰.۰

اس جدول میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ ۳۴ فیصد جواب دہندگان کے والد ناخواندہ ہیں ۔ ۱۹.۵ فیصد افراد پرائمری تعلیم حاصل کئے ہوئے ہیں ۔ میٹرکیولیٹ ۱۹.۵ فیصد ۔ گریجویٹ ۸.۸ فیصد ۔ ماسٹرز ڈگری صرف ۳ فیصد ۔ اور پیشہ ورانہ تعلیم رکھنے والے ۱.۲ فیصد ہیں ۔

جدول نمبر ۲۱

جوابدہندگان کی والدہ کی تقسیم بلحاظ رسمی تعلیم کا حصول

فیصد	تعداد	مختصر رسمی تعلیم کا درجہ	نمبر شمار
٧٠.٠	١٥٨	ناخواندہ	١
١٤.٠	٣١	پرائمری پاس	٢
٩.٠	٣	میٹرکولیٹ	٣
٠.٩	٢	گریجوایٹ	٤
	صفر	ماسٹر	٥
	صفر	پیشہ ورانہ تعلیم	٦
[illegible]	٥	فوت ہو گئیں	٧
[illegible]	٣	جواب نہیں ملا	٨
[illegible]	٢٢٦	کل تعداد	-

مندرجہ بالا جدول میں جوابدہندگان کی والدہ ۷۰ فیصد ناخواندہ ہیں ۔ پرائمری تک تعلیم حاصل کرنے والی ۱۴.۰ فیصد ، میٹرکولیٹ ۹.۰ فیصد ہیں ۔ گریجویٹ صرف ۰.۹ فیصد ہیں ، ماسٹر کوئی بھی نہیں ہے ۔ پیشہ ورانہ تعلیم بھی ان میں سے کوئی بھی نہیں رکھتیں ۔

جدول نمبر ۲۲

جواب دہندگان کے والد کی تقسیم بلحاظ قرآن حکیم کا ناظرہ پڑھا ہوا ہونا

نمبر شمار	ناظرہ قرآن حکیم	تعداد	فیصد
۱	ہاں	۱۷۰	۷۵.۳
۲	نہیں	۳۸	۱۶.۸
۳	جواب نہیں دیا	۶	۲.۶
۴	فوت ہو گئے	۱۲	۵.۳
-	کل تعداد	۲۲۶	۱۰۰.۰

اس جدول سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جواب دہندگان کے والد کی اکثریت (۷۵.۳ فیصد) قرآن حکیم ناظرہ پڑھی ہوئی ہے۔ اور نہ پڑھے ہوئے افراد کی تعداد صرف ۱۶.۸ فیصد ہے۔

جدول نمبر ۲۳

جواب دہندگان کی والدہ کی تقسیم بلحاظ قرآن حکیم کا ناظرہ پڑھا ہوا ہونا

نمبر شمار	ناظرہ قرآن حکیم	تعداد	فیصد
۱	ہاں	۱۵۸	۷۰.۰
۲	نہیں	۴۳	۱۹.۰
۳	جواب نہیں دیا	۱۴	۶.۰
۴	فوت ہو گئیں	۵	۳.۰
-	کل تعداد	۲۲۶	۱۰۰.۰

جدول نمبر میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ جواب دہندگان کی والدہ کی اکثریت قرآن حکیم پڑھی ہوئی ہے۔ جس کی فیصد تعداد ۷۰ ہے جبکہ نہ پڑھی ہوئی خواتین کی تعداد ۱۹ فیصد ہے۔

جدول نمبر ۲۴

جوابدہندگان کے والد کی تقسیم بلحاظ نماز کی ادائیگی

نمبر شمار	نماز کی ادائیگی	تعداد	فیصد
۱	باقاعدہ	۱۸۳	۸۱.۲
۲	بے قاعدہ	۱۹	[illegible]
۳	بالکل نہیں	۸	۳.۵
۴	فوت ہو گئے	۴	[illegible]
۵	جواب نہیں دیا	۹	[illegible]
-	کل تعداد	۲۲۳	۱۰۰.۰

اس جدول سے ظاہر ہوتا ہے کہ جوابدہندگان کے والد کی اکثریت باقاعدہ نمازی ہے۔ اور ان کی فیصد تعداد ۸۱.۲ بنتی ہے۔ [illegible] فیصد افراد نماز بے قاعدگی سے پڑھتے ہیں اور بالکل نہ پڑھنے والوں کی تعداد بہت قلیل ہے، جس کا تناسب ۳.۵ فیصد بنتا ہے۔

جدول نمبر ۲۵

جواب دہندگان کی والدہ کی تقسیم بلحاظ نماز کی ادائیگی

فیصد	تعداد	نماز کی ادائیگی	نمبر شمار
۸۲.۹	۱۹۳	باقاعدگی کے ساتھ	۱
۹.۰	۲۱	بے قاعدگی کے ساتھ	۲
۲.۵	۶	بالکل نہیں	۳
۳.۹	۹	نہیں معلوم	۴
۱.۷	۴	جواب نہیں دیا	۵
۱۰۰.۰	۲۳۹	کل تعداد	..

جواب دہندگان کی والدہ کی نماز کی ادائیگی کو اس جدول میں پیش کیا گیا ہے۔ اس طرح باقاعدہ نماز پڑھنے والی والدہ کی فیصد تعداد ۸۲.۹ ہے۔ بے قاعدگی کے ساتھ پڑھنے والیوں کی تعداد ۹.۰ فیصد ہے اور بالکل نہ پڑھنے والیوں کی تعداد بہت کم ہے۔ جن کی فیصد تعداد ۲.۵ ہے۔

جدول نمبر ۲۶

جواب دہندگان کے والد کی تقسیم بلحاظ مذہبی طریقہ سے علاج کرانا

نمبر شمار	مذہبی طریقہ سے علاج	تعداد	فیصد
۱	ہاں	۱۳۵	۶۶.۰
۲	نہیں	۹۱	۲۵.۰
۳	جواب نہیں دیا	۳	۱.۶
۴	فوت ہوگئے	۹	۵.۳
۔	کل تعداد	۲۲۹	۱۰۰.۰

اس جدول میں جواب دہندگان کے والد کو مذہبی طریقہ سے علاج کرانے اور نہ کرانے کی تناسب سے تقسیم کیا گیا ہے ۔ ۶۶ فیصد افراد مذہبی طریقہ سے علاج کراتے ہیں اور ۲۵ فیصد علاج نہیں کراتے ہیں ۔ ۲.۱ فیصد جواب دہندگان نے اس سلسلے میں جواب نہیں دیا ۔

جدول نمبر ۲۷

جواب دہندگان کی والدہ کی تقسیم بلحاظ مذہبی طریقہ سے علاج کرانا

نمبر شمار	مذہبی طریقہ سے علاج	تعداد	فیصد
۱	ہاں	۱۲۳	۵۰.۳
۲	نہیں	۸۴	۳۶.۷
۳	فوت ہو گئیں	۵	۲.۲
۴	جواب نہیں دیا	۱۹	۸.۳
—	کل تعداد	۲۲۹	۱۰۰.۰

یہ جدول جواب دہندگان کی والدہ سے متعلق ہے۔ اس میں ان کے مذہبی طریقہ سے علاج کرانے اور نہ کرانے کی بابت تقسیم کی گئی ہے۔ اس لحاظ سے ۵۰.۳ فیصد والدہ کے بارے میں ہاں میں جواب ملے ہیں اور ۳۶.۷ فیصد والدہ کے بارے میں نفی میں جواب ملے ہیں۔

جدول نمبر ۲۸

جواب دہندگان کے والد کی تقسیم بلحاظ مذہبی تعلیم کا حصول

نمبر شمار	مذہبی تعلیم	تعداد	فیصد
۱	حاصل کی گئی	۱۳۵	۵۹.۷
۲	حاصل نہیں کی گئی	۷۲	۳۱.۹
۳	جواب نہیں دیا	۷	۳.۱
۴	فوت ہوگئے	۱۲	۵.۳
ـــ	کل تعداد	۲۲۶	۱۰۰.۰

اس جدول میں جواب دہندگان کے والد کی مذہبی تعلیم کے ہونے یا نہ ہونے کو ظاہر کیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے ۵۹.۷ فیصد افراد مذہبی تعلیم رکھتے ہیں اور ۳۱.۹ فیصد مذہبی تعلیم نہیں رکھتے۔

جدول نمبر ۲۹

جواب دہندگان کی والدہ کی تقسیم بلحاظ مذہبی تعلیم کا حصول

نمبر شمار	مذہبی تعلیم حاصل کی گئی	تعداد	فیصد
۱	نہیں	۱۲۱	۵۳.۵
۲	ہاں	۸۵	۳۷.۶
۳	جواب نہیں دیا	۱۱	۴.۹
۴	فوت ہو گئیں	۹	۴.۰
	کل تعداد	۲۲۶	۱۰۰.۰

یہ جدول یہ ظاہر کرتا ہے کہ جواب دہندگان کی والدہ کی ۵۳.۵ فیصد تعداد نے مذہبی تعلیم حاصل نہیں کی جبکہ ۳۷.۶ فیصد نے مذہبی تعلیم حاصل کی ہوئی ہے ۔

جدول نمبر ۳۰

جواب دہندگان کے چھوٹے بہن بھائیوں کی تقسیم بلحاظ صنف

نمبر شمار	صنف	تعداد	فیصد
۱	لڑکے	۲۳۹	۷۲.۸
۲	لڑکیاں	۳۳	۲۰.۰
۳	جواب نہیں دیا	۲۲	۵.۵
	کل تعداد	۱۶۳	۱۰۰.۰

اس جدول میں جواب دہندگان کے چھوٹے بہن بھائیوں کو صنف کے لحاظ سے تقسیم کیا گیا ہے اس حساب سے ۷۲.۸ فیصد لڑکے ہیں اور ۲۰.۰۰ فیصد لڑکیاں شامل ہیں اور ۵.۵ فیصد جواب دہندگان نے اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کے بارے میں جواب نہیں دیا۔

جدول نمبر ۳۱

جواب دہندگان کے چھوٹے بہن بھائیوں کی عمروں کے لحاظ سے تقسیم

فیصد	تعداد	عمر سالوں میں	نمبر شمار
۲۲.۳	۱۳۹	۱۶ – ۲۰	۱
۲۳.۴	۱۴۵	۱ – ۵	۲
۲۰.۱	۱۲۳	۶ – ۱۰	۳
۱۵.۴	۹۶	۲۱ – ۲۵	۴
۱۰.۳	۶۳	۱۱ – ۱۵	۵
۵.۰	۳۱	۲۶ – ۳۰	۶
۵.۵	۳۲	جواب نہیں دیا	۷
۱۰۰.۰۰	۶۲۳	کل تعداد	

اس جدول میں جواب دہندگان کے چھوٹے بہن بھائیوں کو عمروں کے لحاظ سے تقسیم کیا گیا ہے ۔ اس اعتبار سے ۲۲.۳ فیصد ۱۶ سال سے ۲۰ سال کی درمیانی عمر کے بہن بھائی شامل ہیں جبکہ ۲۶ سال سے ۳۰ سال کے بہن بھائی صرف ۵.۰۱ فیصد ہیں ۵.۵ فیصد جواب دہندگان نے اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کے بارے میں جواب نہیں دیا ۔

جدول نمبر ۳۲

جوابدہندگان کی چھوٹی بہنوں کے سرکاری اسکولوں میں زیر تعلیم ہونے کی تقسیم

نمبر شمار	درجات تعلیم	تعداد	فیصد
۱	پرائمری	۴	۳۶.۴
۲	مڈل	۴	۳۶.۴
۳	سیکنڈری	۲	۱۸.۲
۴	ہائر سیکنڈری	۱	۹.۰
۔	کل تعداد	۱۱	۱۰۰.۰

اس جدول میں جوابدہندگان کی چھوٹی بہنوں کی سرکاری اسکولوں میں زیر تعلیم ہونے کی تقسیم پیش کی گئی ہے ۔ اس لحاظ سے ۳۶.۴ فیصد پرائمری درجات میں زیر تعلیم ہیں اور ۳۶.۴ فیصد مڈل میں ۱۸.۲ فیصد سیکنڈری میں اور ۹.۰ فیصد ہائر سیکنڈری اسکول میں زیر تعلیم ہے ۔

جدول نمبر ۳۴

جوابدہندگان کے چھوٹے بھائیوں کے سرکاری اسکولوں میں زیر تعلیم درجوں کی تقسیم

نمبر شمار	درجات تعلیم	تعداد	فیصد
۱	پرائمری	۲۹	۳۶.۳
۲	سیکنڈری	۲۴	۳۰.۰
۳	مڈل	۱۰	۱۲.۵
۴	ہائر سیکنڈری	۸	۱۰.۰
۵	گریجویشن	۶	۷.۵
۶	ایم اے	۲	۲.۵
	کل تعداد	۸۰	۱۰۰.۰

یہ جدول یہ ظاہر کرتا ہے کہ جوابدہندگان کے چھوٹے بھائی ۳۶.۳ فیصد پرائمری میں ۳۰.۰ فیصد سیکنڈری میں، ۱۲.۵ فیصد مڈل میں ۱۰.۰ فیصد ہائر سیکنڈری میں ۷.۵ فیصد گریجویشن میں اور ۲.۵ فیصد M.A اور M.Sc کر رہے ہیں۔

جدول نمبر ۳۴

قرآن حکیم کے ناظرہ / حفظ پڑھنے کے لحاظ سے جواب دہندگان کے چھوٹے بہن بھائیوں کی تقسیم

نمبر شمار	قرآن حکیم کا پڑھنا	لڑکے		لڑکیاں	
		تعداد	فیصد	تعداد	فیصد
۱	ناظرہ	۲۳۹	۵۳.۳	۵۸	۴۳.۶
۲	حفظ	۵۲	۱۲.۱	۱۹	۱۴.۳
۳	جواب نہیں دیا	۱۵۲	۳۳.۹	۵۶	۴۲.۱
-	کل تعداد	۴۴۹	۱۰۰.۰	۱۳۳	۱۰۰.۰

زیر نظر جدول میں جواب دہندگان کے چھوٹے بہن بھائیوں کے قرآن حکیم ناظرہ و حفظ پڑھنے کا تناسب پیش کیا گیا ہے ۔ اس لحاظ سے بھائیوں نے ۵۳.۳ فیصد ناظرہ اور ۱۲.۰ فیصد نے حفظ کیا ہوا ہے جبکہ چھوٹی بہنوں کے ناظرہ قرآن حکیم پڑھے ہوئے ہونے کا تناسب ۴۳.۶ فیصد ہے اور ۱۴.۳ فیصد نے حفظ کیا ہوا ہے ۔ جواب دہندگان نے اپنے ۳۳.۹ فیصد بھائیوں اور ۴۲.۱ فیصد بہنوں کے بارے میں جواب نہیں دیا ۔

جدول نمبر ۳۵

جواب دہندگان کے چھوٹے بھائیوں کے مستقبل کے پسندیدہ پیشوں کے لحاظ سے تقسیم

نمبر شمار	لڑکوں کے پسندیدہ پیشے	تعداد	فیصد
۱	درس و تدریس	۱۰۸	۲۳.۳۸
۲	اشاعت دین	۴۲	۹.۰
۳	تجارت / کاروبار	۲۴	۵.۲۱
۴	سرکاری ملازمت	۲۴	۵.۲۱
۵	کاشتکاری ـ زمینداری	۱۸	۳.۸۵
۶	ڈاکٹر / طبیب	۱۷	۳.۶۹
۷	انجنیئر	۹	۲.۰۳
۸	لیکچرار	۵	۱.۰
۹	صحافی	۱	۰.۲
۱۰	[illegible]	۱	۰.۲
۱۱	محنت	۱	۰.۲
۱۲	سیاست دان	۱	۰.۲
۱۳	جواب نہیں دیا	۲۱۱	۴۸.۰
	کل تعداد	۴۶۱	۱۰۰.۰۰

زیر نظر جدول میں جواب دہندگان نے اپنے چھوٹے بھائیوں کے لئے ذریعہ معاش کے طور پر اختیار کئے جانے والے جن پیشوں کا اظہار کیا ہے ان کے مطابق ۲۳.۲۸ فیصد نے درس و تدریس کو پسندیدہ قرار دیا ہے ۔ جبکہ دوسرے نمبر پر اشاعت دین اور دعوت و تبلیغ ہے ۔ یہ ۹.۰ فیصد ہے لیکن دیگر شعبہ جات سے بھی یہ لوگ دور نہیں رہنا چاہتے ۔ بلکہ تمام شعبہ ہائے زندگی میں جانا چاہتے ہیں ۔ جیسے فیصد ترتیب کے اعتبار سے جدول میں پیش کیا گیا ہے ۔

جدول نمبر ۳۹

جوابدہندگان کے والدین کی اپنے بچوں کے لئے دینی تعلیم کی پسندیدگی کی وجوہات

نمبر شمار	وجوہات پسندیدگی	تعداد	فیصد
۱	دین و دنیا میں والدین و اولاد دونوں کی کامیابی کے لئے	۴۰	۱۸.۵۲
۲	معرفت حق و معرفت دین کے لئے	۳۸	۱۷.۵۹
۳	علم دین کی اہمیت کے پیش نظر	۲	۰.۹۲
۴	اولاد کو صالح بنانے اور اس کی اچھی تعلیم و تربیت کے لئے	۲۱	۹.۷۲
۵	باطل قوتوں کے دور میں نیکی پھیلانے اور عمل پیرا ہونے کے لئے	۱۸	۸.۳۳
۶	والدین اور بزرگوں کی خواہش کی تکمیل کے لئے	۱۶	۷.۴۱
۷	علمائے دین کی کمی پوری کرنے کے لئے	۳	۱.۳۹
۸	والدین اور اولاد کے اطمینان قلب کے لئے	۱۰	۴.۶۳
۹	ذاتی اور قومی ترقی کی خاطر	۵	۲.۳۱
۱۰	وصیت / منت پوری کرنے کی خاطر	۱۰	۴.۶۳
۱۱	ذاتی و معاشرتی اصلاح و فلاح کے لئے	۸	۳.۷۰
۱۲	معاشرتی مقام کے حصول کے لئے	۶	۲.۷۸
۱۳	خدمت خلق اللہ کے لئے	۵	۲.۳۱
۱۴	خاندانی ماحول یا روایتی اثر کے نتیجے میں	۳	۱.۳۹
۱۵	خدمت دین، اس کی تبلیغ، فروغ، بقا اور اسلامی اقدار کے تحفظ کیلئے	۲۳	۱۰.۶۵
۱۶	جواب نہیں دیا	۸	۳.۷۰
	کل تعداد	۲۱۶	۱۰۰.۰۰

اس جدول میں جوابدہندگان کے والدین کی تقسیم ان وجوہات کی بنا پر کی گئی ہے کہ کن وجوہات کی بنا پر انہوں نے اپنی اولاد کے لئے دینی تعلیم پسند کی۔ اس لحاظ سے سب سے بڑی وجہ جو بتائی گئی ہے وہ ۱۸.۵۲ فیصد ہے: دین و دنیا میں اس تعلیم سے کامیابی ہے۔ دوسری بڑی وجہ جو ۱۷.۵۹ فیصد ہے معرفت حق و معرفت دین ہے۔ تیسری بڑی وجہ خدمت دین ہے اس کے بعد اولاد کو صالح بنانے اور اس کی اچھی تعلیم و تربیت کے لئے یہ تعلیم منتخب کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ دیگر وجوہات کی نشاندہی کی گئی ہیں۔ جیسا کہ جدول سے ظاہر ہے۔

جدول نمبر ۳۷

تقسیم بلحاظ جوابدہندگان کی دینی تعلیم کے حصول میں ذاتی خواہش کا عمل دخل

نمبر شمار	خواہش کا دخل	تعداد	فیصد
۱	مکمل	۱۹۶	۸۶.۱
۲	کسی حد تک	۱۸	۸.۰
۳	ناپسندیدگی	۱	.۵
۴	کوئی جواب نہیں	۳	۳.۳
--	کل تعداد	۲۲۶	۱۰۰.۰

اس جدول سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جوابدہندگان کو دینی تعلیم کے حصول میں ذاتی خواہش کا عمل دخل بہت زیادہ ہے جس کی فیصد تعداد ۸۶.۱ ہے کسی حد تک کا اظہار ۸ فیصد کیا گیا ہے۔ ناپسندیدگی میں ۰.۵ جوابات ملے ہیں اور اس سوال میں جوابات نہ دینے والوں کی فیصد ۳.۳ ہے۔

جدول نمبر ۳۸

تقسیم بلحاظ جوابدہندگان کے گھر کے قریب خانقاہ یا دینی مدرسہ کی موجودگی

نمبر شمار	خانقاہ / دینی مدرسہ	تعداد	فیصد
۱	ہاں	۱۶۲	۷۱.۶
۲	نہیں	۵۱	۲۲.۵
۳	معلوم نہیں	۴	۱.۸
۴	کوئی جواب نہیں دیا	۹	۴.۰
-	کل تعداد	۲۲۶	۱۰۰.۰

اوپر دیئے گئے جدول میں جوابدہندگان سے یہ معلوم کیا گیا ہے کہ ان کے گھر کے قریب کوئی خانقاہ یا دینی مدرسہ ہے تو اس کے جواب میں [illegible] فیصد نے ہاں لکھا ہے البتہ ۲۲.۵ فیصد نے بتایا ہے کہ ان کے گھر کے قریب کوئی خانقاہ یا دینی مدرسہ نہیں ہے۔ جوابدہندگان میں سے ۱.۸ فیصد نے اس بارے میں لاعلمی کا اظہار کیا ہے اور [illegible] فیصد نے اس بارے میں جواب ہی نہیں دیا۔

جدول نمبر ۳۹

تقسیم بلحاظ جوابدہندگان کے رشتہ دار، ہمسائے اور خاندانی دوست میں سے کسی کا مسجد، مدرسہ اور خانقاہ سے باقاعدہ وابستہ ہونا

نمبر شمار	مسجد و مدرسہ سے وابستگی	تعداد	فیصد
۱	ہاں	۱۵۱	۶۶.۸
۲	نہیں	۴۹	۲۱.۷
۳	معلوم نہیں	۱۹	۸.۴
۴	کوئی جواب نہیں	۷	۳.۱
-	کل تعداد	۲۲۶	۱۰۰.۰

اس جدول میں جوابدہندگان نے ۶۶.۸ فیصد اپنے رشتہ داروں، ہمسایوں اور خاندانی دوستوں کا مسجد، مدرسہ اور خانقاہ سے باقاعدہ وابستگی کا اظہار کیا ہے۔ البتہ ۲۱.۷ فیصد نے نفی میں جواب دیا ہے لیکن ۸.۴ فیصد نے اس بارے میں اپنی لاعلمی کا اظہار کیا ہے جبکہ ۳.۱ فیصد نے اس معاملے میں خاموشی اختیار کی ہے۔

جدول نمبر ۴۰

جواب دہندگان کے دوست، احباب و عزیز و اقارب کی مسجد، مدرسہ و خانقاہ سے وابستگی کی نوعیت کے لحاظ سے تقسیم

نمبر شمار	وابستگی کی نوعیت	تعداد	فیصد
۱	مدرس	۴۸	۳۱.۸
۲	انتظامیہ	۳۱	۲۰.۵
۳	خطیب، امام، مؤذن	۲۸	۱۸.۵
۴	ناظم	۱۴	۹.۳
۵	خدمتگار	۱	۰.۳
۶	حفاظتی نگران	۸	۵.۳
۷	مبلغ	۵	۳.۳
۸	نوعیت معلوم نہیں	۶	۴.۰
	کل تعداد	۱۵۱	۱۰۰.۰

اوپر دیئے گئے جدول میں جواب دہندگان نے اپنے دوست و احباب اور عزیز و اقارب کا مسجد، مدرسہ اور خانقاہ سے ۳۱.۸ فیصد مدرس کی حیثیت سے، ۲۰.۵ فیصد انتظامیہ کے طور پر، ۱۸.۵ فیصد خطیب، امام اور مؤذن، ۹.۳ فیصد ناظم، ۰.۳ فیصد خدمتگار، ۵.۳ فیصد حفاظتی نگران اور ۳.۳ فیصد مبلغ کی حیثیت سے تعلق ظاہر کیا ہے۔ جدول نمبر ۳۹ میں ۱۵۱ جواب دہندگان نے ہاں میں جواب دیا تھا لہٰذا زیرِ نظر جدول میں ان ۱۵۱ افراد کی وابستگی کی نوعیت تفصیلاً پیش کی گئی۔

جدول نمبر ۴۱

جواب دہندگان کی تقسیم بلحاظ والدین کو اولاد کی دینی تعلیم کے لئے رشتہ دار یا دوستوں کا راغب کرنا

نمبر شمار	رغبت دلانی گئی	تعداد	فیصد
۱	ہاں	۷۹	۵۱.۳
۲	نہیں	۳۶	۲۳.۴
۳	جواب نہیں دیا	۳۸	۱۹.۸
۴	معلوم نہیں	۵	۳.۲
	کل تعداد	۱۵۴	۱۰۰.۰

اس جدول میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ جواب دہندگان کے والدین کو ان کے رشتہ داروں یا دوستوں نے اس تعلیم کی جانب کس قدر راغب کیا۔ اس کے جواب میں ۵۱.۳ فیصد جوابات مثبت ملے اور ۲۳.۴ فیصد نے نفی میں جواب دیا۔ البتہ ۲۰.۸ فیصد نے اس سوال کے بارے میں جواب نہیں دیا اور ۳.۲ فیصد نے اس بارے میں لاعلمی کا اظہار کیا۔

جدول نمبر ۴۲

دینی مدارس سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد ذریعہ معاش اختیار کرنے کے لحاظ سے جواب دہندگان کی تقسیم

نمبر شمار	پسندیدہ ذریعہ معاش	تعداد	فیصد
۱	i ۔ درس و تدریس	۷۱	۳۱.۳
	ii ۔ دعوت و تبلیغ	۸	۳.۵
	iii ۔ دینی مدارس میں ملازمت	۶	۳.۰
	iv ۔ امام مسجد	۲۶	۱۱.۶
	v ۔ تصنیف و تالیف	۲	۰.۸
	vi ۔ خطابت مقرر	۱	۰.۳
	vii ۔ دیگر	۱۳	۱۵.۶
۲	i ۔ جج	۳	۱.۳
	ii سرکاری اسکولوں میں مدرس	۲	۰.۸
	iii ۔ فوج	۲	۰.۸
	iv ۔ دیگر	۳	۱.۸
۳	i ۔ تجارت	۶۶	۲۹.۰
	ii ۔ زراعت	۴	۱.۶
	iii ۔ دستکاری	۳	۱.۳
	iv ۔ حکیم، طبیب	۲	۰.۸
	v ۔ صحافت	۲	۰.۸
	vi ۔ [illegible]	۱	۰.۳
	vii ۔ دیگر	۹	۳.۹
۴	جواب نہیں دیا	۸	۳.۳
۵	ان دونوں میں سے کوئی بھی	۲۱	۹.۲
	کل تعداد	۲۲۷	۱۰۰.۰

جواب دہندگان نے فارغ التحصیل ہونے کے بعد جن پسندیدہ ذرائع معاش اختیار کرنے کا ارادہ ظاہر کیا ہے انہیں تین طرح سے پیش کیا گیا ہے ۔

i ۔ دینی فرائض کی ادائیگی سے متعلق ملازمت ۔

ii ۔ دیگر نوعیت کی ملازمت ، اور ۔ iii ۔ ملازمت کے علاوہ دیگر ذرائع معاش

اس لحاظ سے دیکھا جائے تو سب سے زیادہ (۳۱.۳ فیصد) پسندیدہ شعبہ درس و تدریس ظاہر کیا گیا ہے دوسرے درجے میں دعوت و تبلیغ کو اہمیت دی گئی ہے جبکہ دوسری جماعت بندی کے مطابق ۳.۰ فیصد شرعی عدالتوں میں بحیثیت قاضی تعینات ہونے کے متمنی ہیں ۔ اور ذریعہ معاش کی تیسری درجہ بندی کے مطابق ۲۹.۰ فیصد طلباء تجارت بحیثیت ذریعہ معاش اختیار کرنے کو پسند کرتے ہیں ۔

جدول نمبر ۴۳

جواب دہندگان کے ذرائع معاش اختیار کرنے کے بارے میں دی گئی توجیہات کی تقسیم

نمبر شمار	توجیہات	تعداد	فیصد
	[illegible]	۳۳	۹.۵
۱	محنت کرنی	۱۵	۴.۳
۲	تعلیم دینے کے فرائض ادا کرنے کے لئے	۱۱	۳.۲
۳	ملازمت کی ضرورت ہے	۶	۱.۷
۵	علوم دینیہ میں مہارت رکھتے	۷	۲.۰
۶	علم میں ترقی کرنے کے لئے	۹	۲.۶
۷	قوم کی زندگی کے لئے	۵	۱.۴
۸	ذاتی و معاشرتی اصلاح کرنے کے لئے	۵	۱.۴
۹	عزت بنانے کے لئے	۵	۱.۴
۱۰	[illegible]	۳	۰.۹
	[illegible]	۳	۰.۹
۱۱	[illegible]	۳	۰.۹
۱۲	[illegible]	۳	۰.۹
۱۴	خدمت کی ادائیگی کرنے کے لئے	۲	۰.۶
۱۵	[illegible]	۲	۰.۶
۱۶	[illegible]	۲	۰.۶
۱۷	[illegible]	۳	۰.۹
۱۸	[illegible]	۳	۰.۹
۱۹	[illegible]	۲	۰.۶
۲۰	[illegible]	۲	۰.۶
۲۱	[illegible]	۱	۰.۳
۲۲	[illegible]	۱	۰.۳
۲۳	[illegible]	۱	۰.۳
۲۴	[illegible]	۱	۰.۳
۲۵	[illegible]	۱	۰.۳
۲۶	محنت ہوتی ہے	۲۲	۶.۴
۲۷	[illegible]	۷	۲.۰
۲۸	[illegible]	۹	۲.۶
۲۹	[illegible]	۵	۱.۴
۳۰	[illegible]	۵	۱.۴
۳۱	[illegible]	۳	۰.۹
۳۲	خدا تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے	۳	۰.۹
۳۳	عبادت کا درجہ رکھتی ہے	۲	۰.۶
۳۴	معاشی حالت بہتر کرنے کے لئے	۲	۰.۶
۳۵	[illegible]	۲	۰.۶
۳۶	[illegible]	۱	۰.۳
۳۷	[illegible]		۰.۵
	[illegible]	۲۵	[illegible]
	[illegible]	۲۲۲	[illegible]

جدول نمبر ۴۳ دراصل جدول نمبر ۴۲ کی وضاحت میں ہے۔ کیونکہ جدول نمبر ۴۲ میں جواب دہندگان سے یہ پوچھا گیا تھا کہ وہ دینی مدارس کی تعلیم سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد ذریعہ معاش کیلئے کس قسم کے اپنے پسندیدہ مشاغل اختیار کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں (جنکے جوابات کیلئے ملاحظہ ہو جدول نمبر ۴۲) چنانچہ جوابات کی تین طرح سے درجہ بندی کرکے انہیں فیصد تقسیم میں پیش کیا گیا۔ کیونکہ پسندیدہ ذرائع معاش کی مزید وضاحت کیلئے انکی وجوہات بھی پوچھی گئی تھیں۔ لہٰذا ان جوابات کو زیر نظر جدول میں گزشتہ جدول کی ترتیب کے مطابق پیش کیا گیا ہے۔ نمبر شمار کے مطابق جوابات کو ۱ سے ۱۹ تک درجہ الف میں شامل کیا گیا ہے۔ جبکہ ۲۰ سے ۲۵ تک درجہ ب میں اور آخری درجہ ج میں جوابات ۲۶ سے ۳۰ تک لئے گئے ہیں۔ اس جدول سے دینی فرائض سے متعلق ذرائع معاش میں سرفہرست درس وتدریس ہے۔ چنانچہ اسے اختیار کرنے کی وجوہات میں ۵۰.۸ فیصد نے اسے قرب، خوف اور رضائے الہٰی سے منسوب کیا ہے درس وتدریس کو شعبہ اختیار کرنے کی دوسری بڑی وجہ سنت نبوی کیا گیا ہے جسکی فیصد تعداد ۹.۶ حاصل ہوتی ہے۔ دوسرے حصہ ب میں بھی مختلف توجیہات پیش کی گئیں ہیں۔ لیکن فیصد تقسیم میں انہیں زیادہ ممتاز جگہ نہیں ملی۔ اسی طرح تیسرے اور آخری حصہ ج میں پیش کی گئیں توجیہات میں تجارت کو ۲۷.۰ فیصد کی ترتیب میں جگہ ملی ہے۔ اسے بھی سنت نبوی سے نسبت دی گئی ہے۔ دیگر ذرائع معاش کے اختیار کرنے کی وجوہات جو بہت کم تناسب میں آتی ہیں انہیں بھی قلمبند کر دیا گیا ہے۔

جدول نمبر ۴۴

دینی مدارس اور رسمی تعلیم میں فرق کے لحاظ سے جواب دہندگان کی آراء کی تقسیم

نمبر شمار	آراء	تعداد	فیصد
۱	فرق ہے	۱۹۴	۸۶.۸
۲	فرق نہیں ہے	۷	۳.۱
۳	جواب نہیں دیا	۲۳	۱۰.۱
	کل تعداد	۲۲۴	۱۰۰.۰

اس جدول میں رسمی تعلیم اور دینی مدارس کی تعلیم میں فرق کے بارے میں پوچھا گیا ہے۔ جواب دہندگان کی بڑی تعداد (۸۶.۸ فیصد) نے دونوں قسم کی تعلیم میں بہت زیادہ فرق کا اظہار کیا ہے۔ صرف ۳.۱ فیصد نے فرق نہ ہونے کا ذکر کیا ہے۔ اور ۱۰.۱ فیصد نے اسکے بارے میں اپنی آراء کا اظہار نہیں کیا۔

اس جدول میں جواب دہندگان نے اپنی آراء میں جو فرق ظاہر کئے ہیں انکی بھی جماعت بندی کی گئی ہے اور انہیں بھی ذیلی جدول میں دیا گیا ہے۔ جنہیں ۴۴ اور ۴۵ نمبر دئے گئے ہیں ایک میں دینی مدارس کی تعلیم کی خصوصیات پیش کی گئی ہیں جبکہ دوسرے جدول میں اسکول و کالجز کی تعلیم کی نمایاں اور ممتاز خصوصیات جماعت بندی کرکے پیش کی گئی ہیں۔ ان دونوں میں دونوں طرح کی تعلیم کا دراصل تقابل پیش کیا گیا ہے۔

جدول نمبر ۴۵

دینی مدارس کی تعلیم کی پسندیدگی وجوہات

نمبر شمار	دینی مدارس کی تعلیم کی خصوصیات	تعداد	فیصد
۱	دینی امور میں مہارت پیدا ہوتی ہے	۳۳	۱۵.۰
۲	دنیا و آخرت میں کامیابی ہے	۳۱	۱۳.۷
۳	معرفت حق اور روحانیت ملتی ہے	۱۷	۷.۵
۴	اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا ذریعہ ہے	۱۷	۷.۵
۵	دینی ماحول اور اچھی صحبت ملتی ہے	۱۳	۵.٦
٦	اخلاق حسنہ پیدا ہوتی ہے	۱۲	۵.۳
۷	آسان ہوتی ہے اور حصول بہت سستی ہے	۸	۳.۵
۸	نجات کا ذریعہ ہے	۸	۳.۵
۹	اسلامی تعلیمات کے مطابق ہے	٦	۲.۷
۱۰	دینی معمولات پیدا ہوتے ہیں	٦	۲.۷
۱۱	مسلمانوں کے لئے ضروری ہے	٦	۲.۷
۱۲	نبوی تعلیم کی اشاعت ہے	۵	۲.۲
۱۳	یہ تعلیم بصورت وحی نازل ہوئی	۵	۲.۲
۱۴	اس میں قرآن و حدیث کو ترجیح دی جاتی ہے	۵	۲.۲
۱۵	یہ تعلیم قدیم و جدید کا امتزاج ہے	۵	۲.۲
۱٦	یہ تعلیم حقائق پر مبنی ہے	۴	۱.۸
۱۷	فطری تقاضوں کے مطابق ہے	۴	۱.۸
۱۸	سادہ نظام تعلیم ہے	۴	۱.۸
۱۹	سند زیادہ اہمیت نہیں رکھتی	۴	۱.۹
۲۰	اس میں تغیر و تبدل زیادہ نہیں ہوتا	۳	۱.۳
۲۱	بغیر کچھ خرچ کے تعلیم مکمل ہو سکتی ہے	۳	۱.۳
۲۲	معیاری تعلیم ایک ہے	۲	۰.۹
۲۳	اعلیٰ تعلیم ہے	۲	۰.۹
۲۴	جواب نہیں دیا	۱۳	۵.٦
-	کل تعداد	۲۲۹	۱۰۰.۰

جدول نمبر ۴۶

رسمی تعلیم کی خصوصیات بمقابلہ دینی مدارس کی تعلیم

فیصد	تعداد	اسکول و کالج کی تعلیم کی خصوصیات	نمبر شمار
۱۳٫۳	۳۰	دینی تعلیم سے متصادم ہے	۱
۱۱٫۵	۲۶	فن معاش ہے	۲
۱۱٫۱	۲۵	خدا تعالی سے بیگانگی پیدا کرتی ہے	۳
۹٫۷	۲۲	مال و جاہ کی محبت پیدا کرتی ہے	۴
۸٫۹	۲۰	احترام آدمیت نہیں سکھاتی	۵
۵٫۷	۱۳	صرف دنیا کی سمجھ بوجھ دیتی ہے	۶
۵٫۳	۱۲	دنیا میں موجود چیزوں کا علم ہے	۷
۴٫۹	۱۱	دنیا کے حصول کے لئے ہے	۸
۴٫۹	۱۱	انسانوں کی پیروی سکھاتی ہے	۹
۳٫۵	۸	اسلامی نقطہ نظر پیدا نہیں کرتی	۱۰
۳٫۱	۷	سامراجی نظام تعلیم ہے	۱۱
۳٫۱	۷	اسلامی اقدار سے بےزاری پیدا کرتی ہے	۱۲
۲٫۲	۵	اس میں [illegible] کی ضرورت نہیں ہے	۱۳
۱٫۳	۳	[illegible]	۱۴
۱٫۳	۳	[illegible] تعلیم ہے	۱۵
۱٫۳	۳	ملازمت کے لئے تیار کیا جاتا ہے	۱۶
۱٫۳	۳	اس کا آخرت میں کوئی اجر نہیں	۱۷
۰٫۹	۲	[illegible] نظام تعلیم ہے	۱۸
۰٫۴	۱	مہنگا ذریعہ تعلیم ہے	۱۹
۰٫۴	۱	مخلف [illegible] سے کوئی فرق نہیں رہتا	۲۰
۵٫۸	۱۳	جواب نہیں دیا	۲۱
۱۰۰٫۰	۲۲۶	کل تعداد	

اس جدول میں اسکول و کالجز کی تعلیمی خصوصیات بمقابلہ دینی مدارس کی تعلیم پیش کی گئی ہیں ۔ اس میں ۱۳٫۳ فیصد نے اپنی رائے میں دینی تعلیم کو اسکول و کالج کی تعلیم سے متصادم قرار دیا گیا ہے ۔ اور ۱۱٫۵ فیصد افراد نے اس تعلیم کو فن معاش قرار دیا ہے ۔ اور ۱۱٫۱ فیصد جواب دہندگان نے اپنے خیال میں خدا تعالی سے بیگانگی پیدا کرنے والی تعلیم کہا ہے ۔ اسی طرح دیگر خصوصیات کو فیصد تقسیم میں ترتیب وار پیش کیا گیا ہے ۔

جدول نمبر ۴۷
دینی مدارس کی تعلیم و اسکولوں کی تعلیم میں فرق کی اہمیت

نمبر شمار	فرق کی اہمیت	تعداد	فیصد
۱	بہت زیادہ فرق	۱۶۹	۷۵.۱
۲	کسی حد تک	۳۳	۱۴.۶
۳	بہت کم	۲	.۸
۴	معلوم نہیں	۲	۰.۸
۵	بالکل نہیں	۱	۰.۴
۶	جواب نہیں دیا	۹	۳.۹
	کل تعداد	۲۲۵	۱۰۰.۰

اس میں جواب دہندگان کی اکثریت (۷۵.۱ فیصد) نے بہت زیادہ فرق محسوس کیا ہے۔ اور ۱۴.۶ فیصد نے اسے کسی حد تک کے زمرے میں لیا ہے۔

جدول نمبر ۴۸

رسمی تعلیم کی پسندیدگی کے لحاظ سے جواب دہندگان کی تقسیم

نمبر شمار	رسمی تعلیم کی پسندیدگی	تعداد	فیصد
۱	ہاں	۱۴۲	۶۲.۸
۲	نہیں	۶۶	۲۹.۲
۳	جواب نہیں دیا	۱۸	۸.۰
-	کل تعداد	۲۲۶	۱۰۰.۰

اس جدول میں جواب دہندگان سے رسمی تعلیم کی پسندیدگی اور ناپسندیدگی کے لحاظ سے رائے لی گئی ہے ۔ جو نتیجہ ایک بڑی تعداد ۶۲.۸ فیصد نے اس بارے میں پسندیدگی کا اظہار کیا ہے جبکہ ناپسند کرنے والوں کی تعداد ۲۹.۲ فیصد ہے ۔

جدول نمبر ٣٩

جواب دہندگان کی تقسیم بلحاظ رسمی تعلیم کہاں تک حاصل کرنے کی خواہش ہے

نمبر شمار	رسمی تعلیم کا درجہ	تعداد	فیصد
١	میٹرک	٥٥	٢٣.٣
٢	گریجویشن	١٦	٧.٠
٣	ماسٹرز (ایم اے۔ ایم ایس سی)	٥٢	٢٣.٠
٤	معاشیات	١	٠.٤
٥	کامرس (بی کام)	١	٠.٤
٦	انجینئرنگ	١	٠.٤
٧	بی ایڈ (ٹیچر ٹریننگ)	٣	١.٣
٨	حکمت۔ طبیب (میڈیکل)	٥	٢.٢
٩	ڈاکٹریٹ	٩	٣.٩
١٠	ارادہ نہیں رکھتے	١٢	٥.٢
١١	ضرورت نہیں	١	٠.٤
١٢	طے نہیں کیا	٦٤	٢٧.٩
—	کل تعداد	٢٢٩	١٠٠.٠

جواب دہندگان نے درج بالا جدول میں دینی مدارس کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد رسمی تعلیم کے حصول کے بارے میں اپنی توجہات کا جو اظہار کیا ہے۔ انکے مطابق ۲۴.۳ فیصد میٹرک تک تعلیم حاصل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ۲۳.۰ فیصد جواب دہندگان ایسے ہیں جو مختلف مضامین میں ایم اے اور ایم ایس سی کرنے کی خواہش رکھتے ہیں پھر کچھ لوگ کالج اور یونیورسٹی کے دیگر درجات اور شعبہ جات میں بھی تعلیم حاصل کرنے کے آرزو مند بھی ہیں۔ مگر ان کا فیصد تناسب بہت کم ہے۔

جدول نمبر ۵۰

جوابدہندگان کی تقسیم بلحاظ محصلہ درجہ رسمی تعلیم

نمبر شمار	محصلہ رسمی تعلیم کا درجہ	تعداد	فیصد
۱	ماسٹر کر لیا ہے	۱۰	۱۰
۲	ماسٹر کر رہے ہیں	۳	[illegible]
۳	گریجویشن کر لیا ہے	۴	۱.۸
۴	گریجویشن کر رہے ہیں	۵	[illegible]
۵	انٹرمیڈیٹ کر لیا ہے	۹	[illegible]
۶	انٹرمیڈیٹ کر رہے ہیں	۵	[illegible]
۷	میٹرک کر لیا ہے	۱۰۹	[illegible]
۸	میٹرک کر رہے ہیں	[illegible]	[illegible]
۹	مڈل کر رہے ہیں	۱	۰.۴۴
۱۰	ایل ایل بی کر چکا ہے	۱	۰.۴
۱۱	بی کام کر رہے ہیں	۱	۰.۴
۱۲	ایم بی بی ایس کر رہے ہیں	۱	۰.۴۴
۱۳	رسمی تعلیم حاصل کرنا نہیں چاہتے	۳۰	۱۳.۱۰
۱۴	جواب نہیں دیا	۸۳	۳۶.۲۴
	کل تعداد	۲۲۹	۱۰۰.۰

اس جدول میں دو طرح سے وضاحت بندی کی گئی ہے۔ اول وہ درجہ تعلیم ہے جو حاصل کر لیا گیا ہے۔ دوم وہ درجہ ہے جس میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ اس لحاظ سے جوابدہندگان میں سے ۱۹.۰ فیصد میٹرک کا امتحان پاس کر چکے ہیں۔ اور ۲۰.۰ فیصد ابھی میٹرک کر رہے ہیں۔ ۳ فیصد انٹرمیڈیٹ کر چکے ہیں۔ اور ۲.۲ فیصد مکمل کر رہے ہیں اسی طرح ۱.۸ فیصد گریجویشن کر چکے ہیں۔ اور ۲.۲ فیصد مکمل کر رہے ہیں۔ ماسٹر کیلئے ۱.۳ فیصد جوابدہندگان کوشش کر رہے ہیں اور ۰.۰ فیصد کر چکے ہیں۔ ایک جوابدہندگان ایل ایل بی کر چکے ہیں۔ ایک بی کام کر رہے ہیں۔ اور ایک ایم بی بی ایس کر رہے ہیں۔

یہ بات بہت اہم ہے کہ ۱۳.۱۰ فیصد نے رسمی تعلیم کے حصول کیلئے ابھی تک اس معاملہ میں فیصلہ ہی نہیں کیا اور ۳۶.۴۲ نے اس بارے میں جواب ہی نہیں دیا۔

جدول نمبر ۵۱

بہن بھائیوں اور اولاد کے لئے جواب دہندگان کی پسندیدہ تعلیم کے لحاظ سے تقسیم

نمبر شمار	تعلیم کی قسم	تعداد	فیصد
۱	دونوں قسم کی تعلیم	۱۸۳	۸۱.۰
۲	صرف دینی تعلیم	۳۸	۱۶.۸
۳	کوئی جواب نہیں دیا	۵	۲.۲
-	کل تعداد	۲۲۶	۱۰۰.۰

٭ یہ بات قابل ذکر ہے کہ جواب دہندگان کی اکثریت ۸۱ فیصد اپنے بہن بھائیوں اور اولاد کے لئے دونوں قسم کی تعلیم کی حامی ہے کیونکہ انہیں اس بات کا شعور ہے کہ دونوں طرح کی تعلیم کے فوائد حاصل کرنا اس طرح ہی ممکن ہوگا۔ صرف دینی تعلیم کے حق میں ۱۶.۸ فیصد جوابات آئے مگر صرف دنیاوی تعلیم کے سلسلہ میں جواب دہندگان نے بالکل اس کے حق میں نہیں ہیں۔ اور ۲.۲ فیصد نے اس بابت جواب نہیں دیا۔

معطیات کا خلاصہ

محقق نے کراچی میں قائم دینی مدارس جو اپنے اپنے وفاق کے زیر اہتمام دینی تعلیم کے فروغ کے لئے مختلف علاقوں میں اپنے مکاتب فکر اور مسلک کے لئے کام کررہے ہیں۔ ان مدارس میں زیر تعلیم سال آخر کے ان طلباء سے مصاحبہ نامہ کے ذریعے معطیات حاصل کئے گئے جو اپنی تعلیم کی تکمیل کے آخری مراحل میں ہیں۔ جو عنقریب اپنی عملی زندگی کا آغاز کرکے علم سے معاشرہ میں ایک اصلاحی کردار ادا کرنے اور میراث نبوی کی تعلیم دوسروں تک پہنچاتے ہوئے تفقہ فی الدین کریگا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ تعلیمی ادارے سماج کے موثر ترین اداروں کی حیثیت رکھتے ہوئے بالواسطہ یا بلاواسطہ سماجی نظام اور معاشرتی اقدار کے قیام تحفظ اور بقا کے لئے موثر اور قابل قدر کردار ادا کرتے ہیں۔ ان اداروں کی خدمات مزید اہمیت اختیار کرجاتی ہیں جب انکا تعلق براہ راست اور خصوصی طور پر سماجی اقدار سے ہو۔ دینی مدارس بھی ایسے ہی تعلیمی ادارے ہیں۔ جو معاشرتی اقدار اور سماجی ڈھانچے کے استحکام میں معاون ہوتے ہیں ماضی میں یہ ادارے افراد اور گروہوں میں معاشرتی ضبط اور اشتراک کے باہمی جذبات پروان چڑھانے میں فعال رہے ہیں۔ تاہم یہ اپنا کردار ادا کرنے سے قاصر ہوجاتے ہیں اگر انہیں بدلتے ہوئے حالات سے ہم آہنگ نہ کیا جائے۔

عمومی مشاہدہ ہے کہ اس وقت ان تعلیمی اداروں سے وابستہ افراد کو موجودہ سماجی ڈھانچوں میں تبدیلیوں کے اثرات نے بہت حد تک متاثر کیا ہے۔ چنانچہ ان اداروں کے وظائف میں تبدیلی بھی ناگزیر ہوتی ہے۔ آجکل ان دینی تعلیمی اداروں کے فارغ التحصیل طلباء ایک طرف سرکاری اداروں میں انتظامی امور چلانے کے اہل نہیں سمجھے جاتے ہیں تو دوسری جانب فنی مہارتوں سے ناآشنائی کے سبب عام معاشرے میں سماجی ضرورت نہیں بن پاتے۔ اسطرح یہ عام زندگی کی ذمہ داریوں اور ضروری مشاغل سے الگ ہو کر اپنی فکر ونظر کا دائرہ محدود کرکے جداگانہ طرز زندگی اختیار کرلیتے ہیں چنانچہ جدید معاشرتی تقاضوں سے ہم آہنگی نہ ہونے کے سبب ایک خلیج حائل ہوجاتی ہے۔ ان مدارس (جنہیں عرف عام میں دینی مدارس کہا جاتا ہے) سے فارغ التحصیل ہونے والے طلباء، جدید سائنسی، معاشرتی، معاشی، اقتصادی علوم سے بے نیازی کے سبب زمانہ / زندگی کے جدید تقاضوں سے قطعاً شعور نہیں رکھتے۔ یہی سبب ہے کہ جب وہ معاشرہ میں عملی زندگی کا آغاز کرتے ہیں تو اپنے آپ کو جدید علوم اور زمانہ کے جدید تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں کرپاتے اور یوں پھر مروجہ مدارس کی مشغولات میں محبوس ہو کر رہ جاتے ہیں۔

ان حالات کا بنظر غائر مطالعہ کرتے ہوئے مندرجہ ذیل سوالات کا تحقیقی جائزہ لیا گیا کہ ۔

۔ دینی مدارس کے طلباء ، مدرسین اور منتظمین کا تعلق کس سماجی طبقہ سے ہے ۔

۔ دینی مدارس کے فارغ التحصیل طلباء کونسے معاشی مشاغل اختیار کرتے ہیں ۔

۔ یہ حضرات کس حد تک تغیر پذیر معاشرہ میں ہم آہنگ ہو سکتے ہیں ۔ اور اپنے سماجی مرتبے سے کس درجہ مطمئن ہیں نیز بدلتے ہوئے حالات میں یہ ادارے کس قسم کی تبدیلیوں کے متقاضی ہیں ۔

اس تحقیق کے مطابق دینی مدارس میں زیر تعلیم طلباء کی اکثریت (۹۰.۷ فیصد) ۲۱ سال کی عمر میں دینی اسلامی تعلیم مکمل کرلیتے ہیں جبکہ ۲۱ سال سے زیادہ عمر کے طلباء صرف ۳.۰ فیصد ہیں ۔ اور اس سے زیادہ عمر رسیدہ طلباء زیر تعلیم ہی نہیں ہوتے ۔ یہ دینی مدارس بین الاقوامی حیثیت رکھتے ہیں ۔ اسکی وجہ یہ بھی ہے کہ ان میں زیر تعلیم طلباء پاکستان کے تقریباً تمام علاقوں سے تعلق رکھتے ہیں ۔ اردو کے علاوہ متعدد (۱۴) علاقائی زبانیں بولتے ہیں ۔ نیز انگریزی ، عربی ، ازبکی ، ترکی ، فرانسی ، ایوبن ، یوربا اور سریلنکا بھی بولی جاتی ہیں لیکن سب سے زیادہ ۵۱.۰ فیصد اردو زبان بولتے ہیں ۔ دوسرے نمبر پر ۳۳.۰ فیصد پشتو زبان بولنے والے ہیں ۔ بنگالی زبان بولنے والے ۸.۲ فیصد ہیں ۔ حقیقت یہ ہے کہ ان مدارس میں کسی خاص علاقے یا زبان بولنے والوں کی غالب اکثریت نہیں ہے بلکہ دینی تعلیم سے تمام پاکستانی مسلمان بہرہ مند ہو رہے ہیں ۔ کراچی میں پیدا ہونے والے ۱۵ فیصد طلباء ان مدارس میں زیر تعلیم ہیں اور یہ تعداد ان مدارس میں زیر تعلیم طلباء کی پاکستان بھر سے تعلق رکھنے والوں سے زیادہ ہے جسکی وجہ یہ ہے کہ یہ طلباء کراچی کے دینی مدارس سے وابستگی رکھنے والوں کی اولاد میں سے ہیں ۔ کیونکہ کراچی میں اسوقت ایک محتاط اندازے کے مطابق مساجد اور مدارس کی تعداد ہزاروں سے تجاوز کر چکی ہے لہذا ان مذہبی اداروں سے منسلک لوگوں کی اولاد میں سے بھی یہ تعلیم حاصل کرتے ہیں اس لئے کہ انہیں ہی آمدہ اپنے آباء کے کام کو آگے بڑھانا ہوتا ہے ۔

کراچی کے دینی مدارس میں زیر تعلیم طلباء کے والدین کی پیدائش ۵۵.۰ فیصد شہروں میں ہوئی ہے ۔ گاؤں اور قصبوں میں یہ ترتیب ۳۰.۰ اور ۲.۰ فیصد ہے ۔ یہ ۳۸.۰ فیصد نیم پختہ مکانوں میں رہائش پذیر ہیں اس تحقیق کے مطابق ۶۶.۵ فیصد ذاتی رہائش گاہیں رکھتے ہیں ۔ کرایہ پر صرف ۳.۲ فیصد لوگ مقیم ہیں بہت کم تعداد میں اپنے عزیزوں ، بہی خواہوں اور مساجد سے ملحق اور خیراتی اداروں کے نام وقف رہائش گاہوں میں مقیم ہیں ۔ یہ بات بھی اہم ہے یہ لوگ ذاتی رہائش کے مالکان تو ہیں لیکن زیادہ تر کچی آبادیوں میں مقیم ہیں ۔ لیکن ان کے گھروں میں پانی ، بجلی ، باورچی خانہ ، غسلخانہ اور بیت الخلاء موجود ہیں ۔

جواب دہندگان کے خاندان ۳۲.۵ فیصد آبائی مشترکہ خاندانی نظام کے تحت زندگی گزار رہے ہیں ۔ لیکن

اوسط خاندان بھی زیادہ کم نہیں ہیں یعنی ۲۳.۲ فیصد ہیں ۔ گیارہ افراد پر مشتمل افراد خانہ کی تعداد ۳۸.۱ فیصد ہے اور گیارہ افراد سے زیادہ تعداد والے کنبے ۲۲.۳ فیصد ہیں لیکن دو سے تین افراد والے کنبے صرف ۳.۵ فیصد ہیں ماہانہ آمدنی اتنی زیادہ نہیں ہے ۳۰.۲ فیصد جواب دہندگان ۱۰۰۰ روپے سے ۳۰۰۰ روپے میں اپنا گزر بسر کرتے ہیں جبکہ ۳۰۰۱ سے ۵۰۰۰ روپے تک ماہوار آمدنی والے خاندان ۱.۹ فیصد ہیں ۔ ان لوگوں کے پاس زرعی اور شہری جائیداد بھی ہیں یعنی ذاتی زرعی اراضی ۲۸.۵ فیصد ہے جبکہ ۲۹.۳ فیصد شہر میں رہائشی جائیداد کے مالک ہیں ۔ کل ماہانہ آمدنی اگرچہ اتنی مناسب نہیں اتنی البتہ ۴۹.۶ فیصد صاحب نصاب ہیں ۔ ۲.۸ فیصد کسی حد تک اور ۲۲.۸ فیصد اپنے معاشی حالات سے بالکل مطمئن ہیں ۔

عدم اطمینان کے اسباب بھی معلوم کئے گئے ۔ سب سے زیادہ یعنی ۸.۳ فیصد افراد نے رہائش گاہ کی ملکیت کو ضرورت سے کم ہونے کی بنیاد پر عدم اطمینان کا اظہار کیا ۔ ۶.۹ فیصد نے بنیادی سہولتوں سے محرومی کو ذکر کیا ہے ۔ اور ۳.۲ فیصد نے معاشی مسائل کو اسکا سبب سمجھا ہے ۔ لیکن ۲۲.۳ فیصد نے اپنی خاندانی رہائش سے عدم اطمینان کے اسباب ظاہر کرنے سے گریز کیا ہے ۔ ۵۴.۳ فیصد اپنی رہائش گاہوں میں بہتری کے خواہش مند ہیں ۴۴ فیصد شاید قناعت پسندی یا کسی دیگر مصلحت کی بنا پر اپنی رہائش گاہ میں بہتری لانے کے خواہش مند نہیں ہیں ۔

روز مرہ استعمال کی گھریلو اشیاء یا مشینوں میں سب سے زیادہ تعداد میں سلائی مشین ہے جو ۵۵ فیصد لوگوں کے گھروں میں موجود ہے ۔ سائیکل ۴۴.۱ فیصد ہے ۔ ٹیپ ریکارڈر ۴۷.۳ فیصد ہے ۔ کھانے کی میزیں ۳۹.۸ فیصد ہے ۔ کاریں ۱۱.۰ فیصد ہیں اور موٹر سائیکلیں ۲۷.۳ فیصد ہیں ان کے پاس ریفریجریٹر، ٹیلیفون ، ایئر کنڈیشنر، ٹی وی اور وی سی آر بھی کم و بیش تعداد میں موجود ہیں ۔

جن جواب دہندگان کے گھروں میں مذکورہ بالا اشیاء موجود نہیں ہیں ، وہ البتہ انہیں حاصل کرنے کے خواہش مند ہیں ۔ ان میں ٹیلیفون ۸۰ فیصد ضرورت کی چیز ہونے کی بنا پر سرفہرست ہے دوسرے نمبر پر باورچی خانہ میں استعمال کی چیزیں ۴۴.۷ فیصد ہیں ۔ موٹر سائیکل حاصل کرنے کی خواہش کا اظہار ۲۲.۸ فیصد جواب دہندگان نے کیا ہے ۔ ۵۰.۳۱ فیصد کاریں لینا چاہتے ہیں ۔ ۱۴.۳ فیصد وی سی آر بھی لینا چاہتے ہیں ۔ جواب دہندگان کے والدین نے مختلف انواع ذرائع معاش اختیار کئے ہوئے ہیں ۔ جن میں نجی کاروبار میں مصروف ۲۳.۸ فیصد ہیں ، کاشتکاری میں ۱۸.۵۸ فیصد ، غیر سرکاری ملازمت ۸.۸ فیصد ، پیشہ ورانہ روزگار میں ۶.۹ فیصد اور مذہبی نوعیت کے کاموں میں ۵.۳ فیصد مشغول ہیں ۔ خواتین ۸۰.۵ فیصد اپنے گھروں میں رہتی ہیں ۔ ۹.۰ فیصد قرآن حکیم اپنے گھروں میں رہتے ہوئے پڑھاتی ہیں ۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ خواتین اپنے خاندان کیلئے

آمدنی بڑھانے میں شریک نہیں ہوتیں ۔

جواب دہندگان کے والد ۰ ۔ ۳۳ فیصد ناخواندہ ہیں ۔ پرائمری پاس بھی صرف ۵ ۔ ۱۹ فیصد ہیں ۔ میٹرکیولیٹ ۵ ۔ ۱۵ فیصد گریجویٹ ۸ ۔ ۸ فیصد اور ماسٹر ڈگری والے ۳ فیصد ہیں ان کی والدائیں مردوں کی نسبت زیادہ ناخواندہ ہیں ۔ کیونکہ ۔ ۶۰ فیصد ہیں ۔ پرائمری پاس ۳۰ فیصد ہیں ۔ ۲ فیصد میٹرکیولیٹ اور ۹ ۔ ۱ فیصد گریجویٹ ہے ۔ اگرچہ ۲ ۔ ۵۶ فیصد والد قرآن حکیم ناظرہ پڑھے ہوئے ہیں ۔ لیکن ۱۸ فیصد والدہ نے بھی قرآن حکیم ناظرہ پڑھا ہوئے ۱۹ فیصد نے نہ پڑھے ہوئے ہونے کا اظہار کیا ہے ۔ نماز کی ادائیگی ۲ ۔ ۸۱ فیصد مستقل طور پر اور ۱ ۔ ۶ فیصد کبھی کبھار پڑھتے ہیں صرف ۵ ۔ ۳ فیصد بالکل نماز نہیں پڑھتے ۔

تکلیف ، بیماری اور پریشانی کی صورت میں ۶۶ فیصد تعداد ، چونکہ یا کلام الٰہی کے وظیفہ کی صورت میں دینی تکالیف دور کرنے پر عمل پیرا ہیں ۔ ۳۴ فیصد اس پر کاربند نہیں ہیں ۔ انکی خواتین میں بھی ۶ ۔ ۵ فیصد اسی انداز پر مذہبی طریقہ سے اپنے دکھ درد کا علاج کرانے پر یقین رکھتی ہیں لیکن ۲ ۔ ۳۴ اس سے متفق نہیں ہیں ۔ مذہبی تعلیم کے حصول کے ضمن میں ۶ ۔ ۵۵ فیصد نے اثبات میں جواب دیا جبکہ ۹ ۔ ۳۱ نے مذہبی تعلیم حاصل نہیں کی ۔

والدہ نے ۵ ۔ ۶۲ فیصد بنیادی مذہبی تعلیم حاصل نہیں کی ، صرف ۲ ۔ ۳۴ فیصد نے اس سلسلے میں اثبات میں جواب دیا ہے ۔ جواب دہندگان سے انکے چھوٹے بہن بھائیوں کے بارے میں استفسار کیا گیا تھا اس تحقیق سے لڑکوں کی تعداد ۸ ۔ ۴۸ فیصد ملی ہے اور لڑکیوں کی تعداد ۲ ۔ ۵۱ فیصد آئی ہے ۔ ان چھوٹے بہن بھائیوں کی ۳ ۔ ۲۳ فیصد عمریں ۹ سال سے ۱۰ سال کے درمیان ہیں ۶ ۔ ۳۳ فیصد ۱۰ سال سے ۱۵ سال کے درمیان ہیں ۔ ۱۱ فیصد ۲۱ سال سے ۲۵ سال کے درمیان ہیں ۔ جبکہ ۵ ۔ ۱ فیصد ۲۶ سال سے ۳۰ سال کے درمیان ہیں ہیں ۔ انکی اہلیں ۳ ۔ ۳۶ فیصد پرائمری پاس ہیں ۔ ۳ ۔ ۳۹ فیصد مڈل اور ۲ ۔ ۱۸ فیصد سیکنڈری اور ۹ فیصد ہائر سیکنڈری اسکول میں زیر تعلیم ہیں ۔ بھائی بھی ۳ ۔ ۳۹ فیصد پرائمری جماعت پاس ہیں ۔ ۴۰ فیصد سیکنڈری ۵ ۔ ۱۲ فیصد مڈل اور ۱۱ فیصد ہائر سیکنڈری اور ۷ ۔ ۸ فیصد گریجویٹ ہیں ۔ جبکہ ۵ ۔ ۲ فیصد ماسٹر ڈگری ہولڈر ہیں ۔ قرآن مجید پڑھے ہوئے بھائیوں کی تعداد ۳ ۔ ۵۳ فیصد ہیں ۔ ۱ ۔ ۲ فیصد قرآن حکیم حفظ کئے ہوئے ہیں ۔ اسی طرح ۹ ۔ ۳۳ فیصد لڑکیاں ناظرہ اور ۳ ۔ ۳ فیصد حفظ قرآن شریف پڑھی ہوئی ہیں ۔

چھوٹے بہن بھائیوں کے لئے ۳۸ ۔ ۴۴ فیصد نے درس وتدریس کو بطور پسندیدہ پیشہ اختیار کرنے کی خواہش کا اظہار کیا ہے ۔ ۹ فیصد نے اشاعت دین میں کسی بھی طور پر منسلک ہونے کو پسند کیا ہے ۔ تجارت ۲۱ ۔ ۵ فیصد ، سرکاری ملازمت ۲۱ ۔ ۵ فیصد ، کاشتکاری ۸۵ ۔ ۳ فیصد اور بعض لوگ اپنے بھائیوں کو ڈاکٹر ، طبیب ،

انجینئر، لیکچرار، مفتی، مجتہد، محدث اور سیاست دان بھی بنانے کا ارادہ رکھتے ہیں ۔ مگر انکی فیصد تعداد زیادہ معتدبہ نہیں ہے ۔

اس تحقیق کے نتیجے میں ۱۸.۵۳ فیصد نے دینی تعلیم اس غرض سے پسند کی کہ اس کے ذریعے طالب علم اور انکے والدین آخرت میں اس کا اجر پائیں اور کامیاب ہو جائیں ۸.۹۹ فیصد نے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے کی جستجو میں یہ تعلیم حاصل کی ۹.۲ فیصد نے اس تعلیم کو اس مقصد کیلئے حاصل کیا کہ انکی اولاد صالح بن جائے ۵.۳۵ فیصد نے یہ دینی تعلیم اس لئے حاصل کی کہ انکے بزرگوں کی خواہش کی تکمیل ہو سکے ۴.۲۸ فیصد نے اپنے بزرگوں کی وصیت کے پیش نظر یہ تعلیم حاصل کی، ۰.۸۰ فیصد نے یہ توجیہ پیش کی اس تعلیم کے ذریعے اہمیت دین، انکی تبلیغ، فروغ اور بقا، نیز اسلامی ماحول کے تحفظ کا فرض پورا ہو سکے ۔

۵۵.۱ فیصد حضرات نے یہ تعلیم اپنی محض مرضی کے تحت حاصل کی ۔ ۵ . فیصد نے اسے اپنی پسند کے خلاف صرف مجبوری کی صورت حاصل کرنے کا اظہار کیا ہے ۔ ۰.۰ فیصد نے یہ جواب دیا ہے کہ انکے گھروں کے قریب خانقاہ یا دینی مدرسہ قائم ہے ۔ ۵.۲۲ نے کہا کہ انکی رہائش گاہوں کے قریب کوئی مدرسہ وغیرہ نہیں ہے ۔ رشتہ داروں، ہمسایوں اور خاندانی دوستوں میں سے ۸.۹۹ فیصد مسجد، مدرسہ اور خانقاہ سے باقاعدہ طور پر کسی نہ کسی صورت میں وابستہ ہیں ۸.۲۱ فیصد نے یہ جواب دیا ہے کہ ان کے عزیز رشتہ دار، ہمسائے اور خاندانی دوستوں میں سے کوئی بھی ان دینی اداروں سے تعلق نہیں رکھتا یعنی وابستہ نہیں ہے ۔ مسجد مدرسہ اور خانقاہ سے وابستگی کی نوعیت کے لحاظ سے ۸.۳۱ فیصد مدرس، ۵.۲۰ فیصد بطور انتظامیہ منسلک ہیں ۔ خطیب، امام اور مؤذن کی حیثیت سے ۵.۱۸ فیصد اور مہتمم ۳.۵ فیصد ہیں

جہاں تک ان حضرات کے والدین کو دینی مدارس میں بچوں کو داخل کرتے اسلامی تعلیمات سے روشناس کرانے کا تعلق ہے ۳.۱۵ فیصد نے یہ جواب دیا ہے کہ اس غرض سے انکے رشتہ داروں اور دوست احباب نے انہیں ترغیب دی ۶.۵۹ فیصد نے یہ کہا ہے کہ اس معاملہ میں ترغیب دلانے کی ضرورت پیش نہیں آئی ۔ ان جواب دہندگان نے کثیر تعداد میں نہ صرف اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کے لئے فارغ التحصیل ہونے کے بعد درس و تدریس کو بطور ذریعہ معاش اختیار کرنے کا عندیہ دیا ہے بلکہ ۴.۳۱ فیصد نے اپنے لئے بھی درس و تدریس کو بطور ذریعہ معاش اپنانے کا اظہار کیا ہے ۹.۲۴ فیصد نے مستقبل میں تجارت کو بحیثیت ذریعہ معاش اختیار کرنے کا ارادہ ظاہر کیا ہے ۔ کچھ جواب دہندگان نے دیگر ذرائع معاش اختیار کرنے میں دلچسپی ظاہر کی ہے جیسا کہ ۶.۲ فیصد امام مسجد اور ۳.۱ فیصد جج بننا چاہتے ہیں ۔ ۸.۰ فیصد فوج میں جانا چاہتے ہیں ۸.۰ فیصد حکیم اور طبیب بننے میں دلچسپی رکھتے ہیں ۔

جب ان سے یہ سوال کیا گیا کہ مذکورہ بالا ذرائع معاش وہ کن وجوہات کی بناء پر اختیار کرنا چاہتے ہیں تو اسکے جواب میں ۵.۵ فیصد درس و تدریس کے شعبے کو اختیار کرنے کی وجہ یہ بتائی کہ انہیں اللہ تعالیٰ کا قرب مقصود ہے ۹.۶ فیصد نے اسے نسبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کہا ہے ۔ ۹.۴ فیصد یہ سمجھتے ہیں کہ اس میں دینی تعلیم کا فروغ اور بقاء مضمر ہے اسی طرح دیگر ذرائع معاش کی بھی کم و بیش فیصد میں وضاحت کی گئی ہے ۔

اس تحقیق کے نتائج کے پیش نظر ۸.۸۶ فیصد دینی مدارس اور رسمی تعلیم میں بہت زیادہ فرق محسوس کرتے ہیں نیز ۸ فیصد کی نظر میں دینی مدارس کی تعلیم کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس سے دینی امور میں مہارت پیدا ہوتی ہے ۔ ۳۰.۰ فیصد نے یہ کہا ہے کہ یہ تعلیم دنیا و آخرت میں کام آنے والی ہے ۔ جبکہ ۵.۰۶ فیصد اسے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا ذریعہ سمجھتے ہیں ۔ ۹.۵ فیصد یہ سمجھتے ہیں کہ اس تعلیم سے دینی ماحول اور اچھی صحبت میسر آتی ہیں ۔ اسی طرح ۵.۳ فیصد کی رائے یہ ہے کہ یہ تعلیم انسان کو امن پسند بناتی ہے اور بھائی چارہ سکھاتی ہے ۳.۰ فیصد رسمی تعلیم کے بارے میں یہ رائے رکھتے ہیں یہ تعلیم اسلام کے فلسفہ اور روح سے متصادم ہے ۔ جبکہ ۵. فیصد اسے تعلیم ہی نہیں سمجھتے ان کے خیال میں یہ فن معاش ہے صرف روزی کمانے کا ذریعہ ہے ۔ ۱.۰ فیصد اسے اللہ تعالیٰ سے بیگانگی اور دوری پیدا کرنے کا موجب سمجھتے ہیں ۹.۰۸ فیصد اس کے متعلق یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ احترام آدمیت ہی نہیں سکھاتی ۔ ۱.۶۹ فیصد دینی مدارس کی تعلیم اور رسمی تعلیم کو ایک دوسرے کی ضد سمجھتے ہیں ۔ اتنا زیادہ ان دونوں قسم کی تعلیمات میں بعد ہونے کے باوجود ۸.۶۲ فیصد اسے حاصل کرنے کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہیں ۔ اسی لئے ۳.۲۳ فیصد میٹرک کرنا چاہتے ہیں ۔ جبکہ ۲۲ فیصد ایم اے اور ایم ایس سی کرنے کے خواہش مند ہیں ۔ کچھ افراد دیگر شعبہ جات میں بھی علم حاصل کرنا چاہتے ہیں ۔ جیسے معاشیات، کامرس، انجینئرنگ، قانون، حکمت، طب، اور اکاؤنٹس میں بھی کرنے کا ارادہ ظاہر کیا ہے ۔ صرف ۵.۰ فیصد اس تعلیم کی ضرورت نہیں سمجھتے ۔

ان دینی مدارس سے اپنی تعلیم مکمل کرنے والوں نے رسمی تعلیم کے جن درجات تک اپنی تعلیم مکمل کرلی ہے یا کرنا چاہتے ہیں انکے مطابق ۸ فیصد نے میٹرک کرلیا ہے ۲ فیصد نے انٹرمیڈیٹ، ایک فیصد نے ایم اے کرلیا ہے ۔ ۰.۳ فیصد نے ایل ایل۔ بی۔ کرلیا ہے ۔ ایک نے بی کام۔ اور ایک ایم۔ بی۔ بی۔ ایس مکمل کررہے ہیں ۰.۸۱ فیصد جواب دہندگان اب اس نتیجے پر پہنچ گئے ہیں اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کیلئے دونوں قسم کی تعلیم پسند کرتے ہیں ۔

نتائج:

زیر نظر تحقیق سے پیش نظر یہ بات سامنے آئی ہے کہ کراچی کے دینی مدارس میں نہ صرف کراچی میں مقیم لوگوں کی اولاد ان اسلامی تعلیمی اداروں سے فیض یاب ہو رہی ہے بلکہ پاکستان بھر سے تعلق رکھنے اور علاقائی زبانیں بولنے والے بھی زیر تعلیم ہیں اس کے علاوہ متعدد دیگر ممالک کے مسلمان طلبہ بھی اسلامی تعلیم کے حصول و تکمیل کیلئے ان مدارس میں داخلہ لینے آرہے ہیں۔ ان ممالک میں بنگلہ دیش، فلپائن، تھائی لینڈ، نائجیریا، سری لنکا، افغانستان، ملائیشیا، امریکہ، الجزائر، فرانس، جنوبی افریقہ، برطانیہ، ایران، تنزانیہ، جاپان، سوڈان، جرمنی، ابوظہبی، انڈونیشیا، آسٹریلیا اور سعودی عرب وغیرہ شامل ہیں۔ ان ممالک سے تعلق رکھنے والے طلباء کیلئے کراچی اور پاکستان کے دیگر بڑے شہروں میں قائم دینی مدارس میں کشش کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہاں کا تعلیمی معیار بلند اور ان میں اسلامی ماحول نسبتاً بہتر طور پر قائم ہے۔

اس تحقیق کے نتائج سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ان دینی مدارس سے طلباء کی اکثریت تقریباً ۲۰ سال کی عمر تک اپنی دینی تعلیم مکمل کرکے دینی فرائض سے متعلق ذمہ داریاں سنبھالنے کے قابل ہوجاتی ہیں۔ اس تحقیق سے اس حقیقت کا بھی اظہار ہوتا ہے کہ ان دینی مدارس میں زیر تعلیم طلباء پاکستان میں موجود سماجی طبقات (Social Class) میں سے صرف ان طبقوں سے تعلق رکھتے ہیں جو مجموعی طور پر مالی لحاظ سے زیادہ مستحکم نہیں ہیں۔ نیز یہ خاندان مذہب سے کسی طور پر تعلق اور محبت کی بناء پر ہی اس دینی تعلیم کی طرف راغب ہوتے ہیں کیونکہ ان طلباء کے والدین پہلے ہی سے کسی نہ کسی صورت میں دینی مدارس، مساجد اور دینی امور سے متعلق اداروں یا مذہبی، سیاسی جماعتوں یا صرف مذہبی جماعت جیسے تبلیغی جماعت سے وابستہ ہیں۔ ان لوگوں کیلئے یہ دینی تعلیم اس لئے بھی زیادہ اہمیت اختیار کرجاتی ہے کہ ان میں سے کچھ لوگوں کو اپنے آباء کے قائم کردہ دینی اداروں اور دینی مدارس کو خود اور اپنی ہی اولاد کے ذریعے قائم رکھنا ہوتا ہے۔ نیز وہ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ انہوں نے جس محنت، لگن اور دینی ذمہ داری کو نبھاتے ہوئے ان اداروں کو جس مقام پر پہنچا دیا ہے کہیں دوسرے غیر ذمہ دار افراد انہیں نقصان نہ پہنچائیں اور اس طرح انکی محنت رائیگاں نہ چلی جائے نیز جب ایک مدرسہ رفتہ رفتہ منزل بہ منزل آگے بڑھتا ہے تو ان مدارس کے منتظمین ہی انکے مسائل اور وسائل سے بخوبی آگاہ ہوتے ہیں۔ نئے لوگ ان مدارس کو چلانے میں نئے تجربات سے دوچار ہوجاتے ہیں۔ نتیجتاً یہ مدارس آگے بڑھنے کی بجائے انحطاط کا شکار ہوجاتے ہیں۔

زیر نظر تحقیق سے یہ بھی معلوم ہوا ہے دینی مدارس مذہبی خاندانوں کی محنت کا ثمر ہیں۔ کیونکہ مذہبی

تعلیم سے آراستہ لوگ ہی انہیں قائم کرکے ان مدارس میں ہی رہائش پذیر ہوکر درس وتدریس میں مشغول رہتے ہیں ۔ نیز عوام انکی مذہبی ، تعلیمی اور سماجی خدمات کے پیش نظر انکے گرویدہ ہوجاتے ہیں اور اہل ثروت انہیں مالی وسائل فراہم کرکے انکے ہاتھ مضبوط کرتے ہیں تاکہ یہ ان مدارس کو مائل بہ ترقی رکھیں ۔

مجوزہ تحقیق کے نتیجہ میں یہ بھی علم ہوا ہے کہ دینی مدارس سے تعلیم حاصل کرنے والوں میں سے زیادہ تر افراد اپنی عملی زندگی میں دینی اداروں ہی سے بحیثیت مدرس ، مفتی ، خطیب ، امام ، مبلغ ، محدث ، مصنف ، مؤلف ، مترجم ، مقرر ، مجتہد ، مہتمم اور منتظم مدرسہ وغیرہ کے طور پر منسلک ہونا چاہتے ہیں ۔ اسکی توضیح یہ کی جاتی ہے کہ ان حیثیتوں سے دینی مدارس اور دیگر دینی امور سے وابستہ رہنے سے وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور قرب حاصل کرسکتے ہیں کیونکہ وہ اس کام کو نبوی کام سمجھتے ہیں اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ اپنی زندگی کے ابتدائی چند دہ قیمتی سال ان مدارس کے خاص ماحول میں گزارتے ہیں ۔ لہذا دینی اداروں اور مدارس کا ماحول اور دینی تعلیم وتربیت کا یہ منتظر ہوتا ہے کہ وہ ان ہی مذہبی اداروں کے لئے وقف ہوجاتے ہیں ۔ ان کے باوجود یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ روشن خیال طلباء دینی تعلیم کے ساتھ رسمی تعلیم حاصل کرنے کا شوق رکھتے ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ ان طلباء میں رسمی تعلیم حاصل کرنے کا مناسب جذبہ رہا ہے تاکہ یہ دونوں قسم کی تعلیمات کی یکجائی سے معاشرہ میں اعتدال و توازن قائم کرسکیں ، اور زندگی کے دیگر شعبہ جات میں بھی اپنا کردار ادا کرسکیں ۔

اس تحقیق کی رو سے یہ بھی علم ہوا ہے کہ دینی مدارس سے متعلقہ صاحبان اسکول وکالج کی تعلیم کو حقیقت میں علم سمجھتے ہی نہیں ان کے نزدیک صرف وہ علم ، علم کہلانے کا مستحق ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو ۔ لہذا دیگر علوم صرف فنون ہیں بلکہ فن معاش ہیں ، ان سے روزی کمائی جاسکتی ہے یا یہ کہ ان سے صرف دنیا اور اسمیں موجود اشیاء کی کچھ سوجھ بوجھ حاصل ہوتی ہے نیز دنیا کے حصول میں مددگار ہے جبکہ اس تعلیم کا آخرت میں کوئی فائدہ اور اجر نہیں ، کیونکہ یہ تعلیم انسانوں کی پیروی سکھاتی ہے اور اس سے اسلامی نقطہ نظر اجاگر بھی نہیں ہوتا ۔

اس تحقیق کے تحت یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ ان مدارس سے متعلقہ لوگوں کا مزاج دینی ہے ۔ مذہب سے والہانہ عقیدت رکھتے ہوئے پختہ اسلامی عقائد رکھتے ہیں ان کی وضع قطع بھی اسلامی اختیار کئے ہوئے ہیں البتہ مذہب میں افراط وتفریط کا شکار ہونے کے باعث کچھ نوجوان دینی ، سیاسی تحریکات سے وابستگی کے باعث تشدد کا راستہ اختیار کرلیتے ہیں اور بعض علماء اسلاف سے مضبوط تعلق کی بناء پر تقلید پسند ہوگئے ہیں ۔

یہ بھی حقیقت سامنے آئی ہے کہ دینی مدارس میں تمام تعلیمی نظام میں عام عمر رسیدہ افراد اور کالج ، یونیورسٹی سے فارغ التحصیل طلباء ، مروجہ کے مسلمان اور تمام شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والوں تک

اسلامی تعلیمات پہنچانے کیلئے کوئی پروگرام نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ عوام ان دینی مدارس کی طرف راغب نہیں ہوتے ۔ سوائے ان لوگوں کے جنکا کسی نہ کسی وجہ سے کوئی دینی تعلق پہلے سے قائم ہو ۔

دینی مدارس میں تعلیم و تعلم کا طریقہ ابھی بھی پرانی ڈگر پر قائم ہے گرچہ اس کی صورتیں ، ہیئتیں اور جگہیں بدلتی رہی ہیں ۔ اب ان مدارس میں تقویٰ ، اخلاص ، پرہیزگاری اور للہیت اس درجے میں تو نہیں رہی نہ وہ محنت اور خلوص رہا ہے اس کے باوجود ان میں عظمت رفتہ کے نشان باقی ہیں ۔

اس تحقیق کے نتیجے میں یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ جس درجے میں طلبہ کی اسلامی تعلیم کے فروغ کیلئے عملی اقدامات کئے جارہے ہیں ، اسقدر عشیر بھی طالبات کیلئے انتظام نہیں ہے ۔

اس تحقیق کے حوالے سے یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ ان مدارس میں نصاب تعلیم قدیم خطوط پر رائج ہے جو جدید ضروریات پوری کرنے کی خصوصیت سے متصف نہیں ہے ۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ اسکول ، کالج اور یونیورسٹی کی تعلیم اور دینی مدارس کی تعلیم کے نہ صرف نظریات تعلیم جدا جدا ہیں بلکہ طریقہ کار بھی مختلف ہیں ۔ یعنی دینی مدارس نے تعلیم کو دو خانوں (دینی تعلیم اور دنیاوی تعلیم) میں تقسیم کردیا ہے ۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ دینی مدارس اپنے تمام معاملات میں آزاد ، خود مختار اور سرکاری مداخلت اور عمل دخل سے آزاد ہیں نیز ایک بھی دینی مدرسہ سرکاری انتظامات کے تحت موجود نہیں ہے ۔

اس تحقیق کے نتیجے میں یہ حقیقت بھی سامنے آئی ہے کہ مجموعی طور پر یہ مدارس جدید نظریات ، حالات ، ضروریات اور تقاضوں سے زیادہ بے خبر نہیں ہیں لیکن اپنی الگ پہچان اور اپنا اسلامی تشخص برقرار رکھنے کے لئے انہوں نے نئے تقاضوں کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالا نہیں کیونکہ اسطرح انکی مذہبی ساکھ کو دھچکا لگ سکتا ہے اور اہل خیر لوگ ان کی مالی معاونت سے بھی ہاتھ کھینچ سکتے ہیں اور انکی امتیازی حیثیت جو صرف دین سے خاص لگاؤ کی وجہ سے قائم ہے اس میں بھی کمی کا امکان ہوسکتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ دینی مدارس کے صاحبان اقتدار مندرجہ بالا وجوہات کی بنا پر قیام پاکستان کے بعد سے ان پچاس سالوں میں کسی قسم کی تبدیلی کے متحمل نہیں ہوسکے یہی وجہ ہے کہ گزشتہ تقریباً دو سو سال سے رائج نظام تعلیم کے تحت اپنا یہ سلسلہ قائم رکھے ہوئے ہیں ۔

اس تحقیق کے نتیجے میں یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ دینی مدارس کے انتظامی اور مالی حالات میں بہت حد تک مائل بہ ترقی تبدیلی آئی ہے یعنی مالی وسائل کی بہتری کے باعث ان مدارس نے ہمہ پہلو ترقی کی ہے ۔ چنانچہ انتظامی امور میں باقاعدگی پیدا ہوگئی ہے ۔ اور تعلیمی ماحول بھی سازگار ہوگیا ہے ۔ اس سے منتظمین اور اساتذہ کے مالی حالات میں بھی تبدیلی آرہی ہے ۔ سہولتوں کی فراوانی کے باعث اب طلباء سہولت کے ساتھ تعلیمی سیشن اپنے مقررہ وقت پر پورے ہونے لگے ہیں ۔ لہٰذا اب دینی مدارس کی انتظامیہ اپنے اپنے مدارس کی ترقی کے لئے

نئے اہداف بھی قائم کرنے گئی ہے۔

زیر نظر تحقیق سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ دینی مدارس اپنے دینی اور سماجی تشخص کے علاوہ سیاسی حوالوں سے اپنی پہچان رکھتے ہیں۔ یعنی کہ سیاسی معاملات میں بھی اپنا عمل دخل اور اپنا اثر ورسوخ قائم کرچکے ہیں۔ کیونکہ دینی مدارس میں زیر تعلیم طلباء اور فارغ التحصیل کی ایک بھاری جمعیت کے باعث سیاسی پلیٹ فارم سے اپنی بات منوانے کے لئے اپنی طاقت پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنی رائے کا برملا اظہار بھی کرنے لگے ہیں۔ دینی مدارس بورڈ کے قیام سے انکے تعلیمی نصاب میں ہم آہنگی پیدا ہوگئی ہے اور امتحانات کا نظام بھی مؤثر انداز میں ملک بھر میں قائم ہوگیا نیز ان تعلیمی بورڈ کے قیام سے تمام مدارس ایک لڑی میں پروئے ہوئے لگتے ہیں اور انکے تعلیمی نظام میں بھی یکسانیت پیدا ہوگئی۔

یہ حقیقت بھی سامنے آئی ہے ان مدارس کی وجہ سے انکے اساتذہ اور انتظامیہ کے افراد کی شہرت اور قدر و قیمت اور اثر ورسوخ میں بہت زیادہ اضافہ ہوا ہے۔

باب ہشتم

دینی مدارس کی انتظامیہ و اساتذہ اور انکے رجحانات

پس منظر

دینی مدارس کے طلباء کے مذہبی، سماجی اور معاشی حالات معلوم کرنے کی غرض سے کئے گئے سروے کے دوران ان کے بارے میں حاصل شدہ معلومات اور مشاہدہ کی بنیاد پر ضرورت محسوس کی گئی کہ ان تعلیمی اداروں کے اساتذہ اور انتظامیہ سے بھی دینی مدارس اور انکے تعلیمی نظام سے متعلق ضروری معلومات حاصل کی جائیں۔ اس مقصد کیلئے ایک مصاحبہ نامہ مرتب کیا گیا۔ جس میں ٣٢ سوالات جنہیں موقع محل اور موضوع سے مناسبت کی بنا پر انتہائی ضروری اور اہم سمجھا گیا شامل کئے گئے تاکہ موجودہ حالات میں دینی مدارس کے نظام کی خصوصیات اور جدید معاشرتی تقاضوں سے انکا تعلق اور ادراک واضح طور پر سامنے لایا جاسکے۔

مصاحبہ نامہ برائے اساتذہ و انتظامیہ

اس مصاحبہ نامہ میں ٣٢ سوالات شامل کئے گئے جن میں سے ابتدائی ٦ سوالات میں جوابدہندگان سے عمر، عہدہ، انتظامی ذمہ داری، حاصل کردہ دینی و مروجہ تعلیم، تدریسی، تصنیفی اور تبلیغی مصروفیات کے علاوہ ذاتی آمدنی اور ذرائع معاش کے بارے میں استفسارات کئے گئے۔ سوال نمبر ٧ سے ١٠ تک میں جدید و مروجہ دینی تعلیم کا نظام اور جدید طرز تدریس اور انکے مقاصد کے بارے میں خیالات اور آراء معلوم کی گئیں۔ ١١ سے ٢٥ میں مدرسے کے موجودہ نظام، مستقبل کے لئے منصوبہ بندی، اصلاح نصاب اور نظام کے متعلق سوالات رکھے گئے ٢٦ سے ٢٩ تک میں ملکی و معاشرتی مسائل کے شعور، انکے حل اور آخری تین سوالوں میں دینی مدارس میں انکے ارباب اختیار کا عمل و دخل اور انکی ذمہ داریوں کے بارے میں پوچھا گیا ہے۔

نمونے کا انتخاب

دینی مدارس کے اساتذہ و انتظامیہ سے مصاحبہ نامہ پر کروانے کیلئے Judgemental اور Adhoc طریقہ کار اختیار کیا گیا۔ ان دونوں طریقوں کے اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ محقق نے نمونے کے حصول کیلئے ان اساتذہ اور منتظمین کا انتخاب کیا جو تعلیمی و انتظامی تجربہ اور پڑھائے جانے والے مضامین پر مکمل دسترس رکھتے ہوں صاحب الرائے ہونے کے علاوہ فکری اور شعوری صلاحیتوں کے حامل اور جوابات دینے کیلئے از خود تیار ہوں تاکہ زیادہ متنوع نمونہ حاصل ہوسکے۔ مزید براں جوابدہندگان کے انتخاب میں جہاں انکی ذاتی لیاقت، علمیت اور شعوری و فکری خصوصیات کو مدنظر رکھا گیا ہے وہاں تعلیمی و انتظامی شہرت رکھنے والے مثالی دینی مدارس کو شامل تحقیق کیا گیا ہے۔ محقق نے ان مدارس کا بارہا مطالعاتی دورہ کیا، اس دوران کچھ اساتذہ سے ذاتی اور شخصی

تعلقات بھی استوار ہوگئے اسی بنا پر انہیں اعتماد میں لیا گیا۔ تاکہ Confidential معطیات حاصل ہو سکیں۔ تبادلہ خیال کی متعدد نشستوں میں بعض نے رائج نظام تعلیم پر مدلل تنقید کی اور حقیقی صورت حال سے آگاہ کیا تاہم ایسے جواب دہندگان نے اپنے نام ظاہر نہ کرنے کی تاکید بھی کی۔

کائنات

دائرہ تحقیق میں کراچی کے ان دینی مدارس کا انتخاب کیا گیا جہاں مکمل دینی تعلیم کا انتظام موجود ہے۔ لہٰذا منصوبہ تعداد کے مطابق ۳۵ دینی مدارس کے ۴۳ اساتذہ و منتظمین سے مصاحبہ نامے پر کروائے گئے۔

معطیات حاصل کرنے کا طریقہ کار

مصاحبہ نامہ کو بطور راہ نما سوالات برائے انٹرویو بھی استعمال کیا گیا۔ اس لئے بعض سوالات کے جوابات ان سے بالمشافہ گفتگو کے ذریعے حاصل کئے گئے اور کچھ مصاحبہ نامے جواب دہندگان نے خود مکمل کئے لیکن اس ضمن میں محقق نے ان سوالات کی وضاحت اچھی طرح انفرادی طور پر کردی۔ اس کے علاوہ جب مصاحبہ نامے واپس لینے کی خاطر بار بار جانا پڑا تو اس موضوع کے بارے میں اٹھنے والے وضاحت طلب سوالات کی توضیح بھی خاطر خواہ کی جاتی رہی۔ مگر متعدد بار یہ محسوس کیا گیا کہ جواب دینے میں بیشتر اساتذہ نے اخفا اور تسامح یا ہچکچاہٹ سے کام لیا ہے اور کھلے بندوں اپنی آراء، مشاہدہ و تجربہ کو پیش نہیں کیا۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اکثر مصاحبہ نامے، مہتمم مدرسہ کے توسط سے ان جواب دہندگان تک پہنچائے گئے یا اساتذہ تک رسائی اور تعارف ان کے توسط سے ہوا کہ جواب دہندگان کھل کر اپنی بات نہ کہہ سکے ہوں جو حقیقت پر مبنی ہو اور وہ انتظامی عہدیداران کو ناگوار گزرتی ہو لیکن حقیقت تک پہنچنے کے لئے اکثر سوالات کے جوابات میں جو تفصیلی تحریر موصول ہوئی اس سے استنباط کیا گیا۔ جو جوابات مختصر تھے اور ان میں کسی قدر ابہام بھی تھا ان سے صرف نظر کیا گیا۔ شاید ابہام کی وجہ یہ ہو کہ اس طرح کی Emprical تحقیق کے سوالات کے براہ راست ہونے کو یہ لوگ نہیں سمجھ سکے ہوں۔ اس لئے جوابات عمومی تبصرے والے، بغیر کسی Commitment کے دیئے گئے اور صحیح صورتحال کے بارے میں حقیقی معلومات بہم پہنچانے کی بجائے محض عمومی رائے کا اظہار کیا گیا۔

فہرست مدارس ، وجواب دہندگان مدرسین و منتظمین

نمبر شمار	مدارس	مدرس ، منتظم
۱ـ	ام اکیڈمی ـ کراچی	۱ـ عتیق احمد (مولانا)
۲ـ	دارالعلوم ارکان آباد ـ کراچی	۱ـ محمد اسمٰعیل ارکانی (مولانا)
۳ـ	دارالعلوم جامعہ خضرا ـ کراچی	۱ـ محمد حبیب (حافظ)
۴ـ	جامعہ محمدیہ ـ کراچی	۱ـ ارشد عبداللہ (حافظ)
۵ـ	جامعہ بنوریہ ، سائٹ ایریا ـ کراچی	۱ـ محمد اسلم شیخوپوری (مولانا)
	ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ	۲ـ سعید اللہ شاہ جہانگری (مولانا)
	ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ	۳ـ محمد یار ربانی (مولانا)
	ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ	۴ـ سیف اللہ ربانی (مولانا)
	ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ	رعایت اللہ فاروقی (مولانا)
۶ـ	جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی	۱ـ سعید احمد جلال پوری (مولانا)
	ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ	۲ـ تحسین احمد نجیب (مولانا)
	ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ	۳ـ نظام الدین شامزی (مفتی)
	ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ	۴ـ محمد زیب (مولانا)
	ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ	۵ـ فضل محمد (مولانا)
	ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ	۶ـ محمد عبدالحلیم چشتی (مولانا)
۷ـ	معارف العلوم پاپوش نگر ـ کراچی	۱ـ محمد اعجاز (مولانا)
	ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ	۲ـ محمد نعیم (مولانا)
	ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ	۳ـ ناصر الدین (مولانا)
	ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ	۴ـ عبدالحمید (مولانا)
۸ـ	دارالعلوم قادریہ ـ کراچی	۱ـ غلام قادر فریدی (مولانا)
۹ـ	جامعہ غوثیہ رضویہ ـ کراچی	۱ـ محمد ادریس (قاری)
	ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ	۲ـ خضر احمد چشتی (مولانا)

۱۰۔	جامعہ علوم شرعیہ ۔ کراچی	۱۔ محمد رمضان (مولانا)
۱۱۔	دارالعلوم اشرف المدارس ۔ کراچی	۱۔ محمد فاروق (مولانا)
	ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ	۲۔ قاضی محمد غلام یوسف (مولانا)
۱۲۔	جامعہ حنفیہ ۔ کراچی	۱۔ بشیر احمد اشرفی (مولانا)
	ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ	۲۔ ابو الفضل غلام علی (مولانا)
	ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ	۳۔ غلام محمد (مولانا)
۱۳۔	جامعۃ العلوم الاسلامیہ حمادیہ ۔ کراچی	۱۔ کمال الدین المسترشد (مولانا)
	ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ	۲۔ کلیم اللہ (مولانا)
	ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ	۳۔ صدیق احمد (مولانا)
	ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ	۴۔ قاسم عبداللہ (مولانا)
۱۴۔	جامعہ مجددیہ ۔ کراچی	۱۔ محمد زبیر (مولانا)
۱۵۔	دارالعلوم امجدیہ ۔ کراچی	۱۔ محمد اسمٰعیل (مولانا)
۱۶۔	جامعہ فاروق اعظم ۔ کراچی	۱۔ صاحب الدین جیبوی (مولانا)
	ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ	۲۔ محمد جلال الدین حیدری (مولانا)
۱۷۔	مدرسہ الواعظین ۔ کراچی	۱۔ سراج الحسن اجتہادی (علامہ)
۱۸۔	اشرف المدارس ۔ کراچی	۱۔ محمد یوسف (مولانا)
۱۹۔	جامعہ ستاریہ ۔ کراچی	۱۔ محمد صفی ابن ستار (مولانا)
۲۰۔	جامعہ مدنیہ ۔ کراچی	۱۔ فضل الرحمن (مولانا)
۲۱۔	جامعہ اسلامیہ ۔ کراچی	۱۔ شاہد اقبال مجیبی (مولانا)
۲۲۔	جامعہ کراچی ۔ کراچی	۱۔ محی الدین (پروفیسر)
	ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ	۲۔ محمد صدیق (پروفیسر)
۲۳۔	جامعہ دارالعلوم کورنگی ۔ کراچی	۱۔ اصغر علی ربانی (مفتی)
	ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ	۲۔ محمد اقبال جاوید (ڈاکٹر)
	ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ	۳۔ عبیداللہ (مولانا)
	ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ	۴۔ محمد طارق (مولانا)

	جامعہ دارالعلوم کورنگی ۔ کراچی	۵ ۔ محمد اختر عالم (مولانا)
	- - - - - - -	۶ ۔ عزیز الرحمن (مولانا)
	- - - - - - -	۷ شمس الابرار (مولانا)
۲۴ ۔	جامعہ انوار القرآن ۔ کراچی	۱ ۔ عطاء الرحمن (مولانا)
	- - - - - - -	۲ ۔ منظور احمد (حافظ)
۲۵ ۔	جامعہ الحبیب ۔ کراچی	۱ ۔ برکت علی (حافظ)
۲۶ ۔	مدرسہ ضیاء الاسلام ۔ کراچی	۲ ۔ جعفر علی (مولانا)
۲۷ ۔	مدرسہ عربیہ تعلیم الاسلام ۔ کراچی	۱ ۔ محمد اختر ندیم (مولانا)
۲۸ ۔	معارف القرآن ۔ کراچی	۱ ۔ سید محمد مسعود شاہ قادری (مولانا)
۲۹ ۔	اقراء روضۃ الاطفال ۔ کراچی	۱ ۔ محمد جمیل خان (مفتی)
۳۰ ۔	شمس العلوم جامعہ رضویہ ۔ کراچی	ابو قنبر غلام محمد سیالوی (مولانا)
۳۱ ۔	جامعہ عثمانیہ ۔ کراچی	۱ ۔ عطاء اللہ (قاری)
	- - - - - - -	۲ ۔ ظہور احمد (مولانا)
۳۲ ۔	جامعہ اسلامیہ معارف القرآن ۔ کراچی	محمد ریاض سعید (مولانا)
	- - - - - - -	۲ ۔ فضیل الرحمن (مولانا)
	- - - - - - -	۳ ۔ اللہ بخش اویسی (مولانا)
	- - - - - - -	۴ ۔ محمود خان (مولانا)
	- - - - - - -	۵ ۔ سید محمد مسعود (مولانا)
۳۳ ۔	جامعہ فاروقیہ شاہ فیصل ۔ کراچی	۱ ۔ اسعد اللہ (مولانا)
	- - - - - - -	۲ ۔ محمد انور ہزاروی (مولانا)
	- - - - - - -	۳ ۔ مسعود باللہ عباسی (مولانا)
	- - - - - - -	۴ ۔ محمد عظیم (مولانا)
	- - - - - - -	۵ ۔ محمد عادل (ڈاکٹر مولانا)
	- - - - - - -	۶ ۔ نور البشر (مولانا)
	- - - - - - -	۷ ۔ محمد مدثر (مولانا)

	۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	
		۸۔ محمد فہیم سواتی (مولانا)
	۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۹۔ زر محمد صدیقی (مولانا)
	۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۱۰۔ عبداللہ خالد (مولانا)
	۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۱۱۔ عبدالشکور (مولانا)
	۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۱۲۔ عطاء اللہ (مفتی)
	۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۱۳۔ شبیر احمد کشمیری (مولانا)
	۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۱۴۔ ولی خان المظفر (مولانا)
	۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۱۵۔ محمد امین (مولانا)
	۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۱۶۔ رشید احمد درانی (مولانا)
	۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۱۷۔ حمید الرحمن (مولانا)
	۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۱۸۔ عنایت اللہ (مولانا)
	۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۱۹۔ شیر علی خان (مفتی)
	۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۲۰۔ عبدالحق خٹک (مولانا)
۳۴۔	دارالعلوم نعیمیہ ۔ کراچی	۱۔ منیب الرحمن (مولانا)
۳۵۔	مدرسہ گلزار حبیب ۔ کراچی	محمد رفیق الحسنی (مفتی)
۳۶۔	جامعہ دراسات اسلامیہ ۔ کراچی	عبدالکافی (مولانا)
۳۷۔	جامعہ انوار القرآن ۔ کراچی	۱۔ حسن حقانی (مولانا)
	۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۲۔ مقصود امجدی (مولانا)
۳۸۔	جامعہ ابی بکر ۔ کراچی	۱۔ محمد ظفر اللہ (پروفیسر)
	۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۲۔ ابو بکر خلیل (مولانا)
	۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۳۔ نذیر احمد (مولانا)
۳۹۔	الجامعۃ العربیہ احسن العلوم ۔ کراچی	۱۔ زر ولی (مولانا)
۴۰۔	جامعہ دارالخیر ۔ کراچی	۱۔ محمد عثمان یار خان (مولانا)

باب ہشتم دینی مدارس کی انتظامیہ و اساتذہ اور انکے رجحان

جدول نمبر ۱

جواب دہندگان کی تقسیم بلحاظ حاصل شدہ تدریسی تجربہ

نمبر شمار	تدریسی تجربہ (سالوں میں)	تعداد	فیصد
۱	۱ سے ۵	۳۲	۳۳.۰
۲	۶ سے ۱۰	۱۹	۲۰.۴
۳	۱۱ سے ۱۵	۳	۳.۰
۴	۱۶ سے ۲۰	۶	۶.۳
۵	۲۱ سے ۲۵	۸	۸.۵
۶	۲۶ سے ۳۰	۵	۵.۳
۷	۳۱ سے ۳۵	۲	۲.۱
۸	جواب نہیں دیا	۹	[illegible]
۹	کل تعداد	۹۳	

درج بالا جدول سے یہ اظہار ہوتا ہے کہ جواب دہندگان میں سے سب سے زیادہ (۳۱ سال سے ۳۵ سال) کا تدریسی تجربہ رکھنے والے اساتذہ صرف ۲ فیصد ہیں۔ دوسرے نمبر پر ۲۰ فیصد افراد ۶ سے ۱۰ سال کا تدریسی تجربہ رکھتے ہیں۔ جبکہ کم از کم ۱ سے ۵ سال تک تدریسی تجربہ رکھنے والے جواب دہندگان کی تعداد ۳۴ فیصد ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ دینی مدارس میں اس وقت کم تدریسی تجربہ رکھنے والے اور نو عمر اساتذہ تدریس کیلئے تعینات ہیں۔

جدول نمبر ۲

جوابدہندگان کی تقسیم بلحاظ حاصل شدہ تصنیفی تجربہ

نمبر شمار	تصنیفی تجربہ سالوں میں	تعداد	فیصد
۱	تجربہ نہیں رکھتے	۲۸	۵۲.۱
۲	۱ سے ۵	۲۵	۳۶.۶
۳	۶ سے ۱۰	۸	۱۰.۶
۴	۱۱ سے ۱۵	۳	۳.۳
۵	۱۶ سے ۲۰	۳	۳.۰
۶	۲۶ سے ۳۰	۲	۲.۱
۷	جواب نہیں دیا	۱	۲.۱
ـ	کل تعداد	۵۳	۱۰۰.۰۰

مذکورہ بالا جدول جوابدہندگان کا تصنیفی تجربہ ظاہر کرنے کے لئے ہے اس کے مطابق ۲۶ سال سے ۳۰ سال تک کا تصنیفی تجربہ رکھنے والے اساتذہ صرف ۲.۱ فیصد ہیں۔ اور ۱۶ سال سے ۲۰ سال کا تجربہ رکھنے والے ۳.۰ فیصد ہیں۔ جبکہ تصنیف و تالیف کا تجربہ نہ رکھنے والے جوابدہندگان اکثریت میں (۵۲.۱ فیصد) ہیں۔

جدول نمبر ۳

جوابدہندگان کی تقسیم بلحاظ حاصل شدہ تبلیغی تجربہ

نمبر شمار	تبلیغی تجربہ (سالوں میں)	تعداد	فیصد
۱	تجربہ نہیں رکھتے	۳۹	۴۱.۵
۲	۱ سے ۵	۲۱	۲۲.۳
۳	۶ سے ۱۰	۱۳	۱۳.۸
۴	۱۱ سے ۱۵	۴	۴.۳
۵	۱۶ سے ۲۰	۵	۵.۳
۶	۲۱ سے ۲۵	۳	۳.۲
۷	۲۶ سے ۳۰	۳	۳.۲
۸	جواب نہیں دیا		۲
۔	کل تعداد	۹۳	۱۰۰.۰۰

اس جدول میں جوابدہندگان کے تبلیغی تجربہ کو پیش کیا گیا ہے۔ ۲۶ سال سے ۳۰ سال کا تجربہ رکھنے والے اساتذہ صرف ۳.۲ فیصد ہیں۔ وہ لوگ جو ۱ سال سے ۵ سال تک تبلیغی تجربہ رکھتے ہیں ۲۲.۳ فیصد ہیں اور وہ جوابدہندگان اکثریت میں (۴۱.۵ فیصد) ہیں جو بالکل تبلیغی تجربہ نہیں رکھتے۔

جدول نمبر ۴

جواب دہندگان کی پڑھائے جانے والے علوم و فنون کے لحاظ سے تقسیم

نمبر شمار	تدریسی مضامین	تعداد	فیصد
۱	فقہ، اصول فقہ، عقائد، فرائض	۳۵	۵۲.۱۲
۲	حدیث، اصول حدیث، اسلامیات	۳۳	۳۵.۴۸
۳	قرآن مجید، تفسیر	۲۸	۳۰.۸۵
۴	صرف، نحو	۲۵	۲۶.۱۸
۵	منطق	۱۸	۱۹.۰۳
۶	عربی زبان، عربی ادب	۱۵	۱۵.۹۵
۷	میراث، ریاضی	۸	۸.۵۱
۸	انگریزی زبان	۶	۶.۳۳
۹	فارسی، انشاء پردازی	۹	۹.۳۸
۱۰	فلسفہ	۵	۵.۳۹
۱۱	اردو زبان، اردو ادب	۳	۳.۲۵
۱۲	اصول تفسیر، اصول بلاغت	۳	۳.۲۸
۱۳	جواب نہیں دیا	۱	۱.۰۹

درج بالا جدول جواب دہندگان کے دینی مدارس میں پڑھائے جانے والے تدریسی مضامین سے متعلق ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فقہ، اصول فقہ، عقائد اور فرائض پڑھانے والے اساتذہ سب سے زیادہ (۹۳ میں سے ۳۸) ہیں۔ دوسرے نمبر پر ان اساتذہ کی تعداد (۹۳ میں سے ۳۳) ہے جو حدیث، اصول حدیث اور اسلامیات پڑھاتے ہیں۔ جبکہ قرآن مجید اور اسکی تفسیر پڑھانے والے اساتذہ تعداد کے لحاظ سے تیسرے نمبر پر (یعنی ۹۳ میں سے ۲۸) ہیں۔ دینی مدارس میں پڑھائے جانے والے دیگر علوم و فنون کے اساتذہ کی تعداد کم و بیش ہے۔

جدول نمبر ۵

جوابدہندگان کی تقسیم بلحاظ تصنیفی شعبہ جات

نمبر شمار	تصنیفی شعبہ جات	تعداد	فیصد
۱	اسلامی فقہ	۴	۴.۳
۲	اردو ادب	۴	۴.۳
۳	صحافت	۴	۴.۳
۴	قرآن حکیم و تفسیر	۳	۳.۲
۵	حدیث	۳	۳.۲
۶	اسلامیات	۱	۱.۱
۷	قصص الانبیاء	۱	۱.۱
۸	تاریخ عمومی	۱	۱.۱
۹	سوانح	۱	۱.۱
۱۰	صرف و نحو	۱	۱.۱
۱۱	عقائد (اسلام)	۱	۱.۱
۱۲	ریاضی	۱	۱.۱
۱۳	تصنیف و تالیف نہیں کرتے	۶۱	۹۳.۵
۱۴	جواب نہیں دیا	۸	۸.۵
-	کل تعداد	۹۴	۱۰۰.۰۰

زیرِ نظر جدول میں جوابدہندگان کے تصنیفی شعبہ جات کو ترتیب میں پیش کیا گیا ہے۔ اس کے مطابق اسلامی فقہ اردو ادب اور صحافت پہلے نمبر پر ہیں۔ دوسرے نمبر پر قرآن حکیم، تفسیر اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ دیگر علوم و فنون میں تصنیف و تالیف کرنے والے بہت کم تعداد میں ہیں جبکہ ۹۳.۵ فیصد جوابدہندگان تصنیف و تالیف کا کام نہیں کرتے۔

جدول نمبر ۶

جوابدہندگان کی بیرون مدرسہ مشغولیات کے لحاظ سے تقسیم

نمبر شمار	مشغولیات	تعداد	فیصد
۱	امامت، خطابت	۲۹	۳۰.۹
۲	تبلیغ دین، انتظامت مدرسہ	۱۸	۱۹.۱
۳	کتابت ادارت	[illegible]	[illegible]
۴	سیاست سماجی بہبود	۹	۹.۷
۵	تصنیف و تالیف	۳	۳.۲
۶	نجی کاروبار	۳	۳.۲
۷	گھریلو کام	۱	۱.۱
۸	مصروفیت نہیں رکھتے	۱۳	۱۳.۸
۹	جواب نہیں دیا	۸	۸.۶
-	کل تعداد	۹۳	۱۰۰.۰۰

اس جدول میں جوابدہندگان کی دینی مدرسہ میں درس و تدریس اور انتظامی امور میں مشغولیت کے علاوہ دیگر مصروفیت کے اعتبار سے جو ترتیب واضح ہوتی ہے اس کے پیش نظر امامت و خطابت میں ۹، ۳۰ فیصد، تبلیغ دین اور نظامت مدرسہ میں ۱، ۱۹ فیصد اور کتابت، ادارت میں ۷، ۵ فیصد اپنا وقت گزارتے ہیں۔ ایک سماجی بہبود، سیاست، تصنیف و تالیف، نجی کاروبار اور گھریلو کام کاج میں بھی یہ کم و بیش تعداد میں مصروف رہتے ہیں۔ لیکن ۸، ۱۳ فیصد کسی قسم کی کوئی مشغولیت نہیں رکھتے۔

جدول نمبر ۷

جواب دہندگان کی ماہانہ آمدنی کے لحاظ سے تقسیم

فیصد	تعداد	کل ماہانہ آمدنی (روپے میں)	نمبر شمار
۲۸.۳	۱۵	۵۰۰ سے ۲۰۰۰	۱
۳۷.۷	۲۰	۲۰۰۱ سے ۴۰۰۰	۲
۱۵.۰۹	۸	۴۰۰۱ سے ۶۰۰۰	۳
۹.۴۳	۵	۶۰۰۱ سے ۸۰۰۰	۴
۳.۷	۲	۸۰۰۱ سے ۱۰۰۰۰	۵
۵.۶	۳	جواب نہیں دیا	۶
۱۰۰.۰۰	۵۳	کل تعداد	-

مذکرہ بالا جدول میں جواب دہندگان کی ماہانہ آمدنی پیش کی گئی ہے۔ ان اعداد و شمار کے مطابق سب سے زیادہ ماہانہ آمدنی یعنی ۸۰۰۱ روپے سے ۱۰۰۰۰ روپے رکھنے والے اساتذہ کی فیصد تعداد صرف ۳.۷ ہے۔ اس سے کم آمدنی رکھنے والے (۶۰۰۱ روپے سے ۸۰۰۰ روپے) ۹.۴ فیصد ہیں۔ اور سب سے کم آمدنی ۵۰۰ روپے سے ۲۰۰۰ روپے رکھنے والے ۲۸ فیصد ہیں لیکن اوسط درجہ کی آمدنی یعنی ۲۰۰۱ روپے سے ۴۰۰۰ روپے رکھنے والے سب سے زیادہ (۳۷.۷ فیصد) ہیں۔

جدول نمبر ۸

جواب دہندگان کی ذرائع معاش کے لحاظ سے تقسیم

نمبر شمار	ذرائع معاش کے شعبہ جات	تعداد	فیصد
۱	درس و تدریس	۶۵	۶۹.۱
۲	امامت و خطابت	۱۹	۲۰.۲
۳	نجی کاروبار	۴	۴.۳
۴	صحافت	۳	۳.۲
۵	جواب نہیں دیا	۳	۳.۲
-	کل تعداد	۹۴	

یہ جدول جواب دہندگان کے ذرائع معاش کے شعبہ جات سے تعلق رکھتا ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سب سے زیادہ ۶۹.۱ فیصد افراد اپنی آمدنی درس و تدریس کے شعبہ سے حاصل کرتے ہیں۔ دوسرے نمبر پر مساجد میں امامت اور خطابت ذریعہ معاش ہے اس میں ۲۰.۲ فیصد جواب دہندگان مصروف ہیں۔ نجی کاروبار کے ذریعے ۴.۳ فیصد اور صحافت کو آمدنی حاصل کرنے کی غرض سے اختیار کرنے والے ۳.۲ فیصد ہیں۔

جدول نمبر ۹

جوابدہندگان کے مطالعہ کے خاص میدان کے لحاظ سے تقسیم

نمبر شمار	مطالعہ کا خاص میدان	تعداد	فیصد
۱	حدیث نبوی	۱۸	۲۰۔۲۲
۲	فقہ اسلامی	۱۵	۱۶۔۹۶
۳	تاریخ اسلام	۱۳	۱۴۔۹۰
۴	قرآن مجید، تفسیر	۱۱	۱۲۔۳۵
۵	عربی ادب	۵	۴۔۱۴
۶	اسلامیات	۶	۶۔۷۶
۷	زندگی کے تمام موضوعات	۶	۶۔۷۵
۸	سیرت النبیؐ	۳	۳۔۳۸
۹	صرف، نحو	۳	۳۔۳۸
۱۰	حالات حاضرہ	۳	۳۔۳۷
۱۱	درسی کتب، دینی کتب	۳	۳۔۳۷
۱۲	تصوف، روحانیت	۲	۲۔۲۵
۱۳	ادیان عالم	۲	۲۔۲۵
۱۴	سوانح حیات	۲	۲۔۲۵
۱۵	اسماء الرجال	۲	۲۔۲۵
۱۶	سیاسیات	۲	۲۔۲۵
۱۷	سائنسی موضوعات	۲	۲۔۲۵
۱۸	ریاضی	۲	۲۔۲۵
۱۹	اخلاقیات	۱	۱۔۱۲
۲۰	معاشیات	۱	۱۔۱۲

۲۱	اسلامی تہوار سے متعلق کتب	۱	۰
۲۲	میراث	۱	[illegible]
۲۳	شخصیت	۱	[illegible]
۲۴	اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سوانح	۱	[illegible]
۲۵	متفرق	۱	[illegible]
۲۶	جواب نہیں دیا	۹	۶.۴۵

جواب دہندگان نے اپنے مطالعہ کے جس خاص میدان کا اظہار کیا ہے اس کے تحت حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شغف رکھنے والے سرفہرست ہیں اسکے بعد دوسرے نمبر پر جدول میں دی گئی ترتیب کے لحاظ سے فقہ اسلامی سے شوق رکھنے والے ہیں ۔ تیسرے نمبر پر تاریخ اسلامی ہے ۔ اور اسکے بعد قرآن حکیم اور تفسیر سے رغبت رکھنے والے ہیں ۔ جدول میں دیئے گئے دیگر علوم و فنون کی فہرست میں کوئی واضح اکثریت سامنے نہیں آئی ۔ لیکن اس سے مطالعہ کرنے والوں کی متنوع پسند کا اظہار ہوتا ہے ۔

جدول نمبر۱۰

کتب کے علاوہ دیگر ذرائع سے معلومات حاصل کرنے کے لحاظ سے جوابدہندگان کی تقسیم

نمبر شمار	معلومات کے ذرائع	تعداد
۱	اخبارات	۳۶
۲	رسائل وجرائد	۲۴
۳	جلسے / مجالس	۲۲
۴	ریڈیو	۴
۵	تمام ذرائع ابلاغ	۴
۶	ٹی وی نیٹ ورک	۳
۷	آڈیو / ویڈیو کیسٹ	۲۴
۸	مشاہدات و تجربات	۲
۹	کوئی شوق نہیں	۲۰
۱۰	جواب نہیں دیا	۶

درج بالا جدول میں جواب دہندگان کے مطالعہ کتب کے علاوہ معلومات حاصل کرنے کے دیگر ذرائع کے اعتبار سے ترتیب دیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے معلومات کے ذرائع میں سے اخبارات سرفہرست ہیں۔ رسائل وجرائد دوسرے نمبر پر جلسے اور مجالس تیسرے نمبر پر ہیں جبکہ دیگر ذرائع کم درجہ میں ہیں۔ مطالعہ کتب کے علاوہ دیگر ذرائع سے معلومات حاصل کرنے کا شوق نہ رکھنے والے ۹۴ میں سے ۲۰ ہیں۔

جدول نمبر ۱۱

جواب دہندگان کی مدرسہ میں انتظامی ذمہ داریوں کے لحاظ سے تقسیم

نمبر شمار	انتظامی عہدہ	تعداد
۱	مدیر اعلیٰ	۸
۲	ناظم اعلیٰ	۹
۳	ناظم تعلیمات	۴
۴	ناظم دفتری امور	۳
۵	ناظم مطبخ	۳
۶	ناظم صحت و صفائی	۲
۷	ناظم رابطہ عمومی	۵
۸	ناظم مالیات	۲
۹	ناظم دارالاقامہ	۱
۱۰	نگران بزم ادب	۱
۱۱	نگران لائبریری	۱
۱۲	ناظم اطلاعات و نشریات	۱

مندرجہ بالا جدول میں جواب دہندگان نے جن انتظامی عہدوں کا ذکر کیا ہے انکے مطابق ۵۸ میں سے ۸ مدیر اعلیٰ، ۹ ناظم اعلیٰ اور ۴ ناظم تعلیمات ہیں۔ دیگر ناظمین کی تعداد زیادہ نہیں ہے البتہ عہدوں کے لحاظ سے مختلف ہیں۔

جدول نمبر ۱۲

جوابدہندگان کی دینی تعلیم کے مقاصد کے تعین کے لحاظ سے تقسیم

نمبر شمار	دینی تعلیم کے مقاصد	تعداد
۱	دینی تعلیم کی اشاعت و تبلیغ	۲۵
۲	علمائے دین پیدا کرنا	۱
۳	اللہ تعالیٰ اور رسول کی خوشنودی حاصل کرنا	۱۱
۴	مسلمانوں کی باشعور و ذمہ دار قیادت پیدا کرنا	۱
۵	اچھے مسلمان پیدا کرنا	۱
۶	فرقہ بندیوں کے خاتمہ کیلئے	۱
۷	دینی علوم میں حصول کمال کیلئے	۱
۸	حفاظت و بقائے دین	۱
۹	تصوف کی تعلیم دینا	۱
۱۰	نئی نسل کی اسلامی خطوط پر تربیت	۱

درج بالا جدول میں جواب دہندگان کے جوابات کی روشنی میں دینی تعلیم کے حصول کے مقاصد کو مرتب کر کے پیش کیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے ۴۳ جوابدہندگان میں سے ۲۵ دینی تعلیم کا مقصد دینی تعلیم کی اشاعت و تبلیغ سمجھتے ہیں، ۲ کے خیال میں اس تعلیم سے علمائے دین پیدا ہوتے ہیں۔ جبکہ ۵ اس تعلیم کے ذریعے اللہ تعالیٰ اور انکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشنودی کے حصول کا ذریعہ سمجھتے ہیں اسی طرح دیگر جوابدہندگان نے اپنی آراء جو اس سلسلے میں پیش کی ہیں وہ بھی ترتیب سے شامل کر لی گئی ہیں۔

دینی مدارس کی انتظامیہ اور اساتذہ کا جدید تعلیمی نظام کے متعلق تصور

پاکستانی معاشرہ اور دینی مدارس میں قائم نظام تعلیم کے تحقیقی و علمی نقطہ نظر کے تحت تجزیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں کی مثال ایک خودرو پودے کی سی ہے، جو ہماری اسلامی روایات اور اسلامی مقصد حیات کی کماحقہ ترجمانی کا درجہ نہیں رکھتا۔ دینی مدارس کے قدیم تعلیمی نقطہ نظر سے وابستہ افراد کے لئے لفظ "جدید" قابل قبول نہیں، وہ اسے درخور اعتنا نہیں سمجھتے بلکہ شجر ممنوعہ تصور کرتے ہیں۔ مجموعی طور پر معاشرہ کی بدلتی ہوئی حالت کے پیش نظر علم دوست اساتذہ اور دینی مدارس کی انتظامیہ نے اسلامی تعلیمات کے تناظر میں غور و فکر کرتے ہوئے رائے کا اظہار کیا ہے کہ علم اور تعلیمی نظام کو جدید و قدیم کی اصطلاحوں میں تقسیم نہیں کرنا چاہیے۔ اس لئے کہ ماضی کے تجربات اور حال کے مشاہدہ کی روشنی میں مستقبل کی تخلیق ہوتی ہے۔ جب تک ماضی اور حال باہم نہیں ملتے، مستقبل کا تصور ناممکن نظر آتا ہے۔ لہٰذا قدیم اور جدید نظام تعلیم سے یکساں استفادہ کی ضرورت ہے۔

زیر نظر تحقیق میں اساتذہ کے یہ جوابات بھی سامنے آئے ہیں کہ جدید تعلیمی نظام درحقیقت جدید تحقیقات اور سائنسی انکشافات سے مرتب ہے۔ اور سائنس کی تحقیقات تصوراتی نہیں بلکہ ٹھوس حقائق کی آئینہ دار ہوتی ہیں۔ جس سے نہ صرف مفر نہیں ہو سکتا بلکہ اس سے اقوام و قوموں کی ترقی کے عمل کو مدد ملتی ہے جبکہ بعض اساتذہ نے اس خیال کا بھی اظہار کیا کہ جدید نظام تعلیم ایک ناقص اور ادھورا نظام ہے نیز اس نے اخلاق حسنہ سے عاری لوگوں کی کھیپ تیار کی ہے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ جدید نظام تعلیم کو دینی اقدار کی قوت سے زیادہ مؤثر بنایا جا سکتا ہے۔ کیونکہ جب تک دین حنیف کو اساس محکم نہ بنایا جائے گا کوئی نظام تعلیم خواہ اس کا تعلق قدیم طریق سے ہو یا جدید مشاہدات و تجربات اور سائنسی انکشافات سے وہ مثبت نتائج نہیں پیدا کر سکتا۔

یہ حقیقت کسی تعارف کی محتاج نہیں کہ اسلام ہی وہ دین ہے جس کی پہلی وحی کا آغاز لفظ اقرا سے ہوا کیونکہ یہ دین انسانیت کی علم کی منزل بلکہ معراج کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ علم دوست گروہوں ہے۔ ایک قوم دوسری قوم کے نظریات اور افکار سے استفادہ کرتی ہے۔ یورپ نے ہم سے استفادہ کیا اور ہمارے اسلاف نے یونان کے فلاسفہ کے علوم کو تحقیق کی کسوٹی پر پرکھنے کے بعد اسے قبول کرنے میں عار محسوس نہیں کیا۔ جواب دہندگان اساتذہ کی اکثریت کو احساس ہے کہ ہمارے مروجہ دینی مدارس اور جدید علمی درسگاہیں افراط و تفریط کا شکار ہیں۔ اول الذکر کو جدید تقاضوں کا شعور نہیں جبکہ دوسرے طبقہ کو اخلاقی قدروں کی اہمیت کا احساس

نہیں، اس طرح دونوں کا مقصود و مطلوب اسلامی فلسفہ حیات کے تابع نہیں رہتا۔

قرآن حکیم چونکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے انسانیت کی راہنمائی کے لئے نازل کیا گیا۔ لہذا اس نے ہر آنے والے دور کے مسائل کو اجتہادی نقطہ نظر سے حل کرنے کا بھی اصول بتایا۔ جیسے مستقل اقدار (Permanent Values) متعین کیں اور ایک فریم ورک آرڈر (Frame Work Order) دیا۔ اس کے اندر رہتے ہوئے مستقل اقدار کی روشنی میں جدید مسائل کا حل تلاش کرنے کا حکم دیا اسلئے اس اصول کی روشنی میں قدیم اور جدید کی یہ مفروضی اور فروعی بحث ہے جو کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ جواب دہندگان میں سے چند اساتذہ نے اس تاثر کا اظہار کیا کہ وہ عہد حاضر میں مروجہ اصطلاح "جدید" سے الرجک (Allergic) یا خوفزدہ نہیں ہیں۔ لیکن احتیاط کے پیش نظر ان تازہ افکار کو زیادہ اہمیت بھی نہیں دیتے۔

جواب دہندگان نے یہ بھی اظہار کیا کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن حکیم کائنات میں تفکر و تدبر کے ساتھ ساتھ تسخیر کائنات کا حکم دیتا ہے لہذا تدبر و تفکر اور تسخیر کے نتیجہ میں حاصل ہونے والے علم سے استفادہ انسانیت کی نہ صرف خدمت ہے بلکہ عین اسلام ہے۔ اساتذہ نے اس بنیادی حقیقت کی طرف بھی اشارہ کیا کہ نظریہ حیات میں توحید کا تصور و عقیدہ کلیدی حیثیت رکھتا ہے جب تک نظام تعلیم میں اسے شامل نہیں کیا جائے گا تو آنے والی نسل جس کے ہاتھوں میں ملک کی زمام کار ہوگی وہ انسانیت کی کوئی خدمت نہ کرسکے گی، کہ توحید کا عقیدہ ہی انسان کی شخصیت کو نکھارتا اور سنوارتا ہے۔ جیسا کہ طبیعات کے شعبہ میں نوبل انعام کا استحقاق بھی اس شخص کو ملا ہے جس نے قدرت کی بظاہر مختلف قوتوں میں توحید کے تصور کو کار فرما دیکھا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ زمانے کے تقاضوں اور نت نئے پیدا ہونے والے مسائل کا عملی اور حقیقی علم حاصل ہونے کے بعد قرآن حکیم کی روشنی میں ان کے حل کے لئے تدبر و تفکر کیا جائے۔ علامہ اسلم جیراجپوری نے تحریر کیا ہے کہ جوں جوں علم بڑھے گا تسخیر کائنات کے نتائج سامنے آتے جائیں گے۔ قرآن حکیم کے معارف مزید کھلتے چلے جائیں گے۔ لہذا ضروری ہے کہ تعلیم و تعلم، سیاست و قیادت، معاشیات و اقتصادیات، طب و فلسفہ الغرض ہر شعبہ حیات میں قرآن حکیم کی روشنی میں مسائل کا حل تلاش کیا جائے۔

نئی نسل کے ذہن کی تخلیق، انکی تربیت جب قرآن حکیم کی تعلیمات کے مطابق ہوگی تو انکی بصارت کو جدیدیت کا کوئی تصور نہ خیرہ کرسکے گا نہ وہ صراط مستقیم سے بھٹک سکے گا۔ لہذا ان حقائق کے تناظر میں قدیم و جدید کی بحث فروعی ثابت ہوتی ہے۔ قرآن حکیم نے جو صراط مستقیم کا تصور دیا ہے ان پر چلنے والے انسان پر ہر لمحہ نئی منزلیں واضح اور روشن ہوتی چلی جاتی ہیں لہذا وہ آگے بڑھتا چلا جاتا ہے، یہی سفر تو اس کا سفر ہے اور یہی انسان کامل کی منزل۔

جدید تعلیمی نظام اور دینی مدارس میں مروجہ نظام تعلیم کا موازنہ

معروف "جدید نظام تعلیم" اور دینی مدارس میں رائج قدیم تعلیمی نظام اصطلاحات کے حوالے سے باہم متصادم نظر آتے ہیں، لیکن دونوں کے طریق تدریس کا بہ نظر تعمق مطالعہ کیا جائے تو ایسا بعد نظر نہیں آتا۔ کیونکہ ماضی کی یہی درسگاہیں (جو آج قدیم درسگاہیں / دینی درسگاہیں کہلاتی ہیں) جنہوں نے علم کی دنیا میں نابغہ روزگار شخصیات پیدا کیں۔ جن میں فلاسفہ، کیمیادان، ماہرین فلکیات، نامور طبیب و سرجن اور علم ہندسہ کے نامور عالم شامل تھے۔ نیز انہی درسگاہوں نے ایسے مورخ پیدا کئے جنہوں نے دنیا کو تاریخ نویسی اور تاریخ کی تحقیق کے معیار پر پرکھنے کے ایسے اصول دیئے کہ جدید دور اپنی عصری تحقیقات میں بے پناہ ترقی کے باوجود ان اصولوں سے نہ سرمو انحراف کرسکا اور نہ ہی اس میں کوئی اضافہ۔

وقت کے تقاضوں کے تحت جب سے دینی مدارس کے ارباب اختیار نے ایک خاص نہج پر نصاب تعلیم مرتب کر کے اسلام کے بنیادی ارکان توحید، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کو فقہی نقطہ نگاہ سے پڑھائے جانے کو ہی سب کچھ سمجھا تو اس وقت سے دینی درسگاہوں کی انتظامیہ سمجھتی ہے کہ ان تعلیمات کے بغیر مسلمان کا اخلاق اور اعمال سنور ہی نہیں سکتے۔ یہ بات برحق، لیکن اس نصاب تعلیم میں دین اسلام کی آفاقیت کا تصور ختم ہوکر رہ گیا ہے نیز ان درسگاہوں میں سماجیات کے شعبہ کو مکمل طور پر نظرانداز کر دیا گیا ہے۔ انگریزی، جرمن، فرانسیسی زبان اور دیگر عالمی طور پر بولی جانے والی زبانوں کی کوئی اہمیت نہیں سمجھی گئی۔ اس کے ساتھ دینی مدارس میں جدید علوم کو بھی نصاب تعلیم میں کوئی جگہ نہیں دی گئی۔ یہ حقیقت ہے کہ دینی درسگاہوں میں زیر تعلیم طلباء کی بنیادی ضروریات زندگی قوم کے عطا کردہ عطیات، زکوٰۃ، صدقات، خیرات سے پوری ہوتی ہیں، شاید اسی لئے وہاں علم معاشیات کو درخور اعتناء نہیں سمجھا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ ان درسگاہوں سے فارغ التحصیل عملی زندگی میں بھی اپنی ضروریات زندگی کی فراہمی کے لئے انہی ذرائع کی طرف رجوع کرتے ہیں، جن کے سہارے طالبعلمی کے زمانہ میں پرورش پاتے رہے ہوتے ہیں۔

جن کے برعکس جدید درسگاہوں میں سائنس، طبیعات، کیمیا، معاشیات، اقتصادیات، طب و جراحت، اصول قانون وغیرہ سب کچھ پڑھایا جاتا ہے۔ انہیں یقیناً جدید معلومات ہوں گی لیکن انہیں بھی کسی زبان پر قدرت یا ملکہ حاصل نہیں ہوتا، بلکہ وہ اسلامی تعلیمات کی روح اور اسلامی ماحول سے ناآشنا رہتے ہیں، کیونکہ زندگی کے بارے میں ان کا تصور بھی Eat , drink and to marry ہے۔ عاقبت کا تصور وہاں سرے سے ہے ہی نہیں۔ وہ اخلاقی قدریں جو دین فراہم کرتا ہے، ایک قصہ پارینہ سمجھتے ہیں۔ جس جگہ بنیادی حرکات و سکنات سیکھ کر وہ اپنے آپ کو مسلم کہلانے کے حقدار بن جاتے ہیں۔ وہاں بھی دین کی جامعیت کا تصور

مفقود ہے۔ یہ طبقہ اسلام کو مذہب سمجھتا ہے کہ جس طرح ریاست و چرچ ایک دوسرے کے معاملات میں دخیل نہیں ہوتے۔ اسی اصول کے تحت دینی درسگاہیں اور جدید درس گاہیں ایک دوسرے کے معاملات میں دخل انداز نہیں ہو سکتیں۔ جدید درسگاہوں سے فارغ ہونے والے معاش کے میدان میں بہت حد تک کامیاب نظر آتے ہیں۔ لیکن ان کے اذہان معاش کے اسلامی اتفاقی معاشی نظام سے ناآشنا ہوتے ہیں کیونکہ وہ جس نظام تعلیم اور نصاب کے تحت علم حاصل کرتے ہیں اس میں ایثار و قربانی اور دوسروں کی ضروریات کی فراہمی کا فریضہ ان کے لئے اجنبی چیزیں ہوتی ہیں۔

غرض دونوں کے اذہان میں یک رخی کارفرما ہونے کے باعث ایک طبقہ دنیاوی آسائش اور Status کا دلدادہ اور جدید طرز زندگی اختیار کرنے میں اپنی تمام تر صلاحیتیں بروئے کار لارہا ہے۔ جبکہ دوسرا طبقہ ان مادی اشیاء سے متاثر ضرور ہے لیکن اس نے انکے حصول کے ذرائع مختلف اختیار کئے ہوئے ہیں۔ نیز یہ طبقہ اپنی روزی خود نہیں پیدا کرتا بلکہ دوسروں پر تکیہ کرتا ہے۔ جواب دہندگان نے اپنے جوابات میں اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ دونوں مکاتب فکر کے بعد کو ختم کر کے اسلام کی آفاقیت کے تصور کو فروغ دیا جانا چاہیے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی ہے کہ "اے اللہ میری دنیا و آخرت حسین فرما۔" ان الفاظ پر غور کریں تو چشم بصیرت پر حقائق و معارف کے نئے حسین افق نمودار ہوتے گئے ہیں دوسرے لفظوں میں تجلیلی نقطہ نظر سے لطیف اشارہ ہے کہ دنیا و آخرت ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں، لہذا قدیم و جدید کی بحث یا تقسیم و تفریق کی بحث لایعنی ہے۔ جس سے انسان کی منزل کھوٹی ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت یعنی عقیدہ توحید اور انبیاء کرام (از ابتداء تا ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تعلیمات، وحی کی حقیقت و افادیت اور اسے عقل کا امام تسلیم کرتے ہوئے تسخیر کائنات کے عمل کو فروغ دینا ہی اصل کام ہے اور یہی حکم رب جلیل ہے کہ تمام علوم (خواہ ان کے حصول کے لئے مشرق سے مغرب اور جنوب سے شمال کا رخ کرنا پڑے) حاصل کئے جانے چاہئیں۔ ان کے مستخرجہ نتائج اور تحقیقات کو وحی (قرآن حکیم) کا تابع کر کے ایک ایسا معاشرہ تشکیل دیا جائے کہ جہاں خدا کی زمین پر انسان کسی کے آگے سر نہ جھکائے اللہ تعالیٰ کی زمین پر صرف اللہ تعالیٰ کا قانون چلے۔ جواب دہندگان کے خیال کے مطابق مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ دونوں رائج تعلیمی نظام میں نہ صرف مطمع ہائے نظر کا اختلاف ہے بلکہ دونوں اپنی اپنی منازل کے تعین میں بھی کامل نہیں یعنی دونوں میں اصلاح کی ضرورت ہے۔ جبکہ اس امر کی اہمیت بھی دونوں طبقہ ہائے فکر کے سامنے عیاں ہے۔ جواب دہندگان نے دونوں نظاموں کا تقابل اس طرح بھی کیا ہے کہ جدید نظام تعلیم سے اگر ڈاکٹر عبدالقدیر، جسٹس جاوید اقبال، صحافی مجید نظامی، کھلاڑی عمران خان پیدا ہوئے ہیں تو دوسرے نظام سے مفسر

قرآن ، محدث ، مبلغ ، حافظ ، قاری ، امام ، خطیب ، مفتی ، مجتہد اور عالم دین پیدا ہوتے ہیں ۔ اور دونوں جداگانہ طرز زندگی اختیار کئے ہوئے ہیں ۔

فروغ علم اور تبلیغ دین میں جدید سائنسی آلات کی معاونت

جواب دہندگان نے قرآن حکیم اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں خود ثابت کیا ہے کہ ابتدا ہی سے کائنات میں ارتقاء کا عمل جاری ہے ۔ اللہ تعالیٰ کا قانون ہر لمحہ ذہن انسانی کو تسخیر اور استفادہ کی دعوت دیتے ہیں ۔ صاحبان علم و تقویٰ کی ایک پہچان یہ بھی بتاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق کائنات میں تدبر و تفکر کے ذریعے اشیاء کی کنہ و حقیقت کا ادراک حاصل کرنے کے لئے کوشاں رہتے ہیں ۔ اور ان حقائق کے ابلاغ کے لئے نئی نئی راہیں تلاش کرتے رہتے ہیں ۔

انسان اپنے مافی الضمیر کے اظہار کے لئے اشاروں سے نطق کی منزل تک پہنچا ، قلم اور کاغذ ایجاد کیا ، تکلم نے تحریر کا قالب اختیار کیا ۔ یہ سارے وسائل و ذرائع درحقیقت عہد قدیم میں جدید سائنسی آلات ہی کے مرہون منت تھے ۔ سائنس (تحقیقات و انکشافات) نے ترقی کی ، آواز کی رفتار کو ناپنے کے آلات ایجاد کئے ۔ آواز کو ایک مقام سے دوسرے مقام تک منتقل کرنے کا نظام متعارف ہوا ۔ لاؤڈ اسپیکر ، ریڈیو ، ٹیلیفون ، ٹیلی وژن فیکس اور کمپیوٹر جیسی ایجادات میں ایک ہی جذبہ کارفرما ہے کہ اپنی بات دوسروں تک کس طرح مؤثر انداز میں اور کتنی جلدی پہنچائی جائے ۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ابلاغ کے جدید آلات کو نہ صرف دینی مدارس میں مکمل طور پر متعارف کرایا جائے بلکہ تدریسی نصاب میں شامل کیا جائے ۔ اس سے طلباء کو کمپیوٹر پر قرآن حکیم ، احادیث مبارکہ کے علاوہ دیگر علوم مثلاً فلسفہ ، نفسیات وغیرہ سے متعلق جو تحقیقات محفوظ کی گئی ہیں ان سے براہ راست اور فوری طور پر استفادہ کر سکیں ۔ ماضی میں ہمارے اسلاف کی بعض اہم کتب جو صرف ذاتی کتب خانوں تک محدود ہو کر رہ گئی تھیں ۔ ان تک عام طالبعلم کی رسائی کا تصور بھی ناممکن تھا ۔ اب انٹرنیٹ کے نظام کے ذریعے ان کا مطالعہ اور ان سے استفادہ انسان کے ایک اشارہ ابرو کا محتاج ہے ۔ ٹیلیفون ، فیکس اور کمپیوٹر کے ذریعے دین اسلام کے پیغام کو دنیا کے دوسرے کنارے تک پہنچایا جاسکتا ہے ۔ تمام تعلیمی اداروں میں عموماً دینی مدارس میں خصوصاً سائنسی حقائق کی تدریس اور تفہیم کے لئے جدید ترین آلات سے مزین و آراستہ عملی تجربہ گاہیں (Laboratories) قائم ہونی چاہئیں ، تاکہ طلباء انفس و آفاق میں ہونے والی تحقیقات اور عصری انکشافات سے استفادہ کر سکیں ۔ اس سب کے باوجود جواب دہندگان کے خیالات سے یہ تاثر ملتا ہے کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ نہ صرف جدید آلات کے استعمال میں دینی حدود و قیود محفوظ رکھی جائیں بلکہ انہیں دینی رخ دیا جائے ۔ عوام

چیزوں سے اجتناب کیا جائے اور داعی اپنے علم و عمل اور تقویٰ سے انقلاب لائے ۔ یہ اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ اسلامی تعلیمات کا پہلے مطالعہ کیا جائے اور پھر اسکی روشنی میں ہر قدم اٹھایا جائے ۔ جواب دہندگان یہ بھی سمجھتے ہیں کہ اصل روحانیت دل کی بیداری ہے جبکہ آلات احساس مروت کو کچل دیتے ہیں ۔ بہر کیف سائنس کے فروغ سے اسلام کی حقانیت واضح ہوتی جا رہی ہے ۔

محبت مجھے ان جوانوں سے ہے
ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند

جدید طرز تدریس کا دینی مدارس میں رواج

جواب دہندگان کی آراء سے اس امر کا اظہار ہوتا ہے کہ دینی مدارس سے وابستہ افراد سوچ کا ایک خاص زاویہ رکھتے ہیں ۔ وہ ان مدارس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور دین کی خدمت کا عزم تو ضرور رکھتے ہیں لیکن ماضی بعید بلکہ ماضی قریب سے دین کی تقسیم (مذہب اور دنیا) کے تصور نے غلط مبحث کی کیفیت پیدا کر دی ہے جبکہ قرآن حکیم کی رو سے مذہب اور ریاست یا دین اور دنیا کو الگ الگ دائروں میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا کیونکہ قرآن حکیم نے زندگی کی اساس کلمہ یا جو بنیادی اقدار (Permanent Values) مقرر کی ہیں اس کا آغاز ہی اس حقیقت سے ہوتا ہے کہ "اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہو میری نماز، میرے تمام مراسم عبودیت، میرا جینا اور میرا مرنا سب کچھ اللہ رب العالمین کے لئے ہے ۔ جس کا کوئی شریک نہیں ۔ (سورہ الانعام ۱۶۲ / ۹) اسی طرح ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے "اے ایمان والو! تم پورے کے پورے اسلام میں آجاؤ ۔" (سورۃ البقرہ ۹ / ۲۰۸)

قرآن حکیم کی ان آیات محکمات کی روشنی میں پوری زندگی اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق گزارنے کا نام دین اسلام ہے ۔ اسلام میں زندگی کو عیسائیت کے نظریہ اسٹیٹ اور چرچ کی طرز پر تقسیم نہیں کیا جا سکتا ۔ چنانچہ جب سے دین و دنیا کی تقسیم کا تصور اذہان میں راسخ ہوا ہے زندگی کی اکائی تقسیم ہو کر رہ گئی اس طرح دو مکاتب فکر (دین اور دنیا) نے جنم لیا اور ہر مکتب فکر دوسرے سے بدگمان اور دور دور رہنے لگا ہے ۔

کچھ تم سمجھے کچھ رب کچھ ہم سمجھے کچھ
اسی کشمکش میں ٹوٹ گیا رشتہ جادہ کا

نئے علوم کی روشنی میں تحقیق نے نئی منزلوں سے روشناس کرایا ہے ۔ سائنس، طب، فلسفہ، نفسیات اور معاشیات کے علوم نے اسی فکری انقلاب کے ذریعے دنیا کے ہر حصہ میں بسنے والوں کو نہ صرف متاثر بلکہ سوچنے پر مجبور کیا ہے ۔ دینی مدارس کے اساتذہ اپنے محسوسات کا اظہار کرتے ہوئے یہ حقیقت تسلیم کرتے ہیں کہ جدید

علوم اور جدید طریق تدریس کو اپنائے بغیر عصری تقاضوں کا ادراک نہیں ہو سکتا اور نہ ان کے بغیر دینی تعلیم مکمل ہو سکتی ہے۔ دینی مدارس کے اساتذہ اب سمجھتے ہیں کہ دین کی خدمت کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ کائنات کی تسخیر کی جائے اور مسخر کی جانے والی قوتوں کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع کر کے انسانیت کی خدمت کی جائے۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ دینی مدارس سے وابستہ اساتذہ اور انتظامیہ نے مختلف پیرایوں میں یہ اظہار کیا ہے کہ دینی تعلیم کے حصول میں کار فرما بنیادی جذبہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہے لہٰذا وہ مغرب سے آنے والی ہر چیز کو قدرے شک کی نظر اور قدرے خوف سے دیکھتے ہیں کہ کہیں ان کی یلغار ان کے دینی جذبہ کو متاثر نہ کر دے جس سے کہیں ان کی عاقبت خراب نہ ہو جائے۔ اسی لئے وہ بار بار اس خوف کا اظہار کرتے ہیں کہ کہیں اس سے دینی اقدار پامال نہ ہو جائیں۔

دینی مدارس کے اساتذہ اب T.V اور V.C.R نیز کمپیوٹر کی افادیت نہ صرف محسوس کرنے لگے بلکہ ان کی اکثریت لسانیات کے شعبہ کی بھی اہمیت محسوس کر رہی ہے۔ اسی لئے دینی مدارس میں عربی کی تدریس کے قدیم طریق میں بھی انقلابی تبدیلیاں لائی گئی ہیں۔ اس لئے اب عربی کی تعلیم کمپیوٹر کے ذریعہ رواج پا رہی ہے۔ درس قرآن حکیم کے لئے بھی V.C.R اور T.V اہم کردار انجام دے رہے ہیں۔ اساتذہ نے بعض تحفظات کے ساتھ اس نظریہ کو سراہا کہ سائنسی علوم کی تعلیم قرآن حکیم کے معارف کو بہتر انداز میں سمجھنے میں مددگار ثابت ہو رہی ہے، البتہ سکھانے والے علماء حقانی، پرہیزگار اور قدیم و جدید علوم پر بیک وقت نظر رکھنے والے ہوں۔

جواب دہندگان نے اس تاثر کا بھی اظہار کیا کہ دینی مدارس میں مروجہ اسلاف کے طریق تعلیم کے ساتھ ساتھ عصری علوم کی تحصیل دین کی تبلیغ میں اہم کردار کر سکتی ہے کہ دنیا کے دوسرے خطوں میں بسنے والے خصوصاً یورپ، امریکہ افراد کو ان کی زبان اور انکے ہاں مروجہ علوم کے دلائل کی روشنی میں اسلام کی حقانیت سکھائی جا سکتی ہے۔ تسخیر کائنات کا عمل درحقیقت اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل ہے لہٰذا اس سے جو نتائج حاصل ہوں گے وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف ہرگز تحریک کا سبب نہیں بنیں گے۔ کوئی چیز، کوئی علم، کوئی تحقیق فی نفسہٖ اچھی ہے نہ بری۔ اس کا استعمال ہی اسکی اچھائی اور برائی کا جواز پیش کرتا ہے۔

بلبل کی نوا ہو کہ مغنی کا نفس ہو
جس سے چمن افسردہ ہو وہ باد سحر کیا — اقبال

جدید دور میں انسان نے آسمان کی لامحدود وسعتوں سے آگے نکل کر مختلف سیاروں کے بارے میں اپنی تحقیق سے دنیا کو حیرت زدہ کر دیا ہے۔ یہ تصور قرآن حکیم نے دیا ہے، جیسے مشرقین و مغربین کا ذکر کیا ہے اب یہ عصری تحقیقات نے ہی بتایا کہ مشرق صرف مشرق نہیں بلکہ مشرق، مشرق وسطیٰ اور مشرق بعید پر مشتمل

ہے ۔ جوں جوں علم آگے بڑھے گا قرآن حکیم کی جامعیت اور اس نے کائنات کے بارے میں جو اشارے کئے اہل علم پر ان کی حقیقت واضح ہوتی جائے گی ۔ لہذا ضرورت یہ ہے کہ جدید اور قدیم کی غلط بحث سے چھٹکارا حاصل کیا جائے اور ہر حقیقت کو وہ جہاں سے ملے "مومن کی گم شدہ میراث" سمجھ کر حاصل کر لیا جائے ۔

دینی مدارس کو جدید تعلیمی رجحانات سے ہم آہنگ کرنے میں حائل دشواریاں

جواب دہندگان کی اکثریت ایک ہی رائے پر متفق ہے کہ مغربی نظام کی پروردہ بیوروکریسی (Buracracy) نے دینی مدارس کے خلاف بالواسطہ یا بلاواسطہ پروپیگنڈہ سے کبھی ان دینی مدارس کو قدامت پرستی کا طعنہ دیا اور کبھی بنیاد پرستی کا الزام ، جبکہ جدید تعلیمی اداروں کو حکومت خوبصورت و کشادہ عمارات فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ مناسب بلکہ وافر مقدار میں فنڈ بھی مہیا کرتی ہے ۔ تربیت یافتہ اساتذہ جن کو معقول تنخواہوں کے ساتھ بے شمار مراعات اور سہولتیں میسر ہوتی ہیں انہیں اور ان کے ادارہ کو قانونی تحفظ بھی فراہم کیا جاتا ہے ۔ اس کے برعکس دینی مدارس کا قیام دین سے وابستہ افراد کی اپنی انفرادی و اجتماعی مساعی کا مرہون منت ہوتا ہے ۔ زمین کے قطعہ کا حصول پھر اس پر ابتداء سے لیکر ایک جامعہ بن جانے تک کے تمام مراحل دشوار گزار راہوں سے گزر کر ایک طویل مدت کے بعد طے ہوتے ہیں ۔ جہاں طلباء کے لئے ابتداء میں صرف رہائش وغیرہ کا انتظام کیا جاتا ہے ، غرض اس نوع کی بے سروسامانی کے ساتھ دینی مدارس اسلامی تعلیمات کے فروغ کا فرض ادا کر رہے ہیں ۔ دونوں کے ظاہری معیارات کے فرق سے ایک کی عظمت اور دوسرے کے تحقیر کے جذبات و خیالات پیدا ہونا فطری امر ہے ۔

جدید رجحانات کے حوالہ سے دینی مدارس کے اساتذہ نے کہا کہ اس حقیقت کے اظہار میں کوئی باک نہیں کہ ہمارے دینی مدارس کے کارپردازوں کی اکثریت اکیسویں صدی میں داخل ہوتے وقت بھی نہ صرف اس کے جدید علمی تقاضوں سے ناآشنا ہے بلکہ قدیم علوم سے بھی ان کا تعلق واجبی سا ہے ۔ جبکہ یہ جدید ریاضی (علم ہندسہ) جدید فلسفہ ، جدید معاشیات ، جدید اقتصادیات کے تصورات اور مبادیات سے آشنا ہی نہیں ۔ ان کے ہاں قرآن حکیم کی ناظرہ تعلیم اور تحفیظ ہی کو سب کچھ سمجھ لیا گیا ہے ۔ لہذا یہ لوگ دینی مدارس میں کسی تبدیلی (جو ترقی کی بنیاد بن سکے) کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ۔ دینی مدارس کے چند اساتذہ نے کائنات میں ارتقائی عمل کے شعور کے حوالہ سے جن خیالات کا اظہار کیا اس کے مطابق وہ یہ سمجھتے ہیں کہ سب سے پہلے اسلامی نظریہ حیات کی تبلیغ اور تشریح ہونی چاہیے ۔ مسلمان کو معلوم ہونا چاہیے کہ اسلامی تعلیمات کیا ہیں اور وہ کیا عملی تقاضہ کرتی ہیں ۔ نیز ایک کامل مسلمان کی تعریف کیا ہے اور اسے اسلامی معاشرہ میں کس انداز میں فرائض ادا کرتے ہوئے کامیاب زندگی گزارنی ہے ۔ اسطرح اساتذہ اور طلباء کے اذہان ہر قسم کے شکوک سے

محفوظ ہو جائیں گے اور ان میں علمی چیلنج کا مقابلہ کرنے کا حوصلہ پیدا ہونے سے احساس کمتری ختم ہو جائے گی۔ ورنہ وہ ہر چمکتی چیز سے مرعوب ہو سکتے ہیں۔

حالانکہ ہم ذاتی زندگی میں ٹیلیفون استعمال کرتے ہیں۔ TV دیکھتے ہیں، برقی آلات بھی استعمال کرتے ہیں اور VCR کے ذریعے اور T.V نیٹ ورک پر اپنے جلسوں کی کارروائی بھی دیکھتے ہیں۔ اساتذہ اور انتظامیہ نے اس امر کا بھی اظہار کیا ہے کہ دینی مدارس اور جدید تعلیمی اداروں میں مروجہ نصاب کا از سر نو جائزہ لیا جائے تاکہ دونوں اداروں میں موجود ثنویت (Dualism) کو ختم کیا جاسکے۔ نصاب ایسا جامع مرتب کر کے اختیار کیا جائے کہ قرآن حکیم، سیرت طیبہ اور تمام علوم قدیمہ و جدیدہ کو اس طرح اس میں سمو دیا جائے کہ طلباء اور اساتذہ پر ترقی اور علم کی راہیں کھلتی چلی جائیں، نیز حکومت دینی مدارس کے لئے نہ صرف قطعہ اراضی فراہم کرے بلکہ ان مدارس کے لئے ضرورت کے مطابق عمارات بھی تعمیر کروائے۔ جہاں طلباء کے لئے ہوسٹل اور اس میں تمام جدید سہولتیں اور آسائشیں موجود ہوں۔

جدید برقی آلات، کمپیوٹر، FAX، V.C.R اور TV کے ذریعے مختلف علوم کی تعلیم اور جدید لائبریری کا انتظام بھی ہو۔ صرف کمپیوٹر ہی نہیں بلکہ اس کا رابطہ INTERNET سے جوڑ دیا جائے تاکہ اساتذہ جس وقت اور جس نوع کی جدید ترین علمی و تحقیقی معلومات حاصل کرنا چاہیں، حاصل کر سکیں۔

دینی مدارس کو جدید تعلیمی رجحانات سے ہم آہنگ کرنے کیلئے مجوزہ اقدامات

دینی مدارس سے متعلقہ جواب دہندگان کے ۸۳ میں سے ۳۶ اساتذہ نے پاکستان میں رائج دوہرے نظام تعلیم (Dual Educational System) کی مخالفت اور معاشرے پر اسکے منفی اثرات کا تذکرہ کرتے ہوئے ان میں ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے انہوں نے درج ذیل تجاویز پیش کیں کہ:

۱۔ سب سے پہلے ملک کی تمام جامعات کے وائس چانسلرز، دینی مدارس کے علماء، ماہرین تعلیم اور دانشوران قوم کو ایک کانفرنس میں مدعو کر کے مروجہ نظام تعلیم (خواہ وہ جدید نظام تعلیم کی تعلیمی درسگاہوں میں رائج ہے یا دینی مدارس میں) کا جائزہ لیا جائے تاکہ اسلامی اقدار کے حوالے سے معاشرتی تقاضوں کے تحت طلباء کی مطلوبہ تعلیم و تربیت کیلئے جس نظام و نصاب کی ضرورت ہے اس کے لئے متعلقہ تجاویز حاصل کی جائیں، جن کے تحت ترقی یافتہ تعلیمی نظام پورے ملک میں یکساں طور پر رائج کیا جاسکے، تاکہ ان درسگاہوں سے فارغ التحصیل ہونے والے طلباء علم و عمل کے اعتبار سے اسلام کے حقیقی نمائندے ثابت ہوں۔

۲۔ اساتذہ نے اپنی تجاویز کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا کہ دینی مدارس کے اساتذہ کے علم سے استفادہ حاصل کیا جانا چاہیئے نیز دینی مدارس کی تعلیمی خدمات کو ذرائع ابلاغ کے ذریعہ عامۃ الناس تک پہنچایا جانا چاہیئے۔

۳۔ دینی مدارس کے اساتذہ کو ٹی وی اور ریڈیو پر ادیان عالم کے بارے میں توسیعی لیکچر دینے کا موقع فراہم کیا جانا چاہیئے جس سے نہ صرف دین اسلام کی حقیقی تعلیمات عوام تک پہنچیں گی بلکہ تعلیم و تعلم کے حوالے سے دینی مدارس کے اساتذہ سے علمی استفادہ کا بھی عوام کو موقع فراہم ہوگا۔

جواب دہندگان میں سے ۳۳ اساتذہ نے اس علمی مسئلہ کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے اسلامی تعلیمات کے فروغ، دینی مدارس کی تعلیمی خدمات کو موثر بنانے اور اسلامی معاشرہ کے قیام کے لئے جو تجاویز پیش کیں۔ ان میں سے درج ذیل نکات اخذ کئے گئے ہیں۔

۱۔ اسلام کی سربلندی اور امت مسلمہ کی وحدت و قوت کے لئے ضروری ہے کہ تمام تعلیمی اداروں میں اسلامی نظریہ حیات کے مطابق تعلیم و تعلم کا نظام رائج کیا جائے۔

۲۔ طالبان علم اور فرزندان اسلام کی اعلیٰ تعلیم و تربیت کے لئے ملک میں موجود تعلیمی اداروں کو جو مختلف طبقات میں تقسیم کردیئے گئے ہیں انہیں ایک یکساں تعلیمی نظام سے مربوط کیا جائے۔

۳۔ اساتذہ کے لئے اعلیٰ تعلیم اور تعلیمی میدان میں مزید تحقیق کے لئے سرکاری سطح پر مواقع فراہم کئے جائیں۔

۴۔ قرآن حکیم، سیرت طیبہ، تاریخ، جدید سائنسی علوم، معاشیات، اقتصادیات اور نفسیات کا نیا نصاب مرتب کرکے اس طرح پڑھایا جائے کہ پڑھانے اور پڑھنے والے ان علوم کی روشنی میں اسلامی معاشرہ اور فلاحی مملکت کے قیام کیلئے انقلابی تبدیلیاں لاسکیں۔

۵۔ دینی مدارس کے قیام کے لئے سرکاری سطح پر تمام سہولتیں فراہم کی جائیں اور دینی مدارس کے اساتذہ اور طلباء کو دیگر تعلیمی اداروں کی طرح توقیر اور تحفظ فراہم کیا جائے نیز عمارتیں اور فنڈ بھی فراہم کئے جائیں۔

۶۔ تعلیم و تربیت کے ساتھ جمالیاتی ذوق کی نشوونما کے لئے فنون لطیفہ کی تعلیم بھی لازمی قرار دی جائے۔

۷۔ نصابی کتب کے ساتھ غیر نصابی سرگرمیاں بھی لازمی قرار دی جائیں، تاکہ قرآن حکیم کے الفاظ میں **بسطة فی العلم و الجسم** کے مصداق (سورۃ البقرہ ۲۴۸ / ۲) علمی سطح بلند ہونے کے ساتھ جسمانی قوت بھی حاصل ہو۔

۸۔ تمام دینی مدارس میں طلباء کا یکساں لباس رائج ہو، جس سے اسلامی طرز معاشرت کی عکاسی ہو۔

۹۔ دینی مدارس میں بلیک بورڈ، نقشے، چارٹ کے ساتھ جدید آڈیو وژیول آلات نیز کمپیوٹر، فیکس، وی سی آر، ٹی وی وغیرہ سے استفادہ کی تربیت کا بھی انتظام ہو۔

۱۰۔ دینی مدارس میں جدید آلات سے مزین (Lingual Laboratories) کا انتظام کیا جائے۔

۱۱۔ دینی مدارس کے اساتذہ کا تعلیمی معیار بلند کرنے کی غرض سے ان کے لئے بھی تعلیمی ورکشاپ، سیمینار،

ریفریشر کورسز، سیمینار اور توسیعی لیکچرز کا اہتمام ہونا چاہیے ۔ جس طرح کالج اور یونیورسٹی کے اساتذہ کو سہولت حاصل ہے ۔

۲ ۔ دینی مدارس، کالج اور یونیورسٹی کے اساتذہ میں باہمی ربط اور ایک دوسرے کے علم سے استفادہ کا جذبہ پیدا ہونا چاہیے ۔ روشن فکر کے حامل اساتذہ کی آراء کو توقیر کی نظر سے دیکھا جانا چاہئے اور انہیں ایک دوسرے کے قریب آنے کے مواقع فراہم کرنے چاہییں ۔

جواب دہندگان میں سے ۱۸ فیصد ان اساتذہ کے خیالات بھی سامنے آئے جو جدید تقاضوں کو نہ تو سمجھنا چاہتے ہیں اور نہ ہی کسی تبدیلی کو قبول کرنے کے لئے ذہنی طور پر تیار ہیں ۔

بزم میں اہل نظر بھی ہیں تماشائی بھی

وہ اپنے قدیم اصحاب (جن کا نہ رازی سے تعلق ہے نہ زمخشری سے واسطہ، نہ غزالی سے ربط) میں کسی تبدیلی کے لئے تیار نہیں ہیں ۔

اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ انہیں کچھ نہ کہو

دینی مدارس کے نظام میں اصلاح کی ضرورت

مذکورہ بالا سوال کے جواب میں ۸۳ میں سے ۴۲ اساتذہ نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے ان کے مطابق وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اول تو دینی مدارس میں ایسے اقدامات ہوئے ہی نہیں جو انقلابی یا دوسرے لفظوں میں کوئی واضح تبدیلی لا سکتے ۔ البتہ جو اقدامات کیے گئے وہ اتنے اثر انگیز نہ تھے ۔ چنانچہ مدارس کے نظام میں کوئی نمایاں تبدیلی پیدا نہ ہو سکی ۔ دینی مدارس کے نظام میں اصلاح کے لئے مدارس کے ارباب اختیار، منتظمین اور اساتذہ نے اپنے طور پر جو اقدامات کیے انہیں نہ سرکاری سطح پر پذیرائی ملی اور نہ معاشرہ نے انہیں بہ نظر استحسان دیکھا ۔ سرکاری سطح پر پذیرائی کا ایک انداز یہ بھی ہو سکتا تھا کہ قومی ذرائع ابلاغ پر اس موضوع کے تحت مذاکرے نشر ہوتے، مگر ایسا نہ ہو سکا، نتیجہ یہ ہوا کہ اصلاح کی تمام کوششیں بے اثر ہو کر رہ گئیں ۔

اساتذہ نے یہ بھی بتایا کہ اجتماعی اور قومی سطح پر ایسی فکر انگیز تبدیلیاں تو نہیں ہوئی اور نہ کوئی ایسا منصوبہ تیار کیا گیا البتہ بعض مدارس میں ابتدائی انگریزی زبان کے ساتھ ساتھ کمپیوٹر کی تعلیم داخل نصاب کی گئی ہے ۔ ان اساتذہ کا خیال ہے کہ دینی مدارس کے نصاب میں سائنس، جغرافیہ، ریاضی، معاشیات و اقتصادیات جیسے مضامین کو بھی شامل کیا جائے تو طلباء کو عصری علوم میں مہارت حاصل ہو جائے گی ۔ ۲۰ فیصد

اساتذہ دینی مدارس کے مروجہ نصاب کی اصلاح کے لئے ارباب علم اور ماہرین تعلیم کی سرپرستی چاہتے ہیں۔

دینی مدارس کے زیر تحقیق ۵۰ فیصد اساتذہ کی نظر میں دینی مدارس کے نظام تعلیم میں کوئی مجرد تبدیلی نہیں ہوئی۔ کیونکہ وہاں کے کارپردازوں کے اذہان اجتہادی فہم سے قطعی ناآشنا ہیں جس طرح یونیورسٹی اور کالج کے نصاب میں اسلامیات شامل کردی گئی ہے۔ بالکل اسی طرح دینی مدارس میں انگریزی وغیرہ شامل کی دی گئی ہے۔ یہ سب کچھ کسی جامع منصوبہ بندی کے تحت نہیں کیا گیا۔ اس لئے وہ نتائج پیدا نہیں ہو رہے جس کی توقع کی جارہی ہے۔ ان اساتذہ کا خیال ہے کہ دینی مدارس کو معاشرہ میں مؤثر، فعال کردار ادا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ماہرین تعلیم اور مدارس کے منتظمین مل کر ایک جامع لائحہ عمل تیار کریں جو ایک ایسا نصاب تیار کریں جس کی بنیاد دین کے محکم اصولوں پر ہو اور جدید علوم کو بھی اس میں شامل کردیا جائے۔ ان راہنما اصولوں کی روشنی میں ایسے اساتذہ تیار کرنے کی ضرورت ہے جنہیں قدیم و جدید علوم پر مکمل عبور حاصل ہو۔ کیونکہ اساتذہ ہی کو اہم کردار ادا کرنا ہوتا ہے۔ اگر انہیں قدیم و جدید علوم پر دسترس نہ ہوگی تو وہ نہ طلباء کو پڑھا سکیں گے اور نہ متاثر کرسکیں گے۔ ۳ فیصد اساتذہ ایسے بھی ہیں جن کے نزدیک دینی مدارس کے بارے میں لفظ "اصلاح" استعمال کرنا توہین آمیز ہے۔ ان کا خیال ہے کہ دینی مدارس کا نظام مکمل ہے اور اس میں کوئی خرابی نہیں۔ لہٰذا اصلاح بے معنی ہے۔ ۵ فیصد اساتذہ نے اس موضوع پر اظہار خیال سے معذرت کا اظہار کیا ۵۵ فیصد اساتذہ نے دینی مدارس کے اساتذہ کے لئے مراعات اور سہولتوں کی فراہمی کو بنیادی عنصر قرار دیا۔ جب تک دینی مدارس کے اساتذہ کو معاشرہ میں عزت و تکریم کا وہ مقام حاصل نہیں ہوگا جو جدید اسکولز، کالجز اور جامعات کے اساتذہ کو حاصل ہے۔ اس وقت تک دینی مدارس میں کسی قسم کی تبدیلی کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

دینی مدارس کیلئے لائحہ عمل تیار کرنے میں اساتذہ کی معاونت

جواب دہندگان میں سے ۵۵ فیصد اساتذہ نے مذکورہ بالا سوال کے جواب میں اپنے خیالات کا اظہار اس طرح کیا کہ اساتذہ ہی اس قابل ہوتے ہیں کہ وہ اپنے تعلیمی اور تدریسی تجربہ کی بنیاد پر مدرسہ کی پالیسیاں بنانے میں مدارس کی انتظامیہ کے معاون بنتے ہیں یعنی اساتذہ کی مشاورت سے ہی نصاب اور طریقہ تدریس کے متعلق فیصلے طے پاتے ہیں۔ البتہ انتظامی معاملات میں انہیں قریب نہیں آنے دیا جاتا۔ سوائے ان چند معتمد اساتذہ کے جو انتظامی کمیٹی میں شامل ہوتے ہیں۔ جواب دہندگان کی رائے کے تحت اساتذہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ لوگ ہی ادارہ کی روح رواں ہوتے ہیں۔ لہٰذا ادارہ کے تمام تعلیمی اور انتظامی امور ان کی مشاورت سے انجام پانے چاہئیں لیکن بعض مدارس میں تعلیمی و تدریسی امور میں اساتذہ کی رائے ضروری سمجھی جاتی ہے اور بعض اداروں میں ضروری نہیں بھی سمجھی جاتی۔ اساتذہ میں سے ۱۵ فیصد جواب دہندگان کے مطابق صرف ان اساتذہ سے مشورہ لیا

جاتا ہے جو اپنے علم اور تجربہ کے مطابق ماہرین تعلیم شمار ہوتے ہیں اور اپنی آراء میں وزن رکھتے ہیں ۔

جواب دہندگان میں ۶۰ فیصد اساتذہ نے بتایا کہ مدارس کی مجلس انتظامیہ تمام فیصلے خود کرتی ہے ۔ وہ اساتذہ کو وہ مقام نہیں دیتی جس کے حقیقی معنوں میں وہ مستحق ہوتے ہیں ۔ جواب دہندگان کے مطابق بعض مدارس میں انتظامی امور سے لیکر تعلیمی معاملات کے بارے میں سارے فیصلے مجلس انتظامیہ خود ہی کرتی ہے لہذا اساتذہ سے مشورہ حاصل کرنا ان کے نزدیک کوئی اہم بات نہیں ، نہ ضرورت محسوس کرتے ہیں ۔ اسی امر کو اساتذہ دینی مدارس کی انتظامیہ کی بنیادی غلطی تصور کرتے ہیں ، جس کے نتیجے میں دینی مدارس ، جدید درسگاہوں کے مقابلہ میں اپنا وقار پیدا نہیں کرپا رہے ۔ جبکہ مبینہ طور پر اساتذہ ہر قسم کے تعاون کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہیں ۔

دینی مدارس کے مروجہ نصاب اور طرز تعلیم میں تبدیلی کی ضرورت

پاکستان میں قائم دینی مدارس کے مجموعی جائزے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ دیہات ، قصبات اور ملک کے بڑے شہروں کے دینی مدارس کے مزاج ، انداز فکر ، طریقہ تدریس اور نظام تعلیم میں کوئی واضح تبدیلی یا فرق نہیں پایا جاتا ۔ یعنی دینی مدارس کا ڈھانچہ (Structure) ایک ہی جیسی بنیادوں پر استوار ہے کیونکہ انکی بنیاد میں ایک نصاب اور یکساں طریقہ تعلیم کارفرما ہے ۔ انکے رویوں میں بھی کوئی فرق نہیں پایا جاتا ۔ جمود اور تقلید کی راہ پر گامزن بالفاظ دیگر یہ "سلف صالحین" کی راہ پر عمل پیرا ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ جب ان دینی مدارس سے فارغ التحصیل ہونے والے عملی زندگی میں قدم رکھتے ہیں تو یہ معاشرتی تقاضوں سے نابلد ہوتے ہیں ۔

جب روز مرہ زندگی کے مسائل سے ان کا واسطہ پڑتا ہے تو وہ ان سے ناآشنائی کے سبب ان کے حل کیلئے ان کے پاس کوئی راستہ یا تجاویز نہیں ہوتیں ۔ اس کی بنیادی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ان طالبان علم کی تعلیم و تربیت ہی اس نہج پر نہیں ہو رہی ہوتی ہے ۔ چنانچہ جدید علوم سے عدم تعارف اور جدید معاشرتی مسائل سے لاعلمی حتیٰ کہ عمومی طور پر قرآن حکیم ، حدیث نبوی اور فقہ اسلامی سے صحیح استنباط کا نہ صرف ادراک نہیں ہوتا بلکہ ان میں اجتہادی بصیرت کی رمق بھی نہیں ہوتی ۔ اور نہ ہی اس کے حصول و مشق کیلئے جدوجہد کی جاتی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ ان حضرات کی اس کیفیت کے پیش نظر ان سے ملکی ، قومی ، بین الاقوامی اور خاص طور پر اسلامی فلاحی مملکت کے جدید مسائل کے حل کیلئے ان پر تکیہ نہیں کیا جارہا ہے ۔ اگرچہ دین مبین سے ان کے تمام تر اخلاص اور وقت کی قربانی کے باوجود یہ طبقہ معاشرہ میں اسلام کی حقیقی نمائندگی اور ترجمانی کا حق ادا نہیں کر پا رہا ۔

جب صورت حال یہ ہو کہ جدید علوم سے واقفیت تو درکنار انہیں عربی زبان جس میں قرآن حکیم اور

اسلامی قانون کے بنیادی ماخذ موجود ہوں اس کا ابتدائی شعور بھی ہر کسی کو حاصل نہ ہو اور یہ عربی زبان یا دیگر عالمی و ملکی زبانوں میں اپنا مافی الضمیر بھی ادا کرنے سے قاصر ہوں۔ شکر خدا تو یہ ہے کہ اس سب کے باوجود کہیں کہیں امید کے چراغ ضرور روشن ہیں۔ لیکن ان کی روشنی بھی منزل مقصود کے حصول میں مطلوبہ حد تک مدد و معاون نہیں بن رہی۔ بہرحال اب دینی مدارس کے اساتذہ اور ارباب اختیار کو یہ احساس ہو چلا ہے کہ اب نصاب و نظام میں تبدیلی ناگزیر ہے۔

اگر اسلام کی عظمت، سربلندی اور اسکی مکمل حکمرانی کی تڑپ دل میں 'ایمان' کی حیثیت سے موجزن ہو تو پھر اس آرزو کو عملی قالب عطا کرنے کیلئے انقلابی تبدیلی اور عملی جدوجہد ضروری ہے۔ دینی مدارس کو حقیقی اسلامی تعلیمات کے نور سے منور نیز جدید علوم کی وساطت سے جہالت کے اندھیروں کو مٹانا ہوگا۔ جیسے ہم انفرادی اور عمومی زندگی میں اونٹ اور گھوڑے کی پیٹھ سے اتر کر تیز ترین جہاز پر سوار ہو کر سفر کرنا روح اسلام کے منافی نہیں سمجھتے، اسی طرح عصری علوم کا حصول اور جدید سائنسی آلات سے مستفید ہونے سے بھی پیچھے نہیں رہا جا سکتا۔

دینی مدارس کے اساتذہ اور طلباء سے ہر سال ہزاروں کی تعداد میں فارغ التحصیل ہونے والے یہ بخوبی سمجھتے ہیں کہ انکے اطراف معاشرہ میں جدید درسگاہوں سے فارغ التحصیل ہونے والے اپنا ایک جداگانہ تشخص رکھتے ہیں اور اس وقت معاشرہ کا پورا ڈھانچہ اور انتظام و انصرام اس جدید تعلیم سے آراستہ طبقے کے ہاتھ میں ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے دینی مدارس میں پڑھانے اور پڑھنے والوں کے پاس معاشرہ کے کسی حصہ میں کوئی منصب و اختیار اور کوئی ذمہ داری حاصل نہیں۔ حالانکہ یہ تو دین اسلام کی حاکمیت کیلئے وقت اور جان کی قربانی دینے والے ہیں۔

زیر نظر تحقیق کے نتیجہ میں یہ امر بھی سامنے آیا ہے کہ دینی مدارس کے اساتذہ اور طلباء کے شعور میں بیداری اور چشم بصیرت میں کشادگی کی کیفیت پیدا ہو رہی ہے۔ نتیجتاً دینی مدارس کے اساتذہ اور طلباء میں اپنی گمشدہ علمی میراث کے حصول کا احساس پیدا ہو رہا ہے۔ اس کا اندازہ ان جوابات سے لگایا گیا ہے جو انہوں نے زیر نظر سوال کے جواب میں دیئے "دینی مدارس کے موجودہ نصاب اور طرز تعلیم میں اگر کسی تبدیلی کی ضرورت محسوس کرتے ہیں تو وضاحت کریں" تو جواب دہندگان میں سے ۷۰ فیصد نے دینی مدارس کے نصاب میں بنیادی تبدیلیوں کے بارے میں اپنے جن خیالات کا اظہار کیا ہے انکے پیش نظر درج ذیل نکات مرتب ہوئے ہیں۔

۱۔ قرآن حکیم کو نصاب تعلیم میں بنیادی مقام دیتے ہوئے اسکی تعلیم اس انداز سے دی جائے کہ طالبعلم میں غور و فکر کی صلاحیت پیدا ہو۔

۲۔ دینی مدارس میں مروجہ نصاب کو اس طرح مرتب کیا جائے کہ تمام مسائل سے متعلق قرآن حکیم سے استنباط کو ہی بنیادی اہمیت حاصل ہو۔

۳۔ قرآن حکیم کی تعلیم میں تفقہ اور اجتہادی انداز اپنایا جائے۔

۴۔ قرآن حکیم سے براہ راست استفادہ کے لئے عربی زبان کے علم کو بنیادی اہمیت دی جائے۔ لہذا زبان کی تعلیم اس انداز سے دی جائے کہ ادب جاہلیہ اور قدیم عہد کے تمام شعری ادب سے مکمل تعارف حاصل ہو، تاکہ قرآن حکیم کی زبان اور طرز تخاطب کو سمجھنے کے لئے ممد و معاون ثابت ہو۔

۵۔ دینی مدارس میں داخلہ کے لئے بنیادی شرط یہ ہو کہ داخلہ کے خواہاں کم از کم ایف۔ اے (F.A) ایف ایس سی (F.Sc) (انٹرمیڈیٹ) کر چکے ہوں۔

۶۔ جدید ریاضی، جدید معاشیات، جدید اقتصادیات اور جدید نفسیات وغیرہ شامل نصاب کئے جائیں۔

۷۔ عربی زبان کے ساتھ ساتھ انگریزی زبان کی بھی اعلیٰ تعلیم ضروری سمجھی جائے۔ تاکہ مذکورہ بالا علوم جدیدہ کے بارے میں تازہ ترین معلومات حاصل ہو سکیں نیز یورپ، امریکہ اور دیگر ممالک میں تبلیغ کے لئے بھی انگریزی زبان اور تبلیغ کے جدید تقاضوں کے تابع تربیت کی جائے۔

۸۔ جواب دہندگان کی رائے کے مطابق اب ضرورت ہے کہ کمپیوٹر، فیکس اور دفتروں میں استعمال ہونے والے دیگر الیکٹرک آلات کے بارے میں ضروری علم حاصل کیا جائے۔

۹۔ جواب دہندگان نے یہ بھی اظہار کیا کہ فقہ اسلامی کی اجتہادی نقطہ نظر سے ترتیب نو یا تدوین نو ہونی چاہیئے تاکہ جدید دور میں جن مسائل نے جنم لیا ہے یا جو جدید مسائل اسلام کیلئے چیلنج بن گئے ہیں اسلامی فقہ کے ذریعے ہمارے علماء ان کا جواب دینے کی بھرپور صلاحیت کے حامل ہوں۔

۱۰۔ جواب دہندگان چاہتے ہیں کہ سیرت حبیب کا مطالعہ اس انداز سے کرایا جائے کہ یہ دنیا کے سامنے انقلابی تعلیم کی بنیاد بن سکے۔

۱۱۔ جواب دہندگان کی آراء کے مطابق جدید و قدیم درسگاہوں کیلئے نصاب تعلیم اس طرح مرتب کیا جائے کہ وہ قرآنی روح کا عکاس ہو۔

۱۲۔ جواب دہندگان میں سے ۶۰ فیصد نے اس طرح اظہار رائے کیا کہ دینی مدارس کے مروجہ نصاب سے مناظرہ مجادلہ اور مباحثہ (جنہیں عرف عام میں مذہب کے حوالہ سے مختلف مکاتب فکر بلکہ اپنے مخالف فکر کو تنقید کا ہدف بنانے) کی جو تربیت دی جاتی ہے اسے فوری طور پر ختم کر دینا چاہیئے۔ اور ان فنون کی جگہ عصر حاضر کے مفید علوم و فنون (سائنس اور معاشرتی علوم) جن کے سبب انسان تسخیر کائنات میں عروج حاصل کر رہا ہے داخل

نصاب کئے جائیں ۔

۱۳ ۔ جواب دہندگان نے فرقہ سازی ، فرقہ بندی اور فرقہ پرستی کا ذکر کرتے ہوئے تجاویز پیش کیں کہ نصاب تعلیم میں تبدیلی و ترمیم اس انداز سے کی جائے کہ امت مسلمہ دوبارہ متحد ہو کر اقوام عالم میں اتحاد کیلئے نمایاں کردار ادا کر سکے جبکہ اہل علم سمجھتے ہیں کہ فرقہ سازی قرآن حکیم کی رو سے شرک ہے اور شرک ایسا جرم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اسکی بخشش نہیں ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

۱ ۔ اللہ تعالیٰ بس شرک کو ہی معاف نہیں کرتا ۔ اسکے سوا دوسرے جس قدر گناہ ہیں وہ جس کے لئے چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جس نے کسی اور کو شریک ٹھہرایا اس نے تو بہت بڑا جھوٹ تصنیف کیا اور بڑے سخت گناہ کی بات ہے ۔ (سورہ النساء ۴۸ / ۴)

۲ ۔ اور نہ ہو جاؤ ان مشرکین میں سے جنہوں نے اپنا اپنا دین الگ بنایا اور گروہوں میں بٹ گئے ہر ایک گروہ کے پاس جو کچھ ہے وہ اسی میں مگن ہے ۔ (سورہ روم ۳۲ / ۳۰)

۳ ۔ شرک یقیناً بہت بڑا ظلم ہے ۔ (سورہ لقمان ۱۳ / ۳۱)

لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ فرقہ بندی ، فرقہ سازی اور فرقہ پرستی کے نتیجہ میں تکفیر سازی کی جو روش جاری ہے اسے ختم ہونا چاہیے ۔ یہ اسی وقت ممکن ہو گا جب تمام درسگاہیں صرف نافع علم کے فروغ کے لئے کوشاں ہوں ۔ طلباء اور خصوصاً ان اداروں کے عامۃ الناس قرآن حکیم کے مطابق " مومن آپس میں رحیم اور کافروں پر سخت " کی عملی تصویر بن جائیں ۔

پاکستان کے معاشرتی مسائل کی بنیادی وجوہات

پاکستان کے معاشرتی مسائل کے اصل اسباب و وجوہ جاننے کے لئے ہمیں تشکیل پاکستان کی بنیادی اقدار کو ذہن میں رکھنا ہو گا ۔ ہماری جدوجہد کا مقصد یہ تھا کہ سامراج کی غلامی سے آزادی حاصل کر کے اللہ تعالیٰ کے آزاد بندوں کے لئے ایک خطہ ارض پاک حاصل کیا جائے ۔ جہاں اسلام (قرآن حکیم) کے محکم اصولوں کی روشنی میں ایک ایسا معاشرہ تشکیل دیا جائے گا جو ہر قسم کے استحصال سے پاک ہو گا ۔ جہاں علم و عمل کی راہیں ہر کسی کے لئے روشن کی جائیں گی ۔ جہاں درسگاہوں میں قرآن حکیم کی آیات میں تدبر و تفکر اور کائنات میں تسخیر کے نتیجہ میں زمین کو اپنے رب کے نور سے جگمگایا جائے گا ۔ جہاں حصول علم کے بعد اور تفقہ فی الدین کو فروغ دیا جائے گا ۔ کیونکہ ہمیں علم ہے کہ قرآن حکیم کی تعلیمات کے مطابق ، جو قوم تفقہ فی الدین کرے گی غلبہ حاصل کر سکے گی ۔ لہٰذا ان خواہشات کی تکمیل کے لئے ہمیں جدوجہد کے ساتھ ہر طرح کی بے حساب قربانیاں بھی دینی پڑیں ۔ بہرکیف اللہ تعالیٰ نے ہمیں پاکستان کی نعمت سے نوازا ہے ۔ کیونکہ قرآن حکیم کے مطابق جو قوم تفقہ سے

محروم ہو جاتی ہے ۔ وہ مغلوب ہو جاتی ہے (سورہ الانفال ۴۵ / ۸)

ہمارے قائدین کی جدوجہد ، عوام کی بے شمار قربانیوں کے نتیجہ میں ہمیں خطہ زمین عطا ہوا ۔ قرآن حکیم ہم سے اس طرح مخاطب ہے کہ ۔

" یاد کرو وہ وقت جب تم تھوڑے تھے ۔ زمین میں تم کو بے زور سمجھا جاتا تھا ۔ تمہیں ہر وقت دھڑکا لگا رہتا تھا کہ دشمن تمہیں مٹا نہ دیں ۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے تمہیں خطہ زمین عطا کیا اپنی مدد سے تمہارے ہاتھ مضبوط کئے اور تمہیں اچھا رزق عطا کیا کہ تم شکر گزار ہو ۔" (سورہ الانفال ۲۶ / ۸)

آزادی کی جدوجہد سے قیام پاکستان تک ------ اور اس تحریک کے اغراض و مقاصد کی روشنی میں ہم اپنے اعمال کا محاسبہ کریں تو یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ آج ہم جن معاشرتی مسائل سے دوچار ہیں ان کی وجوہات اسکے علاوہ اور کیا ہو سکتی ہیں کہ ۔

۱ ۔ ہم نے جدوجہد آزادی کے وقت جن عزائم کا اظہار کیا تھا یا اللہ تعالیٰ سے اس کے قانون کے نفاذ اور اسلام کی بالادستی کا جو عہد کیا تھا ۔ ہم نے اسے پورا نہیں کیا ۔

۲ ۔ امت مسلمہ کی وحدت کو بوجوہ فرقوں میں تقسیم کرکے پارہ پارہ کردیا گیا اور اس طرح بالواسطہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے ہاتھ مضبوط کئے گئے ۔

۳ ۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے کہ صاحبان علم ہی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے سرگرم عمل رہتے ہیں ۔ لیکن ہم نے علم کے فروغ کے لئے درسگاہوں کی تنظیم نہ کی بلکہ علم کو منفعت کا ذریعہ بنالیا اور حقیقی علم سے اللہ تعالیٰ کے بندوں کو دور کردیا ۔

۴ ۔ تدبر و تفکر کی جگہ جمود و تعطل نے لے لی ۔

۵ ۔ تحقیق و تسخیر کائنات کی جگہ توہم پرستی اور جہالت جگہ پا گئی ۔

۶ ۔ قرآن حکیم کو ضابطہ حیات بنانے کی بجائے اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے بنائے ہوئے قانون کو اپنے اوپر مسلط کرلیا ۔

اور ہم خوار ہوئے تارک قرآن ہو کر

اس ضمن میں دینی مدارس کے اساتذہ نے جن خیالات کا اظہار کیا انہیں ذیل میں منتقل کیا جارہا ہے ۔

۔ جواب دہندگان میں سے ۴۰ فی صد اساتذہ نے معاشرتی مسائل کا سبب جہالت اور دین کے محکم اصولوں سے بیزاری اور فرار قرار دیا ۔ اسکے علاوہ دیگر وجوہات درج ذیل ہیں

۔ اربابِ اقتدار نے لڑاؤ اور حکومت کرو (Devide and Rule) کے سامراجی اصولوں کے تحت امتِ مسلمہ کو مختلف طبقات اور گروہوں میں تقسیم کر دیا چنانچہ اس سے بہت سے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔

۔ درسگاہوں میں اہل علم کی بجائے مفاد پرستوں کا راج ہے۔

۔ سامراج کا استحصالی نظام رائج ہے۔

۔ غربت و افلاس کی آکاس بیل نے عوام کی صلاحیتوں کو برباد کر دیا نتیجتاً ان میں زندگی کی رمق باقی نہیں۔

۔ ذرائع ابلاغ پر مغرب زدہ طبقہ کا راج ہے، جس کے نزدیک بے حیائی فیشن بن گئی۔

۔ درسگاہیں، خواہ وہ دینی ہوں یا جدید درسگاہیں وہ تجارتی مراکز بن گئے ہیں۔ دونوں میں نہ دین کا مکمل نصابِ تعلیم ہے نہ دنیا کی حقیقی معرفت۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم
نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

۔ معاشرہ کو طبقات (Social Classes) میں تقسیم کر دیا گیا۔

۔ تمام مراعات، تمام سہولتیں، حتیٰ کہ تعلیم کے تمام اعلیٰ معیارات اور تمام جدید درسگاہوں تک رسائی صرف اربابِ اقتدار و اختیار اور اہلِ ثروت تک محدود ہو گئی ہے۔ چنانچہ غریب اور مظلوم طبقہ کے بچے صلاحیتوں کے باوجود ان سہولتوں سے محروم رہتے ہیں۔

۔ جب تک طبقاتی سامراجی نظام قائم ہے معاشرہ میں بہتری کے آثار پیدا نہیں ہو سکتے۔

۔ غربت و جہالت کا نتیجہ ہے کہ عوام شہریت اور اچھے شہری کی حیثیت سے اپنے حقوق و فرائض سے ناواقف ہیں، حفظانِ صحت کے اصولوں سے لاعلم ہیں، چنانچہ معیارِ زندگی پست ہے، ان حالات میں اچھا معاشرہ کیونکر تشکیل پا سکتا ہے۔

۔ مذہبی، سیاسی، اور سرمایہ دار طبقہ اور لیڈروں نے فرقہ پرستی، لسانی عصبیت کو پروان چڑھا کر بھائی کو بھائی کا دشمن بنا کر اپنی سیاست کی دکان چمکا رکھی ہے۔

جوابِ دہندگان میں سے ۹۰ فی صد کی رائے ہے کہ رائج نظام کی مکمل تبدیلی کے بغیر معاشرتی مسائل کی اصلاح ناممکن ہے۔ لہٰذا ضرورت ہے کہ اہل علم میدان میں آئیں اور وہ۔

۱۔ عوام کے شعور کو بیدار کریں۔

۲۔ ان کے لئے تعلیمی سہولتوں کا انتظام کریں۔

۳۔ اخبارات، رسائل اور دیگر ذرائع ابلاغ کے ذریعے اسلامی نظریہ حیات کی انقلاب آفریں تعلیمات لوگوں تک پہنچائیں۔

دینی مدارس کے فضلاء کو درپیش جدید معاشرتی مسائل

اللہ تعالیٰ نے تخلیق کے وقت انسان کو حواس خمسہ عطا کرنے کے ساتھ ساتھ شعور کی نعمت سے بھی سرفراز کیا ۔ یہی وہ خصوصیت ہے جو انسان کو دیگر مخلوقات سے ممتیز کرتی ہے لیکن اسکی نشو ونما کا تعلق تعلیم سے ہے ۔ اگر کسی انسان کی تعلیم و تربیت نہ ہو سکی ہو تو اس کا شعور اسکی زندگی میں کوئی اہم کردار ادا نہیں کر سکتا ۔ یہی وجہ ہے کہ ماضی قدیم سے ہی تعلیمی درسگاہوں میں تمام علوم متداولہ کی تعلیم اس انداز سے دی جاتی تھی کہ انسان کے شعور میں نمو و ارتقاء پیدا ہو ۔ اسلام کی بنیادی کتاب ، کتاب حکم نے بھی تعلیم و تعلم کے ساتھ تفکر وتدبر کو بڑی اہمیت دی ہے ۔ اس لئے وہ بار بار تفکر و تدبر کی مختلف انداز میں دعوت دیتی ہے تاکہ انسانی شعور کی بیداری تعلیم و تربیت کے ساتھ مشروط رہے ۔

یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ ماضی کے وہ علماء جنہوں نے تدبر اور تفکر کرکے راسخ علم اور بیدار شعور کے ذریعے قرآن حکیم کی تفاسیر تحریر کیں ، سیرت طیبہ کی تدوین و ترتیب ، فلسفہ ، منطق ، معاشیات ، اقتصادیات ، علم ہندسہ و علم طب ، تاریخ و ادب اور شاعری کے میدان میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ۔ پھر وہ دور بھی آیا جب تمام یورپ اور مشرق و مغرب نے مسلمان اہل علم کی تحقیقات کا اعتراف کرتے ہوئے اس سے استفادہ بھی کیا ۔ لیکن جب تعلیم کے نظام میں تحقیق و تعقل کے بجائے جمود کی کیفیت پیدا ہوئی تو وہ کردار ادا نہ ہو سکا جو ہمارے اسلاف نے ادا کیا ۔ آج بھی درسگاہیں موجود ہیں ، اساتذہ بھی ہیں اور طالبعلم بھی ۔ اس سب کے باوجود شاید شعور کی شمع بند ہو گئی ہے ۔ چنانچہ رٹو طوطا طریقہ ہی چل رہا ہے ۔ تعلیم میں غور وفکر اور فہم و تدبر کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی ۔ ساری تعلیم تقلید پر ہوتی ہے ۔ تقلید کے معنی اگر یہ ہیں کہ انسان اپنی عقل و فکر سے کوئی کام نہ لے تو پھر جو طالبعلم سب سے زیادہ کتابیں رٹ لے گا وہی بڑا عالم سمجھا جائے ۔ یہی وجہ ہے کہ یہ طریقہ تعلیم ارتقاء پذیر نہیں رہا ۔

درسگاہوں میں کتابیں پڑھانے کا ضرور انتظام ہے لیکن شعور کی جلا اور اسکی بیداری کو اہمیت نہیں دی جاتی ۔ یہی وجہ ہے کہ یہ باور کرانے کی کوشش شروع کردی گئی ہے کہ ہماری درسگاہوں سے عموماً اور دینی درسگاہوں سے خصوصاً فارغ التحصیل ہونے والے معاشرتی مسائل کا نہ شعور رکھتے ہیں نہ ادراک ۔ البتہ جدید درسگاہوں نے حالات اور وقت کے تقاضوں کا احساس کرتے ہوئے اپنے نصاب کو اس طرح ترتیب دیا ہے کہ طلباء کو کسی قدر جدید علوم پڑھا کر اس قابل کردیا جائے کہ وہ معاشرہ میں متحرک رہ سکیں نیز وہ اپنی روٹی کمانے کے قابل بھی ہو جائیں لیکن وہاں سارا زور تلاش معاش پر ہے ۔ جبکہ زندگی کے دوسرے شعبوں میں شعور کیا کردار ادا کرتا ہے یا کر سکتا ہے انہوں نے بھی اس طرف زیادہ توجہ نہیں دی ۔ دوسری جانب دینی مدارس کے

بارے میں یہ تاثر عام ہے کہ یہاں سے فارغ ہونے والا طالبعلم اس معاشرہ میں روٹی کمانے کے بھی قابل نہیں ہوتا یعنی انکے پاس روزگار کے حصول کے لئے کوئی پیشہ، ہنر اور فن بھی نہیں ہوتا۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ وہ درسگاہوں سے فارغ ہونے کے بعد خود ایک نیا دینی مدرسہ، مسجد اور خانقاہ قائم کرنے کی کوشش میں لگ جاتے ہیں۔ نیز "اسیر کمینی و جمود" ہونے کے سبب روٹی کی فکر سے بے نیاز ہوجاتے ہیں۔

دنیا کے بدلتے ہوئے حالات، جدید معاشرتی تقاضے، عصری تحقیقات، سائنسی انکشافات اور ذرائع ابلاغ نے نہ صرف عقل انسانی کو متحیر کیا ہے بلکہ اسے دعوت فکر بھی دی ہے۔ چنانچہ انسان نے اردگرد کے ماحول سے متاثر ہو کر تبدیلی کی طرف قدم اٹھایا ہے۔ ان میں دینی درسگاہوں کے اساتذہ بھی شامل ہیں جو تمام تر عقلی و علمی صلاحیتوں سے متصف ہیں۔ وہ بھی یہ سمجھتے ہیں کہ یہی مدارس تھے جہاں سے بو علی سینا، رازی، ابن الہیثم، جابر بن حیان، عمر خیام (ماہر ریاضی دان) ابن خلدون جیسی نابغہ روزگار شخصیات پیدا ہوئیں۔ اس حقیقت نے ان اساتذہ میں اب بھی ایک نوع کا احساس تفاخر پیدا کیا ہے۔ محسوس ہوتا ہے کہ وہ بھی اب کچھ کر گزرنے کا عزم رکھتے ہیں۔ وہ بھی چاہتے ہیں ان درسگاہوں سے ایسے باصلاحیت عالم باعمل نکلیں جو اپنے اسلاف کی عظمتوں کا پرتو ہوں۔

اساتذہ نے جن خیالات کا اظہار کیا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اب دینی مدارس کے ارباب بست و کشا اکیسویں صدی کے تقاضوں کو محسوس کر رہے ہیں۔ انہوں نے اپنے طلباء کی تعلیم کے نظام کو اب جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کا عزم کر لیا ہے۔ طلبا کی تعلیم میں قرآن حکیم کے اس اہم اصول یعنی تدبر و تفکر کو اہمیت دی جا رہی ہے۔ طلباء کی تعلیم اس انداز سے کی جا رہی ہے کہ ان میں اجتہادی بصیرت پیدا ہو چونکہ اجتہادی بصیرت شعور کا لازمہ ہے اور اس بصیرت کے سبب وہ معاشرہ، معاشرتی مسائل اور معاشرتی تقاضوں کو پہلے کی نسبت بہتر طور پر سمجھنے لگے ہیں۔ اساتذہ سمجھتے ہیں کہ دینی مدارس کے طلباء اب نہ صرف جدید مسائل میں دلچسپی سے غور و فکر کرنے لگے ہیں بلکہ وہ قرآن حکیم اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں ان کے حل کی راہیں بھی تلاش کرنے لگے ہیں۔ اس کے باوجود اساتذہ میں سے ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو اپنا تشخص بدلنے کے لئے تیار نہیں وہ اپنی پہچان اور اپنی شان اسی میں سمجھتا ہے کہ وہ الگ پہچانے جائیں تاکہ انکا تعلق ماضی سے نہ ٹوٹے۔

بہرحال روشن خیال اساتذہ نے اس رائے کا اظہار کیا کہ دینی مدارس سے فارغ التحصیل ہونے والوں کو بھی ملک کے حکومتی انتظام، سیاست، معاشیات، اقتصادیات وغیرہ کے موضوعات پر خیالات اظہار کے لئے ملکی ذرائع ابلاغ پر دعوت دی جائے۔ حکومتی سطح پر دینی درسگاہوں کی سرپرستی کی جائے تاکہ ان کا معیار تعلیم بھی

بند ہو اور انہیں بھی پذیرائی ملے ۔ دینی مدارس اور جدید درسگاہوں کے طلبا کو بھی اجتماعی طور پر مذاکرات میں زندگی کے عملی مسائل پر اظہار خیال کا موقع دیا جائے ۔

شعور کے پروان چڑھانے میں اساتذہ کا کردار

معاشرہ میں اساتذہ کے کردار کے حوالے سے **معلم انسانیت** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہمارے لئے حقیقی طور پر مشعل راہ ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ تعلیم و تعلم کی نسبت سے ہمیشہ انبیاء کرام کو مقدس ترین شخصیات سمجھا جاتا رہا ہے ۔ انکی عظمت و کردار کے سبب آج بھی انبیاء ماسبق کا نام ادب و احترام بلکہ نہایت احترام سے لیا جاتا ہے ۔ بالفاظ دیگر انبیاء کرام کا تقدس و احترام جزو ایمان سمجھا جاتا ہے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب تبلیغ کا آغاز کیا تو مخاطبین اول کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ۔" میں ایک عمر تمہارے درمیان گزار چکا ہوں ۔ تم عقل سے کام کیوں نہیں لیتے "(سورہ یونس ١٠ / ١٦)

قرآن حکیم کی اس آیت میں ایک عظیم حقیقت بیان کی گئی ہے ۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاشرہ میں تبلیغ کے آغاز سے قبل اپنی ذات کو بطور چیلنج پیش کیا ۔ مخاطبین کو اپنا علم (جو وحی خداوندی کی صورت میں عطا ہوا) اور کردار پیش کیا ، کہ کوئی ہے میرے علم اور میرے کردار پر انگلی اٹھا سکے ۔ تاریخ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت پہلی اور آخری شخصیت ہے ، جس نے اپنی ذات کو معاشرہ کے سامنے چیلنج کے ساتھ پیش کیا ۔ مخاطبین اول اپنی تمام تر مخالفت کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت کردار میں نہ حرف گیری کی جرات کر سکے نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم اور پیغام کو جھٹلا سکے ۔ یہ اور بات ہے کہ صدیوں کی اسلاف پرستی اور ان کی جھوٹی انا ان کے پیروں میں زنجیر بن گئی ۔

قرآن حکیم نے دوسرے مقام پر واضح الفاظ میں فرمایا کہ " حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات تمہارے لئے عمل کا بہترین بلکہ حسین ترین نمونہ ہے ۔ لہذا انکی اتباع کرو ۔ ان کی پیروی کرو ۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی ایک انسان کے لئے ، ایک باپ ، ایک شوہر ، ایک استاد ، مدبر و قانون دان کے لئے ، حاکم اور منصف کے لئے مکمل نمونہ ہے لہذا کوئی انسان زندگی کے کسی گوشہ سے تعلق رکھتا ہو اسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ حسنہ سے کسب فیض کرنا ہوگا ۔ یہی بات اساتذہ پر بھی صادق آتی ہے کہ انہیں بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر چلنا ہوگا ۔ پہلے اپنا تزکیہ نفس کریں ، پھر علم کے حوالہ سے راسخون فی العلم کا مقام حاصل کریں اور عمل کے اعتبار سے حسن کردار ، حسن اخلاق سے اپنی شخصیت کو منور کرکے طلباء کی نظر میں محترم و لائق احترام بنائیں ۔ ان مراحل اور منازل سے گزرنے والے اساتذہ ہی طلباء کے شعور کو بیدار کرکے انہیں اگلی منزلوں کے سفر پر گامزن کر سکتے ہیں ۔ جو اساتذہ ان اوصاف سے متصف نہیں ہوتے وہ

طلباء کے شعور کو پروان چڑھانے میں نصاب میں تبدیلی کی ضرورت

مستقبل کے معماروں کی تعلیم و تربیت میں متناسب اور متوازن نظام تعلیم ہی اہم کردار ادا کرتا ہے ۔ دنیا میں اس حقیقت کو جن اقوام نے سمجھا، انہوں نے اپنے نونہالوں کی تعلیم و تربیت کا اس طرح نظام قائم کیا کہ ان کی دوسری نسل حقیقی معنوں میں زندہ و بیدار قوم کہلانے لگی ۔ ہمارے اسلاف نے بھی نوجوانوں کی تعلیم و تربیت کے لئے ایسا ہی نصاب مرتب کیا تھا، جس نے قوم کی عظمت اور تشخص کو کندن کی طرح چمکا دیا قرآن حکیم اور سیرت طیبہ کی تعلیم نے نہ صرف ان میں تدبر و تفکر کا جذبہ پیدا کیا بلکہ حق و باطل کو پرکھنے کا معیار بھی عطا کیا ۔ چنانچہ اس سے زندگی کے مسائل اور بدلتے ہوئے حالات کے تقاضوں کے پیش نظر تفقہ اور اجتہاد کی بصیرت پیدا کی، تسخیر کائنات کے لئے جن علوم کی ضرورت تھی وہ سب ان کو سکھائے گئے چنانچہ اس امت نے امت وسطیٰ کا کردار ادا کر کے پوری دنیا کی امامت کا شرف حاصل کیا ۔

گردش لیل ونہار نے وہ وقت بھی دکھایا کہ وہ قوم جس کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو وحی نازل ہوئی اس کا آغاز ہی لفظ " اقراء " سے ہوا تھا۔ وہ جہل اور سہل انگاری کے گرداب میں ایسی پھنسی کہ اسلاف کی محنت سے کچھ فائدہ نہ اٹھا سکی ۔ " ہر اندھیرے میں پنہاں ایک کرن ہوتی ہے " کے مصداق امت مسلمہ میں کچھ ایسے افراد پیدا ہوئے جنہیں اسلام کے عملی تقاضوں کا ادراک اور اسلاف کے کارناموں کا علم تھا ۔ انہوں نے علم کی شمع کو روشن رکھا ۔ اس کے باوجود جوں جوں زمانہ آگے بڑھتا گیا مسلمانوں کی درسگاہیں بھی تقلید کے اندھیروں میں ڈوب جانے سے دین و دنیا کے خانوں میں تقسیم ہوگئیں ۔ چنانچہ علماء خانقاہیت کے سحر میں گم ہو کر جہاد کے فرض سے کنارہ کش ہوگئے ۔ درسگاہیں ترقی یافتہ نظام اور نصاب سے محروم ہوگئیں ۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ جو طلباء وہاں سے فارغ ہو کر عملی میدان میں آئے ۔ انہوں نے نہ صرف اپنے آپ کو اجنبی محسوس کیا بلکہ معاشرہ نے بھی انہیں حیرت کی نظر سے دیکھا ۔ ان کی مثال مسجد کی لکڑیوں کی سی تھی جو نہ سوختنی نہ فروختنی ۔ اس صورت حال کو محسوس کرتے ہوئے کچھ ارباب دین نے دینی مدارس کی ہیئت میں تبدیلی کی کوشش کی، لیکن جدید علوم کو وہ بھی شجر ممنوعہ ہی سمجھتے رہے ۔ جب کہ دوسری جانب جدید درسگاہوں نے نصاب کو باقاعدہ ایک نظم کے ساتھ مرتب کیا، لیکن دین اسلام کے لئے وہ بھی کچھ نہ کر سکے ۔

اس طرز کی باہم متضاد درسگاہیں مسلمانوں کی نہ دنیا سنوار سکیں اور نہ دین کی خدمت کر سکیں ۔ زمانہ حال کی جدید تعلیم گاہوں اور دینی مدارس میں جو نصاب تعلیم رائج ہے وہ عصری تقاضوں سے قطعاً ہم آہنگ نہیں دنیا کے تمام ممالک میں ملک کا آئین اور تعلیمی اداروں کا نصاب ہمیشہ قومی نظریہ حیات کی اساس پر استوار کیا جاتا رہا ہے ۔ اسی سبب وہاں رہنے والوں میں اپنے وطن اور عوام سے محبت اور خدمت کے جذبات فروغ پاتے

ہیں ۔ ہمارے ملک میں نہ آئین ہمارے نظریہ حیات کا ترجمان ہے اور نہ نصاب تعلیم ۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ تمام درسگاہوں (جدید درسگاہوں اور دینی مدارس) کا نصاب تعلیم از سر نو مرتب کیا جائے ۔ جس میں ، قرآن حکیم اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کو بنیاد قرار دیا جائے ۔

- نصاب ایسا مرتب کیا جائے جو ہماری دینی ، معاشرتی ، قومی ، ملی اور بین الاقوامی ضروریات کو پورا کرتے ہوئے ہمیں ترقی کی شاہراہ پر گامزن کر دے ۔

- دینی نصاب تعلیم اسلامی تعلیمات کے حوالے سے ہمارے جدید اور عصری تقاضوں کو بھی پورا کرنے والا ہو ۔

- دینی مدارس کے نصاب میں قرآنی عمرانیات اور معاشرت اسلامی کے خصوصی مضامین بھی داخل نصاب کئے جانے چاہییں ۔

- مروجہ نصاب تعلیم " درس نظامی " میں عصری علوم کو اس طرح جگہ دی جائے کہ اسلامی رنگ غالب رہے ۔ البتہ منطق اور قدیم و جدید فلسفہ کا مختصر تعارف بھی کرایا جائے ۔

- اسلامی مقصد حیات کے تابع از سر نو نصاب کی کتب بھی تصنیف کی جائیں ۔

- ملکی حالات اور عوامی ضروریات کے پیش نظر نیز طلباء کی ذہنی استعداد کو ملحوظ رکھتے ہوئے نصاب میں تبدیلی لائی جائے ۔

- نصاب میں جدید سائنسی اور معاشرتی علوم کے ساتھ عالمی زبانوں کی اہمیت کے پیش نظر جدید خطوط پر انکی تعلیم پر توجہ دی جائے اور کمپیوٹر کی تعلیم و تربیت کو ابتداء ہی سے شامل نصاب کیا جائے ۔

- دینی مدارس کے نصاب میں حالات حاضرہ کا بھی ایک مضمون شامل کیا جانا چاہیے ۔ نیز تاریخ عالم ، دنیا میں رائج نظام حکومت اور وسائل عالم اور انکے ساتھ مختلف عالمی تحریکوں کا تعارف بھی شامل نصاب کیا جائے ۔

- دینی مدارس کے نصاب میں عالم اسلام کو درپیش عالمی مسائل جیسے اہم موضوعات کی تدریس کا بھی انتظام ہونا چاہیے ۔

- نصاب تعلیم میں دنیا میں رائج اقتصادی اور بینکوں کے نظام کا بھی تعارف جس میں اسلامی اقتصادی نظام کا موازنہ بھی شامل ہو ایک مضمون کے طور پر داخل کیا جانا چاہیے ۔

- نصاب کو اسطرح متوازن ہونا چاہیے کہ وہ ہماری معاشرتی ، انفرادی اور اجتماعی ضروریات کا ادراک رکھتے ہوئے انہیں پوری کرنے کا ضامن ہو ۔

- نصاب میں بزرگان دین کے حالات زندگی ، انکی اسلامی اور سماجی خدمات نیز اسلام کے مجاہدوں کے کارنامے بھی شامل کئے جائیں ۔

- مروجہ نصاب تعلیم "درس نظامی" میں عصری علوم کو اس طرح جگہ دی جائے کہ اسلامی رنگ غالب رہے۔ البتہ جدید منطق اور قدیم و جدید فلسفہ کا مختصر تعارف بھی کرا دیا جائے۔

- اسلامی مقصد حیات کے تابع ازسرِ نو نصاب کی کتب تصنیف کر کے مدارس میں رائج کی جائیں۔

- ملکی حالات اور عوامی ضروریات کے پیش نظر نیز طلباء کی ذہنی استعداد کو ملحوظ رکھتے ہوئے نصاب میں تبدیلی لائی جائے۔

- نصاب میں جدید سائنسی اور معاشرتی علوم کے ساتھ عالمی زبانوں کی اہمیت کے پیش نظر جدید خطوط پر انکی تعلیم پر توجہ دی جائے اور کمپیوٹر کی تعلیم و تربیت کو ابتداء ہی سے شامل نصاب کیا جائے۔

- دینی مدارس کے نصاب میں حالات حاضرہ کا بھی ایک مضمون شامل کیا جانا چاہیے۔ نیز تاریخ عالم، دنیا میں رائج نظام ہائے حکومت اور دساتیر عالم کا مطالعہ اور انکے ساتھ مختلف عالمی تحریکوں کا تعارف بھی شامل نصاب کیا جائے۔

- دینی مدارس کے نصاب تعلیم میں عالم اسلام کو درپیش عالمی مسائل جیسے اہم موضوعات کی تدریس کا بھی انتظام ہونا چاہیے۔

- دنیا میں رائج اقتصادی نظام اور بینکوں کے طریقہ کار کا تعارف جس میں اسلامی اقتصادی نظام کا موازنہ بھی شامل ہو ایک مضمون کے طور پر داخل نصاب کیا جانا چاہیے۔

- نصاب تعلیم کو اسطرح متوازن ہونا چاہیے کہ وہ ہماری معاشرتی، انفرادی اور اجتماعی ضروریات کا ادراک رکھتے ہوئے انہیں پورا کرنے کا ضامن بھی ہو۔

- نصاب میں بزرگان دین کے حالات زندگی، انکی اسلامی اور سماجی خدمات نیز اسلام کے مجاہدوں کے کارنامے بھی شامل کئے جائیں۔

- دینی مدارس کے نصاب کی تشکیل میں یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ دینی علوم کی تدریس و تحصیل دینی جذبہ کے ساتھ ہونی چاہیے۔

- نصاب تعلیم طلباء کی ذہنی استعداد کو مد نظر رکھتے ہوئے ایسا بنایا جائے جو ذہن سازی کے ساتھ رزق حلال کی تگ و دو پر مائل کر کے معاشرتی مطابقت پیدا کرنے کا بھی موجب بنے۔

- دینی مدارس کا نصاب تعلیم عالمی ضروریات، مسائل اور انکے حل نیز مستقبل کے درپیش چیلنجوں کو بھی ملحوظ رکھ کر مرتب کیا جائے۔

دینی مدارس کے جواب دہندگان میں سے اکثریت مروجہ نصاب میں مندرجہ بالا تبدیلیوں کی خواہاں ہے۔

۔ دینی مدارس کے نصاب کی تشکیل میں یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ دینی علوم کی تحصیل دینی جذبہ کے ساتھ ہونی چاہیے ۔

۔ نصاب تعلیم طلباء کی ذہنی استعداد کو مد نظر رکھتے ہوئے ایسا بنایا جائے جو ذہن سازی بھی کرے اور رزق حلال کی تگ و دو پر مائل بھی کرے ۔ نیز معاشرتی مطابقت پیدا کرنے کا موجب بھی بنے ۔

۔ دینی مدارس کا نصاب تعلیم عالمی ضروریات ، مسائل اور انکے حل نیز مستقبل کے در پیش چیلنجوں کو بھی ملحوظ رکھ کر مرتب کیا جائے ۔

دینی مدارس کے جواب دہندگان میں سے اکثریت مروجہ نصاب میں مندرجہ بالا تبدیلیوں کی خواہاں ہے ۔ لیکن اس امر سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ۲۵ فیصد اساتذہ دینی مدارس میں رائج نصاب کو حتمی اور مکمل سمجھتے ہیں ۔ اس میں کسی قسم کی تبدیلی کیلئے آمادہ ہی نہیں ہیں ۔ بلکہ اسکی تبدیلی میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں ۔ اس سب کے باوجود عالمی معاشرتی حالات میں آئی ہوئی تبدیلی کے پیش نظر کچھ روشن ضمیر علماء نصاب میں مثبت تبدیلی لانے کے لئے تیار بھی ہیں لیکن مدارس کی انتظامیہ بعض جگہوں پر انکی اس کوشش کو بار آور ہی نہیں ہونے دیتی ۔

طلباء کے شعور کو پروان چڑھانے کے لئے طرز تعلیم میں اصلاح

تعلیم کے حوالے سے ہر دور میں علماء ، اساتذہ اور فلاسفہ ابلاغ کے نئے بہتر اور موثر طریقے اختیار کرنے کی کوشش میں رہے ہیں ۔ اساتذہ نے ہمیشہ اپنے علم ، تجربہ اور اپنی آئیڈیل شخصیت سے طلباء کو متاثر کرکے ان میں علم کے حصول کے لئے شوق اور لگن پیدا کی ہے ۔ ترقی کے پیش نظر زمانہ کے بدلتے تقاضوں کے ساتھ درس و تدریس کے طریقے بھی بدلتے گئے ۔ ابتداء میں تعلیم و تعلم کے لئے حروف سے تعارف ، تحریر ، مکالمہ و تقریر کے طریقے کو اپنایا گیا ۔ ماضی میں اساتذہ کا طریق تدریس قدرے مشکل اور بوجھل بھی تھا ۔ اس لئے رفتہ رفتہ تعلیم و تعلم کے مختلف طریقے ایجاد ہوئے ۔ اس مقصد کے لئے پرائمری ، ثانوی پھر اعلیٰ تعلیم کے درجات قائم کئے گئے ۔ اس کے ساتھ ایک طالبعلم کی ذہنی استعداد کو نشوونما دینے کے لئے اسکی عمر کے اعتبار سے بھی کئی طریقے رائج ہوئے ۔ جیسے Montessori System میں معصوم بچوں کے ذہنی رجحانات کو جانچنے کے لئے رنگوں اور کھلونوں سے مدد لی جاتی ہے ۔ موسیقی کے آلات پر خوبصورت نغموں کی دھنوں سے ان کی جمالیاتی حس کو بیدار کیا جاتا ہے ۔ اس کے بعد K.G. ، پرائمری اور ثانوی درجات آتے ہیں ۔ اب کمپیوٹر کا مزید اضافہ ہوگیا ہے ۔ اس میں کھیل سے لیکر تمام علمی تحقیقات کو اس طرح محفوظ کردیا گیا ہے کہ طالبعلم جب چاہے اور جو چاہے معلوم کرسکتا ہے ۔ ترقی یافتہ ممالک میں ہر لحظہ تعلیم اور تدریس کے حوالے سے بڑی اہم اور دوررس تبدیلیاں

رونما ہو رہی ہیں۔

دینی مدارس ابھی تک ماضی کی فضاؤں میں سانس لے رہے ہیں۔ ان میں وہی لگا بندھا طریق تدریس ہے ان مدارس میں نہ طالبعلم کی عمر کو ملحوظ رکھا جاتا ہے اور نہ ہی انکی ذہنی استعداد کو ناپنے کا کوئی پیمانہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں سے فارغ التحصیل ہونے والے طالبعلم کا تعلیم کے شعبہ میں مستعمل سائنسی آلات کا استعمال اور ان سے استفادہ کرنا تو درکنار اسے ان سے کماحقہ تعارف بھی نہیں ہوتا۔ ضرورت ہے کہ دینی مدارس میں طریق تدریس میں عصری تقاضوں اور اہم سائنسی انکشافات اور تحقیقات کو مدنظر رکھتے ہوئے تبدیل کیا جائے۔

یہ حقیقت ہے کہ دینی مدارس کے اساتذہ نے طرز تعلیم میں تبدیلی کے تقاضوں کو محسوس کرنا شروع کردیا۔ اساتذہ چاہتے ہیں کہ دینی مدارس کے طریقہ تعلیم پر کشش اور سہل ہو، طلباء کے تعلیمی رجحان اور ذہنی استعداد کے فرق کو جدید نفسیاتی طریقوں سے پرکھتے ہوئے انکی تدریس درجہ بدرجہ آگے بڑھائی جائے۔ اساتذہ تعلیم کے ساتھ تجربہ کی اہمیت کو بھی محسوس کرنے لگے ہیں، اس لئے وہ چاہتے ہیں کہ دینی مدارس میں بھی جدید علوم اور تجربات کو اہمیت دی جائے۔ علاوہ ازیں

- طرز تعلیم میں تبدیلی کے خواہاں اساتذہ تعلیم کے ساتھ تربیت کو بھی لائق توجہ سمجھتے ہیں، جس کے لئے ماحول بھی تعلیمی، پرسکون اور پاکیزہ ہونا ضروری ہے۔
- طرز تعلیم میں ایسی تبدیلی لائی جائے کہ طلباء کو عمل پر لایا جاسکے۔ تاکہ تعلیم مفید اور نفع بخش ثابت ہو۔
- تعلیم و تدریس میں بلیک بورڈ، نقشے، چارٹ اور جدید آڈیو وڈیو یل آلات استعمال کئے جائیں۔
- طرز تعلیم میں تبدیلی کے پیش نظر جدید تعلیمی و تدریسی نیز نفسیاتی طریقے اختیار کئے جائیں۔
- پرانے طریقہ تدریس کی بجائے لیکچر میتھڈ اپنایا جائے۔
- طرز تعلیم میں رٹہ لگانے کی بجائے طلباء میں غوروفکر اور تجسس کی عادت پیدا کی جائے۔
- بچوں کو شفقت سے پڑھایا جائے تاکہ ان میں تعلیم کا شوق پیدا ہو۔ مار پیٹ سے اجتناب برتنا چاہیے۔
- جدید درسی معاونات سے استفادہ کرنا چاہیے۔
- درس و تدریس میں سیکھنے، سکھانے کا پہلو مدنظر رہنا چاہیے۔
- طرز تعلیم میں ایسی تبدیلی کی ضرورت ہے کہ درس و تدریس میں کشش پیدا ہو، طلباء کو شوق، لگن، تجسس اور غوروفکر کی عادت پڑے، ذہنی صلاحتیں پیدا ہوں اور تعلیمی استعداد بڑھے نیز طلباء کی تعلیمی نفسیات کو ملحوظ رکھا جائے۔
- طرز تعلیم میں تبدیلی کے سلسلہ میں مذکورہ بالا تجاویز جواب دہندگان کے پرشعور مصاحبہ ناموں سے مرتب کی گئی ہیں۔ یہاں یہ بات تحریر کرنا ضروری ہے کہ جواب دہندگان میں وہ اساتذہ بھی کثیر تعداد میں موجود ہیں جو مروجہ طرز تعلیم میں تبدیلی کو دینی مدارس کے لئے نقصان دہ سمجھتے ہیں۔

۲۔ ذرا زمین میں چل پھر کر دیکھو جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔ (سورہ الانعام ۶/ ۱۱ اور سورہ النحل ۱۶ / ۳۶)

۳۔ ان سے کہو کہ زمین میں چلو پھرو اور دیکھو کہ اس نے کسطرح خلق کی ابتداء کی۔ (سورہ العنکبوت ۲۹ / ۲۰)

۴۔ ان سے کہو کہ زمین میں چل پھر کر دیکھو پہلے گزرے ہوئے لوگوں کا کیا انجام ہوا ان میں اکثر مشرک ہی تھے۔ (سورہ الروم ۳۰ / ۴۲)

ان آیات محکمات کی روشنی میں اللہ تعالیٰ نے سیاحت کی اہمیت بیان کرتے ہوئے اس کا مقصد بھی بیان کیا کہ قوموں کے عروج و زوال کی عبرت انگریز نشانیاں ملاحظہ کریں تاکہ اللہ تعالیٰ کے قانون مکافات عمل پر تمہارا یقین کامل ہوجائے۔ سیاحت سے نہ صرف مختلف علاقوں کے جغرافیائی، ثقافتی اور سیاسی حالات کا علم حاصل ہوتا ہے بلکہ ایک نئج سے قوموں کے تقابلی مطالعہ کا بھی موقع مل جاتا ہے۔ جواب دہندگان میں سے کچھ اساتذہ اس سے متفق ہیں۔ اساتذہ کا خیال ہے کہ نصابی سرگرمیوں کے علاوہ علمی مجالس، علمی مباحثے، تقریری اور تحریری مضامین کے مقابلوں کا اہتمام کیا جائے نیز غیر نصابی سرگرمیوں میں جسمانی صحت کے حوالہ سے کھیلوں کو بھی اہمیت دی جائے۔ ان کا خیال ہے کہ اس سے کھیل کے قاعدے اور قانون، طلباء میں ایک نظم و ضبط، جدوجہد اور حوصلہ پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اس لئے کہ صحت مند دماغ ایک صحت مند جسم میں ہی ممکن ہے۔ نیز تسخیر کائنات، مظاہر فطرت اور حیوانات، پرند وچرند کے علاوہ نباتات، دریاؤں اور سمندروں میں تحقیق پر جو فلمیں تیار کی گئی ہیں یہ بھی طلباء کو دکھائی جائیں، تاکہ قانون قدرت کی کرشمہ سازیوں کو مجرد شکل میں دیکھا جاسکے۔

علم سیاسیات کے حوالہ سے طلباء کی ایسی تربیت کی جائے کہ وہ ملک میں صحیح اور مثبت سیاسی سرگرمیوں کو رائج کرسکیں تاکہ دین اسلام کے زریں اصولوں کے مطابق صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر کام کرنے والے افراد پیدا ہوسکیں۔

جواب دہندگان میں سے وہ اساتذہ جو دینی مدارس میں نصاب تعلیم کے ساتھ غیر نصابی سرگرمیوں کے اجراء سے متفق ہیں نے جن آراء کا اظہار کیا اسکا خلاصہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

۔ طلباء کیلئے مواقع فراہم کئے جائیں کہ ان میں کتب بینی، تحریر و تقریر، سیاحت، ورزش، کھیل کود کا صحت مند اور مسابقت کے رجحان کی قوت تحریک پیدا ہو۔ کھیل کے میدان میں انکی مناسب تربیت ہوسکے تاکہ فطری جبلتیں متوازن رہیں۔

۔ طلباء مدارس کے باہر کے حالات کے سدھارے، معاشرتی ترقی اور ملک و قوم کی خدمت کے لئے تیار ہوں۔ اور وہ مخلوق خدا کی نفع رسانی اور رفاہ عامہ کیلئے کام کریں۔ اسکے علاوہ طلباء کے شعور کی بیداری بھی ہو، تاکہ

تھا، یقین کامل ہو جائے۔ سیاحت سے نہ صرف مختلف علاقوں کے جغرافیائی، ثقافتی اور سیاسی حالات کا علم حاصل ہوتا ہے بلکہ ایک نئے سے قوموں کے تقابلی مطالعہ کا بھی موقع مل جاتا ہے۔ جواب دہندگان میں سے کچھ اساتذہ اس سے متفق ہیں کہ نصابی سرگرمیوں کے علاوہ علمی مجالس، علمی مباحثے، تقریری اور تحریری مضامین کے مقابلوں کا اہتمام کیا جائے نیز غیر نصابی سرگرمیوں میں جسمانی صحت کے حوالہ سے کھیلوں کو بھی اہمیت دی جائے۔ ان کا خیال ہے کہ اس سے کھیل کے قاعدے اور قانون، طلباء میں نظم و ضبط، جدوجہد اور حوصلہ پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اس لئے کہ صحت مند دماغ ایک صحت مند جسم میں ہی ممکن ہے۔ نیز تسخیر کائنات، مظاہر فطرت اور حیوانات، پرند وچرند کے علاوہ نباتات، دریاؤں اور سمندروں میں تحقیق پر جو فلمیں تیار کی گئی ہیں یہ بھی طلباء کو دکھائی جائیں، تاکہ قانون قدرت کی کرشمہ سازیوں کو مجرد شکل میں دیکھا جا سکے۔

علم سیاسیات کے حوالہ سے طلباء کی ایسی تربیت کی جائے کہ وہ ملک میں صحیح اور مثبت سیاسی سرگرمیاں کو رواج کر سکیں تاکہ دین اسلام کے زریں اصولوں کے مطابق صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر کام کرنے والے افراد پیدا ہو سکیں۔ جواب دہندگان میں سے وہ اساتذہ جو دینی مدارس میں نصاب تعلیم کے ساتھ غیر نصابی سرگرمیوں کے اجراء سے متفق ہیں، جن آراء کا اظہار کیا اسکا خلاصہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

- طلباء کیلئے مواقع فراہم کئے جائیں کہ ان میں کتب بینی، تحریر و تقریر، سیاحت، ورزش اور کھیل کود میں مسابقت کے رجحان کی قوت تحریک پیدا ہو۔ کھیل کے میدان میں انکی مناسب تربیت بھی ہو سکے تاکہ فطری جبلتیں متوازن رہیں۔
- طلباء مدارس کے باہر کے حالات سے سدھارے، معاشرتی ترقی اور ملک و قوم کی خدمت کے لئے تیار ہوں اور وہ مخلوق خدا کی نفع رسانی اور رفاہ عامہ کیلئے کام کریں۔ انکے علاوہ طلباء کے شعور کی بیداری بھی ہو، تاکہ غور و فکر، تحمل و برداشت کی انہیں عادت پڑے۔ کردار سازی اور ذہن سازی کے ساتھ ساتھ انہیں عوام کے دکھ درد میں شریک ہونے کے مواقع بھی فراہم کئے جائیں تاکہ انہیں عملی زندگی کے حقائق سے آگاہی حاصل ہو سکے اور جدید معاشرتی تقاضے سمجھنے میں سہولت اور ان کے حل کے لئے مفید راہیں تلاش کرنے میں اپنی صلاحتیں بروئے کار لا سکیں۔
- طلباء کو حربی تعلیم بھی دی جائے تاکہ جہاد فی سبیل اللہ کا فریضہ ادا کر سکیں۔ غیر نصابی سرگرمیوں سے مسابقت کا جذبہ پروان چڑھایا جائے نیز خوابیدہ صلاحتیں بیدار کی جائیں۔
- طلباء کی سیاسی تربیت بھی کی جائے تاکہ اسلامی فلاحی ریاست کے لئے رجال کار پیدا کئے جا سکیں۔
- غیر نصابی سرگرمیوں میں اسلام کی دعوت و تبلیغ کو منظم انداز میں اختیار کرنے کی ضرورت ہے اور انکی

تربیت بھی کی جائے۔

۔ جواب دہندگان میں سے ایک طبقہ ان غیر نصابی سرگرمیوں کے خلاف تو نہیں البتہ انہیں شرعی حدود و قیود کا پابند اور اعتدال میں دیکھنا چاہتا ہے جبکہ دوسرا طبقہ ایسی سرگرمیوں کی حمایت میں نہیں۔ ایک بڑا طبقہ ان سرگرمیوں کے خلاف بھی ہے۔ جو اسے وقت کا ضیاع سمجھتا ہے۔ ان کے خیال میں دینی مدارس کے طلباء کا مزاج دوسرے تعلیمی اداروں سے مختلف ہوتا ہے۔ یہ بسیط ذہن کے حامل ہوتے ہیں، اس لئے وہ انہیں ہضم نہیں کر سکیں گے۔ جس سے نقصان کا اندیشہ ہے۔ کیونکہ یہی وقت تعلیم کے حصول کا ہوتا ہے۔ لہٰذا اس وقت تعلیم سے بڑھ کر طلباء کیلئے کوئی چیز نہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ تعلیم میں سبھی کچھ شامل ہوتا ہے۔ دینی مدارس کے جواب دہندگان میں سے ایک انتہا پسند طبقہ ایسا بھی ہے کہ وہ دینی مدارس میں غیر نصابی سرگرمیوں کو طلباء کیلئے زہر ہلاہل تصور کرتا ہے۔

دینی مدارس کے ماحول میں اصلاح کی ضرورت

مغربی دنیا ایک طویل مدت تک اس موضوع میں الجھی رہی ہے کہ آیا ماحول افراد پیدا کرتا ہے یا افراد ماحول کی تخلیق کرتے ہیں۔ چنانچہ ارباب علم دو گروہوں میں تقسیم رہے، دونوں نے اپنے نظریے کے حق میں دلائل کے انبار لگا دیئے۔ لیکن کسی فیصلے پر نہیں پہنچ سکے۔ عمرانیات کے علم کی رو سے معاشرہ دراصل افراد کے مجموعہ کا نام ہے، افراد جس معاشرہ میں آنکھ کھولتے ہیں اس کے رسم و رواج اور لوگوں کے ذہنی رویوں کے تانے بانے سے ماحول بنتا ہے۔ ایک ایسا ماحول جو روایات کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہو، اس میں بسنے والے افراد کا کوئی تشخص نہیں ہوتا۔ یہ انبوہ یا افراد کی ایک بھیڑ (CROWD) اپنے اندر کوئی مفید تبدیلی لانے کی اہل نہیں ہوتی۔

معاشرہ میں اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق کچھ ہستیاں قلب سلیم لے کر پیدا ہوتی ہیں۔ ان کی طبیعت اور ان کا ذہن اس معاشرہ کے غلط رسم و رواج اور رویوں کو پسند نہیں کرتا، وہ اس ماحول سے دور جا کر کوئی گوشہ تنہائی تلاش کرتا ہے۔ جہاں حالات کے بارے میں تدبر و تفکر کے بعد وہ اس معاشرہ کی اصلاح کے لئے لائحہ عمل مرتب کرتا ہے۔ اس طرح فرد اپنی فکر سلیم کے ذریعے افراد کے ذہنوں کو تبدیل کرتا ہے۔ اس طریق انقلاب کی عمدہ ترین مثال انبیاء کرام اور خصوصاً حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ہے۔ آپ نے جس معاشرہ اور جس ماحول میں آنکھ کھولی آپ کی طبع سلیم نے اسے قبول نہ کیا بلکہ ایک نبی کی حیثیت اس معاشرہ اور ماحول کی اصلاح کا فرض پورا کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تبلیغ کے نتیجہ میں قلب سلیم کے حامل افراد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت پر ایمان لانے کے بعد ایک

جماعت بن گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا تزکیہ نفس کیا۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب کا علم دیا، جس کے نتیجہ میں انہیں حکمت نصیب ہوئی۔ قرآن حکیم نے ماحول (یا دوسرے لفظوں میں اچھا ماحول) پیدا کرنے کا اہل ان لوگوں کو قرار دیا ہے جن کے نفوس تزکیہ کے عمل سے مصفیٰ ہو چکے ہوں۔

اساتذہ خواہش مند ہیں کہ وہ طلباء جو دینی تعلیم کے لئے زندگی وقف کرنے کے جذبہ سے دینی درسگاہوں میں آتے ہیں انہیں پاکیزہ ماحول مہیا کیا جائے جو ان کی تمام قسم کی مثبت صلاحیتوں کی نشو ونما کیلئے بہت اہم ہے۔ طلباء میں اعمال صالحہ کی تحریک پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اساتذہ اسلامی نظریات، حسن اخلاق نیز علم و عمل کا عکس اور مثالی نمونہ ہوں۔ انہیں علوم میں مہارت تامہ حاصل ہو کیونکہ کم علم اور بے عمل اساتذہ، طلباء کو متاثر نہیں کر سکتے۔ مدارس میں صفائی کا خاص انتظام ہونا چاہیے۔ اساتذہ کو فکر معاش سے نجات دلائی جائے تاکہ وہ مکمل یکسوئی اور پوری توانائیوں کے ساتھ طلباء کو تعلیم دے سکیں۔

دینی مدارس میں ماحول کی تبدیلی کے سلسلہ میں زیر نظر تحقیق سے اس نتیجہ پر پہنچا گیا ہے کہ اگر کسی قسم کی تبدیلی کی بات کی جائے تو دینی مدارس سے متعلقہ جواب دہندگان بنیادی طور پر تین گروہوں میں منقسم نظر آتے ہیں۔ ان میں سے ایک اساتذہ طبقہ روشن خیال، ترقی پسند، قائدانہ صلاحیتوں سے متصف، جدید طرز فکر کا حامل اور معاشرتی تقاضوں کو سمجھنے اور مثبت تبدیلیوں کو قبول کرنے میں مستعد نظر آتا ہے۔ جبکہ دوسرا طبقہ نہ مزاحم ہوتا ہے نہ کسی محتاط تبدیلی کا خواہاں۔ تیسرا طبقہ وہ ہے جو کسی بھی قسم کی تبدیلی کے لئے ہر وقت رکاوٹ بنا رہتا ہے۔ یہ صورت حال کم و بیش ہر مدرسہ میں موجود ہے۔ ان تینوں اقسام کے اساتذہ کے مزاج سے ہی کسی مدرسہ کا ماحول ترکیب پاتا ہے۔

دینی مدارس کے ماحول میں تبدیلی کے سلسلہ میں حاصل شدہ آراء کے تحت پہلا طبقہ خیال کرتا ہے کہ دینی مدارس کے ماحول میں تبدیلی وقت کا تقاضہ ہے وہ سمجھتے ہیں کہ دینی مدارس میں تعلیمی معیار بلند کرنے کیلئے دینی ماحول کو یقینی بنانا ہوگا نیز غیر اسلامی نظریات و رجحانات سے اسے بچاتے ہوئے جسم، ذہن اور روح کی نشو ونما کیلئے ماحول کو سازگار بلکہ صالح بنانا ہوگا۔ جہاں علم کے ساتھ عمل کے مواقع بھی بہم پہنچائے جائیں۔ جواب دہندگان یہ بھی سمجھتے ہیں کہ ماحول میں تبدیلی سوچ، فکر اور عمل سے آتی ہے۔ اس مقصد کے لئے اساتذہ اور انتظامیہ کو طلباء کو آزادی فکر دینی ہوگی۔ مساوات اسلامی، جمہوریت، حب الوطنی، احترام انسانیت، امن پسندی، باہمی محبت کے ساتھ خواہش سے بھی اجتناب کرنا ہوگا۔ اس غرض سے اہل اللہ، علماء اور صلحا کی صحبت بہت اہمیت رکھتی ہے۔

دینی مدارس کے ماحول کے بارے میں کچھ اساتذہ کا خیال ہے کہ معاشرہ کے حالات اور اثرات دینی

مدارس کے اندرونی ماحول پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔ لہٰذا ملکی، حکومتی اور معاشرتی ماحول میں پہلے بہتری لانی ہوگی۔ تاکہ یہ طلباء کسی بھی آزمائش کے وقت بنیان مرصوص بنکر باحوصلہ اور استقامت کے نوجوان ثابت ہوں۔ طلبہ کو صرف دینی مدارس کی چہار دیواری تک مقید نہ کردیا جائے بلکہ انکی واقفیت عامہ بڑھانے اور آفاق عالم سے خبرداری کے مواقع بھی فراہم کئے جائیں۔ جبکہ ایک طبقہ ابھی بھی یہ نظریہ رکھتا ہے کہ دینی مدارس میں ہر طرح سے مکمل دینی نظام حیات موجود ہے اس میں کسی قسم کی تبدیلی کی ضرورت نہیں۔

شعور پروان چڑھانے کے لئے تجاویز

طلباء خصوصاً دینی مدارس کے طلباء کے شعور کو پروان چڑھانے کے لئے سب سے بنیادی اور اہم قدم یہ ہے کہ تعلیم کا نظام اسلامی نظریہ حیات کا عکاس ہونا چاہیے۔ تعلیم کے ساتھ ساتھ ان کی اعلیٰ تربیت کی جانے۔ نصاب مکمل اور جامع ہو۔ قرآن حکیم کی روشنی میں تمام علوم جدیدہ پڑھائے جائیں تاکہ ان کی زندگی ثنویت (Dimlism) سے محفوظ رہے۔ دینی مدارس کی تعلیم میں کشش پیدا کرنے کے لئے اسے ہر طرح سے معیاری اور مثالی بنایا جائے۔

۔ استاد تعلیم و تعلم کے حوالے سے اہم کردار ادا کرتا ہے جو نہ صرف طلباء کو بلکہ معاشرہ و ملک کو بھی متاثر کرتا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ طلباء کی تعلیم اور معاشرتی اصلاح کے لئے استاد کے منصب پر اعلیٰ تعلیم یافتہ اور پاک طینت افراد فائز کئے جائیں۔ جو اسلامی نظریہ حیات پر نہ صرف مکمل یقین رکھتے ہوں بلکہ ان کا عمل اس یقین کی تصدیق کرتا ہو۔ اساتذہ خود کو بھی نیک سیرت اور خوش اطوار بنائیں اور طلباء سے ہم آہنگی کی ایسی صورتیں پیدا کریں کہ طلبہ اپنے اساتذہ کو اپنا آئیڈیل بنانے میں فخر محسوس کریں۔ نصاب مکمل، جامع اور متوازن ہو۔ قرآن حکیم کی تعلیم اس انداز سے دی جائے کہ طلباء جدید مسائل کے متعلق قرآن حکیم سے استنباط کر سکیں۔ تحریری اور تقریری مقابلوں کا بھی خاص اہتمام ہونا چاہیے۔

۔ قرآن حکیم اور سیرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں تمام علوم جدیدہ پڑھائے جائیں۔

۔ جدید سائنسی و تعلیمی آلات کا استعمال اور ان سے استفادہ کے طریقے بتائیں جائیں۔

۔ تبلیغ اور جہاد کے لئے مفید اور عملی تربیت دی جائے۔

۔ دینی مدارس اور جدید درسگاہوں کے طلباء کے مابین علمی مذاکرے اور مباحثے کرائے جائیں۔

۔ درسگاہوں کی عمارات حسین، کشادہ ہوں جن میں مکمل لائبریری اور جدید سائنسی آلات سے مزین تجربہ گاہیں (Well equipped laboratories) ہوں۔

۔ کمپیوٹر کی تربیت، استعمال اور اس سے مکمل استفادہ کا نظام موجود ہونا چاہیے۔

- مختلف آثار قدیمہ کی سیر کا اہتمام لازمی رکھا جائے اور ان کے مکمل تاریخی پس منظر سے آگاہی بھی لازمی قرار دی جائے۔
- کھیلوں کا اہتمام بھی ہونا چاہیے کہ اس کے قاعدے اور قانون طلباء میں ایک نظم و ضبط اور جدوجہد کی لگن پیدا کرتے ہیں۔ جو صحت کے لئے بھی ضروری ہے۔
- اساتذہ کا قوم کے بننے میں اہم کردار ہوتا ہے۔ اسلئے انکی معاشی خوشحالی کی طرف خصوصی توجہ دی جانی چاہیے۔ انہیں اچھی تنخواہوں کے ساتھ تحفظ اور ضروری سہولتیں فراہم کی جانی چاہیں تاکہ یہ معاشی یکسوئی حاصل کرکے طلباء پر بھرپور توجہ دے سکیں۔
- طلباء بھی اساتذہ کا دل سے احترام کریں۔ ان سے خوش اخلاقی سے پیش آئیں تاکہ ایک اچھا ماحول پیدا ہوسکے
- دینی مدارس اور حکومتی ذرائع تعلیم میں جو بعد ہے اسے ختم ہونا چاہیے۔ طلباء اور اساتذہ میں فرض شناسی اور احساس ذمہ داری پیدا کی جانی چاہیے۔
- اقامتی دینی مدارس کی بجائے محلہ جاتی مکاتب پر توجہ دینی چاہیے نیز فارغ شدہ طلباء کو بھی نظم کا پابند کیا جانا چاہیے۔
- والدین بھی اصلاح معاشرے کی غرض سے اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر اپنی اولاد اور معاشرہ کے لئے عملی نمونہ بنیں۔
- دینی مدارس کی تعلیم کو زیر تعلیم طلباء اور مدارس کی چار دیواری تک محدود نہیں کرنا چاہیے بلکہ اسلامی تعلیمات کو اسکول، کالج اور یونیورسٹی کے طلباء، عوام اور خواص تک بھی پہنچانا چاہیے۔
- ہمیں اپنے گھروں کے ماحول کو بھی اسلامی اور صحت مند بنانا چاہیے۔ جب بچے گھروں سے ہی اسلامی تعلیمات اور اخلاق حسنہ سے آراستہ ہونگے تو تعلیم و تعلم بھی آسان ہوجائے گی۔ کیونکہ گھر کے ماحول کا اثر تو انبیاء علیہ السلام پر بھی ہوتا ہے۔ جیسے حضرت زکریا علیہ السلام کا واقعہ اس پر شاہد ہے۔
- ہمارے غیر صحت مند اور غیر اسلامی ماحول سے اجتناب کی کوشش کرنی چاہیے۔
- خوف خدا، ایمانداری، صدق، دیانت، امانت، صبر اور شکر اور شعائر اسلام کے لئے بھی تلقین ہوتی رہنی چاہیے۔
- جدید تعلیم یافتہ طلباء کو بھی دینی تعلیم کی جانب راغب کرنے کی کوشش کی جانی چاہیے۔ انہیں بھی دینی مدارس میں خصوصی طور پر دعوت دیکر اہم عصری موضوعات پر انکے لیکچرز کا انعقاد کروانا چاہیے۔
- انگریزی زبان، جدید عصری علوم اور کمپیوٹر کی تعلیم اور انکے استعمال پر خصوصی توجہ کی ضرورت ہے۔

اساتذہ اور طلبہ میں ایسی تحریک پیدا کی جائے کہ ان کے اندر بھی تعلیمی مسابقت پیدا ہو۔ آپس میں اس جذبہ کو پروان چڑھانے کیلئے تعلیمی مذاکرے اور مقابلے بھی ترتیب دیئے جائیں۔ طلبہ کے کمزور پہلوؤں کی نشاندہی شفقت کے ساتھ موثر انداز میں کی جانی چاہئے۔ اور ان گوشوں کو بہتر کرنے کی ترغیب بھی دی جائے۔

دینی مدارس کی ترجیحات

کسی بھی فرد یا ادارے کی حسن کارکردگی کا اندازہ لگانے کے لئے اسکی ترجیحات اور اس کے اہداف کا جاننا ضروری ہوتا ہے کیونکہ انہی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ادارہ کے منتظمین کے نزدیک کامیابی کا ہدف کیا مقرر ہے۔ ماضی میں اسلاف کے نزدیک مدارس کے قیام کا مقصد درحقیقت تعلیم کا فروغ اور افراد کو جہل سے نجات دلا کر علم و تربیت کے ذریعہ مکمل انسان بنانا تھا۔ چنانچہ انہوں نے اس مقصد کے حصول میں اعلیٰ کامیابیاں حاصل کیں اسکی وجہ یہ بھی تھی کہ انہوں نے خدمت تعلیم کو اپنا مطلوب و مقصود رکھا تھا۔

اس تناظر میں دینی مدارس کی انتظامیہ اور اساتذہ نے جن خیالات کا اظہار کیا ان کے پیش نظر ۵۵ فیصد جواب دہندگان دینی مدارس کی موجودہ صورت حال اور معیار تعلیم سے مجموعی طور پر مطمئن نہیں ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جن اداروں سے امت مسلمہ کی وحدت، اسلامی تعلیمات کا فروغ، کفار میں تبلیغ اور کفر و ظلم خواہ وہ دنیا کے کسی حصے میں ہو اور کسی شکل میں ہو اس کے خلاف جہاد کی تعلیم و ترغیب اور تحریک پیدا ہوتی تھی اب ان مجلسوں سے یہ مقصد پوری طرح حاصل نہیں ہو رہا۔ لہذا ان کا خیال ہے کہ ان مدارس کو فکری طور پر تجدید کی ضرورت ہے۔ جس طرح اسلاف نے تمام علوم حاصل کئے اور ان کی روح کو سمجھ کر ان میں کمال حاصل کیا، اسی طرح آج بھی اسی نہج پر دوبارہ وہ مقام حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ اس مقصد کے لئے دینی مدارس کے نصاب اور نظم کی تدوین نو کی ضرورت ہے تاکہ مسند افتاء پر بھی ایسی شخصیات فائز ہوں جو علمی حقائق اور تسخیر کائنات پر اپنا موقف پیش کر سکیں۔ تمام علوم متداولہ کو اس انداز سے پڑھایا جائے کہ ان مدارس سے فارغ ہونے والے طلباء معاشرہ میں حقیقی عالم ثابت ہوں۔ یہ علماء حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کی اہمیت بھی سمجھتے ہوں کیونکہ جو معاشرہ حقوق العباد کی ادائیگی کا عملی مظاہرہ نہیں کرتا وہاں جرائم پروان چڑھتے ہیں۔

دینی مدارس میں ایسے اساتذہ کی ضرورت ہے کہ جن کے طرق تدریس، تدبر و تفکر اور اجتہادی بصیرت اسلاف کی شاندار تاریخ کی نشاۃ ثانیہ ثابت ہوں۔ تاکہ دینی مدارس کے طلباء، اساتذہ کا علم، عمل، فہم و بصیرت اور حسن معاشرت کا آئینہ دار ہوں۔

جواب دہندگان سے پوچھے گئے سوال کہ "دینی مدارس میں دین کے کن شعبوں کو خصوصی اہمیت دی گئی ہے" ان سے حاصل شدہ آراء کو انگے ہی الفاظ میں پیش کیا جارہا ہے۔ "آجکل تو ہر طرف کوتاہ اندیشی ہے

ہر گروہ اپنے نظریات کے پرچار میں دوسروں کو غیر سمجھ رہا ہے۔ فروعی اختلافات کو اصول بنا کر رکھ دیا گیا ہے گرچہ بنیادی اہمیت اسلام میں توحید، نماز، روزہ، زکوۃ، حج جیسے ستونوں کی ہے۔ اس کے ساتھ خلافت، سیاست، حکومت، جہاد فی سبیل اللہ، تبلیغ دین، معاشرت، اور اخلاقیات پر بھی پوری توجہ نہیں دی جا رہی۔ اگر توجہ دی جا رہی ہے تو بس عقائد اور چند عبادات پر اور ان میں سے صرف نماز، روزہ، خلع، طلاق، نکاح، نماز جنازہ اور نوزائیدہ بچوں کے کان میں آذان دینا۔ بلکہ معاملہ اس سے بھی آگے بڑھ گیا ہے کہ اس دور میں معاملات کو دین سے الگ سمجھا جانے لگا ہے۔

جواب دہندگان میں سے ایک اکثریت یہ سمجھتی ہے کہ اس وقت دینی مدارس میں تدریس، افتاء، امامت، خطابت، تصنیف و تالیف، تبلیغ، جہاد، قرآن حکیم کی حفظ و ناظرہ تعلیم، مناظرہ، مجادلہ اور اپنے اپنے مسلک کے تحت عقائد و نظریات کی نشر و اشاعت اور مذہبی منافرت کو ہی خصوصی توجہ دی جا رہی ہے۔

حالانکہ ضرورت اس امر کی ہے آج کے بدلے ہوئے حالات اور درپیش اسلامی معاشرتی تقاضوں میں بنیادی طور پر تعلیم و تعلم، تربیت، تزکیہ نفس، اصلاح عمل، حسن اخلاق، حسن کردار، خدمت خلق، ایمانیات، اعتقادات، معاشرت، بلکہ انسان کی نجی زندگی سے ملکی اور بین الاقوامی معاملات اور تعلقات اور دین اسلام کے تحفظ، سربلندی، عظمت، اشاعت کے لئے پورے طور پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

عصر حاضر کے علمائے دین کا معاشرتی ترقی میں کردار

دینی مدارس سے وابستہ علماء کا خیال ہے کہ وہ معاشرتی ترقی میں نمایاں حصہ لے رہے ہیں چونکہ معاشرتی ترقی کا اصل دارومدار دین قیم پر چلنے میں ہے۔ چنانچہ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جو اسلام کے دائرہ کار سے باہر ہو۔ اسلئے وہ معاشرتی ترقی کا احاطہ کرتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں ان کا کہنا ہے کہ معاشرتی ترقی کا واحد راستہ اسلام پر عمل پیرا ہونے میں ہے۔ چونکہ وہ اسلام کیلئے کام کر رہے ہیں اس لئے وہ معاشرتی ترقی کا کام کر رہے ہیں یہ الگ بات ہے کہ علماء اپنی اپنی جگہ کے شعبہ جات کیلئے کام کر رہے ہیں۔ کچھ علماء وعظ، نصیحت، درس و تدریس، تعلیم و تعلم، دعوت و تبلیغ، مساجد میں امامت، خطابت، اصلاح و تربیت، مذہب کا تحفظ، سیاست و قیادت، تصنیف و تالیف، تصوف و سلوک، دین کی نشر و اشاعت اور خدمت انسانیت میں مصروف ہیں۔ علمائے ربانی یہ بھی ذہن میں رکھتے ہیں کہ دنیاوی اور معاشرتی ترقی، کوئی ترقی نہیں ہے۔ اس لئے کہ وہ دنیاوی ترقی کو اخروی ترقی پر قربان کر دیتے ہیں۔

جواب دہندگان میں سے ایک طبقہ کا خیال ہے کہ وہ اگر معاشرتی ترقی میں کوئی نمایاں کردار ادا نہیں کر پا رہے تو اسکی ایک بنیادی وجہ یہ بھی ہے کہ آج کے علماء کو پاکستان میں سرکاری طور پر کسی بھی شعبہ میں

خدمات سرانجام دینے کیلئے ذمہ داریاں بھی نہیں سونپی جاتیں۔ اسکے باوجود وہ خدمت انسانیت، اتحاد بین المسلمین قائم کرنے اور فحاشی، عریانی، بدامنی جیسے امراض باطنہ کے خاتمے کیلئے کام کررہے ہیں۔ اسکے علاوہ میدان جہاد میں دشمنان اسلام سے برسرپیکار ہیں۔ رشوت ستانی، بددیانتی اور سودی نظام کے خاتمے، زکوٰۃ کے نظام کے رائج کرنے نیز غیر اسلامی نظام کے خاتمہ کیلئے کام کررہے ہیں۔

جواب دہندگان میں وہ اساتذہ بھی شامل ہیں جنہوں نے یہ بھی کہا کہ اس وقت علماء معاشرتی ترقی کیلئے حقیقی معنوں میں کوئی کام نہیں کررہے۔ بس اصلاح معاشرہ کیلئے تھوڑا بہت کام ہورہا ہے، معاشرتی ترقی میں انکا کردار بہت محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ علماء دین بالعموم صرف دعوت دین اور منکرات پر تنبیہ کرتے ہیں وہ بھی صرف جمعۃ المبارک کے بیان میں۔ اسکے علاوہ امامت اور خطابت ان کا اہم کام ہے۔ اس سے بڑھ کر بھی ان کا ایک کام ہے، وہ سیاست میں حصہ لینا ہے۔ ایک طبقہ وہ بھی ہے جو اپنی خامیوں کو بھی نظر میں رکھتا ہے، انکے بقول آج کے علماء کی اکثریت فروعی مسائل میں الجھی ہوئی ہے انہوں نے دین کو روزی کا ذریعہ بنایا ہے اور اس کی تجارت ہورہی ہے بلکہ انہوں نے اپنی ذاتی ضروریات کے تحت اس سے فائدہ اٹھانا شروع کیا ہوا ہے۔

چند اساتذہ نے اس رائے کا بھی اظہار کیا کہ آج کے دور میں علماء کی قدردانی نہیں ہورہی۔ ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ علماء ملک و قوم کی ترقی میں حصہ نہ لیں اور پاکستان کو جنت کا نمونہ نہ بنا دیں۔

دور حاضر میں امت مسلمہ اور پاکستانی معاشرہ کو درپیش مسائل

قرآن حکیم میں امت مسلمہ کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ "ہم نے تمہیں ایک معتدل کی امت بنایا۔ تاکہ تم لوگوں پر گواہی دینے والے ہو" (سورہ البقرہ) جس کا فریضہ یہ ہے کہ وہ تمام نوع انسانی کے اعمال کی نگرانی کرے، اس فریضہ کی ادائیگی کے لئے ضروری ہے کہ اس قوم کو بین الاقوامی حیثیت حاصل ہو اور وہ ہر قوم سے برابر فاصلے پر (EQUIDISTANT) یعنی نہ کسی طرف جھکی ہوئی ہو نہ کسی سے کھنچی ہوئی، اس کی نگاہوں میں سب برابر ہوں۔ جسطرح دائرے کے مرکز محیط کا ہر نقطہ برابر فاصلے پر ہوتا ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ حیثیت (Position) اس قوم کو حاصل ہو سکتی ہے جو عدل و انصاف اور صراط مستقیم سے ذرا بھی ادھر ادھر نہ ہٹے۔ اس قسم کی قوم ہی صحیح معنوں میں اقوام عالم کے اعمال و افعال کی نگران اور محتسب ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں، بنی نوع انسان کا بحیثیت ایک مسلم، ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جانے کا نام امت ہے، جو دین کے اصولوں پر عمل پیرا ہو کر اپنے عمل اور حسن کردار سے اتنی طاقتور ہو کہ اللہ تعالیٰ کے دین کو غالب کردے۔

اس حاضر میں جب امت مسلمہ کے کردار کا جائزہ لیا جائے تو حقیقت حال اس کے بالکل برعکس نظر

امت کی وحدت مختلف گروہوں اور فرقوں میں تقسیم نظر آتی ہے ۔ مسلمان غالب ہونے کی بجائے مغلوب ہو کر رہ گئے ہیں ۔ اس وقت مسلمانوں کو بے شمار ملکی ، ملی ، قومی ، بین الاقوامی ، اخلاقی ، سماجی ، دینی ، اقتصادی ، معاشرتی ، انفرادی اور اجتماعی مسائل درپیش ہیں ۔ جن میں سے امت مسلمہ کو متحد اور منظم ہونے کا مسئلہ سرفہرست ہے ۔ اس کے علاوہ معاشرہ میں بے دینی پھیلتی جارہی ہے اسلئے نوجوان نسل کے ایمان و عقائد کا تحفظ بڑے مسائل میں سے ایک ہے ۔ اسکے ساتھ جاگیرداری ، زمینداری اور استحصالی نظام کے سبب جہالت ، پسماندگی ، غربت ، افلاس ، بیروزگاری ، طمع ، حرص ، تعصب ، فرائض سے غفلت ، حقوق تلفی ، تن آسانی ، دہشت گردی ، بدامنی ، بے راہ روی ، بد دیانتی ، دھوکہ دہی ، ظلم و ستم ، انتشار ، افراتفری ، عمل سے دوری ، خود غرضی ، معاشی ناہمواری ، ناانصافی ، سودی معیشت ، بھونڈی سیاست ، رشوت ستانی ، حکمران طبقہ میں اقتدار کی جنگ ، قومی خزانے کا بے دریغ اور بے جا استعمال اور عدم مرکزیت وغیرہ جیسے مسائل نے بھی گھیرا ہوا ہے جہاں جہاں مسلمان برسر اقتدار ہیں ، الا ماشاء اللہ ۔ ہر جگہ اللہ تعالیٰ کے قانون کی بجائے انسانوں اور غیر مسلموں کے بنائے ہوئے قوانین رائج ہیں ۔ سامراجی قوتوں نے سازشوں کا ایسا جال پھیلایا ہے کہ ہر مسلمان ملک ، دوسرے مسلمان ملک سے نفسیاتی طور پر محاذ آرائی میں مصروف ہے ۔ ایک ملک میں بسنے والے مسلمان پر دوسرے اسلامی ملک میں داخلہ کے لئے ہزار قسم کی پابندیاں اور شرائط عائد ہیں ۔

جاگیرداری ، زمینداری اور استحصالی نظام کے سبب امت مسلمہ غربت و افلاس ، بے روزگاری جیسے کئی مسائل سے دوچار ہے ۔ افلاس اور طبقاتی نظام نے مسلمانوں کے اخلاق اور عادات کو بگاڑ دیا ہے ۔ مختصراً یہ کہ امت مسلمہ کا تشخص ختم ہو کر رہ گیا ہے ۔ لہٰذا ان حالات میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے جدوجہد کی ضرورت ہے ۔

۱۔ پورے عالم میں اسلام کے آفاقی و انقلابی نظام کا قیام عمل میں لایا جائے ۔

۲۔ امت مسلمہ کے تشخص کو اجاگر کرنے کے لئے ضروری ہے کہ تمام مسلم ممالک (جو بظاہر متضاد و مخالف سمتوں میں سفر کر رہے ہیں) ان کو اخوت و محبت و مودت کے تار میں پرو کر وحدت میں تبدیل کیا جائے ۔

۳۔ فرقہ بندی ، فرقہ پرستی و دیگر تمام عصبیتوں کو جس سے دین کا شیرازہ بکھرتا ہے قرآن حکیم کے حکم صریح کے مطابق ختم کر دیا جائے ۔

۴۔ قرآن حکیم کو قانون سازی کی اساس محکم بنایا جائے ۔

۵۔ قرآن کریم کی روشنی میں تمام نظامہائے زندگی ، معاشیات ، اقتصادیات ، انتظامیہ اور تعلیم سے متعلق قوانین از سر نو عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق مرتب کئے جائیں ۔

۶۔ تجارت اور افرادی قوت کے تبادلہ کے لئے مسلم ممالک میں کوئی پابندی نہ ہو۔

۷۔ قرآن حکیم کے حکم کے مطابق دفاع ملک و قوم اور دین مبین کو اہمیت دی جائے اور مسلم ممالک کی سرحدیں پر امن اور مضبوط ہوں کہ کفار ان کے خلاف آنکھ اٹھانے کی جسارت نہ کر سکیں۔

۸۔ قرآن مجید کے حکم کے مطابق مسلمان آپس میں رحماء اور کافروں کے خلاف اشداء کی پالیسی پر عمل پیرا ہوں۔

۹۔ تبلیغ اسلام اور جہاد فی سبیل اللہ کو اہمیت دی جائے۔

قرآن حکیم کے عطا کردہ نظریہ حیات (Ideology) پر عملی طور پر متفق ہونے اور اسے ایک مکمل ضابطہ حیات (Code of Life) سمجھنے اور اس ابدی حقیقت پر ایمان لانے والوں کی جمعیت کو "امت" کہتے ہیں۔ اس تصور / عقیدہ پر ایمان لانے والوں کے عمل سے امت کا تشخص بنتا ہے اور یہی تشخص ان سب پیروکاروں کی آبرو قرار پاتی ہے۔ وحدت، یکجہتی، ایثار، عزم کامل اور جہد مسلسل کے نتیجہ میں امت کا وجود برقرار رہتا ہے۔ اس دیوار میں گروہ بندی، فرقہ بندی، فرقہ پرستی، عصبیت کی ہلکی سی دراڑ ہی پوری دیوار کو منہدم کر دینے کے لئے کافی ہوتی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد زریں میں امت کی تخلیق ہوئی۔ اور خلافت راشدہ کے دور میں امت کو عروج ملا۔ اس امت نے خدا کے دین کو پوری دنیا پر غالب کر دکھایا۔ یہی وہ لوگ تھے جن کے بارے میں قرآن کی داخلی شہادت موجود ہے کہ "اللہ ان سے راضی ہو گیا اور یہ اپنے رب سے راضی ہو گئے۔" لیکن جب مسلمانوں نے وحدت کی مضبوط رسی کو چھوڑا تو گروہ بندی، تشتت و انتشار میں مبتلا ہوئے کہ پھر کبھی مجتمع نہ ہو سکے۔ امت پارہ پارہ ہوا تو تنکے سے بھی کمزور ہو گئے۔ اللہ کی عطا کردہ خلافت سے محروم ہونے تو دوسروں کی غلامی کا ایسا طوق گلے میں پڑا کہ اسلاف کے خلیفہ کے بجائے خلف بن گئے۔

پورے عالم اسلام میں عموماً اور پاکستان میں خصوصاً "امت" کا تصور معدوم ہوتا چلا جا رہا ہے۔ فرقہ پرستی گروہ بندی، عصبیت، نسل پرستی اور زبان پر فخر کے بت تراش کر ان کی پوجا کو اپنا مقصد حیات بنایا ہے۔ بے پناہ ذرائع ابلاغ کے ذریعے اسلام کی ثقافت، تہذیب اور نظریہ حیات کو تباہ کرنے کے در پے ہے۔ جبکہ امت مسلمہ اس سازش سے دفاع کی صلاحیت سے بھی محروم ہوتی چلی جا رہی ہے۔ ان حالات میں جغرافیائی سرحدوں کے ساتھ ساتھ نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کے لئے دینی مدارس اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ کیونکہ ماضی میں مسجد ہی ہماری عبادت گاہ، ہماری پارلیمنٹ، عدلیہ اور تعلیمی مرکز کا کردار ادا کرتی رہی ہے۔ جب تک مسجد مرکز رہی ہم ہر قسم کے انتشار سے محفوظ رہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ مسجد اور دینی مدارس کے نظام کو دور اول کے اصولوں کے مطابق بنیادوں پر استوار کیا جائے۔ دینی مدارس کے لئے ایسے ارباب علم کو اساتذہ کا منصب عطا

کیا جائے جو دین کا جامع تصور رکھتے ہوں۔ علم و عمل میں جدید حالات کا مقابلہ کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہوں۔

۔ وہ تمام علوم جو دین کی اساس ہیں ان کی روشنی میں جدید علوم سے طلباء کو متعارف کرایا جائے۔ اور انہیں اس میں کمال حاصل ہو۔

۔ اسلام کے نظام کو عملی طور پر اپنے ملک میں نافذ کرنے کی جدوجہد کریں اور اسے نافذ کرکے دنیا کو اس کے ثمرات کا یقین دلا سکیں۔

۔ عربی، فارسی، اردو، جرمن، انگریزی، فرانسیسی، چینی اور جاپانی زبانوں کا وسیع اور مکمل علم دیا جائے تاکہ مغربی دنیا (کفر) کی یلغار کا مقابلہ کر سکیں۔

۔ دینی مدارس، دین کی تبلیغ، علوم جدیدہ اور جدید مسائل کو سامنے رکھتے ہوئے اس انداز سے کریں کہ دین کا جامع تصور، دلائل و براہین کے ساتھ دنیا کے سامنے آجائے۔

جواب دہندگان کی اکثریت موجودہ معاشرتی مسائل سمجھتے ہوئے دینی مدارس کے کردار اور انکی ذمہ داریوں کے سلسلے میں جو آراء رکھتی ہے انکی تلخیص ذیل میں پیش کی جاتی ہے۔

کہ دینی مدارس پر خصوصی طور پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ طلبہ کی تعلیم و تربیت اس انداز پر کریں کہ انکا شعور پروان چڑھے اور انکی ذہن سازی کریں تاکہ وہ معاشرتی مسائل کا ادراک کرکے اپنی صلاحیتیں بروئے کار لائیں۔ ایسے ذہن کا پیدا ہو سکیں کہ وہ ذاتی اغراض و مقاصد کو چھوڑ کر ملی مفاد کو مقدم سمجھیں۔ حقیقی اسلامی علوم حاصل کرکے خود صالحین کی نہج پر چل کر امت کی فلاح و بہبود کا کام کر سکیں۔ وہ خود مسائل کا حل نکالیں اور عوام الناس کا ذہن بھی تیار کریں تاکہ وہ بھی اپنی بقاء کی خود جنگ لڑیں۔ دینی مدارس کے فارغ التحصیل، مسائل کے حل کیلئے قول، تقریر اور عملی طور پر اس میں حصہ لیں۔ طلبہ کیلئے ایسے وسائل اختیار کئے جائیں کہ وہ معاشی میدان میں اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی کوشش کریں اور مالی طور پر خود کفیل ہو جائیں۔ دینی مدارس کے ارباب و اختیار عوام کو تنہا نہ چھوڑیں بلکہ انکے مسائل کو ذاتی مسائل سمجھیں نیز معاشرے کے سدھارنے کے لئے خدمت انسانی کو اپنا شعار بنائیں۔

دینی مدارس اپنے ہر طرح کے اختلافات کم سے کم کریں۔ اخوت بھائی چارہ، یگانگت، صلح کل، اتفاق، اتحاد، تحمل اور برداشت کی فضاء پیدا کریں۔

خود بھی قرآن حکیم اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوں اور دوسروں کے لئے بھی آسانیاں پیدا کریں۔ اسلامی تعلیمات کے فروغ کے لئے خلوص دل سے کام کریں۔ نوجوانوں کے دلوں میں دینی جذبہ، حمیت اور اسلام کی محبت پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ تاکہ نئی نسل محب وطن اور سچے مسلمان بن کر ملک اور قوم کی خدمت کرنے والے بنیں۔ تاکہ ملک ان جوانوں کی محنت سے جنت نظیر بن جائے۔

دینی مدارس کو عوام میں بھی یہ شعور اجاگر کرنے کی ضرورت ہے کہ وہ دینی تعلیم حاصل کریں ۔ شعائر اسلام کے پابند بنیں ۔ فرائض اور حقوق سے آگاہی حاصل کریں ۔ دشمنوں کی چالوں سے باخبر رہیں ۔ ذاتی مفاد سے بالاتر ہو کر کام کریں ۔ انکے ذہنوں میں یہ حقیقت راسخ کرنے کی کوشش کی جائے کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے ۔ اس شعور کو اپنایا جائے ۔ اقامت دین کی اہمیت واضح کی جائے اور ایسی حکمت عملی وضع کی جائے کہ ملکی وسائل سے بھرپور استفادہ کیا جاسکے اور اسلامی فلاحی مملکت کے قیام کی کوشش کی جائے تاکہ اسلام کے حوالے سے ہماری شناخت قائم ہو ۔

معطیات کا خلاصہ

دینی مدارس کی انتظامیہ اور اساتذہ دینی مدارس کے ماحول بنانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں انہی کی تعلیم و تربیت سے طلباء نہ صرف ایک خاص مزاج کے حامل بن جاتے ہیں بلکہ یہ انکی زندگیوں میں اپنے گہرے نقوش چھوڑتے ہیں کہ انکا سلسلہ توارث کی صورت میں آگے بڑھتا اور منتقل ہوتا رہتا ہے ۔ جسکا انحصار زندگی بھر انکے قول و عمل سے ہوتا رہتا ہے ۔ اسی خاص رنگ کے زیر اثر یہ لوگ زندگی گزارتے ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ دینی مدارس حکومتی دائرہ تعلیم کے متوازی قائم ہیں اور اپنا ایک تشخص بھی قائم کئے ہوئے ہیں ۔ موجودہ حالات میں دینی مدارس سے رائج نظام کی خصوصیات اور معاشرتی تقاضوں کا ادراک اور تعلق سامنے لانے کیلئے سوال ناموں کے ذریعے ضروریات اور معلومات حاصل کی گئیں ۔

زیر نظر تحقیق کے نتیجے میں یہ معلوم ہوا ہے کہ دینی مدارس میں اس وقت ۱ سال سے ۵ سال کا تدریسی تجربہ رکھنے والے اساتذہ کی اکثریت (۳۳ فیصد) ہے ۔ اس سے زیادہ تجربہ رکھنے والوں کی تعداد کم ہے ۔ دینی مدارس میں عملی تبلیغ کا کوئی الگ شعبہ قائم نہیں ہوتا ۔ اساتذہ انفرادی طور پر تبلیغی کاموں میں حصہ لیتے رہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ۵ ، ۱۲ فیصد تبلیغ کا کوئی تجربہ نہیں رکھتے ۔ جبکہ ۳ ، ۳۳ فیصد وہ جواب دہندگان ہیں جو ۱ سال سے ۵ سال کا تجربہ رکھتے ہیں ۔ دینی مدارس میں نصاب کے طور پر درس نظامی ہی رائج ہے لہٰذا زیادہ تر اساتذہ انہی پڑھائے جانے والے مضامین میں مہارت رکھتے ہیں ۔ ان میں سب سے زیادہ ۲۱ ، ۵۲ فیصد اساتذہ فقہ، اصول فقہ، عقائد اور فرائض کے اسباق پڑھاتے ہیں انکے بعد دوسرے نمبر پر پڑھائے جانے والے علوم کے لحاظ سے حدیث، اصول حدیث اور اسلامیات ہیں ان اساتذہ کی فیصد تعداد ۴ ، ۳۵ ہے ۔ قرآن حکیم اور انکی تفسیر پڑھانے والے اساتذہ ۸۵ ، ۴۰ فیصد ہیں ۔ جبکہ دینی مدارس میں پڑھائے جانے والے دیگر مضامین کے اساتذہ کی تعداد کم و بیش ہے ۔ لیکن اصول تقریر اور اصول بلاغت پڑھانے والے اساتذہ سب سے کم ۲۹ ، ۳ فیصد ہیں ۔

تصنیف و تالیف کا کام دینی مدارس میں حاصل شدہ معطیات کے حوالے سے بہت کم ہو رہا ہے ۔ ۵ ، ۹۳

فیصد اساتذہ بالکل یہ شغل کرتے ہی نہیں۔ جبکہ اسلامی فقہ، اردو ادب اور صحافت کے میدان میں ۹۰.۰ فیصد تحقیقی کام کرتے ہیں۔ قرآن شریف، اسکی تفسیر اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ۳.۰ فیصد کام کرتے ہیں۔ دیگر اسلامی، ادبی اور علمی شعبہ جات کے لئے کام کرنے والے اساتذہ کی تعداد بھی قلیل ہے۔ دینی مدارس میں تعینات اساتذہ درس و تدریس کے علاوہ جو مشغولیات رکھتے ہیں۔ اسکی درجہ بندی کے اعتبار سے مساجد میں امامت اور خطابت ۵.۰۰ فیصد اساتذہ کرتے ہیں۔ تبلیغ دین اور نظامت مدارس میں ۱.۰۰ فیصد اساتذہ مصروف ہیں۔ دیگر مختلف امور میں کم و بیش تعداد میں اساتذہ شریک ہوتے ہیں۔ جبکہ ۰.۳ فیصد درس و تدریس کے علاوہ کوئی اہم کام نہیں کرتے۔

دینی مدارس سے وابستہ اساتذہ اور انتظامیہ کی آمدنی کے اعتبار سے جو درجہ بندی کی گئی ہے اس کے مطابق سب سے زیادہ آمدنی (۱۰۰۰۰ روپے سے ۲۰۰۰۰ روپے) حاصل کرنے والے صرف ۱.۰۲ فیصد ہیں۔ سب سے زیادہ ان اساتذہ کی تعداد (۲.۲۷ فیصد) ہے جو ۱۰۰۰ روپے سے ۳۰۰۰ روپے ماہانہ آمدنی رکھتے ہیں۔ ذرائع معاش کے شعبہ جات کی ترتیب کے لحاظ سے ۱.۴۵ فیصد افراد درس و تدریس کے ذریعہ اپنی روزی حاصل کرتے ہیں دوسرے نمبر پر یعنی ۲.۲۰ فیصد مساجد میں امامت و خطابت کے نتیجہ میں آمدن حاصل کرتے ہیں۔

جواب دہندگان دینی مدارس میں نظامت اور درس و تدریس کا مشغلہ رکھتے ہوئے اپنی پسند کے مطالعہ کا خاص میدان بھی رکھتے ہیں۔ اس بنا پر حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۲۲.۲۰ فیصد اسکے بعد ۹۴.۰ فیصد فقہ اسلامی ۲۰.۱۳ فیصد تاریخ اسلام اور ۲.۳۵ فیصد قرآن مجید اور تفسیر کا شوق رکھتے ہیں۔ دیگر علوم و فنون میں رغبت رکھنے والوں کی تعداد کم و بیش ہے۔ معلومات کے حصول کے لئے اخبار بینی کرنے والے اساتذہ کی تعداد ۴۳ میں سے ۳۶ ہے رسائل و جرائد کا مطالعہ کرنے والے ۴۳ میں سے ۳۳ ہیں جبکہ ۴۳ جواب دہندگان میں ۲۴ جلسے جلوس میں شرکت کر کے اپنی معلومات بڑھاتے ہیں۔ ۴۳ میں سے ۲۰ اساتذہ اپنی معلومات بڑھانے کا کوئی شوق نہیں رکھتے۔

جواب دہندگان میں سے ۸ افراد مدیر اعلیٰ کے طور پر ذمہ داریاں پوری کر رہے ہیں۔ ۴ افراد مدارس میں ناظم اعلیٰ کے منصب پر فائز ہیں۔ ۴ ناظم تعلیمات کے فرائض ادا کر رہے ہیں۔ دیگر انتظامی عہدوں سے وابستہ افراد قلیل تعداد میں ہیں۔ دینی تعلیم کے حصول اور مقاصد کے اعتبار سے سرفہرست مقصد جسے ۴۳ میں سے ۲۵ افراد نے قرار دیا، وہ دینی تعلیم کی اشاعت و تبلیغ ہے۔ اسکے بعد دینی تعلیم کے حصول کا مقصد علمائے دین پیدا کرنا ہے۔ ۴۳ میں سے ۵ جواب دہندگان یہ سمجھتے ہیں کہ اس تعلیم سے اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔ دیگر افراد نے کم و بیش تعداد میں دیگر مقاصد بھی بیان کئے ہیں۔

معطیات کے نتائج

دینی مدارس کے اساتذہ اور انتظامیہ کے بارے میں حاصل شدہ حقائق کے پیش نظر جو نتائج اخذ کئے گئے ہیں ۔ اس اعتبار سے دینی مدارس سے وابستہ اساتذہ بنیادی طور پر درس نظامی پر ہی عبور رکھتے ہیں ۔ تدریس کے لئے مضامین اپنے شوق اور پسند کے لحاظ سے منتخب کرتے ہیں ۔ اساتذہ کی حیثیت سے تدریس کے اصول و ضوابط اور طور طریقے باقاعدہ طور پر یا کسی کورس کے ذریعے نہیں سیکھتے ۔ کیونکہ فن تدریس کی تربیت ان مدارس کی انتظامیہ کی نظر میں کوئی اہمیت نہیں رکھتی ۔ یہی وجہ ہے تمام زندگی انہیں اس مقصد کیلئے کسی کے سامنے زانوئے ادب تہ کرنے کی مجبوری بھی درپیش نہیں ہوتی ۔ مروجہ جدید تعلیم کو بھی دینی مدارس میں وقعت اور توقیر کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا ۔ علم دوست اساتذہ مدارس میں کسی انتظامی عہدے کے طلبگار بھی نہیں ہوتے البتہ انتظامیہ اپنی صوابدید اور اساتذہ کی ابھرتی ہوئی صلاحیتوں کے پیش نظر انہیں مختلف ذمہ داریاں عطا کردیتی ہے ۔ اس وقت دینی مدارس کے اساتذہ کی اکثریت کم عمر اور قلیل تدریسی تجربہ رکھنے والی ہے ۔ یہ تدریس کے علاوہ تصنیف و تالیف اور تبلیغ میں بھی محدود تجربہ رکھتے ہیں ۔ تدریسی مضامین میں فقہ، اصول فقہ، عقائد و فرائض اکثر زیادہ پسندیدہ مضامین ہیں ۔ دینی مدارس میں قرآن حکیم اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا درس عموماً عمر رسیدہ اور نسبتاً زیادہ تدریسی تجربہ رکھنے والے اساتذہ ہی سرانجام دیتے ہیں ۔ دینی مدارس میں تدریسی و انتظامی شعبہ جات کی طرح تبلیغ اسلام کے لئے کوئی مخصوص شعبہ نہیں ہوتا ۔ یہاں صرف تعلیم و تدریس کو ہی زیادہ اہمیت دی جاتی ہے ۔ اسلئے اساتذہ کو عملی تبلیغ دین کا کوئی زیادہ تجربہ بھی نہیں ہوتا ۔ اساتذہ اپنی ذاتی دلچسپی اور ذمہ داری سمجھتے ہوئے اپنے اپنے مسلک سے وابستگی اور طریقہ کی بنا پر تبلیغ کا کام سرانجام دیتے ہیں ۔

تصنیف و تالیف کا کام بھی دینی مدارس سے وابستہ افراد اپنی انفرادی کوشش اور محنت سے سرانجام دیتے ہیں ۔ اس فن اور اساتذہ کی صلاحیتوں کو سنوارنے اور انہیں بروئے کار لانے کا انتظام موجود نہیں ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی موضوعات پر دینی مدارس کی جانب سے کسی پروگرام اور ضرورت کے مطابق کوئی اہم کام نہیں ہو رہا ۔

دینی مدارس کے اساتذہ اپنے فارغ اوقات مساجد میں امامت اور خطابت میں صرف کرتے ہیں ۔ یہ کام بھی انکی اپنی ذاتی کوشش اور ضرورت کا متقاضی ہوتا ہے ۔ اس ذریعہ سے یہ لوگ عوام کے قریب بھی ہوتے ہیں اور یہ کام مالی منفعت اور عزت و توقیر کا باعث بھی بنتا ہے ۔ اساتذہ کی اکثریت اپنی ظاہری آمدنی کے اعتبار سے اپنی روز مرہ ضروریات پوری کرنے میں خود کفیل نہیں ہوتے ۔ البتہ مدارس اور مساجد سے وابستگی کے باعث انہیں رہائش اور اس سے متعلق سہولیات بغیر کسی ادائیگی کے فراہم کی جاتی ہیں ۔ اس طرح ان کا گذر بسر ہوتا

طور پر ہو جاتا ہے۔ اساتذہ کے درس و تدریس کے ساتھ دیگر ذرائع معاش بھی محدود ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ معاشرہ کے دوسرے افراد کی طرح زندگی نہیں گذارتے بلکہ ایک الگ طرز زندگی اختیار کر لیتے ہیں۔ نتیجتاً ان محدود و قیود کے باعث عوام سے رابطہ بھی انہیں روایتی انداز میں رکھنا پڑتا ہے۔

جواب دہندگان اپنی پسند اور میلان طبع کے اعتبار سے مطالعہ کے مختلف النوع میدان رکھتے ہیں۔ لیکن سب سے زیادہ تعداد میں مطالعہ کے شوقین احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے ذہن کو تسکین دیتے ہیں۔ اسکے بعد ان اساتذہ کی تعداد ہے جو فقہ اسلامی کے مطالعہ سے اپنی عقل کو جلا بخشتے ہیں۔ تاریخ اسلامی اور قرآن حکیم اور عربی ادب بھی ان کے پسندیدہ علوم ہیں۔ تازہ معلومات اور واقفیت عامہ کے لئے اخبارات پڑھا کرتے ہیں علاوہ ازیں رسائل و جرائد بھی زیر مطالعہ رکھتے ہیں۔ اساتذہ عوامی مذہبی جلسوں اور علمی مجالس میں بھی شرکت کرتے ہیں۔ ریڈیو سنتے اور ٹیلی وژن بھی دیکھتے ہیں۔ اسکے ساتھ اپنے مشاہدہ اور تجربات سے بھی اپنی معلومات میں اضافہ کرتے ہیں۔

جواب دہندگان میں انتظامی عہدوں کے لحاظ سے مدیر اعلیٰ سب سے افضل سمجھے جاتے ہیں۔ ناظم اعلیٰ دوسرے نمبر پر ہیں۔ ناظم تعلیمات کو تدریسی شعبہ جات میں اہم مقام حاصل ہوتا ہے۔ دیگر امور کے ناظمین کی تعداد کم و بیش ہے۔ دینی تعلیم کے حصول کے مقاصد کے تعین کے لحاظ سے سب سے زیادہ جواب دہندگان اس مقصد پر متفق ہیں کہ اس تعلیم سے دینی تعلیم کی اشاعت و تبلیغ مقصود ہے۔ اس سے اگلا مقصد یہ بھی ہے اسطرح علمائے دین پیدا ہوتے ہیں۔ کیونکہ علماء ہی علوم نبوت کے وارث ٹھہرتے ہیں۔ اس تعلیم سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی بھی ملتی ہے نیز مسلمانوں کی باشعور قیادت کا حصول بھی اسی تعلیم کے ذریعہ ممکن ہے۔

باب نہم : دینی مدارس کی خصوصیات اور جدید معاشرتی تقاضے و سفارشات

فصل اول : دینی مدارس کی خصوصیات

- دینی مدارس کی اہمیت
- مسلم معاشرہ میں دینی مدارس کا کردار
- دینی مدارس کے تعلیمی نظام کی چند امتیازی خصوصیات
- کراچی کے دینی مدارس ایک نظر میں
- دینی مدارس کا اعزاز
- ایک غیر مسلم کا اعتراف حقیقت
- قومی کمیٹی برائے دینی مدارس کا اعتراف حقیقت
- ایک غیر مسلم کی نظر میں دینی مدارس کی سب سے اہم خصوصیت
- ایک ہی شہر میں واقع جدید اور دینی تعلیمی اداروں کا تقابلی مطالعہ

فصل دوم : دینی مدارس کی نصابی، تدریسی، اور تربیتی خصوصیات

- بنیادی نصابی خصوصیات
- اسلامی اساسی نصاب
- درس نظامی اور سرکاری نصاب کا تقابلی مطالعہ
- تربیتی خصوصیات
- دینی مدارس سے فارغ التحصیل فضلاء کی اہلیت و صلاحیت
- دینی مدارس اور جدید تعلیمی نظام سے فارغ التحصیل ہونے والوں کیلئے میدان عمل
- طریقہ تدریس
- تدریسی خصوصیات
- علماء کے ذرائع معاش

فصل سوم نصابی اور تدریسی تبدیلیاں مع ماہرین تعلیم کی آراء

- تاریخ تبدیلی نصاب درس نظامی
- علمائے حق کا اعتراف و تائید کلی
- نصابی تبدیلیوں کے بارے میں ماہرین تعلیم کی آراء
- دارالعلوم دیوبند اور علیگڑھ یونیورسٹی دو تحریکیں ایک مقصد
- اکابر علمائے دیوبند کی طرف سے جدید تعلیم کی حوصلہ افزائی
- علوم جدیدہ کو شامل نصاب نہ کرنے کی وجوہات
- مولانا محمد قاسم نانوتوی کی رائے
- اجنبی زبانیں سیکھنے کے سلسلہ میں مولانا مناظر احسن گیلانی کی رائے
- مولانا اشرف علی تھانوی کی رائے
- دارالعلوم دیوبند میں انگریزی زبان کی تعلیم کی تجویز
- مولانا شبلی نعمانی کی رائے
- کراچی کے علماء کی متفقہ تجویز
- مولانا ابو الحسنات ندوی کی رائے
- مولانا عبدالقادر آزاد کی رائے
- مولانا محمد ادریس میرٹھی، سابق ناظم اعلیٰ، وفاق المدارس پاکستان، کی رائے
- دینی مدارس کے ارباب حل و عقد کی رائے
- مولانا جاوید احمد الغامدی کی رائے میں پہلی بڑی خرابی
- دوسری بڑی خرابی
- تیسری بڑی خرابی
- مجوزہ نصاب تعلیم
- مولانا محمد ناظم ندوی کی رائے
- مولانا محمد یوسف بنوری کی رائے
- مولانا ابوالکلام آزاد کی رائے
- فرید احمد پراچہ کی رائے
- درس نظامی کی چند خامیاں اور نقائص

فصل پنجم اساتذہ، طلباء و طالبات اور دینی مدارس کے لئے تجاویز

- اساتذہ کے لئے طریق تدریس و تربیت
- اساتذہ کے لئے معاشی و رفاہی تجاویز
- اعلیٰ درجات تعلیم کے معلمین
- طلباء کے لئے جسمانی ریاضت
- طلباء و علماء کا لباس
- طلباء کے لئے وظائف و اعلیٰ تعلیم
- فضلاء کے لئے ملازمت کے مواقع
- طلباء اور تعلیم
- طلباء اور معاشرتی مسائل
- طالبات کے لئے تجاویز
- دینی مدارس کے لئے تجاویز
- دینی مدارس میں مبلغین کا انتظام
- مبلغ کے لئے ضروری ہدایات
- تعلیمی درجات کے اعتبار سے مدارس کے نام
- سندات کا اجراء اور معادلہ
- دینی مدارس کے لئے چندہ کی تجاویز
- چندہ کی مشروعیت اور اس کا ثبوت
- دینی مدارس کی مالی اعانت
- چندہ کی جائز اور ناجائز صورتیں
- زبردستی کا چندہ
- عوامی چندہ
- شرما حضوری اور روایتی چندہ
- جوش میں دیا ہوا چندہ
- عمل اور توجہ کے اثر سے چندہ
- دینی مدارس کے لئے مراعات

- دینی مدارس کے ارباب حل و عقد سے گذارش
- نصاب تعلیم میں تبدیلی
- قومی ادارہ برائے دینی مدارس کی خصوصیات
- قواعد و ضوابط کے لئے تجاویز
- چند اہم تجاویز برائے نگران ادارہ
- حواشی و حوالہ جات باب پنجم

باب نہم: دینی مدارس کی خصوصیات اور جدید معاشرتی تقاضے و سفارشات

فصل اول: دینی مدارس کی خصوصیات

دینی مدارس کی اہمیت

اسلامی اقدار سے گریز و فرار کے اس ایمان سوز دور میں دینی مدارس اور اسی قسم کے دینی تعلیمی اداروں کی اہمیت و ضرورت کسی پر مخفی نہیں، نہ اس حقیقت کے اظہار کی ضرورت ہے کہ اس پر فتن ماحول میں دینی علوم اور اسلام کی حفاظت اور اشاعت کی اہمیت کتنی بڑھ گئی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ تمام دنیاوی نظریات تغیر پذیر ہیں، تحریکیں ختم ہو سکتی ہیں، ثقافت اور رسم و رواج بدلتے رہتے ہیں لیکن دینی مدرسہ جس کا تعلق اسلامی علوم کی تعلیم و اشاعت سے ہے، اس کی ضرورت و اہمیت سے انکار کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ہے، کیونکہ اسلام ایک غیر فانی، غیر متبدل، عالمگیر اور ہمہ گیر نظام حیات ہے، اس میں نہ تو حالات و واقعات کی کوئی کمی آسکتی ہے، نہ اس کا کوئی جزو زائد اور فالتو ہے کہ اسے تغیر پذیر سمجھ کر اس میں اضافہ و ترمیم کیا جا سکے۔ بلکہ ہر دور اور ہر زمانہ کے لئے کامل، مکمل اور جامع لائحہ عمل ہے۔ اس لئے جن مراکز میں اس دین کی اشاعت و حفاظت کا کام ہو رہا ہے، ان سے غفلت اور بے اعتنائی اپنی دینی و قومی روایات سے نہ صرف انحراف بلکہ ملی خودکشی کے مترادف ہے۔

کسی دینی مدرسہ کا مقام ایک مسلم معاشرہ کے لئے علوم نبوت کے روشن مینار جیسا ہوتا ہے، جس کے ذریعے علوم نبوت کی روشنی رہتی دنیا تک بھٹکتی ہوئی انسانیت کی راہنمائی کرتی ہے۔ اس کی حیثیت قلب اور روح جیسی ہے، جس کی تازگی اور مسلسل حرکت کی وجہ سے زندگی رواں دواں ہے۔ آج جبکہ عالم اسلام اغیار و اشرار کے نرغے میں ہے، بلکہ اپنوں کا مشق تحقیق و ستم بنا ہوا ہے، تمام اسلامی اقدار و علوم، اسلامی تمدن و روایات کو فکر و نظر کے نشتر سے مجروح کیا جا رہا ہے، تحقیق کے بہانے اس کی شکل تبدیل کر کے مسخ کیا جا رہا ہے۔ الحاد و مادیت کے کارخانوں سے دین کے استحصال کے لئے وہ اسلحہ میدان میں اتر رہا ہے کہ جس کا تصور بھی آج سے پہلے نہ ہو سکتا تھا۔ ان حالات میں دینی مراکز کے زیادہ سے زیادہ استحکام و ترقی اور نظم و ضبط کی طرف توجہ کرنا وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ اس سلسلہ میں علمائے اسلام کے علاوہ حکومت وقت پر اہم ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں کہ وہ دینی تعلیم کے اداروں کی مستقل معاونت کرے تاکہ احیائے علوم دین ہوتا رہے۔

مسلم معاشرہ میں دینی مدارس کا کردار

اصولی طور پر دینی مدارس ان بنیادی اور مرکزی کردار کے حامل ہیں، جو اللہ جل شانہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سپرد فرمایا تھا، جسے آپ نے اپنی زندگی میں نہایت اعلیٰ وارفع طریقے سے امت مسلمہ کے حوالے کیا۔ اللہ تعالیٰ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں، "حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر احسان کیا، کہ ان میں انہی کی جنس سے ایک ایسے پیغمبر کو بھیجا کہ وہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں اور لوگوں کی صفائی کرتے رہتے ہیں۔ ان کو کتاب اور فہم کی باتیں بتاتے رہتے ہیں۔ اور بالیقین یہ لوگ قبل سے صریح غلطی میں تھے"۔ (۱)

اس آیت کریمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چار صفات بیان کی گئی ہیں۔

۱۔ تلاوت آیات۔ (اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ کر سنانا)

۲۔ تزکیہ نفس۔ (نفسانی آلائشوں اور تمام مراتب شرک و معصیت سے مسلمانوں کو پاک کرنا)

۳۔ تعلیم کتاب۔ (کتاب اللہ کی مراد بتانا)

۴۔ تعلیم حکمت (حکمت کی گہری باتیں سکھانا)

یہ چار امور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات میں سرانجام دیئے، اور ختم نبوت کے طفیل اب ان کی انجام دہی خصوصاً دینی مدارس کے فارغ التحصیل علماء و فضلاء کے ذمے ہے۔

دینی مدارس کے تعلیمی نظام کی چند امتیازی خصوصیات

۱۔ مسلمانوں کو مفت، کسی قسم کا کوئی معاوضہ لئے بغیر تعلیم دینا

۲۔ اپنے وسائل و ذرائع کے مطابق غریب و نادار طلباء کی خوراک و پوشاک اور رہائش کا انتظام کرنا اور نصابی کتب مہیا کرنا

۳۔ دین اسلام کی تبلیغ و اشاعت کرنا

۴۔ مسلمانوں کو باطل نظریات سے بچاتے ہوئے قوت واستدلال سے باطل کا تعاقب کرنا، مسلمانوں میں اسلام اور ملک کی حفاظت کے لئے جذبہ جہاد پیدا کرنا

۵۔ مکمل اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے راہ ہموار کرنا اور مسلمانوں کے قلوب و اذہان کو اسلام کے عادلانہ نظام کے لئے تیار کرنا

۶۔ عالم اسلام کے لئے مدرسین، مبلغین، آئمہ، خطباء، مصنفین، محققین اور ملکی سیاست کے انتظام و انصرام کے لئے ماہرین اور عاملین پیدا کرنا

۷۔ مسلمانوں کو عیش پرستی، خواہش پرستی اور غیر مسلم اقوام کی تقلید و اتباع سے بچا کر اسلامی تہذیب و تمدن اور ثقافت کی طرف راغب کرنا

۸۔ اس دور میں جب ثقافت کے نام پر فحاشی و عریانی، بے حیائی اور بد اخلاقی پھیلائی جا رہی ہے اسلامی تعلیمات پر مشتمل رسائل و جرائد اور عمل کے ذریعہ برائیوں کا سد باب کرنا

۹۔ مسلمانوں کو حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کی طرف راغب کرنا

۱۰۔ ملک و قوم اور اسلام کے تحفظ کے لئے چلائی گئی تحاریک میں قائدانہ کردار ادا کرنا، اور مسلمانوں میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کا جذبہ پیدا کرنا

۱۱۔ فلاحی مملکت کے قیام کیلئے رجال کار پیدا کرنا

کراچی کے دینی مدارس ایک نظر میں

- مالی وسائل کے لحاظ سے ملک کے دیگر شہروں میں قائم دینی مدارس سے مقابلتاً بہتر ہیں
- طلباء واساتذہ کو تعلیم و تعلم کی سہولتیں زیادہ میسر ہیں
- کراچی کے دینی مدارس ملک کے دیگر مدارس سے تعلیمی و تنظیمی اعتبار سے مقابلتاً زیادہ مقبول ہیں
- یہاں اہل خیر لوگوں کو مدارس کی مالی معاونت کیلئے متوجہ کرنا سہل ہے
- دینی مدارس کیوجہ سے تعلیم و تربیت اور دین کی نشر و اشاعت کے مواقع زیادہ ہیں
- کراچی کے دینی مدارس کو سرکاری ذرائع سے بھی مالی امداد ملنے لگی ہے
- بڑا شہر ہونے کیوجہ سے دینی مدارس کے ارباب اختیار کے وسیع سماجی تعلقات قائم ہیں
- دینی مدارس مجموعی طور پر معاشرے میں اپنی شناخت، اہمیت و حیثیت تسلیم کراچکے ہیں
- منتظمین مدارس کے سیاسی شعور اور اثر و رسوخ بڑھ گئے ہیں
- دینی مدارس میں طلباء کی تعداد بڑھنے سے انکا معاشرے میں اثر و نفوذ بڑھ گیا ہے
- دینی مدارس خواندگی بڑھانے میں اہم کردار ادا کررہے ہیں
- فارغ التحصیل ہونے والے فضلاء کیلئے حصول روزگار کے مواقع نسبتاً زیادہ ہیں
- کراچی میں دینی مدارس کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے
- دینی مدارس ایک پلیٹ فارم حاصل کرچکے ہیں

دینی مدارس کا اعزاز

۱۔ اسلامی نظام تعلیم کی ہمیشہ سے یہ روایت رہی کہ دینی مدارس میں تعلیمی مصارف کو طلباء کے بجائے درسگاہوں کے ذمہ رکھا گیا ہے لہذا اس تعلیمی نظام میں طلباء سے کوئی فیس وغیرہ وصول نہیں کی جاتی، بلکہ قیام

کا اور بورڈنگ ہاؤس کا بھی کوئی کرایہ نہیں لیا جاتا۔

۲۔ نادار اور غریب طلباء کو دینی مدارس کی جانب سے کھانا، لباس اور دوسری روزمرہ ضروریات کے لئے نقد و وظائف بھی دیئے جاتے ہیں۔ یہ وہ خصوصیات ہیں جن کی مثال دنیا کے کسی دوسرے نظام تعلیم میں نہیں پائی جاتیں۔

۳۔ دینی مدارس میں حصول علم پر کبھی کوئی ایسی پابندی بھی عائد نہیں کی گئی کہ جس کے ذریعے قوم کے کچھ افراد پر تعلیم و تعلم کے دروازے بند کر دیئے گئے ہوں، بلکہ ان میں ہر وہ شخص جس کو اکتساب علم کا کچھ بھی ذوق ہو، بغیر کسی رکاوٹ کے علم حاصل کر سکتا ہے۔ عمر، پیشے، نسل، امیر و غریب اور سماجی اونچ نیچ کے مابین کوئی امتیازی فرق روا نہیں رکھا گیا (۲) اس بنا پر ہر شخص کے لئے خواہ وہ کسی نسل سے تعلق رکھتا ہو اور کتنا کم مقدور کیوں نہ ہو، اس کے لئے بلا تکلف ادنیٰ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی راہیں کھلی ہوتی ہیں، مسلمانوں کی علمی تاریخ میں ایسے بے شمار علماء و فضلاء ملتے ہیں جو مختلف ادنیٰ و اعلیٰ پیشوں سے متعلق رہے ہیں لیکن تعلیم کو ہمیشہ زیادہ سے زیادہ آزاد رکھے جانے کا اصول پیش نظر رکھا گیا ہے۔ ادنیٰ پیشوں سے متعلق افراد سے تعلیم کی پابندی اٹھا دینا، دنیا نے مسلمانوں سے ہی سیکھا ہے لیکن آج اس کا سہرا یورپ کے سر باندھا جا رہا ہے (۳)

درحقیقت یہ دینی مدارس ہی کا اعجاز ہے کہ تعلیم کے حصول کیلئے عمر کی قید اٹھا دینے کا فلسفہ دنیا کو سکھایا ہے، چنانچہ تعلیم بالغان کی شکل میں اس کی داغ بیل پڑی۔ اب وہ زمانہ زیادہ دور نہیں معلوم ہوتا کہ جب دنیا کی تمام یونیورسٹیاں اس حد بندی سے آزاد ہو جائیں گی (۳) دارالعلوم دیوبند اور اس طرح کی دیگر درسگاہیں، ہندوستان میں ایسی درسگاہیں جو مفت تعلیم کی بنیاد پر قائم ہوئی، جہاں ایک صدی سے زیادہ مدت سے اس مفت نظام تعلیم کو کامیابی کے ساتھ چلایا جا رہا ہے، آج پاکستان میں اس تعلیمی نظام سے وابستہ افراد اور اداروں نے یہی اصول اپنا رکھا ہے۔ برطانوی دور حکومت میں دارالعلوم دیوبند وہ پہلی درسگاہ ہے جس نے آزاد طریق تعلیم کو پیش کیا اور سیاسی غلامی کی فضا میں ملت کی ذہنی آزادی کو برقرار رکھنے کی جدوجہد کی، اگرچہ یہ کام بہت مشکل تھا مگر دارالعلوم نے اس پر عمل کر کے اس مشکل کو آسان بنا دیا۔ دارالعلوم نے حکومت برطانیہ کی پیش کش کے باوجود کبھی اس کی مالی امداد قبول نہیں کی یہی وجہ ہے کہ وہ بہت سی ایسی پابندیوں سے آزاد رہا ہے، جو سرکاری زر امداد کے ساتھ ساتھ آنی لازمی ہوتی ہیں (۵)

دینی مدارس کے طلباء کے سامنے حصول علم کا مقصد اور نصب العین اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور اس کی مخلوق کی بہترین خدمت ہے، شاگرد استاد کو استاد ہی سمجھتے ہیں، استادی اور شاگردی کی قدیم حدود و مراتب کا پوری طرح لحاظ رکھتے ہیں، شاگرد اپنے استاد کا ویسا ہی ادب کرتے ہیں جیسے اپنے والدین کا۔ اساتذہ کی خدمت کو ہر طالب علم باعث برکت تصور کرتا ہے۔(۶)

حدیث نبوی۔ کتاب اللہ کی شرح و تفسیر کے بعد اسلامی قانون کا دوسرا اہم ماخذ ہے، دینی مدارس نے

بیشتر دینی و دنیوی علوم کی خدمت انجام دی ہے لیکن اس میں سب سے زیادہ نمایاں حیثیت حدیث کے درس کو حاصل رہی ہے۔ یہ درس حدیث، روایت و درایت اور تفقہ کے تمام اصولوں کا جامع اور خصوصاً حدیث نبوی کی تعلیم میں ایک منفرد اسلوب کا حامل رہا ہے (۱) پاکستان کے دینی مدارس کی اس خصوصیت نے اسے دوسری تمام تعلیم گاہوں سے ممتاز بنا دیا ہے۔ اس کے دار الحدیث میں ہر سال ہزاروں طلباء حدیث کا اجتماع رہتا ہے جو دنیا کے مختلف حصوں سے محض حدیث کی تعلیم کے لئے یہاں آتے ہیں، ان طالبان حدیث میں وہ لوگ بھی شامل ہوتے ہیں جو دوسرے مدارس سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد صرف اس لئے یہاں آتے ہیں کہ مخصوص ماحول میں اعلیٰ تعلیم سے بہرہ مند ہو سکیں (۱)

پاکستان کے دینی مدارس ہندوستان، برما، بنگلہ دیش، افغانستان اور افریقہ کے کئی ممالک کے دینی مدارس کی طرح تقریباً ایک ہی انداز پر قدیم طریقہ تعلیم اور اندرونی نظم و نسق کی تقلید کرتے ہیں (۱) داخلے کے لئے عمر کی کوئی قید نہیں ہوتی تھی البتہ اب کسی حد تک داخلہ کے وقت طلباء کی عمر کو اہمیت دی جانے لگی ہے لیکن ان بیرونی کم سن بچوں کو جو دارالاقامہ میں تنہا نہ رہ سکیں داخل نہیں کیا جاتا۔ (۱) دینی مدارس کے نظام کو جس طرح حکومت کے اثر سے بالکل آزاد رکھا گیا ہے اسی طرح امتحان میں بھی کسی قسم کی بیرونی مداخلت کو پسند نہیں کیا جاتا نصاب تعلیم ان کا اپنا مجوزہ ہے اور امتحانات بھی وہ خود ہی اپنی نگرانی میں لیتے ہیں۔ (۱) تمام طلباء کو مدرسہ کے کتب خانے سے زیر درس کتابیں کسی معاوضے کے بغیر ایک سال کے لئے مستعار دی جاتی ہیں، طالب علم کو مالی امداد ملتی ہو یا نہ ملتی ہو دونوں صورتوں میں اس سے دارالاقامہ کے کمرے کا کوئی کرایہ نہیں لیا جاتا۔ (۱)

ایک غیر مسلم کا اعتراف حقیقت:

یو۔ پی۔ اسمبلی میں بجٹ سیشن کے موقع پر مسٹر پالیوال نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ ہمارے اسکولوں میں تعلیم پانے والے طلباء جب اپنے مقصد میں ناکام ہوتے ہیں تو قطب مینار سے کود کر یا کسی پل سے چھلانگ لگا کر جان دے دیتے ہیں کیونکہ انہیں جینا نہیں سکھایا جاتا ان کے سامنے زندگی کا کوئی آدرش نہیں۔ اس کے برخلاف میرے ہی حلقہ انتخاب میں دیوبند ایک قصبہ ہے جہاں ایک عربی یونیورسٹی دارالعلوم دیوبند کے نام سے قائم ہے۔ جہاں کا طالب علم معمولی کھانا کھا کر اور معمولی لباس پہن کر تعلیمی زندگی گزارتا ہے اور جب فارغ ہوتا ہے تو ملک کا اچھا شہری بنتا ہے حکومت پر بوجھ نہیں بنتا بلکہ خود کفیل ہوتا ہے۔ ایک انصاف پسند کی یہ شہادت مدارس کے کیس کو بہت مضبوط بناتی ہے اور ہمیں بتاتی ہے کہ ان دینی مدارس کی جدید تعلیمی اداروں کے مقابلہ میں کیا اہمیت ہے اور ہم امداد سے بے نیاز ہیں۔

۱۹۵۷ء کی بات ہے جب مسٹر سمپورنانند یو پی کے چیف منسٹر تھے۔ انہوں نے محکمہ تعلیم کے بجٹ میں ایک لاکھ کی امداد دارالعلوم دیوبند کے لئے مخصوص کی تھی مگر دارالعلوم کے مہتمم نے شکریہ کے ساتھ یہ رقم لینے سے انکار ہی نہیں کیا بلکہ کہا کہ ہماری قومی حکومتوں کو دارالعلوم کے مسلک کا لحاظ رکھنا چاہیے۔ (۱) یہی صورت حال آج بھی پاکستان کے بیشتر دینی مدارس کی ہے کہ اس گئے گزرے دور میں دینی مدارس نے بہت حد تک مندرجہ بالا خصوصیت کو باقی اور زندہ رکھا ہوا ہے۔

قومی کمیٹی برائے دینی مدارس کا اعتراف حقیقت

حکومت پاکستان کی قائم شدہ قومی کمیٹی برائے دینی مدارس کی رپورٹ کے مطابق ملک کے مختلف حصوں میں قائم دینی مدارس کے معائنہ و جائزہ کے دوران صبر و استقلال، شجاعت و استقامت، ایثار و قربانی، توکل علی اللہ کے روح پرور مناظر دیکھنے میں آئے۔ مدرسہ عربیہ بحر العلوم (رجسٹرڈ) مند، صوبہ بلوچستان میں تربت سے تقریباً سات میل دور پہاڑوں کے دامن میں واقع ہے۔ موسم سرما میں شدید سردی، برف اور باد و باراں کے سبب یہاں کی پوری آبادی نقل مکانی کر کے پہاڑوں کی دوسری جانب چلی جاتی ہے لیکن مدرسہ کے معائنہ کے روز (مورخہ ۲۸ اپریل ۱۹۷۹ء) مہتمم، عملہ و طلباء واپس پہنچ گئے تھے۔ (۱۳) ایک جھونپڑا شکستہ ہوتی ہو دراصل مدرسے کا دارالحدیث تھا۔ اساتذہ سے تعارف کے دوران مہتمم نے بتایا کہ مدرسہ کے شیخ الحدیث سب سے زیادہ تنخواہ پاتے ہیں جو صرف ایک سو روپیہ ماہوار ہے۔ دارالاقامہ فقط دو کمروں پر مشتمل تھا، جس کے دروازے اتنے نیچے تھے کہ نیم رکوع کی حالت کے بغیر داخلہ ممکن نہ تھا۔ چھت بمشکل قد آدم تھی، قیام گاہ کی دیواریں کچی مٹی اور چھت درختوں کی چھال اور کھیتوں کی گھاس سے بنائی گئی تھی جو بارش کے دوران ٹپکتی تھی کسی قسم کی چارپائی کا نام و نشان نہ تھا، تمام مبتدی اور منتہی طلباء مٹی کے فرش پر سوتے تھے، موسم سرما میں باد و باراں اور برفانی طوفانوں کی وجہ سے مدرسہ، دارالحدیث اور دارالاقامہ کی کچی دیواریں اور چھتیں گری ہوتی تھیں۔ مہتمم نے بتایا کہ تعلیمی سال کا آغاز اس طرح ہوتا ہے کہ وہ خود مٹی گارا تیار کرتے ہیں، طلبائے قرآن، حدیث اور فقہ اور طلباء ٹوکریوں میں مٹی اور گارا اٹھاتے ہیں اور کھیتوں سے گھاس اور تنکے حاصل کر کے چھتیں تیار کرتے ہیں جن کے نیچے قال اللہ اور قال الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا درس شروع ہوتا ہے۔ طلباء کی خوراک کے متعلق مہتمم نے بتایا کہ مند کی آبادی زیادہ تر ایک ہی قبیلہ کے لوگوں پر مشتمل ہے جو طلباء کو خوراک کی فراہمی میں مدد دیتے ہیں۔ ان دشواریوں کے باوجود مہتمم انتہائی پر اعتماد، مطمئن اور خوش تھے۔ ان کا سراپا و مقدس چہرہ ان کے بلند عزائم کا آئینہ دار تھا۔ اس دور افتادہ پہاڑی مقام پر غربت، افلاس اور مادی وسائل کے فقدان کے باوجود مہتمم اور اساتذہ کے خلوص، دینداری، محنت و ریاضت اور طلباء کے انہماک اور کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کے حصول کے لئے ان کی پر خلوص مساعی و جہد مسلسل کے مناظر دیکھ کر اصحاب صفہ (رضوان اللہ علیہم) کی یاد تازہ ہو گئی۔

اسی طرح کوئٹہ سے کراچی جاتے ہوئے بیلہ میں مدرسہ تعلیم القرآن جلال آباد کا معائنہ کیا گیا۔ یہ مدرسہ شہر بیلہ سے دو میل دور کوئٹہ کراچی روڈ کے بائیں جانب ایک خشک، سنگلاخ اور بالکل بے آب و گیاہ مقام پر واقع ہے ایک انتہائی نیک سیرت، شریف النفس عالم دین مولانا سید جلال شاہ نے یہ مدرسہ ایک معمولی سی جھونپڑی میں بڑی بے سروسامانی کے عالم میں شروع کیا۔ مدرسہ کے صرف دو کمرے ہیں جو تدریس و طلباء کی رہائش کے لئے

استعمال ہوتے ہیں ۔ ایک جھونپڑی سید بھولن شاہ کی رہائش گاہ ہے ۔ یہ بڑی حیرت کی بات ہے کہ اس زمانے میں مہتمم و طلباء بڑے سکون و اطمینان کے ساتھ حصول تعلیم میں مصروف ہیں ۔ مدرسے کا کوئی بجٹ نہیں ، کوئی ذریعہ آمدن نہیں ۔ شہر مچھ کے چند دکاندار طلباء کی خوراک وغیرہ کے کام میں کچھ مدد کر دیتے ہیں ۔ سب سے بڑی تعجب کی بات یہ ہے کہ مدرسے میں پانی کا کوئی انتظام نہیں ۔ شہر مچھ میں ریلوے اسٹیشن سے آدھ انچ کی نالی کے ذریعے چوبیس گھنٹے میں صرف ایک گھنٹہ پانی ساٹھ روپے ماہوار کے معاوضے پر ملتا ہے ۔ ان انتہائی ناگفتہ بہ حالات میں قرآنی تعلیمات کے اس مدرسے کی مسلسل ترقی اعجاز القرآن پر ہی محمول کی جا سکتی ہے ۔

مہتمم مدرسہ کے استغناء کا یہ عالم ہے کہ جب اسسٹنٹ کمشنر مچھ نے اطلاع دی کہ صدر پاکستان کی قائم کردہ قومی کمیٹی برائے دینی مدارس کے سیکرٹری (مورخہ ۲۷ اپریل ۱۹۷۹ء کو) مچھ میں آ رہے ہیں ۔ اس لئے شہر کے دیگر ناظمین مدارس کے ہمراہ وہ بھی جامع مسجد مچھ میں تشریف لائیں ۔ آپ نے اسسٹنٹ کمشنر سے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی پاک کتاب ، قرآن حکیم کی تعلیم میں مصروف ہوں اور پچھلے بیس برس سے مدرسے سے باہر قدم نہیں رکھا ، حکم ہو تو چلا آتا ہوں ۔ اے سی نے تحصیل ہیڈ کوارٹر میں پہلی ملاقات کے دوران جب یہ واقعہ بیان کیا تو ہم نے کہا ایسے بزرگ کو ہرگز زحمت نہ دی جائے ۔ چنانچہ ہم خود مدرسہ تعلیم القرآن جلال آباد میں حاضر ہوئے بے سروسامانی کے عالم میں جلال بابا کی علمی و تعلیمی مساعی سے متاثر ہوئے ۔ مدرسہ اور مچھ کے مذکورہ مدارس کی تعلیمات بطور مثال بیان ہوئی ہے ورنہ ایسے ایمان افروز اور روح پرور مناظر ، تمن ، سبی ، قلات ، تربت نیز سرحد ، سندھ اور پنجاب کے کئی مقامات پر بھی دیکھنے میں آئے ۔ یہ بات اور بھی اطمینان بخش تھی کہ ان دور افتادہ مقامات پر قائم دینی مدارس کے مہتممین اور اساتذہ برصغیر پاک و ہند کی نامور دینی گاہوں کے فاضلین تھے جن کا شمار چوٹی کے علماء میں ہوتا ہے ۔ (۱۵)

ایک غیر مسلم کی نظر میں دینی مدارس کی سب سے اہم خصوصیت

ان مدارس و مکاتب دینیہ کی اہمیت ایک غیر مسلم تک کو ہے ، ممکن ہے ہم میں سے کچھ لوگ ان درویش صفت مدرسین کی اہمیت کو محسوس نہ کرتے ہوں لیکن Bridge To Islam نامی کتاب کے مؤلف کے مطابق کہ اسلام کی طاقت کا سرچشمہ کہاں ہے " وہ اپنی اس کتاب میں بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مسلمانوں پر بڑی سے بڑی آفت آئی ہے ، مگر ان کا ملی وجود قائم رہتا ہے ، تاتاریوں کے ہاتھ بغداد کی تباہی ، عباسی حکومت کا خاتمہ ، اسپین میں مسلمانوں کا قتل عام ، جلاوطنی اور بالآخر اسپین میں عربوں اور مسلمانوں کا مکمل زوال ان جیسے واقعات کے باوجود مسلمانوں کا ملی و اجتماعی وجود قائم رہتا ہے ۔ مسلمانوں کی طاقت کے سرچشمہ کی بحث کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ " اسلام کی طاقت کا سرچشمہ وہ مکاتب و مدارس ہیں جو مسجدوں سے ملحق ہوتے ہیں جہاں ایک مسلمان بچہ ابتدائی عمر میں اسلام کے بنیادی عقائد کی تعلیم پاتا ہے اور زندگی بھر وہ

نقش اس کے ذہن سے محو نہیں ہوتا بلاشبہ ان ہی مکاتب و مدارس دینیہ کی بدولت ایک مسلمان بچہ کم سنی میں دین کی بنیادی باتوں کو جانتا ہے اور عمر کے بقیہ حصہ میں خواہ وہ کیسی ہی بے عملی، بدعقیدگی سے دوچار ہو مگر پھر وہ اسلام ہی کی طرف لوٹ آتا ہے، یقیناً اسلام کی طاقت کا اصل سرچشمہ مکاتب و مدارس دینیہ ہیں جہاں بچوں کو قرآن کریم کی ناظرہ و حفظ کی تعلیم دی جاتی ہے، جہاں انہیں اسلام کی پانچ اساسی امور کو یاد کرایا جاتا ہے اور زندگی کے تمام مراحل سے گذر کر پھر وہ اسلام کی ابدی تعلیم کی طرف لوٹ کر سکون و اطمینان حاصل کرتا ہے۔ مزید وہ لکھتے ہیں کہ الجزائر میں بھی فرانسیسی استعمار کو بالآخر شکست ہوئی۔ ان کی مکمل شکست میں انہی مکتبوں مسجدوں سے ملحق تعلیم گاہوں اور مدارس دینیہ میں تعلیم پانے والوں کا عمل دخل تھا جلد فرانسیسی زبان کو سرکاری زبان بنانے اور اس کے عام فروغ کے بعد عربی زبان کو فنا ہونے سے بچانے کا کام بھی انہی مدارس دینیہ نے انجام دیا اور عربی اسلامی ثقافت و تہذیب کے بچے کچھے آثار بھی انہی کی بدولت نظر آتے ہیں۔ (۱۹)

ایک ہی شہر میں واقع جدید اور دینی تعلیمی اداروں کا تقابلی مطالعہ

اس ضمن میں دینی مدارس اور عام تعلیم کے اسکولوں اور کالجوں کا تقابلی مطالعہ بھی دلچسپی سے خالی نہیں، ملک میں قائم سرکاری کالجوں کی حالت زار کی ایک جھلک قلات کے ایک مردانہ اور ایک زنانہ کالج میں دیکھی جاسکتی ہے، ان دونوں کالجوں میں صرف چند لڑکوں اور لڑکیوں کے نام بطور طالب علم درج ہیں، ان میں سے بھی بعض تو کے سرکاری دفتروں کے ملازم ہیں، جب کہ ہر کالج میں پرنسپل سمیت تعلیف درجن سے زائد اساتذہ مقرر ہیں۔ ان پر ایک خطیر رقم ماہوار خرچ ہو رہی ہے اس کے علاوہ ان کالجوں کے لئے لاکھوں روپے کے مصارف سے نہایت خوبصورت، پختہ اور وسیع عمارات تعمیر کی گئی ہیں جن میں لاکھوں روپے کا جدید فرنیچر و کتب خانہ موجود ہے۔ اسی شہر قلات میں ایک مدرسہ بنام تجوید القرآن ۱۹۵۲ء سے قائم ہے، جس میں دو سو طلباء زیر تعلیم ہیں، جو ہمہ وقتی ہیں اور شب و روز تحصیل علم میں مصروف ہیں۔ کچی مٹی کی دیواروں، چٹانوں اور لکڑی کی ٹہنیوں سے بنی ہوئی چھت والی معمولی عمارت میں سینکڑوں طلباء اطمینان و سکون سے زیر تعلیم ہیں۔ اسی مدرسہ کی عمارت میں ایک پرائمری اسکول بھی قائم ہے۔ اس مدرسے کے کل اخراجات مقابلتاً بہت قلیل ہیں۔

اس تقابل سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو نظام تعلیم قوم کے عقیدے اور نظریہ حیات پر مبنی ہو اس کے معلمین اور متعلمین مادی آسائشوں کی پرواہ کئے بغیر تعلیم و تعلم کی خاطر ہر قسم کی قربانی دے سکتے ہیں۔ اگر عام نظام تعلیم بھی ہمارے عقیدے اور نظریہ حیات سے ہم آہنگ ہو جائے تو یقیناً اس کی درس گاہوں کے معلمین اور متعلمین بھی ایثار و قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔ (۲۰) بلاشبہ دینی مدارس نے اسلام اور مسلمانوں کے لئے عظیم

خدمت انجام دی ہیں مدارس دینیہ میں پیش آمدہ مشکلات کے باوجود بے شمار ایسے اکابر علماء پیدا کئے جنہوں نے اپنی وسعت علمی اور تقویٰ کی بنیاد پر تمام دینی موضوعات پر بے شمار تالیفات پیش کیں۔ پرچم اسلام کی سربلندی کے لئے خود کو فنا کر دیا مگر کتاب و سنت کو مضبوطی سے تھامے ہوئے اللہ تعالیٰ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کے ساتھ شدید درجہ محبت رکھتے ہوئے متقدمین اسلاف کی یاد تازہ رکھی ہوئی ہے۔ کیونکہ ان مدارس کے پیش نظر بنیادی مقصد علوم اسلامیہ کو جوں کا توں محفوظ رکھنا ہے کہ وہ آخر تک محفوظ رہیں۔

فصل دوم: دینی مدارس کی نصابی، تدریسی اور تربیتی خصوصیات

کسی بھی تعلیمی منصوبے کی اہم خصوصیات میں سے ایک اس کا نصاب بھی ہوتا ہے، جو اس کی وجہ شہرت بنتا ہے ۔ اس سلسلہ میں سب سے معروف نقاد علامہ شبلی نعمانی کی نظر میں درس نظامی کے نصاب کی چیدہ چیدہ خصوصیات درج ذیل ہیں ۔

۱ ۔ اس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ درس نظامی کی کتابیں اگر اچھی طرح سمجھ کر پڑھ لی جائیں تو عربی زبان کی کوئی کتاب لاینحل نہیں رہ سکتی بخلاف درس قدیم (درس نظامی سے قبل) کے نصاب کے، جس سے یہ بات حاصل نہیں ہو سکتی تھی ۔

۲ ۔ درس نظامی کو قدیم نصاب پر اس لئے ترجیح حاصل ہے کہ ایک متوسط الذہن طالب علم سولہ سترہ برس کی عمر میں تمام کتب درسیہ سے فارغ ہو سکتا ہے ۔

۳ ۔ اس نصاب میں جس قدر فقہ کی کتابیں رکھی گئی ہیں ان میں معقولی استدلال سے کام لیا گیا ہے، اس لئے اس نصاب سے وہ تقشف، ظاہر پرستی اور مذہب کا بے جا تعصب پیدا نہیں ہوتا جو سطحی فقہاء کا ہوتا ہے ۔ (۱۸)

۴ ۔ یہ درس نظامی، قدیم نصاب کی اصلاح شدہ صورت ہے ۔

۵ ۔ اس نصاب کی بیشتر کتب اردو میں دستیاب ہیں اور اس کا ذریعہ تعلیم بالعموم قومی زبان اردو ہے ۔

۶ ۔ انداز تدریس کتابی و تقریری ہے ۔

۷ ۔ اسباق میں کتاب کی عبارت طلباء خود پڑھتے ہیں ۔ اس سے نہ صرف تلفظ کی درستی ہوتی ہے بلکہ مطالعہ کی عادت بھی پختہ ہوتی ہے ۔

۸ ۔ دوران تدریس اساتذہ سبق کے مشکل مقامات کی تشریح کرتے ہیں ۔ اکثر وضاحت سوال و جواب کی صورت میں ہوتی ہے ۔ (۱۹)

بنیادی نصابی خصوصیات

قرآن مجید دین کی بنیادی کتاب ہے ۔ اس لئے اس کی تعلیم ہر مسلمان مرد اور عورت کے لئے لازمی ہے ۔ یعنی اس کو پڑھنا، سمجھنا، غور و فکر کرنا اور اس پر عمل کرنا اشد ضروری ہے ۔ اس لئے مدرسہ میں سب سے پہلے بچہ قرآن مجید ناظرہ پڑھتا ہے، حفظ کرتا ہے اور اس کے دیگر علوم حاصل کرتا ہے ۔ اسلامی تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ اکثر غیر عرب علماء جنہوں نے بچپن ہی میں قرآن مجید حفظ کر لیا تھا ۔ ان کے ذہن مقابلتاً زیادہ تیز ہو گئے آج تک عالم اسلام کی سب سے بڑی درسگاہ جامعہ الازہر میں داخلہ کی شرط یہ ہے کہ طالب علم حافظ قرآن ہو ۔ اس نصاب میں شامل کتب کو حفظ کرنے پر زیادہ زور دیا جاتا ہے تاکہ طالبعلم کا حافظہ تیز ہو جائے ۔ حفظ کتب

میں سہولت پیدا کرنے کے لئے بچوں کی ابتدائی کتابوں کو نظم میں لکھا جاتا تھا، اس لئے کہ نثر کے مقابلے میں نظم آسانی سے یاد ہو جاتی ہے۔

اسلامی مفکرین کے نزدیک تعلیم کا مطلب یہ تھا کہ بچے کی تعمیر سیرت کی جائے، اس میں اچھی عادات اور ملکات حسنہ پیدا کئے جائیں، بری عادتوں سے بچایا جائے۔ یہ بات بھی مسلم تھی کہ ذہن میں جو چیز ذہن میں نقش ہو جاتی ہے وہ تمام زندگی قائم رہتی ہے اور عمل کو ایک خاص رخ اور سانچہ عطا کر دیتی ہے۔ اس لئے دینی مدارس کے نصاب میں دینی اور اخلاقی تعلیم پر زور دیا جاتا ہے۔ کتب نصاب میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتیں ہوتی ہیں یا پھر اخلاق آموز حکایات سنائی جاتی ہیں یہ سب اس لئے ہوتا ہے کہ طالب علم کا ذہن دینی اور اعلیٰ اخلاق کے سانچے میں ڈھل جائے تاکہ وہ ایک دیندار، صالح نوجوان بن کر پروان چڑھے۔ مغرب کے دینی مفکرین کے نزدیک تعلیم کا مفہوم سیرت سازی کے برعکس معلومات کی ذخیرہ اندوزی ہے۔ اس لئے وہ دین اور اخلاق سے بے نیاز ہو کر ماحول کی معلومات طالب علم کو فراہم کرتے ہیں اور اسے اشیاء کا علم دیتے ہیں۔

اساسی نصاب

۱۔ طالب علم کو سب سے پہلے عموی طور پر قاعدہ بغدادی یا نورانی شروع کرایا جاتا ہے۔

۲۔ اس کے بعد قرآن مجید کا تیسواں پارہ ناظرہ پڑھایا جاتا ہے۔

۳۔ پھر پورا قرآن مجید ناظرہ ختم کراتے ہیں، قرآن مجید کے ساتھ عام طور پر کوئی دوسری کتاب شروع نہیں کراتے۔

۴۔ اسکے بعد اخلاق کی آسان کتب کریما وغیرہ حفظ کراتے ہیں۔

۵۔ وضو اور نماز وغیرہ سکھاتے ہیں، ان کے عملی طریقے بتاتے ہیں۔

۶۔ اسکے بعد اساسی نصاب کی دیگر اسلامی کتب پڑھانا شروع کی جاتی ہیں۔ (۲۰)

درس نظامی اور سرکاری نصاب کا تقابلی مطالعہ

درس نظامی کی خوبیوں کے ساتھ کچھ کمزور پہلو بھی ہیں جنہیں پوری تفصیل کے ساتھ بلا کم و کاست آگے بیان کریں گے کسی افراط و تفریط اور رو رعایت کے بغیر ہم نے نصاب کی معمولی سے معمولی کوتاہی کی طرف نشاندہی کرنے سے اجتناب نہیں برتا۔ لیکن کسی کو ہرگز یہ غلط فہمی نہ ہونے چاہئے کہ دینی مدارس کا نظام اور نصاب تعلیم افادیت سے خالی ہے۔ یا اس کے بغیر ہم اپنے دینی تقاضوں کو پورا کر سکتے ہیں۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ دینی مدارس کا نصاب آج سرکاری اسکولوں کالجوں اور یونیورسٹیوں کے نصاب کے مقابلہ میں زیادہ جامع، دور

رس، متنوع اور ژرف نگاہی پر مبنی ہے ۔ اس حقیقت کی وضاحت کے لئے یہ مختصر سا موازنہ پیش کیا جا رہا ہے ۔

۱۔ سرکاری نصاب تعلیم پرائمری جماعتوں کے بعد نو سالوں پر مشتمل ہے ۔ (مڈل ۳ سال میٹرک ۲ سال، ایف اے ۲ سال اور بی اے ۲ سال) جبکہ دینی مدارس کا نصاب تعلیم بھی نو سالہ نصاب پر مشتمل ہے (۷ سال عمومی نصاب ۔ ایک سال دورہ حدیث اور ایک سال دورہ تفسیر)

۲۔ سرکاری نصاب تعلیم میں تدریسی مضامین کی تقسیم یہ ہے ۔ مڈل میں ۲، میٹرک میں ۸، ایف اے میں ۵ ، بی اے میں ۴، مضمون زیر تدریس رہتے ہیں ۔ جبکہ دینی مدارس میں پہلے سال ۴ دوسرے سال ۸ مضامین اور اس کے بعد تیسرے سال سے ساتویں سال تک ۹ مضامین زیر تدریس رہتے ہیں ۔ آٹھویں سال میں حدیث نبوی کی ضخیم کتب کا دورہ ہوتا ہے اور نواں سال دورہ تفسیر کے لئے مخصوص ہوتا ہے ۔

۳۔ سرکاری نصاب تعلیم میں یہ گنجائش موجود ہے کہ جو طالب علم چاہے وہ ایف اے اور بی اے، دونوں مدارج میں کوئی دوسرا مضمون پڑھے بغیر چار ۔ پانچ زبانیں پڑھ کر یہ امتحانات پاس کرتا ہے ۔ جبکہ درس نظامی میں ایسا آسان راستہ اختیار کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ۔ انہیں سند فضیلت حاصل کرنے کے لئے اول سے آخر تک ۴۴ مضامین اور مادری زبان کے ساتھ اردو، فارسی اور عربی تینوں زبانیں سیکھنی ہوتی ہیں ۔

۴۔ سرکاری نظام تعلیم میں یہ رجحان عام ہو چکا ہے کہ اول سے آخر تک ہر مرحلہ میں یہاں تک کہ ایم اے کے آخری امتحان میں اصل کتابوں کے بجائے صرف خلاصے، ترجمے، کلیدیں بلکہ آزمائشی پرچے رٹنے پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے ۔ اس کے برعکس مدارس عربیہ میں کسی کتاب کے ترجمے، خلاصے یا کلید وغیرہ کی ہرگز کوئی گنجائش نہیں ہوتی ۔ بلکہ انہیں اصل کتابوں کے متن کے علاوہ ان کے حواشی، تعلیقات اور شروح بھی زیر مطالعہ رکھنی ہوتی ہیں ۔

۵۔ مدارس عربیہ میں اس کثرت مطالعہ کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کے طلباء اپنے مضامین میں وسعت نظر اور ژرف نگاہی کے مالک ہوتے ہیں ۔ وہ آج کی پڑھی ہوئی کتاب دوسرے دن کامل اعتماد کے ساتھ دوسروں کو پڑھانے پر قادر ہوتے ہیں ۔ چنانچہ اکثر انہی دینی مدارس کے فارغ التحصیل طلباء بطور مدرس اور صدر مدرس تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں ۔ اگر کمی اور خرابی ہے تو صرف اس قدر کہ ان کی کتب بہت پرانی ہیں ۔ اور معلومات قدیم نظریات پر مبنی ہیں ۔ (۲۱)

تربیتی خصوصیات

ہر تعلیمی ادارہ کی تربیتی خصوصیات طالب علم کے مستقبل کے رخ کو متعین کرتی ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ دینی مدارس کی تربیتی خصوصیات دیگر اداروں کے مقابلہ میں انہیں ممتاز کرتی ہے ۔ دینی مدارس کے فارغ

التحصیل اخلاق لحاظ سے ہمارے معاشرے کا بہترین طبقہ ہیں ، جس ماحول میں ان کی تربیت اور تعلیم ہوتی ہے اور اس کے دوران حسن اخلاق پہلوؤں کا انہیں عادی بنایا جاتا ہے اور امرونواہی کی تفصیل ، خیر و شر میں تمیز ، حلال و حرام میں امتیاز ، اور حرص و طمع کے بجائے قناعت اور خوف خدا جیسی خوبیوں کی جس طرح انہیں تربیت دی جاتی ہے اس کا اثر ان کے اخلاق و کردار میں پوری طرح موجود ہوتا ہے اور جب وہ اس سانچے میں ڈھل کر میدان عمل میں آتے ہیں تو ان کا کردار یقیناً قابل اعتماد اور ملک و قوم کے لئے بہت مفید ثابت ہوتا ہے ۔ علماء دیانتداری ، پابندی وقت ، محنت ، لگن اور جذبہ حب الوطنی میں دوسروں پر فوقیت رکھتے ہیں ۔

آج ہمارے معاشرے میں رشوت ، سمگلنگ ، بددیانتی ، کام چوری اور دوسرے اخلاقی اور قومی جرائم کی کثرت ہے ۔ اگر ان تمام شعبوں میں دوسرے تعلیم یافتہ لوگوں کی طرح دینی مدارس کے تعلیم یافتہ لوگوں سے خدمات لی جائیں تو ان جرائم پر بڑی حد تک قابو پایا جا سکتا ہے ۔ کیونکہ اسکول ، کالج کے تعلیم یافتہ افراد کے اذہان میں ان جرائم کی ہیبت نہیں ، وہ تصور اور ان سے پرہیز کا وہ داعیہ ہرگز نہیں ہوتا ، جو دینی تعلیم کی وجہ سے علماء میں بہت راسخ ہوتا ہے ۔ ہمارے ملک میں جہاں شرح خواندگی پہلے ہی بہت کم ہے ، خواندہ لوگوں کی ایک بڑی تعداد کو اس طرح کی خدمات سے الگ کر دینا خود ملکی ترقی کے لئے مہلک ہے ۔ (۲۲)

اسلامی ادوار میں جو مختلف تعلیم و تدریس کے طریقہ کار اختیار کئے گئے ۔ ان میں اس بات کا احساس تو اتر کے ساتھ ملتا ہے کہ علم کو بہتر طور پر دوسروں تک پہنچایا جائے ۔ بلکہ علم کی ترویج و اشاعت میں ترغیب سے کام لیا جائے ۔ اور اگر اسی طرح حصول علم یا خواندگی بڑھانے کے لئے کوئی مالی یا سفری رکاوٹ حائل ہوتیں تو امراء ، خلفاء ، حکمران اور عوام اسے دور کرنے کی انفرادی و اجتماعی کوشش کرتے ۔ بلکہ تعلیمی اداروں اور طلباء کی سرپرستی اور علماء کی قدر دانی کیا کرتے ۔ اور انہیں بڑے مناصب پیش کئے جاتے ۔ ان کی کوشش رہتی کہ ناداری یا مفلسی ان کے لئے حصول علم میں رکاوٹ نہ بن جائے ۔ یا تلاش معاش کی مجبوری اور مصروفیت انہیں علم سے دور نہ کر دے ۔ حتی الامکان طلباء کو روٹی کپڑے وغیرہ سے فارغ البال رکھا جاتا ہے یا انہیں مستغنی کر دیا جاتا تھا ۔ اور ان کی ہر طرح سے کفالت کی جاتی تھی بلکہ انہیں بیش بہا وظیفے عطا کئے جاتے اور ان کی عزت افزائی کی جاتی اور یتیم طلباء کی خصوصی طور پر سرپرستی کی جاتی تھی کئی ایک مدارس اور مکاتب یتیم طلباء کے لئے مخصوص تھے ، جہاں ان کے نان نفقہ کا مکمل انتظام ہوتا ۔ اور انہیں اس کا احساس بھی نہ ہونے دیا جاتا کہ ان پر خصوصی ترحم کیا جا رہا ہے ۔ بلکہ طلب کی خدمت کو سعادت دارین سمجھا جاتا ۔

حقیقت بھی یہی ہے کہ اسلامی علوم کے طلباء کی اکثریت غریب لوگوں پر مشتمل ہوا کرتی تھی ۔ اس وقت وسائل بھی زیادہ نہ ہوا کرتے تھے ۔ یہ لوگ ابتدائی زندگی حصول علم کے لئے وقف کرتے اور فارغ التحصیل ہونے کے بعد درس و تدریس میں مشغول ہو جایا کرتے ۔ اسلامی تاریخ کے واقعات گواہ ہیں کہ راسخ العقیدہ علماء نے کبھی علم فروخت نہیں کیا ۔ اور نہ کبھی علم کی خدمت کے بدلے میں جاہ و منصب قبول کیا ،

بلکہ فقر میں ہی زندگی گذارنے میں فخر سمجھا۔

اسلام کی ابتداء ہی میں غریب لوگوں نے اسلام کو اپنے سینے سے لگایا اور غربت میں بھی تبلیغ دین اور ترویج تعلیم کا کام کیا۔ اور بے سروسامانی میں ہی زندگی کی مہمات سر کیں۔ پورے اسلامی ادوار حکومت میں تعلیم مفت دی جاتی رہی ہے۔ یہ تو اس دور میں تعلیم و تعلم کو منفعت بخش کام بلکہ کاروبار سمجھ لیا گیا ہے۔ اور حب جاہ و مال نے مال کمانے کے مختلف طریقے وضع کر دیئے ہیں۔ اس کے باوجود آج بھی دینی مدارس کے صاحبان سرکاری سرپرستی سے آزاد ہیں۔ صرف متوسط اور اہل ثروت ان کی مالی و دیگر دشواریوں میں معاون ہوتے ہیں۔

پورے استعماری دور میں دینی علوم اور دینی اداروں سے وہی لوگ وابستہ رہے ہیں جنہیں سرکاری خوشنودی مطلوب نہ تھی۔ بلکہ وہ حق و انصاف کے ساتھ تعلیم کے دلدادہ رہے۔ اور جاہ و حشمت انہیں مرعوب نہ کر سکے۔ دینی مدارس سے عمومی طور پر غریب لوگ ہی وابستہ رہے ہیں۔ یہی لوگ انتظام و انصرام کرتے رہے ہیں اور پھر انہی کے بچے تعلیم حاصل کرتے ہیں۔

یہ بات بھی حقیقت کے طور پر ثابت ہو گئی ہے کہ سماج کے زیریں طبقے ہی نے اسلامی علوم کے حصول اور ترویج میں زیادہ حصہ لیا ہے۔ اور علوم دینی انہی لوگوں کے سینوں میں محفوظ رہے ہیں اور یہی لوگ ایسے علوم کے وارث بنتے رہے ہیں۔ دراصل ان لوگوں نے تعلیم و تعلم کو اصل دولت سمجھا اور اس کی ترقی میں کوشاں رہے۔ آج کے مادی دور میں ایسے تعلیمی اداروں سے وابستہ تدریسی شعبے سے متعلق لوگ شعوری طور پر مذہبی جذبات سے معمور ہو کر خدمت دین و تعلیم میں مشغول ہیں۔

تعلیم چونکہ معاشرتی رتبہ بڑھانے کا ایک اہم ذریعہ رہی ہے۔ اور اہل علم کے فضل و کمال کو محض ان کے علمی کمالات کے باعث مسلم معاشرے نے قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا۔ سماج کے کچھ آسودہ طبقوں نے اسی بنا پر تعلیم کے زیور کو اپنانے میں زیادہ رغبت ظاہر کی۔ لیکن اکثریت نے دین سے محبت و خلوص کی خاطر علم دین حاصل کیا حالانکہ یہ مالی منفعت کا راستہ نہیں تھا۔ اہل ثروت کے بچے چونکہ بڑے ناز و نعم میں پلتے اور بڑھتے ہیں۔ اس لئے محنت و مشقت سے حاصل کئے ہوئے علم کی قدر نہیں جانتے۔ تاہم سماج کے تمام طبقے علم کو ہمیشہ مثبت انداز میں دیکھتے رہے ہیں۔ اس میں بلاشبہ مذہبی احکامات کا عمل دخل بھی تھا۔

دینی مدارس میں سے دیوبندی مدارس (وفاق المدارس) کے بعض اور دیگر مسالک بالخصوص بریلوی مسلک (تنظیم المدارس) کے مدارس، حکومت سے مالی امداد قبول کرتے ہیں، اس معمولی سی رقم پر ہیومیکیشن کے فروغ میں کتنی بڑی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ رپورٹ سے ظاہر ہے کہ دینی مدارس کے طلبہ پر نو سال میں ۳۳ کروڑ ۳ لاکھ ۹۰ ہزار روپے کی زکوٰۃ کی رقم سے خرچ کئے گئے اس حساب سے یومیہ فی طالب علم پر کتنی

رقم بنتی ہے۔ نو سال سے دن ہوئے ۳۲۸۵ ان دنوں پر مذکورہ بالا ۸۳،۴۰،۰۰۰،۳۳ روپے کی رقم کو تقسیم کیا گیا تو فی دن خرچ ہونے والی زکوٰۃ کی رقم ہوئی ۱۰۳۰۲۰ روپے۔ اور ایک لاکھ تین ہزار بیس روپے کی رقم کو اٹھاسی ہزار سات سو بیو تو سے طلبہ پر تقسیم کیا گیا تو فی طالب علم یومیہ رقم ہوتی ایک روپیہ سولہ پیسے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کتنی معمولی رقم سے کتنی عظیم خدمت انجام دی جا رہی ہے۔ (۲۳)

دینی مدارس سے فارغ التحصیل فضلاء کی اہلیت و صلاحیت

کسی فاضل کی اہلیت و قابلیت معلوم کرنے کے لئے اس کا تعلیمی نصاب معلم اور تعلیم گاہ کا ماحول معلوم کیا جاتا ہے۔ اگر نصاب فنون کا جامع، استاد معلمانہ خصوصیات کا حامل اور علوم و فنون کا ماہر ہو نیز درس گاہ کا ماحول پاکیزہ ہو، پھر طالب علم علمی استعداد حاصل کرکے دوران تعلیم قواعد و ضوابط کی پابندی کا خوگر بن چکا ہو تو اس کی علمی قابلیت میں کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ اب صرف میدان عمل میں اس کی صلاحیت کار کے لئے عملی تجربہ کی ضرورت ہے جو کہ معاشرتی ذمہ داریاں سونپ دینے پر موقوف ہے۔

دینی تعلیم کے طلباء جس نصاب کو پڑھتے ہیں وہ جامع ہے۔ ان کے اساتذہ علوم و فنون میں ماہر ہوتے ہیں۔ دینی مدارس کے پاکیزہ ماحول میں تربیت حاصل کرتے وقت قواعد و ضوابط کی پابندی بھی مسلم ہے۔ اس کے باوجود ان کی قابلیت و اہلیت میں شک و شبہ غلط فہمی پر مبنی ہو سکتا ہے۔ خصوصاً دینی تعلیم کے دوران عملی تربیت ہو جانے پر اہلیت کا سوال بے معنی سا ہو جاتا ہے۔ کسی بھی تعلیم کی اہم کامیابی یہ ہوتی ہے کہ اس کے فاضل خطرناک، اہم اور نازک ترین مواقع پر تعلیمی و تربیتی تقاضوں سے سرمو انحراف نہ کریں، جس کا مظاہرہ دینی تعلیم کے فاضل دو سو سال سے کر رہے ہیں۔ انگریز کی آمد کے بعد اس نظام تعلیم اور اس کے حامیوں کو نیست و نابود کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی بلکہ ابھی تک یہ سلسلہ بدستور جاری ہے اور نہ جانے کب تک جاری رہے اس کے باوجود یہ نظام تعلیم اور اس کے حاملین زندہ ہیں قائم و دائم ہیں۔ نیز ہر قسم کے مصائب و آلام اور مشکلات کے باوجود اپنے مقدس مشن کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔ (۲۴)

دینی مدارس اور جدید تعلیمی نظام سے فارغ التحصیل ہونے والوں کیلئے میدان عمل

یہ بات تو اظہر من الشمس ہے کہ دینی مدارس سے فارغ التحصیل ہونے والے طلباء ہی دینی امور میں عوام الناس کی راہنمائی کرتے ہوئے دیگر دینی فرائض کی انجام دہی میں مشغول رہتے ہیں۔ ایسا تو ہو سکتا ہے کہ ان مدارس سے پڑھ کر نکلنے والے طلبا عملی طور پر دینی امور کی انجام دہی میں مصروف ہونے کی بجائے حصول روزگار کے لئے کوئی اور پیشہ اپنائیں، سرکاری یا غیر سرکاری ملازمت اختیار کر لیں، کاروبار میں مصروف ہو جائیں

لیکن دینی تعلیمی ماحول میں ان پر چڑھنے والا رنگ یا اثر کبھی طور ختم نہیں ہو پاتا۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوسکتا ہے ایسے لوگ اپنی چال ڈھال اور وضع قطع بھی بدل لیں مگر تعلیم کے دوران جو ذہن تیار ہو جاتا ہے اس سے آزادی بعید از امکان لگتی ہے۔ دراصل دینی مدارس کا ایک اپنا ماحول ہوتا ہے۔ اس میں ہونے والی ذہن سازی مضبوط جڑیں قائم کرلیتی ہیں۔ بہت کم ایسا ہوتا ہے طالبعلم اپنا تشخص تبدیل کرلے، اس ماحول کو غلط سمجھنے لگے اور اس کے خلاف ہو جائے۔

یہ مشاہدہ عام ہے کہ ایسا شاذ و نادر ہوتا کہ کالج اور یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کرنے والا طالب علم کلی طور پر اپنی راہ عمل بدل لے اور دینی رنگ میں یکسر رنگے جائے اور دینی مدارس سے متعلقہ لوگوں جیسی وضع قطع اختیار کرکے مذہبی امور میں عوام کی راہنمائی کرنے لگے اور مسجد میں امامت اور خطابت کے فرائض سرانجام دینے لگے یا پھر وہ کالج اور اسکول کی تعلیم سے فراغت کے بعد اس نتیجہ پر خود پہنچ جائے کہ اب تک تو وہ صحیح راستہ سے دور تھا۔ اب بات سمجھ میں آئی ہے۔ لہٰذا وہ اپنی ڈگر بدل لے اور دینی امور میں جڑنے سے مشغول و مصروف لوگ اس نو وارد کو اپنے نظام میں بھی جذب کرلیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہوتا۔ صورت حال یہ ہے کہ دینی امور کی انجام دہی کے قابل بننے کیلئے طالبعلم کو ان مدارس یا اس مروجہ طریقہ کار سے گذرنا ہوتا ہے۔ وگرنہ وہ اس میدان عمل میں پذیرائی حاصل نہیں کرسکتا اور اسے کسی بھی درجہ میں عوام میں مقبولیت بھی نہیں مل سکتی۔ یہ اس لئے بھی مشکل ہو جاتا ہے کہ دینی امور سے وابستہ لوگ ایک نظم میں جڑے ہوتے ہیں۔ اس سے باہر سے آنے والا عالم آسانی سے اپنی جگہ نہیں بنا سکتا۔ یہ دونوں الگ الگ تعلیمی نظام ہیں۔ اور اپنے جدا جدا مقاصد اور پروگرام کے تحت افراد کی تعلیم و تربیت کر رہے ہیں ان کی باہم ملاقات صرف خاص مواقع یا مقامات پر ہوتی ہے۔ تب بھی یہ ایک دوسرے سے فاصلہ قائم رکھتے ہیں جس سے ایک کا دوسرے کو حال احوال لینے کا موقع ہی نہیں ملتا ہے کہ قرب پیدا ہو۔

جب یہ بات طے شدہ ہے کہ دینی مدارس سے فارغ التحصیل ہی دینی امور کی راہنمائی و بجا آوری کا حق رکھتے ہیں تو اس صورت حال میں ان مدارس کی تعلیم میں وقت کے تقاضوں کو ملحوظ رکھنا از بس ضروری ہوگا۔

طریقہ تدریس

امام غزالی نے تدریس کے جو طریقے بتائے وہ اصول نفسیات کے مطابق تھے۔ جن کی سفارش بعد میں یورپ کے ماہرین تعلیم نے بھی کی۔ بعض اوقات ایسا محسوس ہوتا ہے گویا وہ موصوف کے اصولوں کی وکالت کر رہے ہیں۔ امام غزالی نے تدریس کا ایک نفسیاتی اصول یہ بتایا کہ بچوں کو ان کی سابقہ معلومات کی مدد سے نیا سبق ذہن نشین کرانا چاہئے۔ ہربارٹ نے بھی اسی اصول تدریس کی سفارش کرتے ہوئے بچوں کے سبق کو

دلچسپ بنانے کی ہدایت کی ہے۔ دلچسپ بنانے کے لئے قصہ کہانیوں سے مدد لی جا سکتی ہے۔ سبق کو آسان اور بچوں کی صلاحیت و قابلیت کے مطابق کرنا چاہیئے۔ تدریس کے یہ وہ اصول ہیں جن کی یورپ کے ماہرین تعلیم ہربارٹ، پسٹالوزی وغیرہ نے تقریباً سات سو سال کے بعد سفارش کی ہے۔ امام غزالی بھی ایک لڑکھی بچے کو تعلیم دیتے ہوئے تعلیم کے اصولوں کی وضاحت کرتے ہیں۔ اٹھارویں صدی میں روسو نے ایمیل بھی اسی انداز پر تصنیف کی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے امام غزالی کی تقلید کی ہے۔ (۲۵)

تدریسی خصوصیات

۱۔ آج بھی قدیم روایات کے تحت دینی مدارس میں بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر استاد اور طلبہ سبق پڑھنا شروع کرتے ہیں۔

۲۔ طالب علم، استاد کے سامنے فرش پر ادب کے ساتھ دو زانو بیٹھ جاتا ہے، پھر سبق پڑھتا ہے۔

۳۔ سب سے پہلے پچھلا سبق سنا جاتا ہے، اگر وہ یاد ہو تو پھر آگے سبق دیا جاتا ہے۔

۴۔ جمعرات کا دن آموختہ دہرانے کے لئے مقرر ہوتا ہے۔ اس دن سات دن کا پڑھا ہوا سبق دہرایا جاتا ہے۔

عام طور پر ایک بچہ سات آٹھ سال کی عمر میں قرآن مجید ناظرہ ختم کر لیتا ہے۔ کند ذہن اور بد شوق بچے اس سے زیادہ عمر میں پڑھتے ہیں۔ قرآن مجید ناظرہ مکمل پڑھے بغیر کوئی دوسری تعلیم شروع نہیں کی جاتی ہے۔ (۲۶)

علماء کے ذرائع معاش

مولانا تقی عثمانی لکھتے ہیں کہ دینی مدارس کے طلباء تحصیل علم کے بعد مندرجہ ذیل ذرائع معاش اختیار کرتے ہیں

۔ دینی یا سرکاری اداروں میں دینی اور علوم دین کی تدریس

۔ افتاء اور تصنیف و تالیف۔

۔ مساجد میں خطابت و امامت۔

۔ شرعی عدالتیں جہاں موجود ہیں، وہاں پر قاضی / جج مقرر ہو جاتے ہیں۔

۔ رسائل اور جرائد کی ادارت و انتظامات وغیرہ میں اپنے اپنے ذوق اور علمی صلاحیتوں کے مطابق دینی خدمت میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ (۲۷)

فصل سوم: نصابی اور تدریسی تبدیلیاں مع ماہرین تعلیم کی آراء

تاریخ تبدیلی نصاب درس نظامی

مولانا ابو الکلام آزاد لکھتے ہیں کہ جس ڈھنگ پر اسلامی اور عربی علوم کا سلسلہ جاری ہے، اس میں اصلاح ہونی چاہئے۔ موجودہ زمانے میں اس کا احساس کب شروع ہوا، یہ کہنا مشکل ہے۔ شاید سب سے پہلے جب ایک شخص بیرن توسی نے انیسویں صدی میں اسلامی ممالک کا سفر کر کے گیارہ جلدوں میں اپنا سفرنامہ مرتب کر کے مصر میں چھپوایا۔ اس صدی میں ایک مصری عالم یہ کہتے ہوئے نظر آتا ہے کہ جن طریقوں پر اسلامی اور عربی علوم کی تعلیم کا ڈھانچہ چل رہا ہے وہ کامیاب نہیں ہے۔ یہ عالم بیرون توسی ہے۔ اس کے بعد شیخ عبدہ اس کے خلاف پوری قوت سے اٹھے۔ مصر سے جلاوطن کئے گئے تو بیروت گئے اور سید جمال الدین سے مل کر بیروت میں ۱۸۸۱ء میں ایک اسکیم تیار کر کے ترکی کے شیخ الاسلام کے پاس بھیجی۔ ان کو خیال ہوا کہ یہ ایک اہم مسئلہ ہے۔ اور اگر اس مسئلے کو چھیڑا جا سکتا ہے، تو اس کے لئے شیخ الاسلام موزوں ہیں۔ اس کی بنیاد یہ ہے کہ عربی اور اسلامی علوم کا جو سلسلہ اس وقت قائم ہے، وہ غلط ہے، اس سے امید نہیں ہے کہ کچھ نتائج پیدا ہو سکیں۔ اس لئے اس میں اصلاح ہونا چاہئے اور اصلاح کا طریقہ یہ ہے کہ ترکی کے شیخ الاسلام ایک نیا مدرسہ اور کالج قسطنطنیہ یا استنبول میں قائم کریں۔ چنانچہ شیخ رشید رضا کے مضامین میں یہ اسکیم موجود ہے۔ یہ نہایت قیمتی تحریک تھی۔ لیکن اس کو اس قابل نہیں سمجھا گیا کہ شیخ محمد عبدہ کے خط کا کوئی جواب دیا جائے اور ظاہر ہے کہ ترکی میں یہ سلسلہ جس شکل میں قائم تھا، جو لوگ اس عہدے پر مقرر کیے جاتے تھے، ان سے کسی تبدیلی کی امید نہیں کی جا سکتی تھی۔ اس کے بعد سید جمال الدین نے عربی میں ایک اخبار نکالا جس کا نام "العروۃ الوثقیٰ" تھا۔ حقیقتاً یہ ایک انقلاب انگیز چیز تھی۔ وہ اسکیم اس اخبار میں بھی شائع ہوئی۔ عربی پڑھنے والی دنیا پر اس اخبار اور اس اسکیم نے ایک انقلاب انگیز اثر ڈالا، لیکن اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔

اس مسئلے کو کسی انجمن نے پوری قوت کے ساتھ اٹھایا تو وہ ندوۃ العلماء ہے۔ ندوۃ العلماء کے مدرسے کا قیام ۱۳۱۱ھ میں ہوا بلکہ اس کے بعد ندوۃ العلماء، علم کی تحریکوں کا مرکز بن گیا اور آج بھی وہ بہت سے امتیازات رکھتا ہے۔ ندوۃ العلماء نے پوری قوت کے ساتھ یہ مسئلہ اٹھایا جس میں ارباب فہم موجود تھے جو اس مسئلے کی گہرائی کو سمجھ سکتے تھے۔ ندوۃ العلماء نے اپنا بنیادی مقصد اصلاح نصاب تعلیم قرار دیا تھا (۲۸) اور اس تبدیلی میں ندوۃ کو علماء کی تائید بھی حاصل تھی۔

علماء حق کا اعتراف و تائید کلی

محمد الحسنی رقمطراز ہیں کہ مولانا شاہ امانت اللہ فصیح غازیپوری نے جو ایک ممتاز عالم اور شیخ تھے مولانا

سید محمد علی کے نام ایک خط میں لکھا کہ " ایک سال کے اندر آپ کی سعی مشکور ہوئی اور ندوۃ العلماء کے فوائد ہر خاص و عام پر روز روشن کی طرح ظاہر ہونے لگے، جس سے پوری امید کی جاتی ہے کہ آئندہ چل کر ندوۃ کیا کیا کارہائے نمایاں ترقی اسلام میں کرے گا، اور بہبودی اسلام میں کیسے کیسے رنگ دکھائے گا، فقیر کو مذاق روحانی سے یہ جلسہ من اللہ تعالیٰ معلوم ہوتا ہے "۔

اس سے بڑھ کر حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی وہ مکمل تائید و حمایت ہے جو ندوۃ کو اپنے آغاز و قیام سے ان کی وفات تک حاصل رہی وہ ان کے حالات سننے کے ہمیشہ مشتاق رہتے تھے اور اگر کبھی خط بھیجنے میں دیر ہوتی تھی تو خود پیش قدمی فرماتے تھے۔ ان کے یہ الفاظ تحریک ندوۃ العلماء کے لئے سند تصدیق، پیشگوئی اور بشارت کا درجہ رکھتے ہیں کہ " مسلمانوں کی خوش قسمتی ہے کہ عرصہ تین سال سے اس قسم کا جلسہ ہند میں قائم ہوا ہے جس کے تین جلسے بمقام کانپور، لکھنؤ، بریلی، بڑی شان و شوکت سے ہوئے علاوہ ہزارہا مسلمانوں کے صدہا علماء و مشائخ دور دور سے آکر شریک ہوئے درحقیقت یہ تائید غیبی ہے، پروردگار عالم نے بمقتضائے اذا اراد اللہ شیئاً ہیأ اسبابہ کے مجلس ندوۃ العلماء کو اصلاح و ترقی اہل اسلام کے واسطے اس آخر زمانہ میں بطور لطیفہ غیبی ظاہر فرمایا ہے۔ ندوۃ العلماء کو مسلمانوں کے حق میں امداد غیبی سمجھنا چاہئے اور مسلمانوں کو خلوص کے ساتھ اس میں دامے، درمے، قدمے، سخنے، شرکت و اعانت کرنی چاہئے " (۲۵)

علماء میں ہمیشہ دو قسم کے افراد رہے ہیں، کچھ وہ ہیں جو معمولی سی تبدیلی کو قبول نہیں کرتے، چاہے وہ شریعت سے متصادم بھی نہ ہو اور ایسے موقعوں پر عموماً یہ جملہ استعمال کیا جاتا ہے کہ یہ طریقہ اسلاف کے خلاف ہے۔ حالانکہ اسلام اسلاف کی نہیں بلکہ شریعت کی اتباع کا نام ہے، ایسی ہی صورت حال کا سامنا ندوۃ کو بھی مختلف موقع پر کرنا پڑا محمود احسنی لکھتے ہیں۔ میرٹھ کے جلسہ (۱۵ مارچ ۱۸۹۸ء) کے موقع پر جب علماء کے لئے کرسیوں کا انتظام کیا گیا، تو حلقہ مدارس کے بعض لوگوں نے محسوس کیا کہ یہ ضرورت سے زائد اور علماء سلف کے مسلک اور شان کے خلاف ہے، چنانچہ علماء کی ایک خصوصی نشست میں جس میں ہندوستان کے مستند اور مشہور علماء کی ایک معتدبہ تعداد شریک تھی۔ یہ تجویز بھی پیش کی گئی کہ اجلاس عام میں علماء کے لئے بلا ضرورت کرسیوں کا انتظام نہ کیا جائے، فرش پر نشست ہو سکتی ہے، اور یہی مناسب ہے، مولانا نے بڑی سادگی اور صفائی کیساتھ ارشاد فرمایا۔

" اب تک اجلاس عام میں علی العموم سب کے لئے داعیان ندوۃ کرسیوں کا اہتمام کرتے تھے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ جلسہ عام سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہمیں ان لوگوں کو فائدہ پہونچانے کا موقع بھی حاصل ہو جو مسجدوں میں جا کر ہمارا وعظ نہیں سنتے اور وہ بالکل کرسیوں پر بیٹھنے کے عادی ہوگئے ہیں یہاں تک کہ ان کی روزمرہ کی نشست و برخاست اسی پر ہوتی ہے، اگر ان کے لئے یہ اہتمام نہ ہو تو کلفت کی وجہ سے وہ جلسہ میں شرکت اور استفادہ سے بالکل محروم رہیں گے اور چونکہ اس غرض سے ان کے لئے کرسیوں کی نشست تجویز ہوتی تو یہ بالکل نامناسب سمجھا گیا کہ وہ کرسیوں پر بیٹھیں اور علماء ان کے نیچے فرش پر، اس لئے یہ اہتمام جائز رکھا

گیا۔ اگر یہ مقصود نہ ہوتا تو صرف علماء کے لئے ان تکلفات کی بالکل حاجت نہ تھی۔(۳۰)

نصابی تبدیلیاں ہمیشہ نصاب کو زیادہ موثر و مفید رکھنے کے لئے کی جاتی تھیں، آج اگر نصابی تبدیلیوں کی بات کی جاتی ہے تو بعض طبائع پر بہت گراں گذرتی ہے (۳۱) وہ ہر نصابی کتاب کو قرآنی آیت کی طرح سمجھتے ہیں جس میں کبھی تبدیلیاں نہیں آسکتیں، اس موقع پر وہ بھول جاتے ہیں جس مسلک کے وہ پیروکار ہیں اور جس دارالعلوم کو مادر علمی کے نام سے پکارتے ہیں کیا اس نے درس نظامی میں تبدیلیاں نہیں کیں، تفصیل کے لئے وہ تاریخ دارالعلوم دیوبند (۳۲) اور تاریخ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کا مطالعہ کریں تو ثابت ہوتا ہے کہ ایک دفعہ درس نظامی میں تبدیلی نہیں کی گئی بلکہ بار بار تبدیلیاں کی گئیں (۳۳) امید ہے مسلک اور اسلاف کا نام لیکر من مانیاں کرنے والے افراد اپنے رویوں میں تبدیلیاں لائیں گے۔

نصابی تبدیلیوں کے بارے میں ماہرین تعلیم کی آراء

اس سلسلہ میں کچھ علماء، ماہرین تعلیم اور دانشوروں کی آراء پیش کی جارہی ہیں، جس سے نصابی تبدیلی کی فکر رکھنے والوں کے موقف کی تائید ہوتی ہے کہ دونوں نصابوں میں تفرق کے باوجود انکے مقاصد ایک ہی تھے۔

دارالعلوم دیوبند اور علیگڑھ یونیورسٹی دو تحریکیں ایک مقصد

۱۸۳۱ء میں بالاکوٹ میں سید احمد شہید کی شہادت اور ۱۸۵۷ء میں ہندوستان کی پہلی جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد ایک ہی استاد مولانا مملوک علی کے دو شاگرد میدان عمل میں آئے مولانا محمد قاسم نانوتوی نے ۱۸۶۶ء میں دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی اور سر سید احمد خان نے ۱۸۷۵ء میں علیگڑھ یونیورسٹی کی بنیاد رکھی دونوں کا بنیادی مقصد مسلمانوں کو تنزلی سے نکالنا اور انہیں معاشرہ میں زندہ رکھتے ہوئے اعلیٰ مقام دلانا تھا بقول پروفیسر سرور، دیوبند قدامت پسندوں اور محافظین کا مرکز تھا۔ علی گڑھ نے تجدد اور حاضر پرستی کی تحریک کو جنم دیا ہماری قوم کو دونوں رجحانات کی ضرورت تھی۔(۳۴) وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دونوں ادارے ایک دوسرے کے قریب آگئے (۳۵) علیگڑھ کا مقصد صرف سرکاری کلرک پیدا کرنا نہیں تھا بلکہ دیوبند کی طرح اس نے بھی رجال کار پیدا کئے۔(۳۶)

اکابر علماء دیوبند کیطرف سے جدید تعلیم کی حوصلہ افزائی

محبوب رضوی لکھتے ہیں کہ علماء صرف ایسے نصاب تعلیم کے مخالف تھے جو مسلمانوں کو الحاد اور بے دینی کی طرف لے جانے والا ہو، خود علی گڑھ میں بھی یہ خطرہ محسوس کیا جا رہا تھا، چنانچہ اس کے سد باب کے لئے وہاں دینیات کا ایک مستقل شعبہ قائم کیا گیا تو دیوبند کی جانب سے فوراً اس پیش کش کو قبول کر لیا گیا۔ مولانا

تا عبداللہ انصاری تاحیات اس منصب پر فائز رہے۔ بعد ازاں انکے فرزند مولانا احمد میاں انصاری اس منصب پر مامور کئے گئے۔ یہ بھی دارالعلوم کے فاضل تھے ظاہر ہے کہ مخالفت کی صورت میں یہ بات ممکن نہ تھی۔

مولانا نانوتوی نے ان طلباء کی نسبت جو مدارس عربیہ سے فارغ ہو کر سرکاری اسکولوں میں داخل ہونا چاہتے تھے، ۱۲۹۰ھ کے جلسہ تقسیم انعام کی تقریر میں ایسے طلباء کی ان الفاظ میں حوصلہ افزائی کی۔ "اگر طلباء مدرسہ ہذا، مدارس سرکاری میں جا کر علوم جدیدہ کو حاصل کریں تو ان کے کمال میں یہ بات زیادہ مؤثر ہوگی۔" (۳۷)

علوم جدیدہ کو شامل نصاب نہ کرنے کی وجوہات

دارالعلوم کے نصاب کو دیکھ کر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس وقت یہ نصاب مدون کیا گیا تو اس زمانے میں علوم جدیدہ ہندوستان پہنچ چکے تھے تو ان کو شامل نصاب کیوں نہیں کیا گیا؟ مولانا نانوتوی کے نزدیک اس کا سبب یہ تھا کہ ملک میں سرکاری مدارس جگہ جگہ قائم ہو چکے ہیں جن میں یہ علوم پڑھائے جاتے ہیں اور ہر شخص ان سے فائدہ اٹھا سکتا ہے البتہ علوم قدیم کسمپرسی کے عالم میں ہیں ان کی تعلیم کا کوئی ادنیٰ بندوبست بھی نہیں۔ نیز اس نصاب میں اس بات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ طالب علم میں ایسی استعداد پیدا ہو جائے کہ وہ مطالعہ کے ذریعے دوسرے علوم سے استفادہ کر سکے۔ یہ سوال دارالعلوم کے آغاز میں ہی ابھر کے سامنے آیا تھا۔

مولانا محمد قاسم نانوتوی کی رائے

۱۲۹۰ھ کے جلسہ تقسیم اسناد کے موقع پر مولانا نانوتوی نے تفصیل سے اس طرح روشنی ڈالی ہے کہ "جمیع علوم عقلیہ و نقلیہ کی تعلیم اور ان کی استعدادوں کے حاصل کرنے کے لئے دارالعلوم اور مدرسہ سہارنپور بلا تامل عمدہ سامان کر رہے ہیں اور یہاں کے طالب علم بشرط تکمیل باقی علوم قدیمہ و جدیدہ بوجہ قوت استعداد بسہولت بہت جلد حاصل کر سکتے ہیں، وجہ اس کی یہ ہے کہ ان مدارس میں علاوہ تعلیم مذہبی غرض اعظم قوت استعداد ہے۔ فقط علوم دینی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ فنون دانشمندی کی تکمیل حسب قاعدہ سابقہ کی گئی ہے، جس کا عمدہ نتیجہ پچھلے زمانوں میں یہ ہوا تھا کہ بڑے بڑے عالم بڑی بڑی استعداد اور قوت کے اہل اسلام میں بکثرت ہوئے۔ اس لئے ہم اس بات کو بالیقین سمجھتے ہیں کہ یہاں کے طالب علم اگرچہ بعض علوم و فنون جدیدہ کو پڑھنے میں کامیاب ہوئے نہ ہوں، لیکن ان کے حق میں یہ استعداد مثل استاد کامل تعلیم کے لئے کافی ہے۔ مدارس میں اگرچہ بعض علوم جدیدہ کی تعلیم کی کثرت کے باعث طالب علموں کو ایک مشق تازہ ان علوم کی ایسی ہو جو یہاں کے طالب علموں کو نہ ہو پر بوجہ قوت استعداد اہل انصاف کے نزدیک بالیقین ان علوم میں بھی ان مدارس کے طالب علموں سے زیادہ ہی یہاں طالب علم سمجھے جائیں گے"۔ (۳۸)

باایں ہمہ اگر بالفرض بوجہ مشق نہ ہونے بعض علوم جدیدہ کے کچھ نقصان بھی متصور ہو تو بوجہ مفقود ہونے قوت استعداد علمی اور نہ ہونے علم دینی کے ان مدارس کے طالب علم بدرجہا اس کے طالب علموں سے ناقص ہونے چاہییں اب ہم اس بات کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ در باب تحصیل یہ طریقہ خاص کیوں تجویز کیا گیا اور علوم جدیدہ کو کیوں نہ شامل کیا۔

منجملہ دیگر اسباب ، بڑا سبب اس بات کا تو یہ ہے کہ تربیت عام ہو یا خاص اس پہلو کا لحاظ رکھنا چاہیئے جس طرف سے ان کے کمال میں رخنہ پڑا ہو سو اہل عقل پر روشن ہے کہ آج کل تعلیم علوم جدیدہ تو بوجہ کثرت مدارس سرکاری ترقی پر ہیں ہاں علوم قدیمہ کا ایسا تنزل کبھی نہیں ہوا ہوگا۔ ایسے وقت میں رعایا کو مدارس جدیدہ کا بنانا تحصیل حاصل نظر آیا اور صرف بجانب علوم نقلی نیز ان علوم کی طرف جن سے استعداد علوم مروجہ و استعداد علوم جدیدہ یقیناً حاصل ہوتی ہے ضروری سمجھا گیا۔ دوسرے یہ کہ زمانہ واحد میں علوم کثیرہ کی تحصیل سب علوم کے حق میں باعث نقصان استعداد رہتی ہے۔ ہاں بعد تحصیل فنون دانشمندی جس کو خاص تحصیل استعداد ہی کے لئے تجویز کیا ہے اگر اور فنون قدیمہ وجدیدہ کو حاصل کیا جائیگا تو البتہ مقدار زمانہ تحصیل برابر رہے گا۔ اس تقدیم وتاخیر سے مطلب بخوبی حاصل ہوگا اور استعداد ہر علم کی بخوبی حاصل ہوگی اس لئے علوم نقلیہ اور ان کے ساتھ علوم دانشمندی کو داخل تحصیل کیا اس کے بعد طلباء مدرسہ ہذا مدارس سرکاری میں جا کر علوم جدیدہ کو حاصل کریں تو ان کے کمال میں یہ بات زیادہ موثر ہوگی۔ (۲۹)

ایک دوسرے موقع پر اس اعتراض کا جواب اس طرح دیتے ہیں کہ دارالعلوم میں علوم جدیدہ کیوں شامل نصاب نہیں کیا گیا۔ جہاں علوم دنیویہ کی تعلیم کا بالکل اہتمام نہیں تو اسکا جواب اول تو یہ ہے کہ مرض کا علاج چاہیئے جو مرض نہ ہو اس کی دوا کھانی فضول ہے دیوار کے رخنہ کو بند کرنا چاہیئے یا چھت کا بھرنا لازم ہے۔ جو اینٹ ابھی گری نہیں اس کی فکر بجز نادانی اور کیا ہے مدارس سرکاری اور کس لئے ہیں ان میں علوم دنیوی نہیں پڑھائے جاتے تو اور کیا ہوتا ہے۔ (۳۰)

اجنبی زبانیں سیکھنے کے سلسلہ میں مولانا مناظر احسن گیلانی کی رائے

علماء دیوبند نے پیش آمدہ مخصوص مسائل کی وجہ سے مروجہ نصاب تعلیم کے ساتھ دینی نصاب کو مخلوط نہیں ہونے دیا اور اسی وجہ سے انگریزی زبان کو بھی نصاب میں شامل نہیں کیا گیا تھا ورنہ فارسی یا اردو بھی کوئی مذہبی زبان نہیں تھی۔ علماء نے ہر زبان سیکھنے کی نہ صرف اجازت دی بلکہ خود بھی سیکھیں۔ تاریخ کے صفحات ایسی مثالوں سے بھرے ہوئے ہیں مولانا مناظر احسن گیلانی جو کہ خود بھی دیوبند سے فارغ التحصیل تھے اس کا جائزہ پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ مولانا عنایت رسول چریا کوٹی کو فارغ التحصیل ہونے کے بعد عبرانی

زبان سیکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ تذکرہ علماء ہند میں ہے:

"بشوق آموختن زبان عبرانی بہ کلکتہ رفتہ و آنجا سالے چند پابند اقامت گشتہ از بعار (یا خام) زبان عبرانی انجیل را بوجوہ آموخت"۔

عبرانی زبان میں مولانا کو جو دستگاہ حاصل تھی اس کا اندازہ ان کی کتاب "البشریٰ" اور اس رسالہ سے ہو سکتا ہے، جو حضرت بجرہ ام اسماعیل علیہ السلام کے متعلق آپ نے عبرانی حوالوں سے مرتب فرمایا جسے سرسید احمد خان نے اپنی مشہور کتاب "خطبات احمدیہ" کا جزو بنا کر شائع کیا ہے۔

علامہ تفضل حسین خان بھی ان ہی لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے تحصیل علوم رسمیہ کے بعد انگریزی اور یونانی زبانیں وغیرہ سیکھیں۔ بجڑیا کوٹ ہی کے ایک اور بزرگ قاضی غلام مخدوم جریا کوٹی ہیں۔ صاحب تذکرہ علماء ہند نے ان کے متعلق لکھا ہے:- "بعد تکمیل علوم متداولہ شوق تعلیم زبان سنسکرت ورزید پدید اء تا ایشہ در تحصیل زبان مذکور رو نہادہ بی برگرفت بمقام بنارس کہ معدن مہرہ زبان مرقوم ست میاں ماہران این فن امتیازے کلی یافت" اسی طرح مولوی نصرت علی خان دہلوی تخلص قیصر کے متعلق بھی اس کتاب میں ہے:- "علوم رسمی با استعداد حاصل نمود ماہر زبان فارسی، عربی و ترکی و انگریزی و ہندی ست" مولوی نصرت علی کے والد مولوی ناصر الدین جو عیسائیوں کے ساتھ اپنے زمانہ میں بوجہ سب سے زیادہ مناظرہ کرنے والے تھے۔ اس لئے لوگوں میں "امام فن مناظرہ" کے لقب سے مشہور تھے۔ کنیت ابو المنصور تھی۔ ان کے متعلق بھی لکھا ہے:- "اکتساب علوم از والد ماجد و جد امجد نمود و وجب عیسائیوں سے مناظرہ کی مہم سامنے آئی تو "تورات، و انجیل با تفسیر عبرانی از اہل کتاب فرا گرفت"۔

مولوی نجف علی جھجر کے رہنے والے نواب ٹونک محمد علی خان کے دربار کے مولوی تھے لکھا ہے کہ "متجاوز ... باسند شمس کہ وری و پاژندی و عربی و فارسی و اردو عبارت الاالفت" جس کا یہی مطلب ہے کہ عربی، فارسی اردو کے علاوہ اور پاژندی زبانوں کو بھی انہوں نے تحصیل علم کے بعد غالباً کسی پارسی عالم سے سیکھا تھا۔ حالانکہ خود عربی زبان میں ان کو یہ قدرت حاصل تھی کہ "شرح مقامات حریری بہ زبان عربی بہ صنعت اہمال تصنیف کرد" پوری حریری کی شرح غیر منقوط الفاظ میں کرنا آسان نہیں ہے۔ ان کے متعلق یہ بھی بیان کیا ہے کہ پارسیوں کی مذہبی کتاب "دساتیر" کی ایک شرح "ویزا" نامی پاژندی زبان میں اور "زمان سفرنگ" دری زبان میں لکھی تھی۔

اس سلسلہ کی ایک دلچسپ بات وہ ہے جسے بروایت مولانا حافظ احمد، سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند، مولانا محمد قاسم نانوتوی، بانی، دارالعلوم سے منسوب کیا جاتا ہے کہ آخری سفر حج میں تھے تو کپتان جہاز نے جو غالباً کوئی انگلش کا باشندہ تھا عام مسلمانوں کے اس رجحان کو جسے مولانا کے ساتھ عموماً وہ دیکھ رہا تھا، دریافت کیا کہ یہ کون صاحب ہیں۔ قافلے میں کوئی انگریزی جاننے والے مسلمان بھی تھے، انہوں نے کپتان سے مولانا کے

حالات بیان کئے اس نے ملنے کی خواہش ظاہر کی، مولانا بخوشی کپتان سے ملے، کپتان نے اجازت چاہی کہ کیا مذہبی مسائل پر گفتگو کرسکتا ہوں، مولانا نے اسے بھی منظور فرمالیا، وہی انگریزی خواں ترجمان بنے، کپتان پوچھتا تھا اور مولانا جواب دیتے تھے، تھوڑی دیر کے بعد مولانا کے خیالات کو سن کر وہ کچھ مبہوت سا ہو گیا، اور مولانا کے ساتھ اس کی گرویدگی اتنی بڑھی کہ قریب تھا کہ اسلام کا اعلان کردے، اس نے شاید وعدہ بھی کیا کہ وہ ہندوستان ان سے ملنے کے لئے حاضر ہوگا۔ اس واقعہ کا مولانا محمد قاسم پر اتنا اثر پڑا کہ آپ نے جہاز ہی پر عزم فرمایا کہ واپس ہونے کے بعد میں انگریزی زبان خود سیکھوں گا کیونکہ مولانا کو یہ محسوس ہو رہا تھا کہ جتنا اثر کپتان پر براہ راست گفتگو کرنے سے پڑسکتا تھا، ترجمان کے ذریعے وہ بات نہیں حاصل ہو رہی ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ اجل مسمّیٰ نے واپس ہونے کے بعد فرصت نہ دی۔ کاش! یہ صورت پیش آجاتی تو دارالعلوم دیوبند کی علمی تحریک کا رنگ یقیناً کچھ اور ہوتا، مولانا اشرف علی تھانوی کے ملفوظات طیب رسالہ "النور" ماہ ربیع الثانی ۱۳۴۰ھ کی اشاعت میں شامل ایک مضمون کے حوالے سے ان کا ایک بیان درج ذیل ہے۔

ہم تو جیسا بخاری کے درس میں اجر سمجھتے ہیں میر زاہد امور عامہ کے مطالعہ میں بھی ویسا ہی اجر سمجھتے ہیں۔ خیال کرنے کی بات ہے کہاں بخاری اور کہاں معقولات کی کتاب امور عامہ میر زاہد کی، لیکن آپ کا خیال یہی ہے، اس کے بعد اپنے اس خیال کی توجیہ میں تحریر کرتے ہیں۔ کیونکہ اس کا شغل بھی اللہ کے واسطے ہے اور اس کا بھی۔ یہی وہی انما الاعمال بالنیات والی بات ہے۔ جامع ملفوظ نے اس ملفوظ کو درج کرنے کے بعد یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ "یہ بات بڑی قوت سے فرمائی" ۔ کیا دیوبند کے حزن الاجر کا یہ لفظ اظہر ہو، اگر بجائے امور عامہ اور صدرا و شمس بازغہ کے تمرینی اغراض کے لئے جدید علوم و فنون کی کتابیں پڑھائی جائیں یا انگریزی زبان سکھائی جائے تو اسی قاعدہ کی بنیاد پر کہ اس کا شغل بھی اللہ کے واسطے اختیار کیا جائے، ان علوم اور انگریزی زبان یا اسی قسم کی کسی مغربی زبان کا سیکھنا اسی طرح باعث اجر نہ ہوگا، جیسے بخاری کا پڑھنا باعث اجر ہے بلکہ اس زمانہ میں علوم جدیدہ یا مغربی زبانوں کو سیکھ کر جو خدمت اسلام کی خدمت کا موقعہ امور عامہ کے پڑھنے سے زیادہ مل سکتا ہے، اس لئے یقیناً اس کا اجر اس سے زیادہ ہوگا۔

واقعہ یہ ہے کہ شاہ عبد العزیز کے متعلق جب ان کے ملفوظات میں خود ان ہی کی زبانی یہ روایت درج کی گئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عبری (عبرو) زبان کا جاننے والا کوئی فاضل شاہ صاحب کے زمانہ میں دلی آگیا تھا، حالانکہ عمر بھی کافی ہو چکی تھی۔ اور خود مرجع انام بنے ہوئے تھے لیکن باوجود اس کے آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ آپ کا بیان ہے کہ "فاضلے از اکابر علماء آمدہ از و تحقیق توریت بلسان عبرانی کردم" جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے براہ راست عبرانی زبان ہی میں توراۃ اس فاضل سے پڑھی تھی۔ (۴۱)

مولانا اشرف علی تھانوی کی رائے

آپ تحریر کرتے ہیں کہ ہندی، انگریزی بلکہ ہر زبان میں علم دین حاصل کرنا باعث ثواب ہے۔ زیادہ تر علماء کی کوتاہی ہے انہوں نے کبھی یہ صاف صاف نہیں کہا کہ اردو میں علم دین پڑھ لینے سے وہ فضائل ہو سکتے ہیں جو احادیث و قرآن میں علم کے لئے وارد ہیں۔ حالانکہ قرآن و حدیث میں کہیں عربی کی تخصیص نہیں۔ چنانچہ اس آیت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ علم معتبر وہ ہے جو آخرت میں کام نہ آئے اور نافع وہ ہے جو آخرت میں کام آئے۔ اس میں کہیں یہ قید نہیں کہ وہ عربی ہی میں ہونا چاہئے۔

اگر انگریزی میں دینی مسائل کا ترجمہ ہو جائے تو پھر ان انگریزی کتابوں کا پڑھنا بھی ویسا ہی ہے جیسا کہ اردو میں دینی رسائل کا پڑھنا مگر شرط یہ ہے کہ ترجمہ کرنے والا محض انگریزی داں نہ ہو بلکہ محقق عالم ہو یا کسی انگریزی داں محقق عالم نے اس کی اصلاح اور تصدیق کر دی ہو اگر انگریزی میں کسی محقق نے دینی مسائل لکھ دیئے ہوں تو پھر ان انگریزی کتابوں کا پڑھنا بھی ثواب میں داخل ہے۔

عوام نے علم دین کو عربی ہی کیساتھ مخصوص سمجھ لیا ہے اور عربی پڑھنے کی فرصت نہیں اس لئے انہوں نے اردو میں بھی مسائل نہ سیکھے کیونکہ اردو میں مسائل پڑھ لینے کو وہ علم ہی نہیں سمجھتے۔ انہوں نے یہ خیال کیا کہ جب اردو میں پڑھ لینے کے بعد بھی ہم جاہل ہی رہیں گے تو اس کی کیا ضرورت ہے اور یہ غلطی ہماری پیدا کی ہوئی ہے۔ واعظین جب علم کی فضیلت بیان کرتے ہیں اگرچہ صاف صاف نہیں کہتے مگر ان سب فضائل پر عربی کی تعلیم کو متفرع کرنا لازمی طور پر عوام کے دلوں میں یہ خیال پیدا کرتا ہے کہ جتنے فضائل علم کے ہیں وہ سب عربی ہی کے ساتھ خاص ہیں حالانکہ قرآن و حدیث میں کہیں عربی زبان کی تخصیص نہیں۔ (۴۲) اس کی بہتر صورت یہ ہے کہ مدرسہ کو تو اپنی حالت پر رہنے دیجئے جو کام ہو رہا ہے ہونے دیجئے۔ اور انگریزی کے متعلق ایک درسگاہ الگ تیار کر دیجئے اس کا نظم و نسق ان ہی حضرات کے ہاتھ میں رہے جو عربی کا نظم و نسق فرما رہے ہیں۔ دوسری جگہ پہونچ کر فارغ التحصیل طلبہ کا بھی انگریزی زبان سیکھنا مضرت سے خالی نہیں۔ ان کا یہ رنگ رہ ہی نہیں سکتا جہاں سے الگ ہو کر ان کے جذبات کا محفوظ رہنا مشکل ہے جس کا نتیجہ گمراہی ہوگا۔ (۴۳)

صرف یہی نہیں بلکہ بعض اکابرین کی کوششوں کے نتیجے میں دیوبند کی مجلس شوریٰ نے انگریزی تعلیم کی منظوری بھی دی مگر یہ بوجوہ عمل درآمد نہ ہو سکا۔

دارالعلوم دیوبند میں انگریزی زبان کی تعلیم کی تجویز

محبوب رضوی لکھتے ہیں کہ سالانہ روداد میں دارالعلوم کی جانب سے ایک تجویز یہ پیش کی گئی کہ ایسے طلبہ کو جو کم از کم انٹر پاس ہوں اور دارالعلوم میں داخلہ لینا چاہیں ان کو دس پندرہ روپیہ ماہانہ کے وظائف دیے جائیں اسی طرح دارالعلوم سے فراغت کے بعد جو طلبہ انگریزی زبان سیکھنا چاہیں ان کے لئے بھی وظائف مقرر

کئے جانے کی ضرورت ہے۔ روداد کا مفہوم یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں مسلمانوں کیلئے بہت سے فوائد ہیں۔ (۴۴)

مولانا شبلی نعمانی کی رائے

ندوۃ کا اصل مقصد دو چیزیں تھیں اول نصاب کی اصلاح۔ اس میں دو ضمنی مقاصد پیش نظر تھے ایک یہ کہ ہر فن کے اہل کمال پیدا ہوں، جس کے ذریعہ درجہ تکمیل قائم ہوسکے۔ دوسرے جدید ضرورتوں سے باخبر علماء پیدا کرنا۔ جس کے لئے انگریزی زبان دانی اور علوم جدیدہ کی تعلیم بھی ضروری ہوئی اس بناء پر یہ امور دارالعلوم کا اصل الاصول ہیں۔ ورنہ دارس قدیم پہلے سے موجود تھے دوسرا مقصد رفع نزاع تھا۔ یعنی باہمی تعصبات کو کم کرنا اور مقاصد مشترکہ میں تمام فرقہ ہائے اسلام کا مل جل کر کام کرنا مثلاً اشاعت اسلام وغیرہ ان کے نزدیک تعلیم کا مقصد صرف نظری نہیں بلکہ طلبہ کی عملی طور پر تربیت کرنا بھی تھا۔ چنانچہ ایک خط میں لکھتے ہیں "میں صرف تعلیم نہیں بلکہ تربیت بھی چاہتا ہوں۔ ایسے لوگ درکار ہیں جن کی صورت و سیرت بھی عالمانہ ہو"۔ اسی تربیت کی تکمیل کے لئے مولانا نے ندوۃ کے طلبہ کے لئے کیریکٹر رجسٹر کا اجراء کیا تھا۔

مولانا نے روٹی کمانے والے مقاصد تعلیم سے بھی اختلاف کیا ہے۔ اسی وجہ سے انہوں نے علی گڑھ یونیورسٹی کے مقابلے میں دارالعلوم ندوۃ العلماء قائم کیا اس کا مقصد دنیوی تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم پر بھی بالخصوص توجہ دینا تھا۔ اس لئے ان کا تعلیمی نظریہ ان کے سب معاصرین پر فوقیت لے جاتا ہے وہ پیشہ ورانہ تعلیم اور سائنسی تعلیم کے بھی علمبردار تھے۔ ندوۃ کے قائم ہونے کی سب سے بڑی ضرورت جو ظاہر کی گئی واقعی وہی تھی، وہ نصاب تعلیم کی اصلاح تھی۔ ندوۃ کے مقاصد میں یہ اہم مقصد تھا اور ندوۃ کے جتنے اجلاس ہوئے اس مقصد کو ہمیشہ نہایت بلند آہنگی سے بیان کیا گیا۔

ندوۃ کے نصاب کی اصلاح کے لئے جو اصول مرتب ہوئے وہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ تعلیم سے مقصود یہ ہے کہ انہیں فن حاصل کیا جائے۔

۲۔ ہر فن کے حاصل کرنے کا یہ عمدہ طریقہ ہے کہ اس کے مسائل کو منفرد اور یہ استقلال حاصل کیا جائے تا کہ اس فن کی طرف کافی توجہ ہوسکے۔ بجائے اس کے اگر چند فنون کے مسائل کو مخلوط کر کے حاصل کیا جائے گا تو کسی فن کی اچھی طرح تکمیل نہ ہوگی۔

۳۔ جو فنون مقصود بالذات ہیں ان کے حاصل کرنے میں زیادہ وقت صرف کیا جائے جو مقصود بالغرض ہیں ان میں کم، اسی طرح علوم مقصود بالذات میں بھی بلحاظ اہمیت کے فرق مرتب کرنا چاہیئے۔ یعنی جو علوم زیادہ عظیم الشان اور ضروری ہیں، وہ زیادہ توجہ کے قابل ہیں۔

۴۔ ہر علم کی تحصیل میں سب سے مقدم پیش نظر رکھنا چاہئے کہ اس فن کی جو غایت ہے وہ حاصل ہو۔

حیدر آباد میں ۱۹۰۱ء میں جامعہ عثمانیہ کے لئے نصاب کمیٹی اور منیجنگ بورڈ میں شبلی ممبر تھے۔ اس کے لئے انہوں نے جو نصاب تیار کیا اس کے مقاصد درج ذیل تھے۔

۱۔ طلبہ کو دفتر اور مذہب کے کام کے لئے تیار کیا جائے گا۔
۲۔ کتب نصاب سادہ اور مطلب کو واضح کرنے والی ہوں گی۔
۳۔ کتب مخصوص مسائل سے متعلق ہوں گی۔
۴۔ اسلامی تاریخ اور تاریخ عالم بھی پڑھائی جائے گی۔
۵۔ گفتگو کی مدد کیلئے عقائد و ایمان بھی شامل نصاب ہوں گے۔
۶۔ جدید علوم کی عربی ٹرانسلیشن بھی شامل نصاب ہوگی۔
۷۔ انگریزی دوسری لازمی زبان کی حیثیت سے پڑھائی جائے گی۔
۸۔ تعلیم کا کل عرصہ ۱۳ تا ۱۵ سال تک ہوگا۔
۹۔ بچے کو سات سال کی عمر میں داخل کرایا جائے گا۔
۱۰۔ پہلے پانچ سال بچہ اردو پڑھے گا۔
۔ ایم یو ایل ایک سال کے لئے ہوگی۔
۱۲۔ جغرافیہ، انگریزی اور ریاضی لازمی مضامین کی حیثیت سے پڑھائے جائیں گے۔
۱۳۔ عربی تعلیم بھی دو حصوں میں کی جائے گی۔
الف۔ عالم آٹھ سال میں بی اے کے برابر ہوگا۔
ب۔ فاضل کیلئے مزید دو سال لگائے ہونگے جو ایم اے کے برابر ہوگا۔
۱۴۔ عالم و فاضل کے بعد ضروری ہے کہ چند طلباء کو دو برس تک خاص انگریزی زبان میں تحریر و تقریر کی مشق کرائی جائے تاکہ انہیں اس فن میں حد حاصل ہوجائے اور ایسے علماء پیدا ہوں کہ یورپ کی علمی تحقیقات سے اسلامی علوم میں اضافہ کرسکیں۔

مولانا شبلی نے ندوۃ العلماء کے لئے درج ذیل کتب کی سفارش کی تھی

۱۔ درجہ متوسط سال سوم، شرح مطالعہ کے بعض حصے حمد اللہ، شرح ہدایت الحکمت از ظہر آبادی، حماسہ و اعجاز القرآن باقلانی، ہدایہ معاملات (بشرط گنجائش) ہونا چاہیئے۔
۲۔ درجہ متوسط سال دوم۔ موطائے امام محمد، سبعہ معلقہ، جلالین قائم رہنا چاہیئے اور رسائل اربعہ امام غزالی، تہذیب الاخلاق ابن مسکویہ مطبوعہ بیروت، پڑھانا چاہیئے۔
۳۔ درجہ متوسط سال اول حسن التوسل فی صناعۃ الترسل مطبوعہ مصر اور دیوان ابو العتاہیہ شامل نصاب ہو۔
۴۔ درجہ ابتدائی سال سوم اور سال دوم میں ہدایت النحو اور مفصل زمخشری اضافہ کرنا چاہیئے نیز کلیلہ دمنہ ابن المقفع مطبوعہ بیروت شامل نصاب ہونی چاہیں۔

مولانا مختلف مضامین میں ارتباط کے قائل نہ تھے ۔ وہ اس کو طلبہ میں پریشانی ذہنی کے پیدا ہونے کا سبب سمجھتے تھے ۔ کہتے ہیں ، سب سے بڑی خرابی نصاب موجودہ کی یہ ہے کہ اس میں اکثر ایسی کتابیں داخل ہیں جنمیں متعدد فن مخلوط ہیں ۔ یہاں تک کہ اس کو یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا کہ وہ کون سا فن حاصل کر رہا ہے ملاحسن ، حمد اللہ ، قاضی مبارک ، منطق کی کتابیں ہیں لیکن ان میں اکثر مباحث الہیات اور مابعد الطبیعیات کی ہیں زمانہ قدیم میں تعلیم کا مستعد طریقہ وہی تھا جو آج مہذب ملکوں میں جاری ہے ۔ یعنی اصطلاحی کو اردو میں لیکچر دینا کہتے ہیں ۔ استاد ایک بلند مقام مثلاً کرسی پر بیٹھ جاتا اور کسی فن کے مسائل زبانی بیان کرنا شروع کرتا ، طالبعلم قلم لے کر بیٹھتے ، ان تحقیقات کو استاد کے خاص لفظوں میں لکھتے جاتے ، جب معمول سے زیادہ طلبہ حلقہ درس میں جمع ہوتے تو استاد کے سامنے یا داہنے بائیں چند فاصل کھڑے ہوتے جو دور والوں کو استاد کے خاص الفاظ سنا دیتے تھے ۔

مولانا شبلی بھی اعلیٰ جماعتوں کے طریقہ تدریس کے لئے لیکچر طریقہ Lecture Method کو پسند کرتے تھے ۔ "الغزالی" میں مولانا کھیل کے متعلق جیسے موجودہ ماہرین تعلیم بہ نظر تحسین دیکھتے ہیں ، یوں فرماتے ہیں ۔ "مکتب سے پڑھ کر نکلے تو اس کو موقع دیا جائے کہ کوئی کھیل کھیلے کیونکہ ہر وقت پڑھنے لکھنے میں مشغول رہنے سے دل بجھ جاتا ہے ، ذہن کند ہو جاتا ہے ، طبیعت اچٹ جاتی ہے ۔"

جدید دور میں ماہرین نفسیات اور ماہرین تعلیم بچے کی تعریف و تحسین اور حوصلہ افزائی پر بڑا زور دیتے ہیں ، مولانا بھی اس سے باخبر تھے چنانچہ کہتے ہیں ۔ "جب بچے سے کوئی پسندیدہ فعل ظہور میں آئے تو تعریف کرے ، اس کا دل بڑھایا جائے والدین کو چاہیئے کہ ہر وقت زجر و توبیخ نہ کرتے رہیں ، کیونکہ بار بار کہنے سے بات کا اثر کم ہو جاتا ہے اور بچہ زجر و توبیخ کا عادی ہو جاتا ہے ۔" آگے چل کر کھیل کود کے بارے میں یوں کہتے ہیں کہ "کھیل کود میں مصروف ہونا تکلیف و مشاغل کے لئے آدمی کو تیار کرتا ہے ۔"

تعلیم بذریعہ مناظرہ کو اگرچہ وہ ایک حد تک پسند کرتے ہیں لیکن وہ اس کے نقائص سے بھی بخوبی آگاہ نظر آتے ہیں ۔ اور کہتے ہیں کہ "مناظرے سے تفاخر ، حسد ، رشک ، ضد ، فضول گوئی ، قساوت ، تعصب و جاہ پرستی پیدا ہوتی ہے ۔" بہرحال مناظرہ و مباحثہ کا طریقہ تشحیذ ذہن اور تحقیق مسائل کیلئے نہایت مفید طریقہ ہے ۔ مولانا اپنے مقالے "قدیم تعلیم" میں مجالس مناظرہ کے بارے میں یوں لکھتے ہیں ۔ "مشہور شہروں میں بحث و مناظرہ کے لئے خاص وقت اور مقام مقرر تھے ۔ بعض امراء اس قسم کی مجلسیں اپنے مکانوں پر منعقد کرتے تھے فقہ و ادب ، نحو وغیرہ ہر ایک علم کے لئے جداگانہ مجلسیں تھیں ۔ ان میں علماء اور طلبہ دونوں شریک ہوتے ۔ اور کوئی ممتاز عالم بحث کے تصفیہ کے لئے انتخاب کیا جاتا تھا ۔ یہ جلسے جن میں زیادہ تر انصاف اور حق پسندی کا استعمال ہوتا تھا ۔ معمولی نصاب تعلیم ختم کرنے کی بہ نسبت بہت زیادہ مفید اور پر اثر تھے ۔ تحصیل سے فارغ

ہونے کے بعد استاد ایک تحریری سند عنایت کرتا تھا۔ جس میں اس کی تعلیم کی اجمالی کیفیت اور درس دینے کی اجازت ہوتی تھی۔ اس سند میں وہ طیلسان پہننے کی بھی اجازت دیتا تھا۔ جو علماء کا مخصوص لباس تھا"۔ ڈویل میتھڈ (Dual method)، مولانا شبلی تحریر وتقریر اور بحث ومباحثہ کے طریقوں سے تدریس کے قائل تھے۔ طلباء کو کوئی عنوان تجویز کر کے کتب دے دیتے تھے، تو وہ تقریر تیار کرتے، ایک ہفتہ کے بعد اسے سناتے اور اسی وقت اصلاح کی جاتی۔ شبلی نے ۱۸۹۸ء میں بھوپال میں ایڈوائزری بورڈ آف ایجوکیشن کے ممبر کی حیثیت سے تعلیم وتدریس سے متعلق درج ذیل ہدایات جاری کیں۔

۱۔ اساتذہ کو حاضر باش ہونا چاہیئے۔ اور وہ رجسٹر حاضری مدرسین پر اپنی آمد ورفتگی کے اوقات مع دستخط لکھیں۔

۲۔ ہر استاد کو اپنے طلباء کی روزانہ حاضری لگانا چاہیئے۔ (۴۵)

کراچی کے علماء کی متفقہ تجویز

قیام پاکستان کے بعد دارالعلوم دیوبند کی طرز پر وفاق قائم کرنے اور الحاق کرنے کا خیال سب سے پہلے کراچی کے علماء کے ذہن میں آیا اور اس سلسلہ میں ایک میٹنگ ہوئی۔ اسمیں ایک پوائنٹ یہ تھا کہ ہر دینی مدرسہ اپنے یہاں بنیادی مرحلے تک کا اسکول قائم کرے، جس میں وہی نصاب پڑھایا جائے جو سرکاری اسکولوں میں رائج ہے تاکہ اس مرحلہ تک قدیم وجدید نظام تعلیم کا فرق بالکل ختم کر دیا جائے اور دینی مدارس کے خاص نظام تعلیم میں انہی طلباء کو داخلہ دیا جائے جو ایلیمنٹری کلاسوں سے فارغ ہو چکے ہوں۔ (۴۶) اس میٹنگ میں شریک ہونے والے جملہ علماء کے نام باب ہشتم میں تاریخ وفاق کے ذیل میں ملاحظہ فرمائیے۔

مولانا ابو الحسنات ندوی کی رائے

۱۔ منطق کی کتابیں ضرورت سے بہت زیادہ ہو گئیں ہیں شروع سے گنیئے تو پندرہ کتابیں صرف اس ایک فن کی ہیں۔

۲۔ منطق کی جو کتابیں داخل درس ہیں، ان میں بہت خلط بحث ہے۔ ملا حسن، حمد اللہ، قاضی مبارک وغیرہ فن منطق میں ہیں، لیکن ان میں منطق کے مسائل سے کہیں زیادہ امور عامہ اور فلسفہ کے مسائل ہیں، جعل بسیط، جعل مرکب، علم باری اور کلی طبعی کا وجود فی الخارج وغیرہ مسائل ایسے اہم و دقیق ہیں جن میں پڑ کر طالب علم منطق کے خاص مسائل کی طرف بہت کم متوجہ ہو سکتا ہے۔

۳۔ منطق کی پندرہ کتابیں داخل نصاب ہیں لیکن فن تفسیر جیسے ضروری فن کی صرف دو کتابیں لی گئیں، بیضاوی اور جلالین۔ بیضاوی کے صرف ڈھائی پارے زیر درس ہیں۔ جلالین پوری پڑھائی جاتی ہے۔ لیکن اس کے اختصار کا یہ عالم ہے کہ قرآن مجید اور اس کے الفاظ وحروف عدداً برابر ہیں۔

۴۔ حدیث و تفسیر کو ادب و عربیت سے بڑا تعلق ہے۔ لیکن اس کا حصہ بہت کم ہے۔ بلاغت میں صرف دو کتابیں داخل نصاب ہیں۔ مختصر و مطول اس آخری کتاب کا صرف ایک ربع حصہ پڑھایا جاتا ہے۔ ادب کا حال اوپر لکھ چکا ہوں۔

۵۔ اس نصاب میں تاریخ جغرافیہ، علم اعجاز القرآن وغیرہ ضروری علوم و فنون بالکل نہیں ہیں۔ (۳۷)

مولانا عبدالقادر آزاد کی رائے

بعض لوگ درس نظامی کی مدافعت کو منظور کرنے کے ضمن میں یہ عذر بھی تراشتے ہیں کہ علماء اپنے نصاب میں ترمیم پسند نہیں کرتے حالانکہ یہ بات قطعی طور پر غلط ہے۔ علماء نے درس نظامی کو کبھی الہامی نہیں سمجھا کہ اس میں ردو بدل نہ ہوسکے۔ علماء خود اس میں ہمیشہ ردو بدل کرتے رہے ہیں۔ لیکن وہ اس ردو بدل کا اختیار کسی ڈاکٹر فضل الرحمن جیسے پی ایچ ڈی کو دینے کو تیار نہیں ہیں۔ نیز یہ علماء ترمیم کے تو قائل ہیں لیکن تحریف کو برداشت نہیں کرتے بلکہ اگر مسلمانوں کے مسلمہ مکاتب فکر کے نمائندہ علماء اور مدارس دینیہ کی باقاعدہ تنظیموں کے نمائندوں پر مشتمل ایک بورڈ تشکیل دیا جائے تو یہ علماء کے لئے قابل قبول ہوگا۔

یہ بورڈ نصاب میں مناسب ترمیم بھی کرے۔ ماہرین تعلیم میں سے دینی ذہن رکھنے والے افراد کو بھی اس بورڈ کا رکن بنایا جاسکتا ہے۔ یہ بورڈ مدارس کی درجہ بندی بھی کرے اور ان کی رجسٹریشن بھی اور یوں مملکت میں جو جعلی ادارے دین کی تعلیم کے نام پر لوگوں سے چندے بٹورتے ہیں ان کا بھی قلع قمع ہو جائے گا۔ نیز یہ بورڈ ملک میں ایک ایسی جامعہ کا بھی انتخاب کرے جسے ان تمام اداروں کا مرکز سمجھا جائے اور وہاں مصر اور سعودی عرب کی طرز پر قانون شریعت، فقہ، حدیث، تفسیر کے تخصص کے شعبہ جات ہوں۔ درس نظامی کی سند کو ایم اے کے برابر اور تخصص کی سند کو پی ایچ ڈی کے برابر تسلیم کیا جائے۔ اس سلسلہ کی تکمیل میں حکومت کو ان نئے شعبہ جات اور مدارس دینیہ میں جو یہ علوم سے متعارف کرنے والی کتب کی طباعت و اشاعت کے اخراجات اور ان کو پڑھانے والے عملہ کے تقرر پر ہونے والے اخراجات بھی اٹھانے پڑیں گے اور یوں ان مدارس سے دین اور دنیا کے ماہرین نکلنے لگیں گے۔ یہاں اس امر کا اظہار بھی ضروری ہے کہ جب ہم میڈیکل ڈاکٹر سے انجینئر اور انجینئر سے میڈیکل ڈاکٹر ہونے کا مطالبہ نہیں کرتے، تو ہمیں علماء درس نظامی سے بھی ان کے شعبہ میں مہارت کے علاوہ دیگر شعبہ ہائے حیات سے ان کے متعارف ہونے کا بھی مطالبہ نہیں کرنا چاہیئے۔ ضروری نہیں کہ یہ عالم دین، علم دین کے علاوہ سائنس، اقتصادیات، معاشیات اور انجینئرنگ سے بھرپور متعارف بلکہ ان کا ماہر ہو اس قسم کا مطالبہ نہ صرف فضول بلکہ علماء سے ناانصافی کے بھی مترادف ہے"۔

(۳۸)

مولانا محمد ادریس میرٹھی، سابق ناظم اعلیٰ، وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی رائے

۱۔ عربی مدارس کے نصاب میں ابتدائی درجات تک میٹرک کے مضامین یعنی حساب، تاریخ و جغرافیہ، حفظان صحت و شہریت کو داخل کیا جائے اور ان مضامین کو پڑھانے والے اساتذہ ٹرینڈ گریجویٹ ہونے چاہئیں۔

۲۔ عربی مدارس کے نصاب میں عربی کتب فقہ و افتاء اور قضاء شرعی کی تعلیم کے ساتھ ساتھ مروجہ ملکی قانون کی ابتدائی تعلیم بھی داخل کی جائے اور اس کے استاد کے لئے ایل ایل بی ہونا لازمی قرار دیا جائے۔ تمام کالجوں کے نصاب میں عربی، فقہ و افتاء اور قضاء شرعی کی تعلیم سے متعلق اصل عربی کتابیں نصاب میں داخل کی جائیں اور ان کے اساتذہ کے لئے عربی مدارس کا فارغ التحصیل ہونا شرط ہو گریجویٹ ہونا شرط نہ ہو۔

۳۔ مدارس عربیہ کی آخری سند "سند الفراغ من العلوم الدینیہ" کو بی اے کے مساوی اور سند التخصص فی العلوم الاسلامیہ کو ایم اے کے مساوی قرار دیا جائے۔

۴۔ مدارس عربیہ مدت تعلیم میں چار سال کا اضافہ کر لیں اور اپنے مدارس کے مراحل کو اسکولوں، کالجوں سے ہم آہنگ اور متوازی بنانے کے پیش نظر اپنے نصاب تعلیم کو چار مراحل میں تقسیم کر لیں۔

الف۔ اعدادی، مدت تعلیم چار سال، حکومتی مدارس کا نصاب تا درجہ ہشتم مساوی ایلیمنٹری

ب۔ مبادی علوم عربیہ، مدت تعلیم تین سال، درس نظامی قدیم کا درجہ اولیٰ، ثانیہ اور ثالثہ مساوی میٹرک۔

ج۔ ثانوی، مدت تعلیم تین سال، درس نظامی قدیم کا درجہ رابعہ، خامسہ اور سادسہ مساوی ایف اے

(Inter mediate)

د۔ عالی، مدت تعلیم دو سال، درس نظامی کا درجہ سابعہ اور ثامنہ مساوی گریجویٹ (بی اے)(۲۱)

دینی مدارس کے ارباب حل و عقد کی رائے

حافظ نذر احمد نے تمام مدارس دینیہ سے درس نظامی کے لئے ابتدائی سلسلہ میں آراء طلب کیں ان کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

۱۔ قواعد (صرف و نحو اور معانی و بیان) اگر قواعد کے لئے فارسی کے بجائے اردو ذریعہ تعلیم ہو تو اس سے اردو نوشت و خواند اور انشا پردازی بہتر ہو جائے گی کیونکہ دینی مدارس کے طلباء اردو تحریر میں بالعموم کمزور ہیں۔ فارسی زبان کو سمجھنے میں جو وقت لگتا ہے وہ بھی بچ جائے گا۔ قواعد سے مقصود عربی زبان کا حصول ہے اور عربی زبان ہم قرآن و حدیث کی تفہیم کے لئے پڑھتے ہیں لیکن فی الوقت قواعد کی کتابیں اس قدر غالب آ گئی ہیں کہ اصل مقصود فوت ہو رہا ہے۔

۲ - منطق : اکثر اہل علم اس امر پر متفق ہیں کہ منطق کی کتابوں میں تخفیف کی جائے نیز یہ کہ قدیم مشکل اور دقیق عبارات والی کتابوں کی جگہ سہل کتابیں رائج کی جائیں ۔

۳ - فلسفہ : اس مضمون کی اہمیت سے کسی کو انکار نہیں ، لیکن فلسفہ قدیم اور قدیم نظریات پر نظر ثانی کی ضرورت سے بھی انکار ممکن نہیں ۔ خصوصاً فلسفہ یونان کی جگہ خالص اسلامی نظریات کو فوقیت دینا اولین ضرورت ہے ۔

۴ - تاریخ : مدارس عربیہ میں تاریخ کا مطالعہ باقاعدگی سے نہیں ہو رہا ہے ۔ تاریخ عالم تو کجا اپنی ملکی اور اسلامی تاریخ پر بھی عبور نہیں ، چونکہ درخشندہ مستقبل کے لئے ماضی کے عروج و زوال کا مطالعہ اور اس کے علل و اسباب معلوم کرنا از بس ضروری ہے ۔

۵ - ہیئت ، ہندسہ اور طب : تینوں مضامین کی افادیت اظہر من الشمس ہے لیکن ان مضامین کی جو درس نظامی میں داخل ہیں ، ان میں سے بیشتر اپنی افادیت ختم کر چکے ہیں ۔

۶ - فقہ : یہ علم درس نظامی کا اہم ترین حصہ ہے ۔ اس باب میں وسعت نظر کی خاطر مذاہب اربعہ کی کتب کی شمولیت مفید رہے گی ۔ لیکن یہ کام مشکل بھی ہوگا اور طویل بھی ۔ نیز تدوین فقہ اور استنباط مسائل کا کام جاری رہنا چاہیئے ۔ دور حاضر کی مشینی زندگی نے بے شمار نئے مسائل پیدا کر دیئے ہیں ان کا حل از حد ضروری ہے ۔

۷ - ادب عربی و زبان عربی : قدیم عربی ادب کا باقی رہنا بیشک ضروری ہے لیکن جدید عربی ادب سے محرومی اور گفتگو و انشا پردازی سے بیگانگی ہرگز مستحسن نہیں ۔

۸ - قرآن و حدیث : درس نظامی پر بیرونی حلقوں کی طرف سے مسلسل یہ اعتراض کیا جا رہا ہے کہ اہل حدیث کے علاوہ تمام مدارس میں قرآن و حدیث کو صرف آخری سالوں میں " سبقاً سبقاً " پڑھایا جاتا ہے ۔ حالانکہ دین کے یہی اصل الاصول ہیں ، کسی نہ کسی منہج پر ان کا مطالعہ ابتدا سے شروع ہو جانا چاہیئے ۔ (۵۰)

ہماری تعلیم کا اپنا نظریہ اور مقصد ہونا چاہیئے ۔ اب وقت کی ضرورت ہے کہ گزشتہ دور غلامی کے نصاب تعلیم کو یکسر بدل دیا جائے اور پھر اسی راہ اور راستہ پر ہمارے کاروان علم کو چلایا جائے جس پر وہ تیرہ سو برس سے چل رہا ہے ۔ مسلمانوں کے گزشتہ عہد ترقی کے زمانے میں طالب علموں کو مذہبی علوم کے ساتھ عقلی علوم و فنون کی تعلیم بھی دی جاتی تھی ۔ ایک مسلمان عالم نہ صرف دینیات کا عالم ہوتا تھا بلکہ وہ عقلیت کا بھی ماہر ہوتا تھا ۔ علوم عمرانی ۔ تاریخ و جغرافیہ ، معاشیات و سیاسیات ، فلکیات و نجومیات ، ریاضی اور الجبرا پر بھی عبور رکھتا تھا ۔

قابل غور چیز یہ ہے کہ جہاں تک خلافت راشدہ کے دور کا تعلق ہے وہاں دین و دنیا کی تفریق نہ تھی ، یہی صحابہ قرآن پاک کے حافظ اور احادیث کے شارح اور مسائل کے مفتی بھی تھے ۔ حضرت ابو بکرؓ ، حضرت عمرؓ

، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت علیؓ وہ علما تھے ، جن سے نہ صرف مسائل دریافت کئے جاتے تھے بلکہ معاملات بھی معلوم کئے جاتے تھے ۔ مشہور مؤرخ اور ادیب گبن نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ وہ ہیں جو ہر نئے چاند کے ساتھ ایک نیا شہر فتح کرتے تھے ۔ وہی فاتح و کشور کشا خلیفہ وقت فتوحات کے ساتھ احکام و فتاویٰ اور محراب و منبر کی بھی زینت تھے ۔ ان بزرگوں نے نہ صرف علوم پر فتح پائی تھی بلکہ ملک اور شہر بھی فتح کئے ۔ یہ تو مسلمانوں کا معیاری دور تھا ۔ اس کے بعد وہ زمانہ آیا جب علماء کو مختلف ذوق کی بنا پر مختلف ناموں سے یاد کیا گیا ۔ جنہوں نے علوم حدیث پر عبور حاصل کیا وہ محدث کہلائے ، جن کو علوم فقہی سے دلچسپی تھی وہ فقیہ ہوگئے ۔ اسی طرح سے مختلف علوم کے نام پیدا ہوئے جس طرح کسی وسیع و عریض مملکت اور حکومت کے محکمے اور شعبہ جات ہوتے ہیں ۔ اس طرح علوم اسلامی کے مختلف شعبے ہوگئے اور ان کو علیحدہ علیحدہ نام دیئے گئے ۔ امام بخاری ، امام حنبل وغیرہ محدث تھے جنہوں نے علم حدیث کے حفظ و تدوین کا کام انجام دیا ۔ امام ابو حنیفہ مجتہد تھے ۔ یہ لوگ دلائل کتاب و سنت سے احکام کا استنباط کرتے تھے اور کلیات سے جزئیات نکالتے تھے ۔ (۵۱)

ا ۔ ناقدوں کی نظر میں اب درس نظامی کے مشمولہ مضامین دور از کار ہو چکے ہیں ۔

ب ۔ عصر حاضر کی ضروریات اور مسائل حاضرہ کو حل کرنے کے لئے بعض جدید مضامین کا شمول از بس ضروری ہے ۔ خصوصاً اقتصادیات ، عمرانیات اور سیاسیات وغیرہ

ج ۔ درس نظامی کی مشمولہ بعض کتابیں اس قدر قدیم ہیں کہ وہ اپنی افادیت کھو چکی ہیں ۔ ان کتابوں کی جگہ دینی علوم و فنون کی جدید کتب کو شامل کیا جانا چاہیئے ۔ فلسفہ اور علم الکلام میں خصوصیت سے یہ ضرورت محسوس کی جا رہی ہے ۔

د ۔ زمانہ حاضرہ کی اہم تحریکات کو سمجھنے اور ان کے بارے میں اسلامی نظریات قائم کرنے کے لئے مناسب حال کتب نصاب میں شامل کیجائیں ۔

ہ ۔ دینی مدارس کے طلباء میں حالات حاضرہ سے آگاہی اور معلومات عامہ کا فقدان شدت سے محسوس کیا جا رہا ہے اس مقصد کے لئے تاریخ ، جغرافیہ ، ابتدائی سائنس اور دیگر ضروری علوم کا شمول ضروری معلوم ہوتا ہے ۔

مولانا جاوید احمد الغامدی کی رائے میں پہلی بڑی خرابی

کچھ لوگ وسعت نظر کے مدعی ہیں ، ان کا حال بھی یہ ہے کہ وہ اگر شخص واحد کی تقلید پر اصرار نہیں کرتے تو اس بات پر بہر حال مصر ہیں کہ قرآن و سنت پر براہ راست غور و تدبر کا دروازہ چوتھی صدی ہجری کے بعد بند ہو چکا ہے ۔ ان کے نزدیک اب قیامت تک کسی شخص کو اسے کھولنے کی جسارت نہیں کرنی چاہیئے ۔ علم ان کی رائے میں جمع اقوال ہی کا نام ہے اور تحقیق یہ اسے ہی کہتے ہیں کہ کسی مدعا کو ثابت کرنے کے لئے اسلاف میں سے دس بیس کی آراء بطور حوالہ نقل کر دی جائیں ۔ کسی آیت کی تاویل اور کسی حدیث کی شرح میں کوئی نئی تحقیق ، اگر کوئی شخص پیش کر دے ۔ تو اسے مردود قرار دینے میں یہ لمحے بھر کا توقف بھی گوارا نہیں کرتے ۔ بڑی سے بڑی غلطی پر بھی یہ محض اس وجہ سے مصر ہو جاتے ہیں کہ اسلاف میں سے کسی کو اس

سے کوئی اختلاف نہیں ہے۔ یہ چیز ان کے ہاں کوئی معمولی اہمیت نہیں رکھتی بلکہ اسے جزو ایمان و عقیدہ ہی کے طور پر اختیار کیے ہوئے ہیں۔

اس نقطہ نظر کے جو دلائل یہ حضرات بالعموم پیش فرماتے ہیں، وہ عقل و نقل، دونوں کی رو سے بالکل بے بنیاد ہیں۔ ان میں سے ہر شخص اس حقیقت سے واقف ہے کہ اس دین کا سب سے پہلا ماخذ قرآن مجید ہے۔ قرآن مجید کے بارے میں یہ بات محتاج بیان نہیں کہ یہ جس طرح اسلاف کے پاس تھا بالکل اسی صورت میں ہمارے پاس بھی موجود ہے۔ اس کے کسی حرف اور کسی شوشے میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ اس کی زبان عربی مبین ہے۔ اس کے الفاظ و اسالیب کے معنی کی تحقیق کے لئے تمام ضروری مواد اس زمانے میں بھی اسی طرح میسر ہے، جس طرح اس امت کے پچھلے دور میں تھا۔ قرآن مجید کے بعد دوسرا ماخذ حدیث و سنت ہے۔ اس کا بیشتر حصہ تواتر عملی کے ذریعے سے ہمیں ملا ہے۔ باقی جو کچھ اخبار احاد کی صورت میں تھا، اس میں جتنا کچھ ہمارے اسلاف نے قابل اعتماد پایا، وہ سب انہوں نے ہمیں منتقل کر دیا ہے۔ اس میں سے کوئی چیز بھی انہوں نے چھپا کر نہیں رکھی۔ جو کچھ انہوں نے چھوڑا اور جو کچھ اختیار کیا اس کی وجوہ بھی انہوں نے بیان کر دی ہیں۔ دین میں یہی دو چیزیں اصل حجت ہیں اور یہ دونوں اس زمانے میں، اسی طرح ہمارے پاس موجود ہیں، جس طرح اسلاف کے پاس تھیں۔ چنانچہ اس بنیاد پر کوئی محکم دلیل اس نقطہ نظر کے حق میں قائم نہیں کی جا سکتی۔

اس کے بعد دو باتیں کہی جا سکتی ہیں ایک یہ کہ دین پر عمل کے لحاظ سے جو مقام اسلاف کو حاصل تھا، وہ اس زمانے کے لوگوں کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ دوسری یہ کہ فہم و ذکا کے اعتبار سے جو درجہ ان کا تھا، اس تک اب کسی کے لئے پہنچنا ممکن نہیں رہا۔

ان میں سے آخری بات محض ادعا ہوگی جس کے لئے کوئی ثبوت نہ قرآن و حدیث میں موجود ہے نہ علم و تجربہ سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ رہی پہلی بات تو وہ قرآن مجید کی نص کے خلاف ہے۔ قرآن نے بالصراحت فرمایا ہے کہ عملی لحاظ سے دین میں سب سے اونچا درجہ "السابقون" کا ہے اور جس طرح اسلاف میں تھے اسی طرح پچھلوں میں بھی ہوں گے۔ سورہ واقعہ میں ہے **والسابقون السابقون ○ اولئک المقربون ○ فی جنت النعیم ○ ثلۃ من الاولین ○ وقلیل من الاخرین ○**

ترجمہ۔ "اور سبقت کرنے والے تو پھر سبقت کرنے والے ہی ہیں۔ وہی تو مقرب ہوں گے نعمت کے باغوں میں، اگلوں میں سے زیادہ اور پچھلوں میں سے کم۔"

اس کے علاوہ اس نقطہ نظر کے مؤیدین جو کچھ کہتے ہیں وہ محض جذبات کی شاعری ہے علم استدلال کی دنیا میں اس کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے۔

دوسری بڑی خرابی

دینی مدارس کے نظام میں دوسری بڑی خرابی یہ ہے کہ دین میں جو حیثیت قرآن مجید کو حاصل ہے وہ ان میں اسے کبھی حاصل نہیں ہو گی۔ دین میں قرآن حکیم اس زمین پر اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی میزان اور حق و باطل کے لئے فرقان ہے۔ اس کی اس حیثیت کا ناگزیر تقاضا تھا کہ ان مدارس کے نصاب میں محور و مرکز کا مقام اسے ہی حاصل ہوتا۔ تعلیم کی ابتدا اس سے کی جاتی اور اس کی انتہا وہی قرار پاتا۔ علم و فن کی ہر وادی میں طلب اسے ہاتھوں میں لے کر قدم اٹھاتے اور ہر منزل اسی کی رہنمائی میں طے کی جاتی، جو کچھ پڑھایا جاتا وہ اس کو سمجھنے اور اس کے مدعا کو پانے کے لئے پڑھایا جاتا۔ نحو، ادب، فلسفہ و کلام اور فقہ و حدیث کے لئے اسے معیار مانا جاتا اور ہر چیز کے رد و قبول کا فیصلہ اس کی آیات بینات ہی کی روشنی میں ہوتا۔ ایمان و عقیدہ کی ہر بحث اس سے شروع ہوتی اور اسی پر ختم کر دی جاتی۔ طلبہ اس کے ہر لفظ پر مراقبہ کرتے اور اس کی ہر آیت پر ڈیرے ڈالتے۔ انہیں بتایا جاتا کہ ابو حنیفہ و شافعی، بخاری و مسلم، اشعری و ماتریدی اور جنید و شبلی، سب پر اسی کی حکومت قائم ہے اور اس کے خلاف ان میں سے کسی کی کوئی چیز بھی قبول نہیں کی جا سکتی۔

دین میں قرآن مجید کی حیثیت یہی ہے اور یہی حیثیت اسے ان مدارس کے نظام میں حاصل ہونی چاہئے تھی لیکن ہر صاحب علم اس حقیقت سے واقف ہے کہ پہلے مرحلے میں، ان مدارس کے طلبہ، محض حفظ و قرأت کے لئے اس کی طرف رجوع کرتے ہیں اور آخری مرحلے میں جلالین و بیضاوی کے صفحات میں اس کی کچھ زیارت کر لیتے ہیں۔ اس سے زیادہ کوئی مقام ان مدارس میں اسے کبھی نہیں دیا گیا۔

قرآن مجید کے معاملے میں اس رویے کا نتیجہ یہ ہے کہ فکر و عمل کے لئے کوئی چیز اب علم نہیں رہی اور ہم اختلافات کی بھول بھلیاں میں سرگرداں ہے۔ وہ منابع جہاں سے ہمیں روشنی مل سکتی تھی، خود تیرہ و تار ہیں اور ہمارے مدارس و علما اور اس کتاب منیر میں وہی تعلق قائم ہے۔ جس کے بارے میں اقبال نے اپنا لف و نشر ترتیب دیا تھا کہ۔

مکتب و ملا و اسرار کتاب
کور مادر زاد و نور آفتاب

تیسری بڑی خرابی

ان مدارس کے نظام میں تیسری بڑی خرابی یہ ہے کہ یہ نصاب جیسا کہ عام خیال ہے ملا نظام الدین نے ترتیب دیا یا پھلواری شریف کے سجادہ نشین شاہ سلیمان کی رائے کے مطابق اس کا بیج ابتدا میں ملا فتح اللہ شیرازی نے بکھیرا اور پھر یہ خود رو پودوں کی طرح آپ سے آپ اس صورت میں نمودار ہو گیا۔ جس کا فن ہم مسلمانوں

کے لئے مایہ افتخار ہے۔ لیکن ان کے ہاں بھی کوئی ایسی کتاب اس میں شامل نہیں کی گئی جو اجتہادی بصیرت پیدا کرنے والی ہو۔ دو صدیاں اس نصاب پر گزر گئیں لیکن دینوی علوم میں بھی یہ کسی ترقی کو قبول کرنے کے لئے کبھی تیار نہیں۔ فلسفہ، الٰہیات، علم الاقتصاد، علم الافلاک، طبعیات، علم السیاسیات اور اس طرح کے دوسرے فنون میں جو تحقیقات اس دوران میں ہوئی ہیں وہ ابھی تک اس میں بار نہیں پا سکیں۔ اسے حسن عقیدت ہی کا کرشمہ سمجھنا چاہیئے کہ صد ا بیدی کو بھی اس میں حیات ابدی حاصل ہو گئی ہے۔ ہمارے بزرگ اسے اس قدر مقدس سمجھتے ہیں کہ ان کی ان کتابوں میں بھی کوئی تبدیلی ان کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ نئے علوم دنیا پر حکومت کر رہے ہیں۔ لیکن اس نصاب کے پڑھنے والے ابھی تک ان کے وجود پر بھی مطلع نہیں ہوئے۔ دنیا نے ان دو صدیوں میں بہت کچھ مانا اور ماننے کے بعد پھر انکار کر دیا۔ لیکن یہ نہ اس ماننے سے واقف ہوئے اور نہ اس انکار کی کوئی خبر انہیں ابھی تک پہنچی ہے۔

ہمارے دینی مدارس کی بڑی بڑی خرابیاں یہی ہیں۔ نفاذ دین کی کوئی تدبیر، جیسا کہ ہم نے عرض کیا، ان کی اصلاح کے بغیر پوری طرح کامیاب نہیں ہو سکتی۔ ارباب اقتدار اگر فی الواقع اس کام میں مخلص ہوں تو اس کے لئے جو لائحہ عمل انہیں اختیار کرنا چاہیئے۔ اس کے اہم نکات ہمارے نزدیک یہ ہیں۔

۱۔ اس وقت جو دینی مدارس ہمارے ملک میں موجود ہیں۔ انہیں اصلاحات پر آمادہ کرنے کے ساتھ حکومت اپنے اہتمام میں اعلیٰ دینی تعلیم کے لئے جامعات قائم کرے۔

۲۔ ان جامعات میں تدریس کی ذمہ داری صرف ان اہل علم کو سونپی جائے جو تمام معاملات میں اصل مرجع و ماخذ کی حیثیت اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہی کو دیتے اور جہاں تک ہو سکے ان کے احکام پر عمل پیرا رہتے ہوں۔

۳۔ ان اساتذہ کو قرآن و سنت کی روشنی میں ہر نوعیت کی دینی، سیاسی، اجتماعی اور علمی آراء قائم کرنے اور قرآن و سنت ہی کی حدود کے مطابق جہاں اور جب وہ مناسب سمجھیں انہیں پوری آزادی کے ساتھ قائم کرنے کا حق دیا جائے۔ تاکہ اکابر اہل علم ان جامعات میں پڑھانے سے گریز نہ کریں۔

۴۔ ہندسہ اور طب کی جدید درس گاہوں کی طرح ان جامعات میں بھی صرف وہی طلبہ داخل کیے جائیں جو کم سے کم ایف اے (F A) یا ایف ایس سی (F Sc) تک اپنی تعلیم عام درس گاہوں میں مکمل کر چکے ہوں۔

مجوزہ نصاب تعلیم

مولانا جاوید احمد الغامدی مجوزہ نصاب کی بابت وضاحت کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ دینی مدرسہ میں مدت تدریس پانچ سال تک ہونی چاہیے اور اسکا نصاب اس طرح ترتیب دیا جائے کہ اس میں قرآن مجید کو وہی

حیثیت حاصل ہو ، جس کا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے اس کے ساتھ ۔ اس میں اصل اہمیت اعلیٰ نحو ، صرف ، عربی ، ادب جاہلی ، حدیث ، اصول فقہ اور فقہ اسلامی ہی کو دی جائے ۔ قدیم منطق و فلسفہ کی تعلیم بس اتنی ہو کہ طلبہ ان فنون کی اصطلاحات سے فی الجملہ واقف ہو جائیں تاکہ ان علمی کتابوں کے مطالعہ میں انہیں کوئی دقت نہ ہو ، جن کے لکھنے والوں نے اپنا مدعا بالعموم ان فنون ہی کی زبان میں بیان کیا ہے ۔ نئے علوم میں فلسفہ و نفسیات ، علم الاقتصاد ، طبیعیات اور علم السیاسیات کے اہم مسائل کا مطالعہ طلبہ کو اس طرح کرایا جائے کہ وہ ان کی حقیقت اور طریقِ استدلال کو پوری طرح سمجھ کر ان کے مقابلے میں قرآن و سنت کا نقطۂ نظر واضح کر سکیں ۔ عالمی ادب کا ایک مختصر انتخاب بھی اس نصاب میں شامل ہونا چاہئے ، تاکہ طلبہ اسالیب ادب سے اتنی مناسبت پیدا کر لیں کہ قرآن مجید کے بے مثال ادبی اسلوب کی لطافتوں سے وہ کچھ بہرہ یاب ہو سکیں ۔ اسی طرح موجودہ قانون کے اصول و مبادی سے واقفیت کے لئے بھی ایک جامع کتاب شامل نصاب ہونی چاہئے ۔ فقہ اسلامی کے کسی ایک مذہب کے بجائے تمام اہم مذاہب کی تعلیم دینی چاہئے اور اس طرح دینی چاہئے کہ طلبہ اس حقیقت کو سمجھیں کہ سارا فقہی ذخیرہ ان کی اپنی میراث ہے ۔ اس معاملے میں کسی رائے اور شخص کیساتھ تعصب کے لئے علم کی دنیا میں کوئی گنجائش نہیں ۔ اس ذخیرے میں سے صرف وہی چیز قبول کرنی چاہئے جو اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے مطابق ہے اور اس کے خلاف ہر چیز بلاجھجک کسی تردد کے رد کر دینی چاہئے ۔

۲ ۔ طلبہ کو محض کتابیں ہی نہ پڑھائی جائیں ۔ اس کیساتھ ان کی تربیت اور تزکیہ کے لئے بھی خاص اہتمام کیا جائے اور اس مقصد کے لئے انہیں پابند کیا جائے کہ وہ روزانہ کچھ وقت صالح علماء کی صحبت میں گزاریں ۔ انہیں ترغیب دی جائے کہ وہ قرآن و حدیث کے ان ارشادات پر خصوصی توجہ دیں جو تزکیہ نفس اور تربیت و اخلاق سے متعلق ہیں ۔ اس کے ساتھ ہی دین کی نصرت کا جذبہ بھی ان کے اندر پیدا کیا جائے اور انہیں بتایا جائے کہ اس دین کو غالب رکھنے کی سعی و جہد بہرحال ان پر واجب ہے ۔

۳ ۔ اسلامیات کی اعلیٰ تعلیم کا موجودہ طریقہ بالکل ختم کر دیا جائے اور ان جامعات سے فراغت کی سند کے لئے وہی درجہ مانا جائے جو طب جدید میں ایم بی بی ایس (MBBS) کی سند کو حاصل ہے ۔

دینی تعلیم کا نظام اگر ان خطوط پر قائم ہو جائے تو ہمارے دینی مدارس بھی ان شاء اللہ اس کی تقلید پر مجبور ہو جائیں گے ۔ اس کے بعد یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ فکری انقلاب یہاں برپا ہو جائے جس کے بغیر اس معاشرے میں دین حق کے غلبہ کا خواب صحیح معنی میں شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا ۔ (۵۲)

مولانا محمد ناظم ندوی کی رائے

اس وقت معاشرے کا پورا نظام یونیورسٹیوں کے فارغ طلبہ چلا رہے ہیں ۔ دینی مدارس سے فارغ لوگ تو نہیں

جا رہا ہے۔ یہ بھی مسلمہ شدہ امر ہے کہ ابلاغ عامہ کے اداروں کے طفیل ملک میں علماء کی قابل لحاظ قدر و منزلت نہیں، اور وہ مسائل جدیدہ سے نابلد ہیں۔ میرے نزدیک اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ ہمیں اپنے دینی نظام تعلیم میں لازماً تبدیلی لانی چاہیئے۔ کیونکہ یہ سچ ہے کہ ہمارے دینی مدارس کے طلب معاشرے اور عصر حاضر کی بنیادی معلومات سے بھی بے بہرہ ہیں۔ اس ضمن میں اپنی مدارس کا معیار بلند کیا جائے۔ علماء یقیناً اسلامی معاشرے کی ضرورت ہیں۔ اگر بلند معیار کے علماء پیدا نہیں ہو سکیں گے تو اسلامی معاشرے کا خواب پورا نہیں ہو سکے گا۔ (۵۳)

مولانا محمد یوسف بنوری کی رائے

عہد حاضر میں نصاب کے جو نقائص محسوس ہوتے ہیں، ان میں سے بطور مثال چند پیش کئے جاتے ہیں۔

۱۔ ان کتابوں میں زیادہ تر وقت لفظی مباحث اور عبارتی موشگافیوں پر صرف ہوتا ہے۔

۲۔ فن کے قواعد اور مسائل کے یاد کرنے کی بجائے مصنف کا مقصد سمجھنے پر وقت صرف ہوتا ہے۔

۳۔ فن کے قواعد اور مسائل یاد ہو جانے سے جو ایک اعلیٰ سلیقہ اور ملکہ پیدا ہوتا ہے اور جو ایک خاص قسم کی بصیرت حاصل ہونی چاہیے ان مختصرات سے یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔

۴۔ پڑھنے اور پڑھانے والا بہت مشکل سے اس فن کا محقق و با بصیرت عالم بن سکتا ہے۔ مدرس کا سارا وقت ان لفظی اور عبارتی تعقیدات کی نذر ہو جاتا ہے اور اس میں نکتہ آفرینی کو کمال سمجھنے لگتا ہے۔ اس کو اتنی فرصت ہی نہیں مل سکتی کہ اس فن کی امہات اور اساسی تفصیلات کا مطالعہ کر سکے۔

۵۔ مشکل پسندی کا ذوق ختم ہو چکا ہے۔ صرف و نحو کے مسائل میں فقہ و اصول کی عبارات میں ہیئت و ریاضی کی مثالوں کے قائم کرنے کا دور گزر چکا ہے۔

۶۔ بہت سے دیندار حضرات کو ان علوم اسلامیہ کے حاصل کرنے کا ذوق دامنگیر ہوتا ہے۔ لیکن جب ان مشکلات کا احساس ہوتا ہے تو گھبرا کر مجبوراً اپنے ارادہ کو شرمندہ عمل نہیں کر سکتے۔

۷۔ جو شخص ذکی الطبع اور ذہین نہ ہو یا محنتی نہ ہو وہ ان کتابوں سے مستفید نہیں ہو سکتا۔

۸۔ متن اور اس پر شرح اور پھر شرح کا حاشیہ یہ اسلوب عصر حاضر کے ذوق کے بالکل خلاف ہے۔

۹۔ ان کتابوں میں اختصار کی وجہ سے فن کے بہت سے اہم مسائل اور جزئیات نہیں آسکتے اور جتنے آسکے اختصار کی وجہ سے اس کے اطراف و جوانب اتنے واضح نہ ہو سکے۔

۱۰۔ علم کلام جدید، فلسفہ جدید، علم الاقتصاد اور بعض جدید علوم سے قدیم نصاب کا دامن خالی ہے اور آج اس کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ جس طرح پہلے جہمیہ، حشویہ، خوارج، معتزلہ و قدریہ صحیح مسلک سے ہٹے ہوئے اور باطل فرقے پیدا ہوئے تھے اور جس طرح ان کے عقائد اور ان کی تردید دین کا اہم جز تھا اسی طرح آج

لادینی نظام حیات اشتراکیت و قسطائیت وغیرہ کے مسائل پر قواعد اسلام کے پیش نظر، فقہ و تبصرہ دین کا اہم جزو ہے۔ آج اگر ہمارے اسلاف زندہ ہوتے تو جس طرح اس وقت فرق باطلہ کی تحقیق و تنقیح کے بعد امت کے لئے اسلحہ تیار کر کے دے چکے تھے اسی طرح آج بھی جدید اسلحہ دفاع کے لئے تیار کرتے اور علوم کا بیش بہا اضافہ فرماتے۔ (۵۴)

مولانا ابو الکلام آزاد کی رائے

ایک بچہ آٹھ برس کا عربی زبان کو شروع کرتا ہے۔ آپ میزان اور منشعب سے شروع کراتے ہیں۔ فارسی زبان اس کے لئے اجنبی زبان ہے، اس کی مادری زبان اردو ہے۔ آپ ایک ہی وقت میں اس پر تین بوجھ ڈالتے ہیں۔ فارسی زبان کا سمجھنا، عبارت کا حل کرنا اور عربی گرامر یعنی صرف و نحو کے مسائل کو سمجھنا اور حل کرنا ہے اگر اس کا دماغ ایک ہی چیز میں صرف ہوتا یعنی صرف و نحو حاصل کرتا، تو کیا وہ عربی زبان کے صرف و نحو کو زیادہ مضبوطی کے ساتھ اپنے دماغ میں جگہ نہ دیتا؟ اور عربی زبان کا صرف و نحو اس کے دماغ میں راسخ نہ ہو جاتا؟ (۵۵)

فرید احمد پراچہ کی رائے

جہاں تک علماء کے کردار کا تعلق ہے وہ محض خطیب اور امام ہونے کی حد تک ہی نہیں ہے بلکہ ان کا کردار مبلغ اور داعی کا بھی ہونا چاہیے۔ یہ ضروری نہیں کہ علماء کو سب علوم پر دسترس ہو مگر دیگر علوم کے مبادیات کا علم تو ان کو بہر حال ہونا چاہیے۔ اس بات کی گواہی خود درس نظامی میں موجود ہے اس میں یونانی حکمت و فلسفہ بھی موجود ہے چونکہ یہ اس زمانے کے تقاضے اور جیلنج تھے، اس لئے ان علوم کو علماء نے بڑی محنت سے حاصل کیا مفتی عبد القیوم ہزاروی کہتے ہیں کہ علوم دینی ۲۳ ہیں اگر ضرورت ہو تو ان میں کمی و بیشی کی جائے، لیکن عصری علوم کو جگہ دی جائے۔ (۵۶)

درس نظامی کی چند خامیاں اور نقائص

جیسا کہ اوپر مذکور ہے کہ نصاب میں وسائل پر استدر زور دیا گیا ہے کہ طلباء مقصد کو بھلا کر انہیں ہی مقصد بالذات سمجھ لیتے ہیں، صرف، نحو، زبان سیکھنے اور اس کی صحیح واقفیت حاصل کرنے کے لئے ضروری ہیں، لیکن ان کی پندرہ کتابیں درس میں شامل کر لینا کسی طرح احسن نہیں۔ جبکہ چار کتابیں داخل نصاب ہیں، حالانکہ صرف و نحو کا مقصد ادب پر عبور حاصل کرنا ہے۔ نہ کہ خود ان میں کمال پیدا کرنا، اسی طرح منطق کا مقصد صحیح طریقہ پر سوچنا اور غور کرنے کی قابلیت پیدا کرنا۔ لیکن اس کی پندرہ سے بھی زیادہ کتابیں شامل کر کے اس مضمون پر زور دیا گیا ہے۔ گویا منطق ہی مقصد بالذات علم ہے۔ اور تعلیم حاصل کرنے کا مقصد اس

پر عبور حاصل کر لیتا ہے اس کے علاوہ منطق کی جو کتابیں داخل درس ہیں انمیں بہت غلط مبحث ہیں ، ملا حسن ، حمد اللہ ، قاضی مبارک وغیرہ فن منطق پر ہیں ۔ لیکن ان میں منطق کے مسائل سے کہیں زیادہ امور عامہ اور فلسفے کے مسائل ہیں ۔

۳ ۔ اس نصاب میں کتب ، رسائل کی اس قدر بہتات ہے کہ ان تمام پر خاطر خواہ عبور حاصل کرنا ناممکن کی حد تک مشکل ہے ۔

۴ ۔ تفسیر ، حدیث اور ادب گرچہ بے حد ضروری علوم ہیں لیکن ان پر بہت کم توجہ دی گئی ہے ۔

۵ ۔ چند ضروری علوم سے بالکل بیگانگی برتی گئی ہے ، جیسے تاریخ ، جغرافیہ ، علم اعجاز القرآن ، علم اسرار ، طبقات الارض وغیرہ پر کوئی خاص توجہ نہیں دی گئی ۔

اس نصاب کی خامیوں پر مولانا شبلی نے اپنی یادداشت میں جو انہوں نے رپورٹ سے متعلق اصلاح نصاب دارالعلوم ، حیدرآباد کے ساتھ پیش کی تھی ۔ سیر حاصل بحث کی ہے ، نہ صرف انہوں نے خامیاں دور کرنے کا مشورہ دیا ہے ، بلکہ اس کے طریقے بھی بتائے ہیں ۔ ان طریقوں کو کام میں لاتے ہوئے ایک نیا نصاب تعلیم بھی تجویز کیا ہے ۔ شیخ اکرام نے " آب کوثر " میں اس موضوع پر کافی روشنی ڈالی ہے ، مولانا گیلانی نے اپنی کتاب (نظام و تربیت جلد اول صفحہ ۲۲۳ تا ۲۵۰ تک) میں درس نظامیہ پر عائد شدہ اعتراضات کا جواب دیا ہے ، ندوی کی کتاب " قدیم درسگاہیں " (۱۵۰ تا ۱۶۵) میں اس سے متعلق چند نکات پیش کئے ہیں اور ڈاکٹر صوفی نے " المنہاج " میں اس منصوبہ روشنی ڈالی ہے ۔ مولانا تقی عثمانی نے اپنی کتاب " ہمارا تعلیمی نظام " میں بہت سی آرا جمع کی ہیں ۔ یہاں طوالت سے بچتے ہوئے چند اہم آرا پر اکتفا کیا گیا ہے ۔ بہرحال اہل علم کی مذکورہ آرا کے بعد یہ بات واضح ہوتی ہے کہ موجودہ نصاب معاشرتی تقاضوں کو پورا نہیں کر رہا ہے ، لہذا بحث کو آگے بڑھاتے ہوئے معاشرتی تقاضوں اور ان کی تکمیل و تجویز پر بحث پیش کی جا رہی ہے ۔

فصل چہارم معاشرتی تقاضے و تجاویز

مولانا متین ہاشمی لکھتے ہیں کہ سرسید احمد خان نے مسلمانوں کو اعلیٰ مناصب دلانے کے لیے جتنے کاوشیں کیں اور بعد میں علی گڑھ میں جدید علوم کے مدارس کا ڈول ڈالا۔ آپ کی یہ تحریک دنیاوی طور پر اصلاحی تھی جو نیک نیتی پر مبنی تھی۔ علی گڑھ اور دارالعلوم دیوبند کے نظریات میں جوہری اختلاف نہیں پایا جاتا، جو اختلاف نظر آتا ہے، اسے طریق کار کے اختلاف کا نام دیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ غلامی آچکی تھی اور ۱۸۵۷ء کی مسلح جدوجہد آزادی کی ناکامی کے بعد سرسید احمد خان نے یہ محسوس کیا کہ کہیں جدید تعلیم میں سبقت حاصل کر کے ہندو، انگریز کے زیر سایہ مسلمانوں پر تسلط نہ حاصل کر لے، اس لئے انہوں نے مسلمانوں کو انگریزی تعلیم کے حصول کی طرف متوجہ کیا اور پوری دلسوزی کے ساتھ اس کام کو انجام دیا۔

علماء دیوبند نے یہ دیکھ کر کہ برطانوی سامراج نے جن، جن اسلامی ممالک پر اپنا تسلط قائم کیا ہے، وہاں کے مسلمانوں کی دینی اقدار کو پامال کیا اور پوری کوشش کے ساتھ ان کے دل و دماغ کو عیسائی بنایا، چنانچہ یہ ضروری سمجھا گیا کہ خیرات کی روٹیاں کھا کر اور چٹائیوں پر بیٹھ کر، دینی علوم اور اسلامی تہذیب کو حفاظت اور کمال دیانتداری سے اسلاف کے اس ورثے کو آنے والی نسل تک منتقل کر دیا جائے۔ ایسے مواقع پر ہر جماعت متشدد ہو جاتی ہے، اس کا تشدد اور تعصب ہی اس کی بقا کا ضامن ہوتا ہے، کیونکہ جب باہر سے حملہ ہو رہا ہو، تو قلعے کے ہر سوراخ کو بند کرنا ضروری ہوتا ہے۔ دونوں جماعتوں کے اس طرز عمل نے ایک ناقابل عبور خلیج مسلمانوں کے دونوں طبقات کے درمیان پیدا کر دی۔ جدت پسند، جدت پرست بن گئے اور قدامت پسند، قدامت پرست ایک جماعت نے مغرب سے آئی ہوئی ہر چیز کو آمنا و صدقنا کہا جبکہ دوسری جماعت نے اسے کفر و الحاد گردانا، یہ صورت حال اب تک باقی ہے۔ عوام اپنے مسائل کے حل کے لئے کبھی علماء کے پیچھے چلنے لگتے ہیں اور کبھی بقول غالب جدت پرست کے

دو چار گام چلتا ہوں ہر رہرو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں ا

قیام پاکستان کے بعد چونکہ اقتدار جدت پسند طبقے کے ہاتھ میں آیا، اس لئے انہوں نے مغربی افکار اور مغربی علوم کے لئے پاکستان کے دروازے چوپٹ کھول دیئے اور بقول جوش یہ حال ہے۔

چال انگریزی اعمال انگریزی جسم کا بال بال انگریزی
جسم ہندی میں جان انگریزی اور منہ میں زبان انگریزی

تحریک پاکستان کا وقت ، ایسا وقت تھا ، جس میں اسلامی حکومت کے قیام کا نعرہ سن کر علماء نے بھی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور جدت پسند طبقے کی قیادت کو وقتی طور پر تسلیم کر لیا ۔ چونکہ صحیح معنوں میں اسلامی حکومت ابھی تک قائم نہیں ہو سکی ، اس لئے علماء کی جماعت جدت پسند طبقے سے برسرپیکار ہے ۔ علماء نے بھی محراب و منبر کو اور جدت پسند طبقے نے ایوان حکومت کو اپنا مرکز بنا رکھا ہے ، قوم خاموش تماشائی کی طرح کھڑی ہے ، نہ نظریات پروان چڑھ رہے ہیں اور نہ صحیح معنوں میں ترقی ہو رہی ہے ۔ (۵۸)

پاکستان کے نظام تعلیم کی بنیادی خرابی یہ بھی ہے ، کہ اس میں دینی اور دنیاوی تعلیم کا الگ الگ انتظام ہے ، بلکہ یہ کہنا بھی شاید بے جا نہ ہو گا ، کہ دینی اور دنیاوی تعلیم کے لئے دو متوازی نظام ہائے تعلیم جو ایک دوسرے کی ضد میں بیک وقت کام کر رہے ہیں ۔ ایک طرف ان پرائیویٹ مدارس کا سلسلہ ہے ۔ جنہیں " دینی مدارس " کہا جاتا ہے ۔ مدارس میں بعض دینی علوم ، صدیوں پہلے مرتب کئے گئے نصاب اور طریقہ کار کے مطابق پڑھائے جاتے ہیں جن علوم کی ہمارے معاشرے اور ریاست کو ضرورت ہے وہ سرے سے پڑھائے ہی نہیں جاتے ۔ دینی علوم کی تدریس کا بھی وہاں یہ عالم ہے کہ قرآن حکیم کی تعلیم کو ان کے تعلیمی ڈھانچے میں مرکزی حیثیت حاصل نہیں ہے ۔ نہ وہ طلبہ میں اجتہاد کی صلاحیت پیدا کرتے ہیں ، نہ زبانیں اچھی طرح سکھاتے ہیں ، برس ہا برس عربی پڑھنے کے باوجود ان مدارس کے طلبہ نہ عربی بول سکتے ہیں اور نہ لکھ سکتے ہیں ۔ دوسری طرف حکومت اور عوام کے قائم کردہ سینکڑوں اور ہزاروں اسکول و کالج ہیں جن میں معاصر علوم تو پڑھائے جاتے ہیں ۔ لیکن قرآن حکیم ، حدیث ، فقہ و عقائد اور عربی زبان کی تدریس کا وہاں کوئی مستقل انتظام نہیں ، اس تعلیمی ثنویت کا نقصان یہ ہے کہ ہمارے ہاں اسلامی شخصیت منتشر ہو کر رہ گئی ہے ۔ اسلامی تشخص مجروح ہو گیا ہے اور متوازن مسلمان پیدا نہیں ہو رہے کہ جنہیں دین اور دنیا کی خبر ہو ۔ دینی مدارس ایسے طلبہ پیدا کرتے چلے جا رہے ہیں جو معاشرے میں کھپ نہیں سکتے ۔ قومی اداروں میں جا نہیں سکتے سوائے اس کے کہ وہ کسی مسجد میں مولوی بن جائیں یا کسی ایسی درس گاہ میں پڑھانے لگ جائیں ۔ جبکہ ہمارے اسکول و کالج اور یونیورسٹیاں ایسے طلبہ پیدا کرتی چلی جا رہی ہیں جنہیں دین کی کوئی خبر نہیں نہ اسکے مبادیات کی اور نہ اسکے تقاضوں کی ۔

پچھلے باب میں چند اہم تعلیمی نظریوں کا سرسری جائزہ لیا گیا ہے ، لیکن حقیقت دراصل یہ ہے ، کہ ہر زمانہ میں وقت اور ضرورت کے تقاضوں اور دانشوروں کے فکر و ادراک کے مطابق بے شمار زندگی کے نظریات موجود رہے ہیں ، جن کو اجتماعی عارضی اور اضافی بنیادوں پر چند عمومی نظریات کے تحت تقسیم کر دیا گیا ہے ۔ ذرا دقت نظر اور باریکی سے دیکھا جائے ، تو تاریخ کا طویل عرصہ تو ایک طرف ، ہر چند برسوں کے بعد ہی لوگوں کے نکات

نظر اور ان کے افکار میں فرق پیدا ہو جاتا ہے ۔ فکر و نظر کی یہ تبدیلی تعلیم ہی کا نتیجہ ہے ۔ جو بعد میں مروجہ نظام تعلیم میں ترمیم و تبدیلی کا باعث بنتی ہے ۔ یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہتا ہے ۔

سقراط اور ارسطو سے لے کر دور جدید کے عظیم مفکر رسل ، ڈیوی ، رابندرناتھ ٹیگور تک تعلیم کے اغراض و مقاصد پر بہت کچھ سوچا اور کہا گیا ہے ۔ ہر ایک نے اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق مختلف نکات کو اہمیت دی ہے ، یا ان سے صرف نظر کیا ہے ۔ جیسے جیسے زمانہ بدلتا جاتا ہے ، زندگی کا نظام بھی تبدیل ہوتا رہتا ہے ۔ انسان وہی ہے ۔ لیکن اس کے حالات اور تقاضے بدلتے رہتے ہیں ۔ یہ حالات اور تقاضے انسانی فکر اور اس کے اعمال پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں ۔ اس اعتبار سے انسان بھی بدلتا رہتا ہے ۔ انسانی زندگی کی ان تبدیلیوں کا مطالعہ بہت ہی دلچسپ اور حیرت انگیز ہے ۔ تاریخ کے ایسے دور بھی گذرے ہیں جب انسان نے ترک دنیا کو زندگی کا مقصد سمجھا ۔ بدھ مت اور عیسائیت نے حیرت انگیز اور وسیع پیمانہ پر ان افکار تعلیم سائنسی ، فنی اور سماجی علوم کے ہر میدان میں کوئی ترقی یافتہ سمجھا جاتا ہے ۔ لیکن آج سے دو سو برس بعد آج کی ترقی بہت پیچھے رہ جائے گی ، بہر حال ہر زمانہ کی ارتقائی منزلوں تک پہنچنا ، اس زمانہ کے تقاضوں کی تکمیل کے لئے ناگزیر ہے ۔ موجودہ زمانہ میں ، تعلیم انسان کا زیور نہیں ، بلکہ کامیاب زندگی کا آلہ ہے ۔ اس لئے آج کی دنیا میں ہر قوم کو باعزت اور باوقار درجہ حاصل کرنے کے لئے نظام تعلیم کو اپ ٹو ڈیٹ (UP-TO-DATE) کرنے کی شدید ضرورت ہے ۔ بہت ممالک نے اس ضرورت کو محسوس کر لیا ہے لیکن تکمیل کی منزل ابھی بہت دور ہے ۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ محض نظریاتی فکر کے ذریعہ عوام کی تعلیمی صلاحیتوں میں انقلاب نہیں پیدا کیا جاسکتا ۔ بلکہ تعلیمی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے لئے بھی مختلف تدریجی منازل سے گذرنا پڑے گا ، بہر حال جس سرعت کے ساتھ تعلیم کی ترقی کے لئے کوشش کی جارہی ہے ، وہ کافی امید افزا ہے ۔

دور جدید کا ایک اور اہم مسئلہ جو مادیت سے منسلک ہے ، وہ مقصدی اور پیشہ ورانہ تعلیم کا ہے ، چونکہ موجودہ تہذیب میکانکی اور سائنسی ایجادات سے عبارت ہے ، اس لئے کامیاب زندگی وہی کہی جاسکتی ہے ، جو فنی تعلیم سے آراستہ ہو ۔ پیدائش دولت کے موجودہ دور میں وہی شخص زیادہ خوش حال اور کامیاب ہو سکتا ہے ، جس کے ہاتھ میں کوئی فن یا پیشہ ہو ، کیونکہ اس فن یا پیشہ کی مدد سے وہ مزید دولت پیدا کر سکتا ہے ۔ آج زندگی کے میدان میں اسی کی مناسبت سے اپنا مقام حاصل کر سکتا ہے ، یہی وجہ ہے کہ بیشتر لوگ پیشہ ورانہ تعلیم کی طرف زیادہ مائل نظر آتے ہیں ۔ اس لئے نہیں کہ انہیں اس مخصوص پیشہ سے کوئی طبعی لگاؤ ہے ، بلکہ اس لئے کہ اس میدان میں کامیاب معاشی زندگی کے امکانات زیادہ ہیں ۔ جیسا کہ موجودہ دور میں زندگی کا مرکزی مقصد معاشی خوش حالی بن گیا ہے ، اس لئے تعلیمی نظام بھی اسی خوش حالی کی تحصیل اور اکتساب کے

سے زیادہ سے زیادہ وقف ہوتا جا رہا ہے۔ اس کی سب سے بہترین مثال ان ممالک میں ملتی ہے، جنہوں نے صنعت کاری اور معاشی ترقی کے میدان میں دوسری جنگ عظیم کے بعد قدم رکھا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ بیشتر والدین کی تمنا ہوتی ہے، کہ ان کے بچے ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کریں، انجینئر بنیں، M.B.A کریں کامرس کی اعلیٰ تعلیم حاصل کریں یا کمپیوٹر ٹیکنالوجی میں مقام پیدا کریں، والدین کی یہ خواہش اس بنا پر نہیں، کہ انہیں ان میں سے کسی پیشہ سے فی نفسہ کوئی دلچسپی یا لگاؤ ہے، بلکہ اس لئے کہ وہ جانتے ہیں کہ ان ہی میدانوں کی قدر زیادہ ہے۔ خود طلباء بھی اسی بنیاد پر مخصوص پیشوں کی طرف راغب ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ طب کا پیشہ بڑی حد تک گھناؤنا ہوتا ہے۔ قارورہ یا خون کا معائنہ اور امتحان یا مہلک مرض میں گرفتار لوگوں کی دیکھ بھال کسی کا مقصد نہیں ہو سکتا۔ یہ اور بات ہے کہ بعض لوگ جن کی فطرت میں رحم اور انسان دوستی کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہو، اس قسم کے کام ذاتی شوق سے کریں، لیکن آج جتنے ہزاروں اور لاکھوں طلباء اور طالبات، ان پیشوں کے لئے دن رات لگاتار محنت کر رہے ہیں، اس کا اصل مقصد دراصل مستقبل میں خوشحالی اور آرام دہ زندگی کے ماحول کی پیداوری یعنی دولت کا اکتساب ہے۔ یہی حال دوسرے فنی پیشوں کا بھی ہے، چنانچہ اگر آج کے تعلیمی نظام پر نظر ڈالیں تو یہ معلوم ہوتا ہے، کہ فلسفہ سے دلچسپی رکھنے والا یا سماجیات اور نفسیات کا مطالعہ کرنے والا کوئی ذہین سے ذہین طالب علم بھی بہت زیادہ کامیاب معاشی زندگی کی توقع نہیں رکھ سکتا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ علم کے یہ شعبے دوسرے فنی شعبوں سے کم تر ہیں۔ تعلیم کی یہ ذمہ داری ہے کہ بچپن ہی سے ذہن کی نشو و نما اس طرح کی جائے کہ بچہ ان تمام امور کے بارے میں صاف ذہن اور صحیح رجحانات پیدا کرے۔ اگر مدرسوں میں رنگ و نسل، مذہب و فرقہ کے امتیازات برقرار رہیں یا اونچ اور نیچ کا فرق باقی رہے تو ظاہر ہے کہ جمہوریت کی تحریں نشو و نما نہیں پا سکتیں ایک طرف تو بچوں کی ذہنی نشو و نما کا مسئلہ ہے اور دوسری طرف اساتذہ اور عمر رسیدہ لوگوں کے رجحانات کی تبدیلی کا سوال ہے۔

حافظ نذر احمد لکھتے ہیں کہ دینی تعلیم کے حاملین کے لئے لازم ہے کہ وہ زندگی کے تمام مسائل میں راہنمائی کر سکیں۔ یہی لوگ اسلام کا اقتصادی نظام مدون کریں اور ایسے علماء پیدا ہوں، جو سیکولر لوگوں کی جگہ لے سکیں۔ یہ عام مسلمانوں کی دلی مراد اور ان کے پاکیزہ جذبات کی خواہش ...... لگتا ہے جو پاکستان میں آیا نمائیوں نے زور پکڑا ہوا ہے۔ جو جستان میں ذکریوں کا اثر و نفوذ ہے۔ مسیحیت کا جو سیلاب بڑھا آیا ہوا ہے اس کا تدارک و سد باب کون کرے گا۔ کیا پاکستان کے علماء کی بنیادی تعلیم و تربیت ایسی ہے، کہ وہ ان فتنوں کا تدارک اور مقابلہ حکمت، تبلیغ اور دلائل و براہین سے کر سکیں۔ اور دین کی پیاسی نسل تک اسلام کے آب حیات کو پیش کر سکیں۔

کیا دینی مدارس کے تعلیم یافتہ ان مسائل کا ادراک رکھتے ہیں؟

خدا کے لئے سوچئے ۔ صرف مسجد کو آباد کر دینے سے تو ذمہ داری ادا نہیں ہوتی ۔ اس لئے جن جن دائروں میں علماء کی ضرورت ہے ان کے لئے تیاری کرنا ہوگی ، جیسا کہ شرعی عدالتوں کے لئے ججوں کی ضرورت تھی ، وہ کہاں سے اور کس قدر لائے جاسکے ۔ خدا کرے جہاں مکمل اسلامی معاشرہ قائم ہو جائے تو پھر ان ججوں کی جگہ بیٹھنے والے کون ہوں گے ۔ ہمیں اس حوالے سے نظام تعلیم کو ترتیب دینا ہوگا ۔ علماء کی قربانیاں کسی سے کم نہیں ہیں ۔ انہوں نے پر صعوبت حالات میں دین کا علم حاصل کیا ہے ..... لیکن جو نصاب وہاں پڑھا یا جارہا ہے اب صرف اس سے کام نہیں چلے گا ۔ (۵۸)

پروفیسر خورشید احمد لکھتے ہیں کہ پاکستان میں تعلیم کے شعبہ میں ایک بہت بڑا حصہ دینی تعلیم کے اداروں پر مشتمل ہے ۔ جدید اور عام تعلیمی نظام کے مقابلے میں دینی تعلیم کا نظام بظاہر غیر منظم محسوس ہوتا ہے ۔ چنانچہ یہ سوال فطری طور پر بہت اہم ہے کہ جدید تعلیمی نظام ہی کی طرح دینی مدارس اور دینی تعلیم کے اس نظام کو منظم کرنے اور نئے حالات کے مطابق اس کے ارتقاء کی طرف توجہ دینے کی کیا صورت ہونی چاہئے ؟ بلاشبہ ان اداروں کی اپنی روایات اور ان کا اپنا تاریخی تسلسل ہے لیکن متعدد مسائل ایسے ہیں جن پر غور و خوض کر کے عصری تقاضوں کی روشنی میں ان کا حل تلاش کیا جانا چاہئے ۔ ذیل میں ان ہی نکات کی نشاندہی کی گئی ہے

۱ ۔ دینی مدارس سے فارغ ہونے والے افراد عام طور پر امام مسجد ، دینی مدارس اور اسکول اساتذہ اور اب کچھ عرصہ سے مسلح افواج میں خطیب کی حیثیت سے شمولیت اختیار کر رہے ہیں ۔ کیا معاشرے میں ان کا یہی کردار کافی ہے یا اس سے زیادہ وسیع کرنے کی ضرورت ہے ؟ اس وسعت کی کیا نوعیت ہو اور اس کی مناسبت سے دینی مدارس کے نظام میں کسی تبدیلی کی ضرورت ہے ؟

۲ ۔ درس نظامی کے معیار کو بہتر کیسے بنایا جاسکتا ہے ؟ موجودہ صورت میں کسی بھی انتظام کے تحت دینی مدرسہ کے آغاز پر کوئی پابندی نہیں ، کیا یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہنا چاہئے یا اس میں کچھ ضابطے اور قواعد کی ضرورت ہے ؟ یہ ضابطے اور قواعد کیا ہیں ؟ اور ان کے نفاذ کی ذمہ داری کس ادارے پر ہونی چاہئے ؟

۳ ۔ کیا دینی مدارس سے فارغ التحصیل علماء ، عہد حاضر میں دینی اور عصری قیادت کے تقاضے پورے کرنے کی قرار واقعی اہلیت رکھتے ہیں ؟ اگر نہیں تو اس کے اسباب کیا ہیں ؟ کیا نصاب اور نصابی کتب میں موجودہ دور کے تقاضوں اور ترقی کو پیش نظر رکھ کر کسی تبدیلی کی ضرورت ہے ؟ کن نئے مضامین کی ضرورت ہے اور موجودہ مضامین میں کیا تبدیلی درکار ہے ؟

۴ ۔ نصابی کتب کی از سر نو تحریر کی کس قدر افادیت ہے ؟

۵ - موجودہ دور میں فن تعلیم و تدریس ایک سائنس کی شکل اختیار کر گیا ہے، جس میں محض پڑھنے اور سننے کے بجائے تدریسی معاونات موثر کردار ادا کرتی ہیں نیز طلبہ کی علمی اور فنی استعداد کے جائزے کے لئے زیادہ بہتر طریقے دریافت ہو چکے ہیں - کیا دینی مدارس میں اس علمی و فنی استعداد سے استفادہ نہیں کیا جانا چاہیئے؟ کیا استفادہ کے لئے وقتاً فوقتاً اساتذہ کی فنی تربیت اور ریفریشر کورسز کا انتظام مفید ہوگا؟ اگر یہ انتظام مفید ہے تو اس انتظام کی نوعیت اور تفصیلات کیا ہوں؟

۶ - دینی اداروں میں اختلاف مسالک کی نوعیت، اس کی تاریخ اور اس کے اسباب کی تفصیل کیا ہے؟ کیا ان اختلافات کو کم کرنا یا دور کرنا ممکن ہے؟

۷ - حکومت اور دینی مدارس کے درمیان تعلق کی اس وقت کیا نوعیت ہے؟ نصاب، معیار تعلیم، امتحانی نظام، نظم و نسق، مالیات اور دیگر متعلقہ امور میں تعلق کی تفصیلات کیا ہیں؟ کیا تعلق کی موجودہ نوعیت میں کسی تبدیلی کی ضرورت ہے؟

۸ - ملک میں بیک وقت دو نظام تعلیم (جدید تعلیمی نظام و درس نظامی) رائج رہنا مفید اور مطلوب ہے یا انہیں کسی سطح پر قریب لانے اور انجام کار باہم مربوط کرنے کی ضرورت ہے؟ اب تک اس ضمن میں جو کچھ ہوا ہے اس کا جائزہ اور آئندہ کے لئے تجاویز کیا ہیں؟

۹ - دیگر مسلم ممالک میں دینی تعلیم کا کیا نظام ہے؟ اس کی تفصیلات کیا ہیں؟ پاکستان میں اس نظام سے کیا چیزیں اخذ کی جا سکتی ہیں - مندرجہ بالا امور کے علاوہ بھی دینی تعلیم سے متعلق دیگر مسائل بھی توجہ طلب ہیں -

(۹۹)

اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ دینی تعلیم کے لئے دینی مدارس مخصوص ہیں اور دنیوی تعلیم کے لئے اسکول، کالج اور یونیورسٹی - تو کیا یہ تقسیم بامعنی ہے؟ اور اگر کوئی مسلمان حصول رزق کے لئے ڈاکٹر، انجینئر محقق، وکیل بننا چاہے یا کسی دیگر ٹیکنالوجی میں جانا چاہے، ماہر معاشیات بننا چاہے، سول سروسز یا فوج میں شمولیت اختیار کرنا چاہتا ہے یا اسی طرح کی کوئی اور ملازمت اختیار کرنا چاہتا ہے جہاں کسی یونیورسٹی اور کالج کی ڈگری کی پابندی لازمی ہو تو، ایسی صورت میں ہم کیا سمجھتے ہیں، کہ اس کے لئے اسکول، کالج اور یونیورسٹی کی تعلیم میں شامل نصاب اسلامیات، اس فرد کی اس قدر دینی تعلیمات کی ضرورت پوری کر دیتا ہے، کہ وہ دینی مدارس کی تعلیم سے بے نیاز ہو جائے یہ بھی مسلمہ حقیقت ہے اس وقت دینی مدارس کے مقابلہ میں اسکول و کالج اور یونیورسٹیوں میں زیر تعلیم طلبا کی تعداد زیادہ ہے - اور ان تعلیمی اداروں کا اپنا ایک خاص ماحول ہے - جو بہر کیف اسلامی ماحول نہیں ہے تو ان حالات میں ان زیر تعلیم طلبا کو ان کے حال پر چھوڑ دینا چاہئے یا دوسری

صورت میں دینی مدارس جو اسلامی تعلیمات کے علمبردار ہیں، وہ اس وقت کی زندگی کی ضروریات کما حقہ، پوری کرنے کی صلاحیت کے حامل افراد پیدا کر رہے ہیں کہ وہ اپنے طور پر ان کالج اور یونیورسٹیوں سے فارغ التحصیل افراد سے بالکل بے نیاز ہیں یا ہمیں ایک حد فاصل قائم کرنی چاہیئے کہ اس ایک حصہ میں ایسے مسلمانوں کی ضرورت ہے اور دوسری جانب دوسرے قسم کے مسلمانوں کی ضرورت ہے۔

دینی تعلیم میں علم فرض عین اور فرض کفایہ کی شرط عائد ہوتی ہے۔ تو پھر کیا یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ علم فرض عین کی حد تک تو کالج اور یونیورسٹی کے نصاب میں شامل اسلامی تعلیمات کا حصہ طلباء کی ضرورت پوری کر رہا ہے جبکہ دوسری جانب علم فرض کفایہ کی ذمہ داری دینی مدارس پوری کرتے ہوئے قیادت کر رہے ہیں۔

اور المحاسنہ کے نکات سے یہ بات بھی مترشح ہوتی ہے کہ کہ اب تک قائم یہ متوازی نظام تعلیم اپنے اپنے مخصوص مقاصد تعلیم اور اپنے نظریات رکھتے ہیں اور اپنے نصب العین کے حصول میں کوشاں ہیں، اب یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ یہ وہ نصب العین ہمارے عقیدے، قومی نظریے اور ملی خواہشات سے ہم آہنگ ہیں اور یہ دونوں طرح کے ادارے پاکستانی طلبہ کے قلوب و اذہان میں اسلام اور پاکستان سے گہری اور مکمل وفاداری اور ان میں روحانی اور نظریاتی تشخص کا زندہ احساس اور روح پھونکنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ کہ ملت اسلامیہ پاکستان میں اسلامی عدل و انصاف پر معاشرہ پیدا ہو جائے، کیا یہ دونوں ادارے معیاری تعلیم دے رہے ہیں، تربیت اور بار تربیت کے ذریعے ہر فرد کی صلاحیتوں کی بھرپور نشوونما کر رہے ہیں، طلباء کی تحقیقی اور ایجادی صلاحیتوں کو اس طرح ابھار کر رہے ہیں کہ جس سے ان کی اہلیت کی مثبت تعمیر ہو رہی ہو۔ تاکہ وہ اسلامی اقدار سے ہم آہنگ ہو کر، سماجی، فطری اور پیداواری قوتوں کو موثر طریقے پر منظم کر سکیں۔

مندرجہ ذیل اہم سوالات ابھی تک تشنہ تحقیق ہیں

- کیا شریعت اسلامی کا نصاب، جو دینی مدارس میں پڑھایا جا رہا ہے، اس سے ملک کے اقتصادی و معاشی مسائل حل ہو سکتے ہیں؟
- کیا شریعت اسلامی کا نصب العین مثالی معاشرہ آج کے دینی مدارس بنا سکتے ہیں؟
- کیا علماء دنیاوی مسائل سے الگ رہنے کو ہی دین داری تصور کرتے ہیں؟
- ہمارے علماء عصر حاضر کے مسائل کا جواب کس علم کی بنیاد پر حاصل کرتے ہیں اور کیا یہ علم ان کا جواب فراہم کر سکتا ہے؟
- کیا ان مدارس کے فارغ التحصیل ہونے والوں کو مذاہب کے اصل سرچشموں تک رسائی ہے یا نہیں؟
- تہذیب نفس اور لوگوں کے حقوق کے تحفظ کا کیا یہ طبقہ کوئی لائحہ عمل رکھتا ہے؟

- اجتہاد کے لئے دینی مدارس میں مروجہ نصاب ان کو کتنی آمادگی اور اہلیت دیتا ہے ۔
- شریعت اسلامی کو ایک مستند تمدن کی تخلیق میں اپنا کردار ادا کرنا چاہئیے ، کیا یہ مقصد ان دینی مدارس سے پورا ہو رہا ہے ۔
- دینی مدارس کا نصاب تقابلی فقہ کے نتائج کے بارے میں کتنی تفصیل فراہم کرتا ہے تاکہ تمام مسلمانان عالم کے دل آپس میں جڑ جائیں ۔
- کیا آج کا نصاب تعلیم سائنس ، فلسفہ ، تاریخ اور روح عصر سے آگاہ ہے ۔

انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز کے زیر اہتمام اسلام آباد میں ۲۳ - ۲۴ نومبر ۱۹۸۶ء میں دینی مدارس اور ان سے متعلقہ امور پر پڑھے گئے متعدد مقالوں میں درج ذیل **معاشرتی تقاضے** بھی سامنے لائے گئے ۔

۱ - دینی مدارس کا ترجیحی کردار ، علماء دین ، مفسرین ، محدثین اور فقہا پیدا کرنا ہے ، جو اپنے میدان میں نمایاں مقام رکھنے کے ساتھ ساتھ مکمل دسترس رکھتے ہوں اور زندگی کے ہر شعبہ میں امت کی راہنمائی کر سکتے ہوں ۔
۲ - مساجد کے لئے ایسے خطباء تیار کئے جائیں جو **ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ** کے مطابق سامع کی سطح ذہن کو ملحوظ رکھتے ہوئے دین کی تعلیم و تبلیغ کا فریضہ انجام دے سکیں اور فن خطابت و قرآت پر مکمل عبور رکھتے ہوں ۔
۳ - مدارس سے ایسے مبلغین تیار کئے جائیں ، جو پاکستان سمیت دیگر ممالک میں مسلمان Communities اور نو مسلموں کی دینی تعلیم و تربیت کی ضرورت کو پورا کر سکیں ۔
۴ - جدید تعلیمی اداروں کے لئے اساتذہ تیار ہو سکیں ، عربی اور اسلامیات کے ساتھ تمام علوم کو اسلام کے حوالے سے جدید اسلوب میں پڑھا سکیں جیسے اسلامی تاریخ ، اسلامی معاشیات ، قرآنی عمرانیات ، سیاسیات وغیرہ ۔
۵ - سماجی و رفاہی خدمات کا جذبہ رکھنے کے ساتھ ان اسلوب سے واقفیت اور تقاضوں کو سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہوں ۔
۶ - ابلاغ صحافت پر دسترس رکھتے ہوں ، کیونکہ میڈیا نشر و اشاعت کا سب سے اہم ذریعہ ہے ، اس پر سیکولر عناصر کے غلبہ کے باعث اسلام کو نقصان پہنچ رہا ہے ۔
۷ - اسلامی نظام کے قیام کے لئے تقابلی قوانین پر دسترس کے ساتھ انطباقی قوانین پر دسترس رکھتے ہوں ، تاکہ عوام تک انصاف پہنچانے میں ان کے مددگار ثابت ہوں ، کیونکہ کسی بھی قوم یا ملک کا نظام تعلیم اور نصاب ان کی تہذیب و ثقافت کا آئینہ دار ہوتا ہے ۔ اور ہر قوم اسے اپنی ضروریات کے مدنظر مرتب کرتی ہے ۔

برصغیر میں انگریز کے آنے سے پہلے جو طریقہ تعلیم اور نصاب رائج تھا وہ ہماری اس وقت کی ضروریات کسی حد تک پوری کر رہا تھا کیونکہ انہی مدارس کے فارغ التحصیل حکومت کی سطح سے لیکر زندگی کے ہر شعبہ میں خدمات سرانجام دے رہے تھے ۔ انگریز نے حکومت چلانے کے لئے نصاب کے اندر مذہب کو نظر انداز کیا اور لا

دینی نظام نافذ کر دیا ۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ پاکستان میں ایسا نصاب اختیار کیا جاتا ، جو مذہبی نقطۂ نظر سے کامل ہوتا ، بنیادی معاشرتی تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے سائنس اور ٹیکنالوجی کی بھی ضروریات پوری کرتا ۔ اس طرح دینی مدارس اور جدید نظام تعلیم کے درمیان خلیج قدرے کم ہوتی ۔ لیکن ایسا نہیں ہو سکا ۔ (۹۱)

ہمیں ملت اسلامیہ کے ایک مستقل حیات کے اجزاء و عناصر کو یکجا کر کے گذشتہ تاریخ کے منتشر اور پراگندہ اوراق کو یکجا کرنا ہے زمانہ کے مقتضیات اور مصالح کو سامنے رکھ کر رنگ و روپ میں تشکیل کرنا ہے ۔ آب حیات پیالوں کے بجائے خوبصورت گلاسوں میں پیش کرنا ہے ۔ جس طرح قرآن پاک کے متن کو اعلیٰ نفاست پسند مطابع چھپتے اور مجدد رنگین کاغذ پر اور لطیف جلدوں میں شائع کر رہے ہیں ، لیکن قرآن پاک کے متن کے لحاظ سے وہی پرانا قرآن ہے ۔ صرف اس کی آب و تاب موجودہ زمانے کے مطابق کر دی گئی ہے ۔ اسی طرح اگر ہم اپنے پرانے تمدن میں تجدید کر لیں تو ہم انفرادیت کے ساتھ زمانے کا ساتھ بھی دے سکتے ہیں بشرطیکہ یہ تجدید حدود مباح کے اندر ہو (۹۲)

ہمیں مختلف ملکوں کی زبانوں کا علم ہونا چاہیے لیکن اگر یہ تصور کر لیا جائے کہ صرف انگریزی دانی میں ہی کمال واصل فضیلت ہے تو یہ جہالت ہوگی ۔ دنیا کی ہر زبان ضرورت کے لحاظ سے برابر ہے ۔ تجارت اور سیاست اور دوسرے بین الملکی ضرورتوں کے لحاظ سے انگریزی ، جرمن ، فرنچ اور ہر زبان کے جاننے والوں کو ملک میں موجود ہونا چاہیے ۔ اس لئے کہ ان تمام غیر ملکی زبانوں کی یکساں حیثیت ہے ۔ لیکن اپنی دفتری ، سرکاری ، تعلیمی اور ملکی زبان وہی ہونی چاہیے جو ہمارے ملک کی عام زبان ہے ۔ دنیا کی کسی قوم نے کسی غیر ملکی زبان کے حصول سے ملک کے علم و فن اور تہذیب و تمدن میں ترقی نہیں کی ہے ۔

تو علم ہر جگہ سے اور ہر زبان سے اخذ کرنا چاہیے ۔ "الحکمۃ ضالۃ المومن فحیث و جدھا فہواحق بہ" حکمت و دانائی ایک مومن کا گمشدہ مال ہے ، وہ جہاں اس کو پالے اس کا مستحق ہے لیکن یہ تمام علوم و فنون دین و ملت کے خادم بن کر سیکھے سکھائے جائیں تاکہ ان کو دین سے نصرت ہو ۔

اسلام کو عملی زندگی میں نافذ اور جاری کرنا ہمارا فرض ہے اور یہ صحیح تعلیم اور نیک صحبت ہی سے حاصل ہو سکتا ہے ۔ (۹۳) اور یہ صحبت علماء دین کو ان اداروں میں اساتذہ مقرر کر کے ہی حاصل کی جا سکتی ہے ۔ آکسفورڈ ، جامعہ ازہر ، مدینہ یونیورسٹی ، علی گڑھ یونیورسٹی ، حیدر آباد دکن کی عثمانیہ یونیورسٹی لکھنؤ اور لدھیانہ یونیورسٹی میں درس نظامی کی سند کو ایم ۔ اے ۔ کے برابر تسلیم کیا گیا ہے ، ان یونیورسٹیوں سے درس نظامی کے علماء نے بغیر کسی کالج اور یونیورسٹی سے انگریزی کی ڈگری حاصل کئے پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کیں ۔

پاکستان میں پشاور یونیورسٹی میں اب تک پروفیسر / ریڈر بعد کے درس نظامی والے علماء لگے ہوئے ہیں اور اپنی پیشہ ورانہ ذمہ داریوں سے دوسرے ایم ۔ اے اور پی ایچ ڈی حضرات سے زیادہ بہتر طریق پر عہدہ برآ ہو رہے ہیں ۔ بلکہ پشاور یونیورسٹی نے علماء درس نظامی کی علمی پوزیشن کے اعتراف کے ضمن میں ۲۰ ستمبر ۱۹۶۸ء کو درس نظامی کی ایک مایہ ناز شخصیت ، علامہ شمس الحق افغانی کو ڈاکٹر آف لاز کی اعزازی ڈگری پیش کی ۔ اسی

یونیورسٹی نے اسے ۔۔۔ تحریر ہے۔ کو مولانا عبدالحق، مہتمم جامعہ حقانیہ، اکوڑہ خٹک، کو ڈاکٹر آف لاء کی اعزازی ڈگری دی۔ اس اقدام پر جنرل ضیاء الحق کے دور میں قائد اعظم کے اس خواب کی حقیقی تعبیر اس حکومت نے فراہم کی، جو مقام وہ پاکستان میں علماء کو دینا چاہتے تھے۔ پاکستان بننے سے قبل اور بعد میں پنجاب یونیورسٹی کے اورینٹل کالج ۔۔۔ میں مولانا محمد رسول خان، فاضل دیوبند، مولانا سید مبارک شاہ فاضل دیوبند، مولانا نور الدین فاضل دیوبند، مولانا عبداللہ ٹونکی، فاضل دیوبند، مولانا فیض الرحمن، فاضل دیوبند، مولانا اصغر علی روحی، فاضل درس نظامی اور مولانا نور الحسن خان فاضل دیوبند کے علاوہ بے شمار علماء پنجاب کے کالجز اور جامعہ پنجاب میں اساتذہ رہے۔ تکریم ان کی ایم۔اے۔ سے زیادہ اور سہولتیں ان کو ایم۔اے۔ کے برابر فراہم کی جاتی تھیں۔ کراچی یونیورسٹی میں مولانا منتخب الحق اور دیگر علماء کا تقرر بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے پاکستان بننے کے بعد ان علماء کو ان اداروں سے دور کر دیا گیا۔(۱۵)

نصابی تبدیلیوں کے سلسلے میں متعدد تجاویز پیش کی گئیں، جن میں مولانا شبلی نعمانی اور مولانا تقی عثمانی کی تجاویز گہرے تجزیے کی حامل ہیں۔ پہلے مولانا شبلی نعمانی کی تجاویز پیش کی جاتی ہیں۔

مولانا شبلی نعمانی کی تجویز

نصاب تعلیم کے متعلق دو حیثیت سے بحث کی جا سکتی ہے۔ اول طرز تعلیم کے لحاظ سے، دوم کتب درسیہ کی تعیین کے لحاظ سے۔ میرے نزدیک طریقہ مروجہ کی نسبت جو نکتہ چینیاں کی جاتی ہیں۔ وہ دوسری حیثیت پر محدود نہیں ہیں بلکہ پہلی حیثیت کو بھی اس میں بہت کچھ دخل ہے۔ ممکن ہے کہ یہی کتابیں درس میں داخل رہیں لیکن طرز تعلیم بدل دیا جائے، جس سے بہت سی خرابیوں کی خود اصلاح ہو جائے۔ طرز تعلیم میں ایک بڑا نقص یہ ہے کہ اصل فن کے بجائے کتاب کے ساتھ زیادہ اعتنا کی جاتی ہے۔ یعنی اصل مسئلہ کی تحقیق کے بجائے زیادہ وقت اس امر میں صرف کیا جاتا ہے کہ وہ مسئلہ کس عبارت میں بیان کیا گیا ہے اور اس عبارت سے کیا کیا احتمالات پیدا ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ ان مباحث میں اعتراضات اور جوابات کا ایک سلسلہ قائم ہو جاتا ہے، جن کی بنیاد کسی خاص کتاب کی عبارت و الفاظ پر ہوتی ہے یعنی وہی مسئلہ اگر دوسرے لفظوں میں بیان کر دیا جائے تو وہ مسئلہ خود بخود منقطع ہو جائے۔ ان مباحث میں پڑ کر طالب علم کو اصل فن سے بعد ہو جاتا ہے۔ تحقیق مسائل کے بجائے لفظی اعتراضات، احتمال آفرینی اور توجیہات کی عادت ہو جاتی ہے۔

آج کل یہ شکایت عام ہے کہ موجودہ طریقہ تعلیم سے فن میں کمال نہیں حاصل ہو سکتا ہے۔ اس کی وجہ زیادہ تر یہی ہے کہ فن کی تعلیم ہی نہیں ہوتی، تو اس میں کمال کیوں کر پیدا ہو۔ اصل کتابوں کی تعلیم ہوتی ہے اس لئے کتاب میں کمال پیدا ہوتا ہے۔ عموماً سننے میں آتا ہے کہ فلاں عالم "میر زاہد" ایسا پڑھاتے ہیں کہ کوئی اور نہیں پڑھا سکتا۔ "قاضی مبارک" کے نکات کا حل کرنا فلاں صاحب کا حصہ ہے۔ فلاں طالب علم نے "حمد اللہ" بڑی تحقیق سے پڑھی ہے۔ کسی مستعد طالب علم کا اگر "مطول" یا "حمد اللہ" میں امتحان لیا جائے تو

درس یہ تھا کہ وہ کتابی خصوصیتوں کا چنداں لحاظ نہیں کرتے تھے، بلکہ کتاب کو ایک ذریعہ قرار دے کر اصل فن کی تعلیم دیتے تھے۔

نصاب تعلیم کے متعلق شبلی نعمانی کے خیالات درج ذیل ہیں۔

۱۔ تعلیم میں دو چیزوں کا لحاظ ضروری ہے: (الف) تحصیل فن (ب) امعان نظر اور قوت مطالعہ۔ نصاب موجودہ میں دوسرے امر کا زیادہ خیال رکھا گیا ہے لیکن پہلے مقصد کی طرف کم توجہ دی گئی ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ طلبہ میں (بشرطیکہ تحقیق کے ساتھ پڑھا ہو) قوت مطالعہ، دقت نظر اور احتمال آفرینی یہ تمام صفتیں ضرور پیدا ہو جاتی ہیں۔ لیکن کسی فن میں کمال نہیں ہوتا۔ جس قدر کتابیں درس میں ہیں، اسی قسم کی ہیں، جن سے دقت نظر اور تشحیذ ذہن پیدا ہوتی ہے لیکن ایسی کتابیں بہت کم ہیں۔ جن میں مسائل فن کا کافی استیعاب ہو۔ نحو میں بڑی سے بڑی کتاب، شرح ملا ہے۔ اس میں نحو کا ایک مسئلہ بھی کافیہ سے زیادہ نہیں۔ منطق میں اس کتابیں ہیں لیکن سب کی سب دوسرے مقصد کے لئے مفید ہیں۔ مسائل منطق کا استیعاب ایک میں بھی نہیں۔ شرح مطالع مثلاً امام رازی جو منطق کے فتاوے ہیں بالکل متروک اور درس سے خارج ہیں۔

۲۔ منطق کی کتابیں جو درس میں داخل ہیں ان میں خلط مبحث بہت ہے۔ ملا حسن، حمد اللہ، قاضی مبارک ہیں تو منطق میں لیکن ان میں منطق کے جس قدر مسائل ہیں اس سے کہیں زیادہ امور عامہ اور فلسفہ کے مسائل ہیں جیسے بسیط اور جسم مرکب، علم باری، کلی طبعی کا وجود فی الخارج وغیرہ ایسے اہم اور معرکۃ الآرا مسائل ہیں کہ ان میں مصروف ہو کر طالب علم کو منطق کے خاص مسائل کی طرف بہت کم توجہ ہو سکتی ہے۔ بے شبہ مسائل بالا بڑے معرکہ کے مسائل ہیں اور ضرور ان کی تعلیم ہونی چاہیئے۔ لیکن وہ فلسفہ سے متعلق ہیں اور فلسفہ میں خود سیکڑوں کتابیں موجود ہیں۔ ان مسائل کو مستقل و بالذات سیکھنا چاہیئے اور انہی کتابوں کے ذریعہ سے سیکھنا چاہیئے جن میں وہ بالا ستقلال مذکور ہیں۔ قدماء کے زمانہ میں کبھی کوئی ایسی کتاب درس میں نہیں رکھی گئی، جس میں مختلف فنون کے مسائل مخلوط ہوں۔

۳۔ موجودہ نصاب میں ادب و عربیت کا حصہ بہت کم ہے۔ منطق کی بیسیوں کتابیں درس میں ہیں اور ان میں ایک بھی اگر پڑھنے سے رہ جائے تو کہا جاتا ہے کہ تحصیل کی تکمیل نہیں کی ہے۔ لیکن اگر ایک طالب علم ادب سرے سے نہ پڑھا ہو، عربی زبان میں دو سطریں نہ لکھ سکتا ہو، قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت بھی نہ ثابت کر سکتا ہو، تو عام لوگوں کے نزدیک، طلبہ کے نزدیک، اساتذہ کے نزدیک، اس کے چہرہ کمال پر کوئی داغ

نہیں۔ حالانکہ یہ امر یقینی ہے کہ ادب و عربیت کے بغیر تفسیر و حدیث کسی میں کمال نہیں پیدا ہو سکتا۔ اس بنا پر ادب سے بے اعتنائی در حقیقت علوم دینیہ سے بے اعتنائی ہے۔

۳۔ موجودہ نصاب میں قرآن مجید کے ساتھ بہت کم اعتنا کی گئی ہے۔ تفسیر اور علقات تفسیر کی بہت کم کتابیں رکھی گئی ہیں۔ کل دو کتابیں درس میں داخل ہیں، بیضاوی اور جلالین، بیضاوی کے صرف ڈھائی پارے، جبکہ جلالین پوری پڑھائی جاتی ہے لیکن اس کے اختصار کا یہ حال ہے کہ اس کے الفاظ اور حروف، قرآن مجید کے الفاظ اور حروف کے برابر ہیں۔ قرآن مجید کے ساتھ بہت زیادہ اعتنا درکار ہے اور اس کا یہ طریقہ ہے۔

اولاً تو کوئی کتاب ایسی درس میں رکھنی چاہیے جس سے قرآن مجید کے انداز بیان اور اس کے اقسام مضامین میں سے ایک اجمالی اطلاع دسترس ہو۔ مثلاً یہ کہ قرآن مجید کا اسلوب بیان جس کی وجہ سے وہ شعرائے عرب کے کلام سے بالکل الگ معلوم ہوتا ہے۔ کیا ہے؟ اس کے اساسی مضامین کیا کیا ہیں؟ کن مضامین کو بار بار فرمایا ہے۔ اور وہ شمار کیے ہے۔ اخلاق، فقہ، عقائد، سیر انبیاء، جو قرآن مجید کے مضامین کے ارکان اربعہ ہیں۔ ان کے متعلق جو کچھ قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے اس کا ماخذ اور اس کی واقفیت، صحت اور خوبی کے دلائل۔ ثانیاً قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت پر نہایت توجہ ہونی چاہیے۔ یہ امر عموماً مسلم ہے کہ اسلام کا وہ معجزہ جو دائمی اور ابدی ہے۔ قرآن مجید ہے۔ یہ بھی مسلم ہے کہ قرآن مجید کا اعجاز فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے ہے۔ لیکن کیا کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ موجودہ نصاب کے تعلیم یافتہ اس اعجاز کو بدلائل ثابت کر سکتے ہیں ان صاحب کے سامنے اگر عرب جاہلیت کا کوئی عمدہ شعر اور قرآن مجید کی کوئی آیت پیش کی جائے تو کیا وہ دونوں کا موازنہ کر کے آیت قرآن کی فصاحت و بلاغت کے وجوہ ترجیح بتا سکتے ہیں۔

قرآن مجید کے اعجاز کے ثابت کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ پہلے فصاحت و بلاغت کا کوئی ایسا اعلیٰ معیار قرار دیا جائے، جس کی نسبت یہ دعویٰ کیا جاسکے کہ وہ طاقت بشری کی حد سے باہر ہے، پھر امثلہ اور استدلال کے ساتھ ثابت کیا جائے کہ قرآن مجید بالکل اس معیار کے مطابق ہے۔ مثلاً فصاحت کی یہ تعریف کی گئی ہے کہ لفظ شیریں ہو، خفیف ہو، صاف و سادہ ہو، مبتذل اور عامیانہ، سبک اور کم وزن نہ ہو، بعض الفاظ ایسے بھی ہیں جو ایک موقع پر خوش نما اور فصیح معلوم ہوتے ہیں۔ دوسرے موقع پر نہیں، مثلاً فواد اور قلب کے الفاظ۔ ایک موقع پر فواد کا لفظ اپنے سابق و لاحق الفاظ کے لحاظ سے مناسب معلوم ہوتا ہے یعنی سابق و لاحق الفاظ کی نشست اور ترتیب ایسی ہے کہ وہاں فواد ہی کا لفظ استعمال کیا جائے تو وہ تناسب اور حسن صورت جو فصاحت کا سبب ہے قائم رہتا ہے، ورنہ نہیں رہتا، کبھی ایسا موقع ہوتا ہے کہ ترتیب اور تناسب صورت کے لحاظ سے یہی فواد کا لفظ مخل فصاحت ہو جاتا ہے اور وہاں قلب کا لفظ خوش نما اور فصیح معلوم ہوتا ہے۔ علامہ ابن الاثیر نے اس نازک اور دقیق فرق کے لئے قرآن مجید کی یہ آیتیں پیش کیں (۱) **ماکذب الفؤاد مارای**۔ (ب) **لمن کان له قلب او القی السمع وھو شھید**۔ پہلی آیت میں فواد کے بجائے قلب کا لفظ ہوتا تو فصاحت میں فرق آجاتا

برخلاف اس کے دوسرے لفظ میں واو کا تلفظ ہو تو صاف صورت میں فرق آجائے۔

اب اگر یہ دعویٰ کیا جائے کہ کسی کلام میں جو معتدبہ معیار رکھتا ہو ۔ فصاحت کا ایسا التزام کہ ہر لفظ فصیح ہو ۔ نہ صرف فصیح بلکہ فصیح تر ہو ، انسان کی قدرت سے باہر ہے ۔ امرء القیس ، فردوسی ، سعدی ، جن کو تمام شعراء میں افصح اور اشعر مانا جاتا ہے ، ان کے کلام میں ہزاروں الفاظ موجود ہیں ، جو فصاحت کے اعلیٰ رتبہ بلکہ معمولی رتبہ سے گرے ہوئے ہیں ۔ اس معیار کے قرار دینے کے بعد ثابت کرنا چاہئے کہ قرآن بالکل اس معیار کے مطابق ہے یعنی اس میں جس قدر الفاظ ہیں عموماً اپنے تمام مترادف الفاظ سے فصیح تر اور خوش نما تر ہیں ، یہاں تک کہ اگر ایک چیز کے لئے زبان عرب میں جس قدر الفاظ تھے ، سب غیر فصیح تھے تو قرآن مجید میں سرے سے وہ الفاظ مستعمل نہیں کئے گئے بلکہ اس چیز کو دوسرے طور سے تعبیر کیا گیا مثلاً اینٹ کے لئے عربی میں تین لفظ ہیں ، قرمد ، آجر ، طوب ، اور یہ تینوں غیر فصیح ہیں ، اس لئے قرآن مجید میں اس کو بیان کرنا پڑا تو یوں تعبیر کیا کہ " فاوقدلی یا ہامان علی الطین " بے شبہ اس معیار کے مطابق قرآن مجید کی فصاحت کا ثبوت ہو سکتا ہے لیکن موجودہ نصاب تعلیم میں کوئی کتاب ایسی داخل نہیں ، جس میں قرآن مجید کی فصاحت سے اس طرح بحث کی گئی ہو اور ایسے الفاظ کا ایک معتدبہ ذخیرہ نمونہ کے طور پر پیش کیا گیا ہو ۔ یہ نہیں خیال کرنا چاہئے کہ اس قسم کی کتابیں تصنیف ہی نہیں ہوئیں ۔ ایسی متعدد کتابیں ہیں لیکن ایسی وہ درس کے دربار میں بار نہیں پا سکیں۔

فصاحت کے بعد بلاغت کا مرتبہ ہے ، ہمارے مدارس کے نیم تعلیم یافتہ (والاکثر حکم الکل) بالکل اس قابل نہیں کہ اس مرحلہ میں قدم رکھ سکیں ۔ بے شبہ قرآن مجید بلاغت کے اعتبار سے معجزہ ہے لیکن اگر صرف اس امر کو صرف تقلیدی طور پر جانتے اور تسلیم کرتے ہیں تو ان میں اور ایک عامی مسلمان میں کیا فرق ہے۔

اس موقع پر بصورت اختصار کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید کا من حیث البلاغت معجزہ ہونا کس طرح سے ثابت کیا جا سکتا ہے ۔ عرب میں جن شعراء کو اپنے ہمعصروں میں اشعر الشعراء ثابت کرنا چاہتے ہیں ۔ اس طرح ثابت کرتے ہیں کہ شعر کے چار عموماً چار ارکان ہیں ، فخر ، مدح ، نسیب ، ذم ، اور ان چاروں مضامین کو جس کمال کے ساتھ اس شاعر نے ادا کیا ہے ، اس کے ہمعصروں میں سے کسی نے نہیں کیا۔

قرآن مجید کی شان بہت ارفع و اعلیٰ ہے اور قرآن مجید کی نسبت ہمارا دعویٰ بہت وسیع ہے ۔ ہم اس بات کے مدعی نہیں ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں جس قدر شعراء اور خطیب تھے وہ قرآن مجید کے معارضہ سے عاجز رہے بلکہ ہمارا دعویٰ ہے کہ جاہلیت میں ، اسلام میں ، عربی میں ، فارسی میں ، یورپ میں ، ایشیاء میں ، کبھی کوئی کلام قرآن مجید کے مثل نہیں لکھا گیا ۔ اور نہ آئندہ لکھا جا سکتا ہے ۔ یہ دعویٰ حقیقت میں وجدانی ہے ۔ جس شخص کو ادب اور عربیت میں پوری مہارت ہو اور مذاق بھی صحیح ہو ، خود اس کا وجدان اس دعوے کی شہادت دے گا لیکن وجدان ایک ایسی چیز ہے جو مخالف پر حجت نہیں ہو سکتی ، اس لئے اس دعوی کے

اثبات کا یہ طریقہ ہے کہ اخلاق و موعظت، ترغیب و تہدید، لطف و قہر وغیرہ وغیرہ اس قسم کے بہت سے عنوان منتخب کئے جائیں اور ان کے متعلق انسانی کلام میں اعلیٰ سے اعلیٰ اور بلند سے بلند جو اشعار یا تحریریں موجود ہیں انتخاب کی جائیں، پھر انہی مضامین کے متعلق قرآن مجید میں جو آیتیں ہیں، ان سے موازنہ کرکے دکھایا جائے کہ وہ تمام اشعار اور تحریریں قرآن مجید کی بلاغت سے کچھ نسبت نہیں رکھتیں۔ اسی طرح بلاغت کے جو بڑے بڑے ارکان ہیں یعنی وہ اسالیب اور کلی وجوہ کی بلاغت سے کچھ نسبت نہیں رکھتے مثلاً ایجاز و اطناب، فصل و وصل، تشبیہ و استعارہ وغیرہ وغیرہ، ان کے متعلق عرب و عجم کے کلام سے وہ مثالیں انتخاب کی جائیں جو نہایت مؤثر خیال کی جاتی ہیں اور انہی اسالیب پر قرآن مجید میں جو آیتیں ہیں ان سے موازنہ کیا جائے۔

قرآن مجید کی بلاغت کے ثبوت کے یہ طریقے ہیں اور جب تک قرآن مجید کے وجوہ اعجاز پر توجہ نہ کی جائے قرآن مجید کے ساتھ اعتناء کرنے کا دعویٰ صحیح نہیں ہو سکتا۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا موجودہ نصاب میں ایسی کوئی کتاب داخل ہے، جس سے قرآن مجید کے وجوہ اعجاز معلوم ہو سکیں؟ کیا بیضاوی و جلالین اس مطلب کے لئے کافی ہیں؟ بجز منطق اور فلسفہ جس سے اسلام کو بہت کم تعلق ہے۔ اس کے لئے تو صغریٰ، کبریٰ، ایساغوجی، قال اقول، میزان منطق، تہذیب، شرح تہذیب، قطبی، میر قطبی، میبذی، ملا حسن، ملا جلال، میر زاہد، غلام یحییٰ، حمد اللہ، قاضی مبارک، صدرا، شمس بازغہ، شرح تجرید، یہ تمام دفتر لازمی اور ضروری قرار دیا جاتا ہے اور قرآن مجید کے لئے جو اصل اسلام ہے، جلالین اور بیضاوی کے ڈھائی پارے کافی سمجھے جاتے ہیں۔

۵۔ طریقہ تعلیم میں نقص یہ ہے کہ قدیم علم کلام جو فلسفہ یونانی کے مقابلہ میں ایجاد اور مدون ہوا تھا، آج تک بغیر کسی اضافہ اور ترمیم کے درس میں داخل ہے۔ حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ جو اعتراضات نئی تحقیقات سے پیدا ہوتے ہیں ان کے لئے وہ علم کلام کیونکر کافی ہو سکتا ہے جو اس وقت ایجاد ہوا تھا۔ مثلاً خرق و التیام سے ان کا انکار تھا، مسلمانوں کو نزول ملائکہ اور معراج کے لئے خرق و التیام کے امکان کے ثبوت کی ضرورت تھی، چنانچہ علم کلام میں یہ امکان ثابت کر دیا گیا۔ لیکن آج یورپ والوں کو سرے سے آسمان کے وجود سے انکار ہے۔ اس لئے اب ہم کو آسمان کا وجود ثابت کرنا ضروری ہے، کیونکہ قرآن مجید میں سینکڑوں جگہ آسمان کا ذکر ہے۔ آسمان کے ثبوت کے لئے قدیم علم کلام کس کام آ سکتا ہے۔

۶۔ ایک نقص نصاب تعلیم میں یہ بھی ہے کہ وہ ایک خاص مسئلہ پر محدود ہے۔ قدیم زمانہ میں بہت سے لوگ صرف ایک یا دو فن کی تحصیل کرتے تھے اور تحصیل کا تمام زمانہ اس خاص فن میں صرف کر دیتے تھے۔ فراء، کسائی، سیبویہ، ثعلب، امام بخاری، مسلم، طحاوی، جوہری اور بہت سے اہل کمال اسی طرز کے تعلیم یافتہ ہیں، درحقیقت یہ طرز ایک خاص فن میں کمال پیدا کرنے کے لئے نہایت مفید تھا۔ آج یہ طریقہ بالکل متروک ہے اور اہل کمال کے نہ پیدا ہونے کا یہ بھی ایک بڑا سبب ہے۔ چنانچہ شبلی نعمانی بااصرار کہتے ہیں کہ موجودہ نصاب تعلیم ناقص ہے اور اس میں ضرور اصلاح اور اضافہ ہونا چاہیئے (۹۹)

مولانا اشرف علی تھانوی کی تجاویز

مولانا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں کہ قرآن کے معنیٰ جاننے کی رغبت جس قدر کم پائی جاتی ہے، قریب قریب نہ ہونے کے برابر ہے۔ سخت افسوس کی بات ہے کہ جو اصل مدار ہے اسلام کا جو منبع ہے تمام دینی علوم کا اور اساس ہے فلاح دارین کا لیکن امت کو اس کی اہمیت کا اندازہ نہیں۔ ہمارے اس قدر کی کوئی انتہا بھی ہے؟ شاید بعض طالب علم ناز کرتے ہوں کہ ہمیں تو شوق تھا اس لئے ہم نے تفسیر پڑھی۔ اگر انصاف سے غور کریں تو اس کا نام رغبت رکھنے سے خود ان کو ضرور شرم آئے گی۔ غور کر کے بتائیں کہ تفسیر درس میں داخل نہ ہوتی تو کیا اس وقت بھی پڑھتے جو کتاب درس میں داخل ہے اس سے زیادہ بھی کوئی پڑھتا ہے۔ آخر سال میں جلالین کے پانچ پارے رہ جائیں تو کیا آٹھ دس سال بھر کسی موقع پر اس کو پڑھتے ہیں۔ یا اگر پوری جلالین ختم کر بھی لی تو کیا تمام ضروری مضامین پر عبور حاصل ہو گیا؟ کیا مدارک یا ابو السعود، یا پوری بیضاوی میں کوئی مضمون جلالین سے زائد نہیں۔ پھر اس سے کوئی پڑھتا ہے۔ میں سچ کہتا ہوں اگر جلالین بھی درس میں نہ ہوتی تو اس کو کوئی بھی نہیں پڑھتا۔ اور جلالین بھی پڑھی تو کیا پڑھی اس کو ختم کر کے اتنی استعداد بھی نہ ہوئی کہ بغیر جلالین کے خالی غیر مترجم قرآن دے دیا جائے کہ ایک رکوع کا ترجمہ اور ضروری حل کرو تو ہرگز نہ کر سکیں گے لہٰذا اہل مدارس طرز تعلیم میں کچھ ترمیم کریں۔ جیسے بعض متون بغیر شرح کے پڑھائی جاتی ہیں۔ اسی طرح جلالین سے قبل قرآن مجید بھی بغیر کسی خاص تفسیر کے زبانی حل کے ساتھ پڑھایا جایا کرے یا تو پورا قرآن پہلے پڑھا دیا جائے یا ایسا کریں کہ مثلاً ربع پارہ اول خالی قرآن مجید میں پڑھا دیا پھر اسی قدر جلالین پڑھا دی اور مدرس اپنی سہولت کے لئے خواہ جلالین اپنے پاس رکھیں یا اور کوئی بسوط تفسیر۔ تو طلباء کو پڑھنے میں اس طرح یاد کرنے اور مطالعہ کر کے حل کرنے کی عادت پڑ جائے گی۔

قرآن شریف کا طرز عام مصنفین کے طرز پر نہیں ہے بلکہ محاورہ بول چال کا طرز ہے نہ اس میں اصطلاحی الفاظ کی پابندی ہے۔ نا واقف لوگ اس کو عام تصانیف کے طریقہ پر منطبق کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس مضمون کو صاحب کشاف نے بھی لکھا ہے، کہ ضروری صرف و نحو اور کسی قدر ادب پڑھ کر قرآن شریف کا سادہ پڑھا دینا مناسب ہے کیونکہ کتب درسیہ کی تحصیل کے بعد دماغ میں اصطلاحات رہ جاتی ہیں۔ پھر طالب علم قرآن شریف کو اسی طرز پر منطبق کرنے لگتا ہے۔ اسی طرح پہلے قرآن شریف کا ترجمہ پڑھ کر پھر فنون ضرور پڑھے کیونکہ بعض مقامات قرآنیہ بغیر فنون کے حل نہیں ہوتے۔ چونکہ جلالین میں جمیع تفسیر کے فنون مذکور نہیں۔ اس لئے کم از کم اتقان کو ضرور داخل درس کیا جائے۔ میری رائے یہ ہے کہ طلبہ کو بھی قوانین سے آگاہ کیا جانا چاہئے۔ اس مقصد کیلئے ایک مختصر رسالہ مرتب کر کے مدارس اسلامیہ کے درس میں داخل ہونا چاہئے۔ اسی طرح امام غزالی کی کوئی کتاب نصاب میں داخل ہو جائے تو بہتر ہے بہت سے اہل علم کو

بھی اپنے اطلاق کا شعور نہیں ۔ جو حدیث پڑھ چکا ہو اس سے پوچھئے کہ کمبرو قلب کی کیا تعریف ہے اور دونوں میں کیا فرق ہے؟ نہیں بتا سکے گا۔

اہل مدارس اس کا اہتمام رکھیں کہ جو طالب علم ان کے مدارس میں داخل ہونا چاہے امتحان داخلہ کا ایک جزو صحت قرآن کو بھی قرار دیں اور بغیر تجربہ صحت کے یا بعض حالات میں کم از کم تصحیح کا وعدہ تو ضرور لے لیا جائے ۔ اس کے بغیر داخل نہ کریں اور وعدہ کی صورت میں جتنے سبقوں کا وہ مستحق ہے ان میں سے ایک سبق کی جگہ اس تصحیح کو رکھیں اور اس مرحلہ کو طے کرنے کے بعد پورے سبقوں کی اجازت دیں ۔ نیز جن مدارس میں گنجائش ہے ان کو تجوید کا ایک مدرس رکھنا بھی ضروری ہے اس طریقہ سے یہ فن عام ہو سکتا ہے ۔ اسی طرح مشائخ کو چاہیئے کہ اپنے مریدوں کو خصوصی خلفاء کو قرآن پڑھنے پر مجبور کریں ۔ اس وقت جو لوگ قرآن شریف پڑھنے کی طرف توجہ کرتے ہیں وہ بھی اس کی تصحیح کی طرف توجہ نہیں کرتے بلکہ اکثر علماء کو بھی دیکھا گیا ہے کہ خیال نہیں کرتے حالانکہ اس پر توجہ نہ کرنے سے بڑی غلطیاں ہو جاتی ہیں مگر خدا کا شکر ہے کہ اب کچھ عرصہ سے علماء نے اس پر توجہ کی ہے قراء مدارس میں رکھتے ہیں لیکن ضرورت اس کی ہے کہ سب لوگ متوجہ ہوں ۔ (۹۸)

مولانا تقی عثمانی کی تجاویز

مولانا تقی عثمانی لکھتے ہیں کہ مدارس کے نصاب و نظام کا جائزہ لیتے وقت ہمارے خیال میں سب سے اہم ضرورت یہ ہے کہ ان کی روح کے احیاء کی فکر کی جائے ۔ اس روح کے احیاء کا تعلق اصل میں تو اہل مدارس کی قلبی لگن سے ہے لیکن اس مسئلے میں چند عملی تجاویز درج ذیل ہیں ۔

۱۔ تمام مدارس میں تصوف و احسان کو باضابطہ نصاب کا جزو بنایا جائے ۔

۲۔ اساتذہ اور طلبہ پر لازم کیا جائے کہ وہ ہفتے میں کم از کم ایک مرتبہ جمع ہو کر بزرگان دین کے حالات و ملفوظات کا اجتماعی طور پر مطالعہ کریں ۔ اس میں مولانا تھانوی قدس سرہ کی ارواح ثلاثہ ، تذکرۃ الرشید ، حیات قاسمی ، تذکرۃ الخلیل ، حیات شیخ الہند ، اشرف السوانح وغیرہ کا اجتماعی مطالعہ مفید ہوگا ۔ ہر مدرسہ کے اساتذہ اور منتظمین کے لئے کسی شیخ طریقت سے باقاعدہ اصلاح و تربیت کا تعلق قائم کرنا ضروری سمجھا جائے ، نیز اساتذہ کے تقرر اور ترقی وغیرہ میں بھی اس پہلو کو بطور خاص نظر میں رکھا جائے ۔

۳۔ جس مدرسے کے قریب کوئی صاحب ارشاد بزرگ موجود ہوں ، وہاں کے اساتذہ اور طلبہ ان کی صحبت و خدمت کو غنیمت کبریٰ سمجھ کر اختیار کریں ، اور کبھی کبھی مدرسے میں ان کے اجتماعی وعظ و نصیحت کا اہتمام کیا جائے ۔ اس قسم کے اقدامات سے مدارس کی فضا بہتر ہوگی اور ہم اپنے جس مرکز سے رفتہ رفتہ ہٹتے جا رہے ہیں اس طرف لوٹنے میں مدد ملے گی ۔

دوسرا مسئلہ نصاب تعلیم کا ہے۔ دینی مدارس میں اس وقت جو نصاب رائج ہے وہ بنیادی طور پر درس نظامی کا نصاب ہے۔ یہ نصاب اپنے دور کی علمی ضروریات کو مد نظر رکھ کر ترتیب دیا گیا تھا، اور اس میں ہر علم و فن کے لئے ایسی کتابیں تجویز کی گئی تھیں جو علم و فن میں مستحکم اور ٹھوس استعداد پیدا کریں۔ اور اس مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہمارے نزدیک اس بنیادی ڈھانچے میں بہت زیادہ انقلابی تبدیلیوں کی اب بھی ضرورت نہیں البتہ قوئی کے انحطاط اور وقت کی علمی و دینی ضروریات کے پیش نظر مختلف حیثیتوں سے نظر ثانی کی ضرورت ہے۔ اس وقت ہمارے نظام تعلیم میں جو خلا محسوس ہوتا ہے، یا اس میں جو نقائص پیدا ہوگئے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

ا۔ دینی مدارس کو عربی زبان سے جو خصوصی تعلق ہے، وہ محتاج بیان نہیں، عربی زبان تمام دینی علوم کے لئے بنیادی زینے کی حیثیت رکھتی ہے۔ لیکن ہمارے مدارس میں عربیت کا ذوق، اور عربی تحریر و تقریر کا ملکہ افسوس ناک حد تک نایاب ہے۔ اچھی استعداد رکھنے والے طلبہ زیادہ سے زیادہ عربی کتابیں سمجھنے کی صلاحیت تو پیدا کر لیتے ہیں۔ لیکن عربی تحریر و تقریر کی مشق سے۔ الا ماشاء اللہ۔ بالکل عاری ہوتے ہیں۔ اکثر متوسط درجے کے طلباء کی بھی عبارت خوانی تک درست نہیں ہوتی اور عربی میں مضمون نگاری تصنیف و تالیف یا تقریر و خطابت تو اچھے اچھے صاحب استعداد طلبہ کے لئے بھی کبریت احمر کا درجہ رکھتی ہے۔

اا۔ اس میں شک نہیں کہ دینی مدارس میں عربی پڑھانے کا اصل مقصد کتاب و سنت اور ان کے علوم کے اصل ماخذ تک رسائی ہے۔ محض کے لئے تحریر و تقریر کا ملکہ ناگزیر نہیں لیکن اول تو اب مشاہدہ یہ ہے کہ تحریر و تقریر کی مشق کے فقدان کا اثر عبارت خوانی اور عبارت فہمی پر بھی پڑ رہا ہے دوسرے عربی تحریر و تقریر کی مشق اگر مقصود نہ ہو تو کم از کم اس کے محمود ہونے میں تو کوئی شبہ نہیں اور صرف و نحو اور بلاغت و ادب کی اعلیٰ کتابوں کے پڑھنے کے بعد بھی اگر یہ وصف محمود حاصل نہ ہو تو یہ کوتاہی کچھ کم نہیں ہے۔ تیسرے عالم اسلام کے باہم مربوط ہونے کے ساتھ ساتھ اب اس بات کی شدید ضرورت محسوس ہو رہی ہے کہ ہمارے مدارس سے عربی تحریر و تقریر کی اعلیٰ صلاحیت رکھنے والے افراد پیدا ہوں۔ جو عالم عرب سے روابط رکھ سکیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہندوستان، پاکستان کے علماء نے جو عظیم الشان علمی اور دینی ذخیرہ اردو یا فارسی زبان میں چھوڑا ہے۔ اس سے عالم عرب کو روشناس کرا سکیں۔ اور یہ مقصد عربی تحریر و تقریر کے اعلیٰ ملکے کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔

ااا۔ اس وقت ہمارے نظام تعلیم میں عربی صرف و نحو، ادب اور بلاغت کی تدریس پر ایک معتد بہ وقت صرف ہوتا ہے لیکن یہ سارے علوم خالص نظریاتی انداز سے پڑھائے جاتے ہیں اور ان کی عملی تربیت اور مشق کا کوئی اہتمام باقی نہیں رہا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بعض اوقات ایک طالب علم نحو و صرف کے قواعد، ان کے خود ساختہ فلسفے اور اس پر وارد ہونے والے اعتراضات و جوابات کی بحثیں تو شرح جامی، عبد الغفور اور عصام وغیرہ

کی مدد سے یاد کر لیتا ہے ۔ لیکن اگر اس سے کہا جائے کہ وہ چند سطریں عربی زبان میں لکھ دے ، تو یہ بات نہ صرف یہ کہ اس کے لئے سخت دشواری ہوتی ہے ۔ بلکہ بسا اوقات انہی قواعد کے اطلاق میں غلطیاں کرتا ہے ، جن کا پورا فلسفہ اسے ازبر ہے اور اگر کوئی شخص نحو ، صرف کی غلطیوں سے محفوظ رہ جائے تو اسلوب اور انشاء کی غلطیاں تو لازماً ہوتی ہی ہیں ۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ دینی مدارس میں عربیت کی تصحیح و تحسین کی طرف پوری توجہ دی جائے اور مدرسے کی پوری فضا ایسی بنائی جائے ، جس میں عربیت رچی بسی ہوئی ہو ۔ اس کے لئے مندرجہ ذیل تجاویز بطور خاص قابل ذکر ہیں ۔

الف ۔ ابتدائی درجات کے نصاب میں صرف و نحو کی ایسی کتابوں کا اضافہ کیا جائے ، جن میں قواعد کے بیان کے ساتھ ساتھ ان کے عملی اجراء کا اہتمام ہو ، ہر ہر قاعدے کے ساتھ اس کی بہت سی مثالیں دے کر قاعدے کو ذہن نشین کرایا گیا ہو اور پھر تمرینات کے ذریعہ طلباء کو ان قواعد پر عمل کا عادی بنانے کی کوشش کی گئی ہو ، عرب ممالک میں اس غرض کے لئے بہت سی کتابیں تیار ہوئی ہیں ۔ مثلاً نحو صرف کے ابتدائی اور متوسط درجات کے لئے " النحو الواضح " اور اعلیٰ درجات کے لئے " النحو الوافی " وغیرہ ۔ ان کتب سے فائدہ اٹھانے کی ضرورت ہے ۔

ب ۔ ادب کی تعلیم میں انشاء کے لئے مستقل وقت رکھ کر اس کی باقاعدہ تربیت کی ضرورت ہے ، اس غرض کے لئے بھی اس وقت بہت سی کتابیں دستیاب ہیں ، مثلاً " الاسلوب الصحیح الانشاء " " معجم الانشاء " وغیرہ ۔ ان سے اس سلسلے میں مدد لی جا سکتی ہے ۔ اسی طرح " بلاغت " کی تعلیم کے لئے ہمارے نصاب میں مختصر المعانی بالکل ناکافی ہے اور اس سے " بلاغت " کا اصل مقصد بالکل حاصل نہیں ہوتا ۔ لہٰذا اس کے بجائے یا اس کے ساتھ " دروس البلاغۃ " یا " البلاغۃ الواضحۃ " اس طرح پڑھانے کی ضرورت ہے کہ اس سے بلاغت کا اصل مقصد حاصل ہو سکے ۔

ج ۔ عربیت کا ذوق پیدا کرنے کے لئے ان تمام چیزوں سے زیادہ اہمیت اس بات کو حاصل ہے وہ مدرسے کی مجموعی فضا میں عربیت کا حسن ہے ، اس غرض کے لئے ہماری رائے میں تو درجہ رابعہ سے اوپر کے تمام اسباق عربی زبان میں ہونے چاہئیں ۔ لیکن اگر فی الحال یہ تبدیلی مشکل ہو تو کم از کم مدرسے کے تمام اعلانات ، دفتری اندراجات ، تمام دفتری کارروائی ، امتحانات کے پرچے اور ان کے نتائج وغیرہ فوری طور پر عربی میں منتقل کرنے چاہئیں اور رفتہ رفتہ مدرسے کے ماحول کو اس سطح پر لانا چاہئے کہ ان میں ذریعہ تعلیم مکمل طور پر عربی زبان بن جائے ۔

د ۔ اساتذہ اور منتظمین اس بات کا اہتمام کریں کہ وہ آپس میں خود صرف عربی زبان میں گفتگو کریں گے تو بہت جلد عربیت کا ایک خوشگوار ماحول پیدا ہو سکتا ہے ، عادت نہ ہونے کی بنا پر شروع میں شاید دشواری پیش آئے ، لیکن اگر اس دشواری پر اہتمام کے ساتھ قابو پایا گیا تو انشاء اللہ اچھے نتائج حاصل ہوں گے ۔

ہ ۔ مہینے دو مہینے میں صرف کے ایسے اجتماعات منعقد کرنے چاہئیں ، جن میں طلبہ تقریر کریں اور مقالے پڑھیں ۔

دارالعلوم دیوبند میں طریقِ کار شروع سے یہ تھا کہ قرآن کریم ختم کرنے کے بعد اور عربی کی تعلیم شروع کرنے سے پہلے طالب علم کو ایک پانچ سالہ نصاب سے گزارا جاتا تھا جو "درجہ فارسی و ریاضی" کے نام سے موسوم تھا۔ اس درجے میں اردو، فارسی، دینیات، تجوید، ریاضی اور جغرافیہ وغیرہ کی اس قدر معیاری تعلیم دی جاتی تھی کہ ان مضامین میں ایک عالم دین کو جتنی واقفیت ضروری ہے ایک طرف وہ تمام تر حاصل ہو جاتی تھی اور دوسری طرف اگر کوئی شخص کسی وجہ سے اس درجے پر اپنی تعلیم ختم کرنے پر مجبور ہو جاتا تو وہ دین و دنیا کی اتنی بنیادی معلومات حاصل کر چکا ہوتا تھا کہ ایک مسلمان کی حیثیت سے اچھی زندگی گزار سکے۔

۱ – یہ درجہ عربی اور اسلامی علوم کے لئے ایک بہترین بنیاد کا کام دیتا تھا، جب طالبعلم اس درجے سے فارغ ہو کر عربی اور اسلامی علوم کی طرف متوجہ ہوتا تو وہ اردو اور فارسی میں تحریر و انشاء کی اچھی صلاحیت کا حامل ہوتا تھا، جو اس کو عربی اور اسلامی علوم کی تحصیل میں بہت مدد فراہم کرتی تھی۔

موجودہ دینی مدارس میں یہ درجہ عرصے سے یا تو ختم ہو چکا ہے، یا اس نے کم ہو کر ایک سال کے درجہ اعدادیہ کی صورت اختیار کر لی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ طالب علم جب عربی اور اسلامی علوم کی تحصیل شروع کرتا ہے تو عام طور سے اس کی تحریر خراب، املاء اور انشاء ناقص اور بنیادی معلومات کمزور ہوتی ہیں۔ اس میں عربی صرف و نحو ادب اور فقہ وغیرہ کے اہم مضامین کو کما حقہ سمجھنے اور انہیں اچھی طرح ہضم کرنے کی پوری صلاحیت نہیں ہوتی اور یہ مضامین اسے دشوار معلوم ہوتے ہیں۔ اور جب بنیاد کمزور ہو جاتی ہے تو اس کمزوری کا اثر آگے درجات تک پڑتا ہے۔

۲ – یہ بات بنیادی اہمیت رکھتی ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے مذکورہ بالا طریق کار کے مطابق درجہ اعدادیہ کی مدت بڑھائی جائے اور اس میں اردو، فارسی، دینیات، سیرت، تجوید، ریاضی اور جغرافیہ وغیرہ کی اتنی معیاری تعلیم دی جائے جو آگے مضامین کے لئے مناسب بنیاد فراہم کر سکے۔

۳ – درس نظامی میں تاریخ کو باقاعدہ مضمون اس لئے باقاعدہ شامل نہیں کیا گیا تھا کہ قوت مطالعہ پیدا ہونے کے بعد یہ مضمون ذاتی مطالعے سے بھی بخوبی حاصل کیا جا سکتا ہے، لیکن اب تجربہ یہ ہو رہا ہے کہ ذاتی مطالعے کا ذوق کم ہوتا جا رہا ہے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عربی درجات کے نصاب میں تاریخ اور سیرت کو باقاعدہ مضمون کی حیثیت سے داخل نصاب کیا جائے۔

۴ – یہی حال تصوف اور اخلاق کا ہے کہ اس کو باقاعدہ درس میں اس لئے شامل نہیں کیا گیا کہ مدارس کا پورا ماحول بذات خود اخلاق و طریقت کی عملی تربیت کرتا ہے، باقی ماندہ کسر ذاتی مطالعے اور کسی مرشد کے تعلق سے پوری ہو جاتی ہے لیکن اب ضروری معلوم ہوتا ہے کہ تصوف اور اخلاق کی کتب باقاعدہ داخل درس ہوں۔ اس مقصد کے لئے امام غزالی کی "بدایۃ الہدایۃ" اور "اربعین" "احیاء العلوم" کے منتخب حصے، امام سہروردی کی "عوارف المعارف" مولانا تھانوی کی "التکشف" اور "التشرف" وغیرہ مختلف درجات میں رکھی جا سکتی ہیں۔

۵ - ایک عالم دین کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ جن دوسرے مذاہب و ادیان کا براہ راست اسلام سے تصادم رہا ہے اور جن کے تبلیغی مشن اب بھی سرگرمی کے ساتھ مصروف عمل ہیں، نیز خود مسلمانوں کے وہ فرقے اور گروہ جنہوں نے اپنے کچھ مخصوص نظریات کی بنا پر اپنا مستقل وجود قائم کیا ہوا ہے ان سب کے بنیادی عقائد و افکار سے وہ فی الجملہ واقفیت رکھتا ہو۔ تاکہ بوقت ضرورت ان کی جواب دہی کر سکے لہٰذا درس میں "الملل والنحل" یا "الادیان والفرق" کے نام سے ایک مستقل موضوع کا اضافہ ہونا چاہئے، جس میں ان ادیان و فرق کا مختصر تعارف، ان کے بنیادی عقائد و افکار اور ان کی تردید کے بنیادی دلائل بیان کر دیئے جائیں۔ جن کے ساتھ برصغیر کے مسلمانوں کو زیادہ واسطہ پیش آتا ہے، تاکہ ان سے متعلق ضروری ابتدائی معلومات ہر طالب علم کو حاصل ہو جائیں۔ اور جن لوگوں کو بعد میں ان میں سے کسی مذہب یا فرقے پر خصوصی کام کا موقع ملے، اس کے لئے یہ تعارف ایک بنیاد کا کام دے سکے۔

۶ - علوم عصریہ کو ذریعہ معاش بنانے کے لئے مدارس کے نصاب میں ان کے اضافے کا جو تصور ہے، اس کے بارے میں تفصیلی گزارشات تحریر کر چکا ہوں لیکن بعض عصری علوم ایسے ہیں کہ موجودہ دور میں دین کی موثر تبلیغ اس کے کماحقہ دفاع اور اس کی صحیح خدمت کے نقطہ نظر سے ایک عالم دین کے لئے بحیثیت عالم ان کی فی الجملہ واقفیت ضروری یا مفید ہو گئی ہے۔ مثلاً انگریزی زبان، جدید مغربی فلسفہ، تعارف معاشیات، تعارف علم سیاسیات، اور اصول قانون اس کی واضح مثالیں ہیں۔

الف - جدید مغربی تعلیم کے اثر سے دنیا میں جتنی گمراہیاں پھیلی ہیں ان سب کے سرچشمے انگریزی ادب میں ہیں، جب تک ان گمراہیوں کے اصل مآخذ سے کماحقہ واقفیت نہ ہو، ان کی تردید اور ان پر تنقید و تبصرہ ان لوگوں کے لئے پوری طرح موثر نہیں ہوتا، جو ان کے براہ راست مطالعے سے مرعوب و متاثر ہوتے ہیں۔

یہ تقریباً وہی صورت حال ہے جو عباسی خلافت کے زمانے میں یونانی فلسفہ کے رواج سے عام طور سے پیدا ہوئی تھی۔ اس وقت فکری اور عقلی گمراہیوں کا اصل سرچشمہ یونانی منطق اور فلسفہ تھا اور جن لوگوں کے ذہن اس سے مرعوب و متاثر تھے ان کے شکوک و شبہات کا موثر علاج اسی طرح ہو سکتا تھا کہ علماء اسلام نے اس منطق اور فلسفے کو داخل نصاب کر کے اس میں اعلیٰ درجے کی مہارت پیدا کی اور پھر وقت کی گمراہیوں کا ایسا موثر سدباب کیا کہ وہ ایک ایک کر کے اپنی موت آپ مر گئیں۔

الف - اس وقت دینی علوم کے نصاب میں منطق اور فلسفے کو اس لئے داخل نہیں کیا گیا تھا کہ علماء اسے ذریعہ معاش یا اپنا مستقل مشغلہ بنائیں گے، بلکہ اس کا مقصد وقت کی ایک اہم دینی ضرورت کو پورا کرنا تھا۔ بعینہٖ اسی طرح آج مغرب سے اٹھنے والے نظریات اور ان کی گمراہیوں نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے، اور عالم اسلام کا بھی وہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ معاشرے کی ایک موثر قوت کی حیثیت رکھتا ہے، انہی نظریات سے متاثر اور بڑی حد تک ان کے رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ ان نظریات کی تردید میں اب تک جو کام ہوا ہے وہ ان لوگوں

کے ایمان و یقین کے تحفظ کے لئے تو کسی درجے میں کار آمد ہے۔ جن پر دین کی گرفت پہلے ہی سے مضبوط ہے۔ لیکن جو لوگ ان نظریات سے ایسے متاثر ہوئے ہیں کہ ان پر دین کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی ہے ان کو واپس لانے کے لئے کافی نہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے اسی طرز پر کام کی ضرورت ہے جس طرز پر یونانی نظریات کی یلغار کے مقابلے میں متکلمین اسلام نے انجام دیا تھا۔ یہ کام علمائے امت کے ذمے ایک قرض ہے، جس کی ادائیگی میں جتنی تاخیر ہوگی، مغربی گمراہیوں کا دائرہ اتنا ہی وسیع ہوتا جائیگا۔

ب - چونکہ ان مغربی نظریات پر موثر اور بھرپور تنقید کے لئے ان کے اصل ماخذ تک رسائی ضروری ہے، اس لئے اب تک یہ کام ان لوگوں نے انجام دیا ہے، جو ان ماخذ تک رسائی تو رکھتے تھے۔ لیکن انہوں نے دینی علوم باقاعدہ متوارث طور پر اساتذہ سے نہیں پڑھے تھے، اس کے بجائے ان کی دینی معلومات متفرق مطالعے پر مبنی تھیں۔ جن سے ظاہر ہے کہ علم کا رسوخ حاصل نہیں ہوتا۔ اس لئے ان لوگوں نے ان مغربی نظریات کے مقابلے میں دین کی جو تشریح و تعبیر کی وہ طرح طرح کی غلط فہمیوں پر مبنی تھی اور نئی غلط فہمیاں پیدا ہو گئیں، جن سے خود مسلمانوں کے درمیان افتراق و انتشار کا دروازہ کھل گیا۔ ان نئی غلط فہمیوں کا موثر سد باب صرف کسی انداز میں نہیں ہو سکتا بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ علم دین میں رسوخ رکھنے والے علماء بذات خود براہ راست طور پر وہ کام کریں۔ جس کی غلط انجام دہی نے ان نئی گمراہیوں اور غلط فہمیوں کو جنم دیا ہے۔

ج - مغرب کے مستشرقین نے عربی اور اسلامی علوم پر "تحقیق" کے نام سے ایک زہریلے لٹریچر کا ایک انبار تیار کر دیا ہے، جس کا مقصد دین کے بنیادی مسلمات کو مشکوک بنانا ہے۔ یہ لٹریچر جدید ذہن کی نفسیات کے مطابق اور اس اسلوب میں تیار کیا گیا ہے جو آج کے ذہن کو اپیل کرنے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے۔ عالم اسلام کا کوئی خطہ اس کے زہریلے اثرات سے خالی نہیں۔ اس زہر کا تریاق فراہم کرنا علماء کی ذمہ داری ہے اور اس کے لئے انگریزی زبان اور ان عصری علوم کی تحصیل لازمی ہے، جنکو اس کارروائی کا ذریعہ بنا دیا گیا ہے۔

د - اس وقت مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد یورپ، امریکہ، افریقہ، آسٹریلیا اور مشرق بعید کے ممالک میں آباد ہے۔ ان لوگوں کو بالخصوص ان کی نئی نسلوں کو اسلام سے جوڑنے کا کوئی راستہ انگریزی زبان کے بغیر ممکن نہیں۔ ان خطوں کے مسلمانوں کو اب اپنی نئی نسلوں کے دین کی حفاظت کا مسئلہ درپیش ہے، اس غرض کے لئے مساجد اور دینی مراکز میں ایسے علماء کی ضرورت روز افزوں ہے، جو علوم دینیہ میں مہارت کے ساتھ انگریزی زبان بھی جانتے ہوں۔ تاکہ وہ وہاں کے مسلمانوں کی دینی ضروریات پوری کر سکیں۔ متعدد ممالک میں اس ضرورت کا احساس روز بروز بڑھتا جا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شاید ہی کوئی مسجد خالی گزرتا ہو جس میں وہاں سے انگریزی زبان جاننے والے علماء کی طلب نہ آتی ہے۔

چونکہ ایسے صحیح العقیدہ اور راسخ علماء کی تعداد ہمارے درمیان انگلیوں میں گننے کے برابر بھی نہیں ہے، جو انگریزی زبان جانتے ہوں۔ اس لئے ان مقامات پر وہ لوگ پہنچ رہے ہیں جو انگریزی تو بیشک جانتے ہیں۔ لیکن یا تو ان

کی دینی معلومات سطحی اور سرسری نوعیت کی ہیں، یا ان کے نظریات طرح طرح کی غلط فہمیوں پر مبنی ہیں۔

د ـ مذکورہ ممالک کے مسلمانوں کو اپنے دین کے تحفظ کے لئے انگریزی زبان میں بڑے وسیع دینی لٹریچر کی ضرورت ہے۔ لیکن حال یہ ہے کہ انگریزی میں قرآن کریم کی کوئی ایک تفسیر بھی ایسی موجود نہیں ہے جس کے بارے میں آنکھ بند کر کے لوگوں کو اس کے مطالعے کا مشورہ دیا جاسکے، اسی طرح روز مرہ کے دینی اور فقہی مسائل پر مشتمل کوئی ایسی مستند کتاب اب تک تالیف نہیں ہوئی، جو ان لوگوں کو دین کی تعلیمات سے ٹھیک ٹھیک روشناس کرا سکے۔ اس وقت یا تو چند گنی چنی اردو کتابوں کے تراجم ہیں، جن کی صحت کی بھی کوئی ضمانت نہیں یا پھر اس باطل کا فراہم کیا ہوا لٹریچر ہے جسے لوگ چاروناچار پڑھنے پر مجبور ہیں ان مسلمانوں کو دین کی تعلیمات سے روشناس کرانا اور ان کے دین و ایمان کی حفاظت علماء ہی کے فرائض میں داخل ہے، جو انگریزی زبان کے بغیر ممکن نہیں۔

ہ ـ موجودہ صنعتی دور نے تجارت و معیشت کے شعبے میں ایسے پیچیدہ معاملات کو رواج دیا ہے کہ اب ایک مسلمان تاجر کو قدم قدم پر معاملات کی نئی نئی صورتیں پیش آتی ہیں، ان صورتوں کا صریح شرعی حکم فقہ کی مروجہ کتب میں اس لئے نہیں مل سکتا کہ یہ صورتیں عصر جدید ہی کی پیداوار ہیں، ان کا تصور پہلے نہیں ہو سکتا تھا۔ ان صورتوں کو سمجھ کر ان کا صحیح فقہی حکم بتانا علماء ہی کا کام ہے، یہ کام اسی وقت ٹھیک ٹھیک انجام پاسکتا ہے جب علماء ان صورتوں کو ان تمام تفصیلات اور پس منظر کے ساتھ سمجھیں اور اس کے بعد فقہی اصولوں کے مطابق ان کا حکم بتائیں۔ اب تک ہوتا یہ ہے کہ صورت مسئلہ بیان کرنے کی ذمہ داری مستفتی پر ہوتی ہے۔ اس لئے وہ جیسا سوال لکھ لاتا ہے، اسی کے مطابق جواب چلا جاتا ہے لیکن مستفتی چونکہ عالم نہیں ہوتا اس لئے وہ بسا اوقات اپنی لاعلمی کی بنا پر صورت مسئولہ کے وہ اہم اجزاء جن پر جواب کا دارومدار ہوتا ہے بیان نہیں کر پاتا۔ اس لئے جواب مختلف ہو جاتا ہے، یہ بھی صرف ان معاملات میں ہوتا ہے جن کے بارے میں تاجر کے دل میں کوئی شبہ اور اس کی بنیاد پر استفتاء کا قوی داعیہ پیدا ہو جائے ورنہ اب اکثریت ان افراد کی ہے جن کو کوئی شبہ پیدا نہیں ہوتا، یا استفتاء کا تقاضا پیش نہیں آتا۔

و ـ امام محمد بازاروں میں گھوم گھوم کر تاجروں کے معاملات کو پہلے خود سمجھنے کا اہتمام کرتے تھے۔ تاکہ ان تمام معاملات کا شرعی حکم مدون کر جائیں اور استفتاء کے موقع پر مستفتی کی تشریح کے محتاج نہ ہوں، موجودہ دور کے اہل علم کا بھی یہ فریضہ ہے کہ وہ اہل عصر کے معاملات کو اچھی طرح سمجھیں اور اس کے بعد حسب ضرورت تصنیف و تالیف اور فتویٰ کے ذریعے ان معاملات کا شرعی حکم امت پر واضح کریں۔ اس غرض کے لئے معاشیات کا اتنا علم جس سے اس عصر کے معاملات اور ان کے تجارتی مسائل کا علی وجہ البصیرۃ علم ہو سکے ایک عالم دین کے لئے ضروری ہو گیا ہے۔

ز ـ اس وقت جدید معاشی اور سیاسی نظریات نے پوری دنیا کو متحارب گروہوں میں بانٹ دیا ہے۔ اسلامی ممالک

بھی عملاً انہی میں سے کسی نہ کسی کیمپ کے ساتھ وابستہ۔ اور ہر پسماندہ یا ترقی پذیر ملک ان دونوں کی آویزش کا اکھاڑہ بنا ہوا ہے۔ سرمایہ داری، اشتراکیت اور سیکولر سیاسی نظریات مسلمانوں کے درمیان اپنے افکار کے پرچار اور مسلمانوں کو اپنے رنگ میں رنگنے کی پوری پوری کوشش کر رہے ہیں۔ اس صورت حال کا مقابلہ علماء ہی کے فرائض میں داخل ہے، کیونکہ وہی دین کا پورا تحفظ کرتے ہوئے مسلمانوں کو صحیح راہ عمل بتا سکتے ہیں۔ لیکن اس غرض کے لئے ان تمام نظریات سے واقفیت ضروری ہے۔

ج۔ اس وقت عالم اسلام میں رفتہ رفتہ یہ شعور جڑ پکڑ رہا ہے کہ ہم نے جدید عصری علوم کو مغربی قالب کیساتھ جوں کا توں اپنا کر کس قدر سنگین اجتماعی غلطی کی ہے، چنانچہ اب یہ آوازیں تقریباً ہر اسلامی ملک میں اٹھ رہی ہیں کہ ان علوم کو اسلامی رنگ میں رنگ کر اپنے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں پڑھانا چاہئے۔ اور ان علوم کی نصابی اور تحقیقی کتابوں میں اسلامی تعلیمات علماء اسلام کے افکار اور ان کی خدمت کو اس طرح سمونا چاہئے کہ مغربی افکار کی بالادستی ختم ہو جائے۔ اس غرض کے لئے اب عالم اسلام میں جگہ جگہ مختلف علوم کے تحقیقی مراکز قائم ہو رہے ہیں۔ ان مراکز میں ایسے رجال کار کی ضرورت ہے جو دین کا وسیع گہرا علم رکھنے کے ساتھ ساتھ متعلقہ موضوع سے بھی کماحقہ واقف ہوں۔ اور چونکہ راسخ الفکر علماء میں ایسے لوگ کمیاب بلکہ نایاب ہیں اس لئے ان مراکز میں وہ ذہن پنپ رہا ہے جو دین کی صحیح بصیرت نہیں رکھتا۔

د۔ ان مراکز کے اثرات و نتائج بعجلت تو ظاہر نہیں ہوں گے، لیکن دس بیس سال میں ان کے نتائج پوری طرح منظر عام پر آجائیں گے اور علوم عصریہ کی تمام درسگاہوں میں انہی کی تحقیقات سکہ رائج الوقت بنیں گی۔ لہٰذا ان مراکز کی صحیح تحقیقی رہنمائی کا فریضہ بھی علماء دین پر عائد ہوتا ہے، جس کے لئے متعلقہ موضوعات کی فی الجملہ واقفیت ناگزیر ہے۔

۲۔ یہ تمام کام جن کی ضرورت و اہمیت سے شاید ہی کوئی دردمند اور سلیم الفکر مسلمان انکار کر سکے، ایک، دو یا چند افراد کے بس کے نہیں ہیں اور نہ یہ تمام ضروریات کسی مختصر مدت میں پوری ہو سکتی ہیں، اس کے لئے ایسے پختہ کار، راسخ الفکر اور ذی استعداد علماء کی پوری کھیپ درکار ہے جو اپنی اپنی طبعی مناسبت کے لحاظ سے اپنے لئے کام کے مختلف دائرے تجویز کریں اور ان دائروں میں شب و روز محنت کر کے یہ قرض چکائیں۔ مگر اس سارے کام کی بنیاد دینی مدارس ہی میں فراہم کرنی ہوگی۔

۳۔ یہاں یہ وضاحت بھی مناسب ہے کہ دینی مدارس میں ان مضامین کی تدریس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ان تمام مضامین کے متخصصین پیدا کرنے مقصود ہیں اور نہ یہ تاثر درست ہے کہ ان مضامین کی تدریس کے لئے کوئی بہت زیادہ وقت صرف کرنا ضروری ہوگا۔ اس لئے کہ درس نظامی کی یہ خاصیت ہے کہ جو شخص اس نصاب کو قرار واقعی طور پر پڑھ لے اس کا ذہن منضبط اور علمی و فکری باتوں کے لئے پوری طرح تیار ہو جاتا ہے اور وہ ایسی باتوں کا ادراک بہت جلد کر لیتا ہے، جسے سمجھنے میں دوسرے لوگوں کو کافی دیر لگتی ہے اس لئے اگر

دینی مدارس کے طالب علم کو انگریزی زبان کے ساتھ مذکورہ بالا جملہ مضامین کی بنیادی واقفیت حاصل ہو جائے تو وہ ضرورت کے وقت اس بنیاد پر عمارت خود کھڑی کر سکے گا۔

۴۔ ہمارے نزدیک موجودہ دور میں علماء کی خدمات اور ان کی کوششوں کو مؤثر بنانے اور ان کا دائرہ اثر بڑھانے کے لئے مذکورہ بالا اقدامات نہایت ضروری ہیں۔ لیکن ان اقدامات سے پہلے یا ان کے ساتھ ساتھ اس بات کا پورا اطمینان ضروری ہے کہ دینی مدارس میں اتباع سنت کا وہ مزاج و مذاق جو ان مدارس کی اصل روح اور ان کی سب سے قیمتی متاع ہے اسے کسی بھی مرحلے پر ادنیٰ ٹھیس نہ لگے۔ اس کا تحفظ ہر قیمت پر ضروری ہے کیونکہ اس کو مجروح کر کے جو کام بھی کیا جائے گا وہ ان مدارس کو تباہی کی طرف لے جائے گا۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ جن مضامین کے اضافے کی تجویز سابقہ صفحات میں پیش کی گئی ہے وہ اس وقت مفید ہو سکتی ہے جب ان مدارس کے اصل علوم عالیہ تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ وغیرہ کے معیار تعلیم میں نہ صرف یہ کہ کوئی ادنیٰ خلل یا نقص واقع نہ ہو، بلکہ ان کے معیار تعلیم کو مزید مضبوط اور مستحکم بنایا جائے۔

۵۔ ان دونوں ناگزیر شرطوں کے پیش نظر یہ ضروری ہے کہ عصری مضامین کو داخل نصاب کیا جائے ان کے لئے ایسے پڑھانے والے تلاش کئے جائیں جو اپنے مزاج و مذاق کے اعتبار سے دینی مدارس سے فکری اور عملی طور پر پوری طرح ہم آہنگ ہوں اور اپنی تدریس کے دوران طلبہ کا ذہن ان مضامین کے مقصد تدریس کے لئے تیار کرتے رہیں۔ اس غرض کے لئے اگر مدارس کو اپنے بعض اساتذہ کو رخصت دے کر تیار کرنا پڑے تو اس میں بھی چنداں حرج نہیں ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ مضامین کا یہ اضافہ بتدریج ہی مناسب ہوگا اس لئے اگر ایک مرتبہ اصولی طور پر مذکورہ بالا مقاصد کی تحصیل کی طرف توجہ ہو جائے تو رفتہ رفتہ اس کے مناسب وسائل فراہم ہو جائیں گے۔

۶۔ نصاب کے بارے میں ساتویں بات منطق اور فلسفے کی تعلیم سے متعلق ہے بعض حضرات یہ رائے پیش کرتے ہیں کہ یونانی فلسفے کے زوال کے بعد ان مضامین کو پڑھانے کی چنداں حاجت باقی نہیں رہی۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ بات بوجوہ درست نہیں۔ ان مضامین کی اہمیت کے لئے تنہا یہ بات بھی کافی ہے کہ ہمارے اسلاف کی کتابوں کا عظیم الشان ذخیرہ بالخصوص اصول فقہ، انہی علوم کی اصطلاحات اور منطقی انداز و اسلوب پر مشتمل ہے۔ اس کو ٹھیک ٹھیک سمجھنے اور اس سے استفادہ کے لئے منطق اور فلسفے کی واقفیت ضروری ہے۔ آج تفسیر کبیر جیسے دریائے علم سے استفادہ اس کے بغیر ممکن ہی نہیں کہ انسان منطق اور فلسفے کا علم رکھتا ہو لہٰذا ان مضامین کو یکسر ختم کر دینا ہمارے نزدیک سخت نقصان دہ ہوگا۔ لیکن ان مضامین کو اسی حد تک پڑھانا چاہئے جس حد تک وہ اسلامی علوم کے لئے زینے کا کام دیں۔ ان کو ایک مستقل علم مقصود کے طور پر پڑھنے پڑھانے کا داعیہ اب کوئی جواز نہیں لہٰذا جہاں ان مضامین کی تعلیم مذکورہ ضرورت سے زائد ہو رہی ہو،

وہاں اس کو ضرورت کی حد تک محدود کر کے دوسرے مضامین کے لئے گنجائش پیدا کی جاسکتی ہے ۔ اس کے علاوہ عرصے سے یہ بات محسوس ہو رہی ہے کہ دورہ حدیث کے لئے ایک سال کی مدت ناکافی ہے ۔ اس مختصر وقت میں حدیث پاک پڑھنے کا حق ادا نہیں ہو پاتا اور عموماً ہوتا ہے کہ حدیث کے صرف معدودے چند ابواب تحقیق و تفصیل کے ساتھ ہو پاتے ہیں کہ سال ختم ہونے لگتا ہے اور اس کے بعد کے حصے تکمیل نصاب کی بھاگ دوڑ کی نذر ہو جاتے ہیں ۔ ایک صحیح بخاری کو لے لیجئے ۔ استاد اور شاگرد شب و روز محنت کرنے کے باوجود آخر سال میں اجتماعی بھاگ دوڑ پر مجبور ہو جاتے ہیں ۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ صحیح بخاری کا کوئی بھی حصہ ایسا نہیں جسے رواروی میں گزار دیا جائے ۔ اسی طرح دورہ حدیث کی بعض انتہائی اہم کتب مثلاً طحاوی شریف اور موطا‌ئین اسی وقت کی قلت کی بنا پر اکثر برائے نام ہوتی ہیں ۔ حالانکہ ان کو اہتمام کے ساتھ پڑھنے کی ضرورت ہے ۔ اگر دورہ حدیث کو دو سالوں پر منقسم کر دیا جائے تو امید ہے کہ علم حدیث کے ساتھ مطلوبہ مناسبت پیدا ہو جائیگی ۔ (۹۸)

مولانا عبدالغفار احسن کی تجاویز

مولانا لکھتے ہیں کہ ثانوی درجہ (میٹرک) تک تعلیم ہر طالب علم کے لئے لازمی قرار دی جائے ۔ چاہے یہ تعلیم کسی اسکول میں مہیا کی جائے یا کسی مدرسہ میں ۔

۔ ابتدائی مرحلہ میں قرآن حکیم ناظرہ کی تعلیم لازمی ہو ۔ تاکہ بچے بجائے اس کے کہ شام کے اوقات میں قرآن حکیم کی تعلیم کیلئے الگ وقت نکالیں ، اسکول یا مدرسہ ہی میں قابل قراء کی نگرانی میں قرآن کی تعلیم حاصل کر سکیں ۔

۔ قرآن حکیم حفظ کے لئے موجودہ طریقہ برقرار رکھنا ہو گا یعنی حفظ کے خواہشمند طلبہ شام کے اوقات میں مساجد میں حفظ کا اہتمام کریں ۔ اگر مدرسہ ہی میں حفظ کی مستقل کلاسیں رکھ دی جائیں تو وہ زیادہ بہتر ہوگا ۔ ثانوی مرحلہ میں عربی زبان اور تجوید لازمی ہونی چاہئے تاکہ طلبہ قرآن حکیم کی تلاوت صحیح طور پر سیکھ کر کریں ۔ ثانوی درجہ تعلیم سے فراغت کے بعد عام طور پر طلبہ اپنی استعداد اور خواہش کے لحاظ سے تعلیم کی راہ متعین کرتے ہیں ۔ دینی تعلیم کے خواہشمند طلبہ اس مرحلہ میں کسی بھی دینی مدرسہ میں داخلہ لے سکیں گے ۔ جیسے میٹرک کے بعد عام طور پر چھ سال میں ایک طالب علم ایم اے کی ڈگری حاصل کر لیتا ہے ۔ اسی طرح دینی مدارس کا نصاب بھی چھ سالہ ہو اور اس کی آخری ڈگری ایم اے کے برابر تسلیم کی جائے ۔

- اس چھ سالہ نصاب کی نمایاں خصوصیات یہ ہوں گی۔
الف ۔ نصاب تعلیم میں سے **منطق و فلسفہ** کو **بالکل حذف** کر دیا جائے۔
ب ۔ پہلے سال میں عربی، نحو و صرف اور بلاغت پر زور دیا جائے تاکہ آئندہ سالوں کے لئے مضبوط بنیاد فراہم ہوسکے اور اس سلسلہ میں مروجہ کتب کے بجائے النحو الواضح، ابن ہشام کی **قطر الندیٰ** اور شرح الفیہ ابن مالک رکھی جائیں۔
ج ۔ پورے قرآن حکیم کی تفسیر کم از کم تین سال میں ضرور ختم کی جائے، مختصر تفاسیر میں "**جامع البیان**" مناسب رہے گی۔ شوکانی کی "فتح القدیر" کے منتخبات بعد کے مرحلہ میں پڑھائے جاسکتے ہیں۔
د ۔ احادیث کی کتابوں میں بخاری، مسلم، ابو داؤد اور ترمذی پر **قناعت** کی جائے۔
ہ ۔ فقہ میں قدوری، شرح وقایہ اور ہدایہ کی تعلیم ہو۔
و ۔ اصول تفسیر، اصول حدیث اور اصول فقہ پر **ایک ایک** کتاب زیر تعلیم رہے۔
ز ۔ عقائد، فرائض اور سیرت و تاریخ کی ضروری کتب شامل نصاب کیجائیں۔
ح ۔ بی اے تک انگریزی زبان کا یونیورسٹی میں مروجہ کورس شامل ہو، تاکہ طلبہ انگریزی میں مطالعہ کی کافی استعداد پیدا کرسکیں۔
ط ۔ چونکہ مذکورہ نصاب میں تقریباً بارہ مضامین شامل ہیں اس لئے جملہ جدید مضامین کا اضافہ ممکن نہ ہوگا، لیکن ان کی کمی ایسے پوری کی جاسکتی ہے کہ معاشیات، سیاسیات، وضعی قانون اور تاریخ التشریع الاسلامی پر ان چھ سالوں میں متعدد لیکچر رکھے جائیں، جن کے لئے ان مضامین کے ماہرین اساتذہ کو باقاعدہ مدعو کیا جائے۔ حجۃ اللہ البالغہ میں سے حصہ کے تحت پانچ ابواب (باب اسباب) اختلاف الصحابہ والتابعین ..... (الخ) پر مشتمل لیکچرز کا بھی اہتمام کیا جائے۔ اس ضمن میں امام ابن تیمیہ کی "رفع الملام عن الائمۃ الاعلام" سے بھی استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

- نصابی کتب کی از سرنو تحریر کے بجائے عالم عرب یا سعودی عرب کے مدارس میں داخل عہد حاضر کی تحریر شدہ کتب اپنائی جاسکتی ہیں۔ خاص طور پر اصول حدیث (مصطلح) اور اصول فقہ کی کتب سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

- اساتذہ کی فنی تربیت کی افادیت کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ جس طرح مڈل سے لے کر بی اے تک فنی تربیت کے کورسز معروف ہیں ایسے ہی دینی مدارس کے فارغ التحصیل اساتذہ کو بھی ان کورسز میں داخلہ دیا جائے تاکہ وہ بہتر طریقہ سے طلبہ کی رہنمائی کرسکیں۔

- پاک و ہند میں اختلاف مسالک کی تاریخ بہت مختصر ہے۔ گو موجودہ صورت حال کو یک قلم ختم نہیں کیا جاسکتا لیکن حکومت کی سرپرستی اور نئے نصاب کی حامل درسگاہ کا وجود آہستہ آہستہ موجودہ صورت حال میں

[illegible]
کے وفاق ہائے مدارس کی آخری سند "شہادت عالمیہ" کو ایم اے کے برابر تسلیم کیا جا چکا ہے لیکن جہاں تک ملازمت کا تعلق ہے ، ان کی سند کو عملاً تسلیم نہیں کیا جاتا ۔ بلکہ کالجوں میں داخلہ کی حد تک بھی قابل قبول نہیں سمجھا جاتا ۔ جب سے حکومت نے وزارت اوقاف کی جانب سے دینی مدارس کو زکوٰۃ کی رقم دینا شروع کی ہے اس تعلق میں قدرے اضافہ ہوا ہے ۔ گو مدارس کی ضروریات کے لحاظ سے مقررہ امداد ناکافی معلوم ہوتی ہے ۔ ملک میں بیک وقت دونوں نظاموں کا موجود رہنا کسی بھی صورت مستحسن قرار نہیں دیا جا سکتا ، لیکن اس صورت حال میں بتدریج ہی تبدیلی لائی جا سکتی ہے ۔ جس کی ایک شکل کا تذکرہ اوپر کی سطور میں آ چکا ہے یعنی ایک مثالی درسگاہ کا قیام یا موجودہ دینی مدارس میں سے کسی ایک مدرسہ کو انتخاب کر کے اسے عمل میں لایا جائے ۔

آج کل درس نظامی کے طلبہ مدرسے کے امتحانات کے ساتھ ساتھ مڈل ، میٹرک ، ایف اے اور بی اے کے امتحانات کی بھی تیاری کرتے ہیں ۔ چونکہ دونوں نظاموں میں امتحانات کے انعقاد کی تواریخ مختلف ہوتی ہیں اس لئے طلبہ کو دہرا حرج ہوتا ہے ، اس صورت حال کے تدارک کے لئے وفاق (Board) اور حکومتی اداروں کے امتحانات کے مابین توافق پیدا کرنے کی سعی کی جائے ۔ جہاں دینی مدارس کے نصاب میں جدید مضامین پر مشتمل لیکچرز اور دروس کے اہتمام کی تجویز پیش کی گئی ہے وہاں موجودہ کالجوں کے نصاب میں قرآن حکیم و حدیث کی تعلیمات پر مشتمل ایک مضمون کا اضافہ ناگزیر ہوگا ۔ دیگر مسلم ممالک میں سے سعودی عرب کے نظام تعلیم کے بارے میں ذاتی مشاہدے کی روشنی میں چند باتیں پیش کی جاتی ہیں ۔

سعودی عرب میں چونکہ دینی تعلیم کو بھی حکومت کی سرپرستی حاصل ہے اس لئے وہاں ملازمت کے سلسلہ میں وہ پریشانیاں نہیں پائی جاتیں جو ہمارے فارغ التحصیل طلبہ کو پیش آتی ہیں ۔ وہاں کے عدالتی نظام (قضا) میں بھی ایک کثیر تعداد کھپ جاتی ہے ۔ ثانوی مرحلہ میں وہاں دونوں قسم کے نظام رائج ہیں یعنی ہمارے اسکولوں کی طرز پر عصری تعلیم کے مدارس ، لیکن ان کے نصاب میں قرآن و حدیث ، عقائد ، فقہ و تجوید پر مشتمل کافی مواد شامل ہے ۔ دوسرے دینی مدارس جن میں خالص دینی علوم پڑھائے جاتے ہیں ۔ ثانوی مرحلہ کے بعد مزید دینی تعلیم حاصل کرنے کے خواہشمند طلبہ کلیہ شریعہ یا کلیہ اصول الدین میں داخلہ لیتے ہیں جہاں بی اے ، ایم اے اور ڈاکٹریٹ تک کی تعلیم کا انتظام کیا گیا ہے ۔ اس کے علاوہ عصری تعلیم کے لئے متعدد جامعات بھی قائم ہیں ۔ ہم ثانوی اور اعلیٰ دونوں مراحل میں وہاں کی نصابی کتب میں سے ضروری کتب کا انتخاب کر کے استفادہ کر سکتے ہیں ۔ (۹۵)

مولانا محمد یوسف بنوری کی تجاویز

درس و تدریس میں زندگی گذارنے کے بعد درس نظامی کی بابت جن نتائج پر پہنچے ان کا اظہار کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ۔

الف۔ قدیم علوم کی کتابوں کی تبدیلی

ب۔ جدید علوم کا اضافہ

الف۔ دینی مدارس میں مروجہ بیس بائیس علوم کی تقریباً سو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔ جن پر کم از کم آٹھ سال کا عرصہ لگتا ہے۔ ان میں سے اکثر دس کتابیں ایسی ہیں جن کا ہمیں بدل نہیں ملے گا۔ بقیہ سب کتب کا نعم البدل قدماء کی کتابوں میں مل سکتا ہے۔ ہم ان قدیم علوم کو ہٹانا نہیں چاہتے ہیں لیکن ہم اس سلسلہ میں ترمیم نہیں بلکہ تکامل چاہتے ہیں یہ ان علوم اسلامی کی خیر خواہی اور امت حاضرہ کے مفاد کے پیش نظر یہ خواہش رکھتے ہیں۔ ان نکات کے پیش نظر جدید نصاب کی بنیاد یا قدیم نصاب میں ترمیم کی تجاویز پیش کی جارہی ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

ب۔ جدید نصاب تعلیم کیلئے تین اہم نکات ہیں۔

i۔ تقلیل۔ یعنی نصاب مختصر ہو، جس کی فراغت و حصول میں بہت زیادہ عرصہ کی ضرورت نہ ہو۔

ii۔ تیسیر۔ یعنی نصاب میں مندرجہ کتابیں سہل و آسان زبان میں ہوں۔

iii۔ محو و اثبات یا اصلاح و ترمیم۔ یعنی بعض غیر اہم فنون کو ساقط کرکے جدید مفید علوم کا اضافہ ہو۔

نصاب جتنا مختصر ہوگا اس کے طالبین و شائقین میں حصول کا جذبہ زیادہ پیدا ہوگا۔ یہ درست ہے کہ مختصر نصاب سے بعض اوقات ہر طبیعت پوری طرح مستفید نہ ہوسکے گی لیکن اس کی تلافی کے لئے ایک مشترکہ عام نصاب کے بعد تخصص و تکمیل (ڈاکٹریٹ) کے درجات مقرر کئے جائیں جسے جس فن سے زیادہ مناسبت ہو اس کو وہ حاصل کرکے فن کا ماہر خصوصی بن سکے گا۔ مصر کے جامع ازہر نے جدید نظام تعلیم میں انہی اصولوں کا خیال کیا ہے اور جامع ازہر کے جدید نظام تعلیم میں تین کلیات (کالج) ہیں (i) کلیۃ اصول الدین (ii) کلیۃ الشریعۃ (iii) کلیۃ الآداب۔ پھر ہر کلیہ میں کچھ درجات تخصص (ڈاکٹریٹ) کے رکھے ہیں۔

تخصص و تکمیل کے لئے حسب ذیل شعبہ جات ہونے چاہئیں

۱۔ التخصص فی علوم القرآن والتفسیر

۲۔ التخصص فی علوم الحدیث

۳۔ التخصص فی الادب والتاریخ

۴۔ التخصص فی الفقہ واصول الفقہ والقضاء والافتاء

۵۔ التخصص فی علم التوحید والفلسفہ والمعقول
۶۔ التخصص فی علم المعیشۃ والاقتصاد
۷۔ التخصص فی علم الاخلاق والتصوف

سہ سالہ **مختصر نصاب** اس ضمن میں مرکزی مدارس میں جہاں یہی نصاب اعلیٰ تحقیقات کے لئے کوشش ہو اس کے ساتھ ایک ایسا مختصر نصاب ان افراد کے لئے مقرر کیا جائے جو انگریزی تعلیم سے بقدر ضرورت فراغت پاچکے ہیں ۔ وہ مدرس یا عالم بننا نہیں چاہتے بلکہ صرف اپنی دینی ضرورت کے پیش نظر قرآن حکیم و حدیث اور اسلامی علوم سے واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں ۔ ان کے لئے زیادہ سے زیادہ سہ سالہ نصاب مقرر کیا جائے جس میں صرف و نحو، قرآن و حدیث، فقہ و عقائد اور ادب و تاریخ تک علوم شامل ہوں، انہیں پڑھ کر عربی زبان میں بولنے اور لکھنے کی قدرت کے ساتھ اپنی ضرورت پوری کر سکیں ۔ یہ وقت کے اہم تقاضوں میں سے ایک تقاضہ ہے ۔ جہاں اس کا یہ فائدہ ہوگا کہ ایک گریجوایٹ عالم دین بن سکے گا ۔ اس کا دوسرا اہم فائدہ یہ بھی ہوگا کہ دینی و دنیوی تعلیم میں جو خلیج حائل ہے اور فریقین جو ایک دوسرے سے مسلک و خیال میں دو نکات پر الگ الگ ہیں ان میں مفاہمت کی خوشگوار صورت پیدا ہو سکے گی اور ایک دوسرے سے قریب ہو جائیں گے ۔ خیالی و ذہنی بدگمانیوں میں جو ہر فریق مبتلا ہے یہ اختلاف بھی ختم ہو جائے گا ۔ اس لئے تین نصابوں کی ضرورت ہوگی ۔ ایک مدرس عام کے لئے نصاب ۔ (۲) دوسرا ماہر خصوصی کے لئے نصاب (۳) تیسرا صرف دینی ضرورت کے لئے عالم بننے کا نصاب ۔

دوسرا اہم تقسیم کا ہے ۔ علوم عربیت کا مقصد قرآن حکیم و حدیث کے لغوی، ترکیبی اور اعرابی مشکلات کا حل ہے لیکن آگے چل کر یہ مبادی خود مقاصد بن گئے ۔ قرآن حکیم و حدیث کی تراکیب اپنی جگہ رہیں خود ان کتابوں کے مسائل و عبارات مرکز توجہ بن گئے، ابن حاجب کے کافیہ کو لیجئے جس کی پچاس سے زیادہ شرحیں لکھی گئیں ۔ اس ماحول میں اب بھی ان غیر اہم مسائل پر جمے رہیں گے تو علوم اسلامیہ سے توجہات ہٹ جائیں گی اور ہمارا یہ طرز عمل ہمارے اکابر و سلف کی اس "تراث فاخر" اور اس علمی ثروت و سرمایہ کو طاق کے گوشے اتار دے گا ۔ یہ در حقیقت علم کی خیر خواہی نہیں بلکہ نادان دوست کا سا طرز عمل ہوگا ۔ کیا فقہ اسلامی میں کنز الدقائق، وقایہ اور شرح وقایہ کے بہترین بدل اسلاف کی کتابوں میں موجود نہیں؟ کیا جامع صغیر، جامع کبیر وغیرہ براہ راست مدون فقہ امام محمد بن الحسن الشیبانی کی کتابیں ہر حیثیت سے جامع نہیں ہیں؟ ان میں جو علم ہے وہ ان متاخرین کی کتابوں میں کہاں سے ملے گا، کتب فقہ میں نور الایضاح، قدوری اور ہدایہ کے علاوہ بقیہ سب قابل تبدیل ہیں ۔

فلسفہ، منطق اور کلام کو لیجئے، امام غزالی کے چند رسائل محک النظر، معیار النظر، مقاصد الفلاسفہ الاقتصاد فی الاعتقاد، وغیرہ وغیرہ کے پڑھنے سے وہ مہارت پیدا ہو سکتی ہے جو بمشکل ان بڑی دقیق و طویل کتابوں

سے حاصل ہوگی۔ غزالی کی حسن تعبیر، تفہیم اور حل مشکلات کی توفیق اجارۂ قدرت کا کیا دنیا کے مسلمات میں شمار نہیں ایسا ہو سکتا ہے کہ بعض مسائل فن کے غیر مذکور ہوں اور بعض غیر منقح ہوں۔ لیکن جتنے مذکور ہیں ان سے جتنی مہارت و مناسبت انشراح صدر و اطمینان قلب حاصل ہو سکتا ہے۔ متاخرین کی اکثر کتابوں میں وہ روح کبھی نہیں مل سکتی۔ امام رازی کو منطق و فلسفہ کے سب سے بڑے امام مانے جاتے ہیں، ان کی کتابیں نہایت سلیس شگفتہ عبارت میں ہیں جو راہنمائی و عقدہ کشائی کر سکتی ہیں وہ متاخرین کی کتابیں کبھی نہیں کر سکتیں لہٰذا تسہیل کو اختیار کرنا نہ صرف وقت کا اہم تقاضا اور اہم ضرورت ہے بلکہ علوم اسلامیہ کی سچی خدمت اور علوم سے بڑھ کر دین اسلام کی خدمت ہے

گذشتہ رائج نصاب تعلیم میں قرآن مجید، علوم حدیث، تاریخ اسلامی، سیرت نبویہ، ادب و علوم بلاغت کو وہ اہمیت حاصل نہیں تھی جو بقیہ علوم فنون کو حاصل تھی حالانکہ نصاب تعلیم میں اولیت و اہمیت کا درجہ ان علوم کو حاصل ہونا چاہیے بقیہ علوم کو ثانوی درجہ میں رکھنا چاہیے۔ عربی ادبی زبان میں گفتگو، خطابت، انشاء کو کبھی اہمیت نہیں دی گئی لیکن اب وقت کا اہم تقاضا ہے کہ ان امور کو سب سے پہلا درجہ نصاب میں حاصل ہونا چاہیے۔

لسانیات ہی کے طرز تعلیم پر عربی ادب کی تعلیم اترجیحی اولی ضروری ہے۔ جدید ادبی اسلوب جس میں فرانسیسی ادب کے اسلوب سے استفادہ کیا گیا ہے، جس میں جاذبیت و شیرینی ہے اور ادب کا یہ اسلوب قدیم تر اسلوب سے بہت قریب ہے۔ جاحظ ابن المقفع اور عہد مامون کے ادبی اسلوب کا ذخیرہ امت کے سامنے موجود ہے بلکہ احادیث نبویہ کا اسلوب بیان اور فصحاء کا طرز بیان خطباء عرب کا قدیم اسلوب بہت ہی مقارب ہے۔ (۱۰۰)

مولانا سید عبدالخالق گیلانی کی تجاویز

آپ نے مندرجہ ذیل چند راہنما تجاویز پیش کی ہیں۔

الف۔ ابتدائی درجوں کے لئے دینی مدارس میں بھی وہی نصاب تعلیم رائج ہو جو جدید مدارس میں ہے۔ یعنی نوشت و خواند، روز مرہ ریاضی، پاکستان اور عالم اسلام سے واقفیت اور عام سائنس کی ابتدائی معلومات۔ جن دینی مدارس میں اس کا انتظام نہ ہو وہ اس درجے کے تعلیم یافتہ بچوں کو داخلہ کے لئے منتخب کریں۔

ب۔ ثانویہ عامہ یعنی میٹرک تک کے لئے ایسا نصاب تجویز کیا جائے جس میں دینی معلومات کو آرٹس کے علوم کے برابر قرار دیا گیا ہو۔ جدید اداروں میں سائنس اور آرٹس کے طلبہ میٹرک ہی میں الگ ہو جاتے ہیں اور آرٹس کے بہت سے علوم میں سے کوئی سے منتخب مضامین کا امتحان پاس کرنے والے میٹرک کی سند اور تمام حقوق کے مستحق ہوتے ہیں جبکہ انگریزی، عربی، فارسی غیر ملکی زبانوں کو خود مضامین کی تدریس سے کوئی تعلق نہیں۔ اس لئے انگریزی یا عربی پڑھنے والوں میں سند کے استحقاق میں کوئی فرق نہ ہونا چاہیے۔ انگریزی کو لازمی

قرار دیئے رکھنا اور ہر سال اسکولوں کے ہزاروں بچے فیل کرنا توسیع تعلیم کے مقاصد کے قطعاً خلاف اور قوم پر ظلم ہے۔

ج۔ ثانویہ خاصہ یعنی انٹرمیڈیٹ اور عالیہ یعنی گریجویشن میں بھی آرٹس والوں کی طرح دینی مدارس کے طلبہ کو دینی علوم کی بنیاد پر امتحان دینے اور شہادت (اسناد) حاصل کرنے کا حق دیا جائے۔

د۔ یہ شہادات وہی ہوں جو بورڈ اداروں کے طلبہ کو جاری کی جاتی ہیں الگ سند جاری کر کے اسے دوسروں کے برابر قرار دینا ایک مذاق ہے اور صاحب شہادت کو اچھوت بنا دینا ہے۔

ہ۔ دینی مدارس اپنے ہاں ریاضی، عام سائنس، علم التعلیم، تاریخ اور معاشیات کی تدریس کا درجہ بدرجہ بندوبست کریں اور اسلامی نقطہ نظر سے ان علوم کی تدریس کریں۔ فلسفہ مطلقاً اور منطق اصطلاحات کے سوا خارج کر دیئے جائیں۔

و۔ تفسیر، حدیث اور فقہ میں مروجہ کتابیں بھی موزوں ہیں اور ان کا بدلنا ضروری نہیں اگرچہ موزوں تر کا انتخاب کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اصول فقہ، معانی و بیان اور نحو میں پیچیدہ مباحث والی کتابوں کے بجائے ایسی کتابیں مقرر کی جائیں جو نفس مضمون کو عام فہم انداز میں پیش کرتی ہیں۔ مشکل پسندی کا زمانہ گذر گیا اور مقصد علم حاصل کرنا ہے نہ کہ کوئی مدرس کتاب سمجھنا۔ ایسی کتب دستیاب بھی ہیں اور جہاں ضروری ہو از سر نو مرتب بھی کی جا سکتی ہیں۔ (۱۰)

مولانا عنایت اللہ کی تجاویز

دینی مدارس میں بنیادی طور پر درس نظامی کا نصاب رائج ہے اور یہ نصاب علماء نے دین کی جملہ ضروریات کو مدنظر رکھ کر ترتیب دیا تھا۔ اور اس میں ہر علم و فن کی ایسی کتابیں تجویز کی گئی جو سطحی اور سرسری معلومات کے بجائے اس علم و فن میں مستحکم اور ٹھوس استعداد پیدا کریں۔ اور اسی مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس بنیادی ڈھانچے میں بہت زیادہ انقلابی تبدیلیوں کی اب ضرورت نہیں ہے البتہ وقت کی علمی اور دینی ضروریات کے پیش نظر مختلف حیثیتوں سے نظر ثانی کی ضرورت ہے۔ اس وقت ہمارے نظام تعلیم میں جو خلا محسوس ہو رہا ہے وہ مندرجہ ذیل ہے۔

۱۔ عربی زبان کا ذوق و شوق پیدا کرنے کے لئے ہمیں چاہیئے کہ ایسا نظام و نصاب ترتیب دیں جس کے ذریعے طلباء عربی میں تحریر و تقریر کے ماہر ہو جائیں۔ اور آہستہ آہستہ مدارس کا ذریعہ تعلیم مکمل عربی بنایا جائے۔ مکمل ماحول کو عربی میں ڈھالا جائے۔ شروع میں یہ تبدیلی مشکل محسوس ہوگی لیکن آہستہ آہستہ یہ تبدیلی لائی جائے مثلاً شروع میں مدارس کے اعلانات، تمام دفتری کاروائی، امتحانی پرچہ جات، و نتائج وغیرہ کو عربی میں منتقل کر دیا جائے۔ اس کے بعد رفتہ رفتہ یہ ماحول مکمل عربی میں تبدیل کیا جائے۔ جیسا کہ جامعہ فاروقیہ میں

طلباء کو ترغیب دی گئی اور انہیں شوق دلایا گیا تو طلباء کی بڑی تعداد عربی زبان میں اپنے امتحانی پرچے حل کرنے لگی۔

۲۔ دنیائے عرب کی دیگر بڑی بڑی جامعات کی طرح پاکستان کے دینی مدارس میں بھی اساتذہ کی تدریسی تربیت کے لئے "دورۃ التدریبیۃ" شروع کیا جائے اس معاملے میں عرب دنیا کی جامعات سے مدد لی جائے۔ چنانچہ جامعہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی کراچی میں جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ کے تعاون سے اس طرح کا ایک پروگرام "دورۃ التدریبیۃ" کے نام سے شروع کیا گیا۔ وہ علماء جو اس پروگرام میں شریک ہوئے، انہوں نے اس کی اہمیت اور افادیت کو تسلیم کیا۔

۳۔ عربی زبان کی مسلسل مشق کے لئے مہینے میں ایک مرتبہ ہر مدرسہ میں ضرور ایسے اجتماعات منعقد کئے جائیں جن میں طلباء عربی میں تقریریں کریں اور مقالات پڑھیں۔ چنانچہ جامعہ مذکور میں النادی العربی کے ذریعے عربی زبان میں اظہار مافی الضمیر کے لئے تقریری مقابلوں کا اہتمام کیا گیا۔ تاکہ وہ جھجک جو علماء کو عربی زبان میں اظہار خیال کے لئے درپیش رہتی تھی اس کا ازالہ ہو سکے۔ النادی العربی کے ذریعے طلباء اور اساتذہ میں تحریر و تقریر کی قابل ذکر مہارت پیدا ہوئی اور اسے مستقل طور پر نافذ کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا۔

۴۔ بعض علوم عصریہ ایسے ہیں کہ موجودہ دور میں دین کی مؤثر تبلیغ، کماحقہ دفاع اور اس کی صحیح خدمت کے نقطہ نظر سے ایک عالم کے لئے بحیثیت عالم ان کی فی الجملہ واقفیت ضروری یا مفید ہو گئی ہے مثلاً انگریزی زبان، جدید مغربی فلسفہ، معاشیات، سیاسیات اور اصول قانون وغیرہ۔

جدید مغربی تصور تعلیم کے اثر سے دنیا میں جتنی گمراہیاں پھیلی ہیں ان سب کے سرچشمے فاسد خیالات میں پوشیدہ ہیں جب تک ان گمراہیوں کے اصل مطالعہ سے کماحقہ واقفیت نہ ہو ان کی تردید اور ان پر تنقید و تبصرہ ان لوگوں کے لئے پوری طرح مؤثر نہیں ہوتا، جو ان کے براہ راست مطالعے سے مرعوب و متاثر ہوتے ہیں۔ اس کے لئے انگلش میں ایڈوانس لیول کورس شروع کروائے جائیں تاکہ تقریر میں بلا تامل اسے استعمال کر سکیں۔ جامعہ فاروقیہ کراچی میں ابتدائی درجات میں یہ کام شروع ہو چکا ہے۔

۵۔ طلبا کو جدید نظریات اور مستشرقین کی چالبازیوں سے بخوبی واقف کرا کے ان کا بھرپور توڑ بھی بتایا جائے۔

۶۔ کوشش کی جائے کہ عوام الناس کے مطالبہ کی بنا پر طلباء میں یہ خواہش ختم کی جائے کہ وہ اپنی مدارس کی اسناد کو یونیورسٹی کی اسناد کے مساوی قرار دلوانے کی تگ و دو کریں اس لئے کہ علمائے دین دنیاوی امداد اور معاونت کا طبعاً رجحان نہیں رکھتے ان کی تعلیم خالصتاً لوجہ اللہ الکریم ہوا کرتی ہے نہ کہ تلاش دنیاوی کے لئے۔

۷۔ معاشیات اور تقابل ادیان کے مضامین کے لئے بعض ضروری کتابیں مقرر کی جائیں جنہیں سبقاً سبقاً

پڑھایا جائے اسی طرح مدارس عربیہ کے نصاب میں تاریخ اسلامی کو خصوصاً دور بنوامیہ، دور بنو عباس اور بعد کے ادوار کو شامل کیا جائے تاکہ علماء تاریخ اسلامی پر گہری نظر کے حامل قرار پائیں اسی طرح وہ علوم جو انسانی طبائع مزاج اور عادات کو سمجھنے کے لئے مفید ہیں جیسے سائیکالوجی وغیرہ انہیں بھی مناسب انداز سے نصاب کا جزو بنانا چاہیے تاکہ علمائے دین اپنی تبلیغ کے اسلوب میں ان سے مدد حاصل کر سکیں اسی طرح جغرافیہ اور مطالعہ پاکستان کو ابتدائی نصاب میں شامل کرنا نہایت مفید ہے۔

۸۔ مدارس اسلامیہ میں تصنیف و تالیف میں جدید اسلوب نگارش کو اپنانا بھی ضروری ہے۔ فی الوقت یہ بات باعث مسرت ہے کہ پاکستان کے اہم مدارس اپنے علمی مجلات شائع کر رہے ہیں جیسا کہ جامعہ فاروقیہ سے اردو، عربی اور انگلش میں "الفاروق" کے نام سے الگ الگ تین باقاعدہ مجلات شائع کئے جا رہے ہیں لیکن اب بھی یہ ضرورت شدت سے محسوس کی جا رہی ہے کہ اہل مدارس اپنے طلباء کو ریسرچ کے جدید اسلوب سکھائیں جس سے ان کی علمی خدمات اور زیادہ وقیع بن سکیں۔

۹۔ دینی مدارس کے نظام تعلیم میں جدید ٹیکنالوجی کا استعمال بھی نہایت ضروری ہے۔ مثلاً کمپیوٹر سائنس کو جو کہ وقت کی نہایت اہم ضرورت ہے۔ طلباء کو اس سے روشناس کرانے کے لئے کمپیوٹر کلاسوں کا آغاز انتہائی مؤثر قدم ہے۔ اسے فوری طور پر اپنانا چاہیے۔ تاکہ ہونہار طلباء جب کل معاشرے میں خدمات انجام دینے کے لئے پیش ہوں تو انہیں مشکلات درپیش نہ ہوں۔ جامعہ فاروقیہ کراچی نے مستقبل کی اس ٹیکنالوجی کو طلباء میں روشناس کرانے کے لئے کمپیوٹر کلاس کا انتظام کیا ہوا ہے۔

۱۰۔ مدارس عربیہ میں غیر نصابی سرگرمیوں کی بھی شدید ضرورت ہے مثلاً تقریر و تحریر کے علمی مقابلے، حسن قراءت، حمد و نعت، جوڈو کراٹے اور دیگر کھیلوں کے مقابلے بھی طلباء کی ذہنی و جسمانی توانائیوں کو جلا دینے میں انتہائی مفید و مددگار ہوتے ہیں۔ جہاں ان سرگرمیوں کو مقصد اصلی قرار دینا غلط ہے وہاں ان باتوں کو فضول قرار دینا بھی نامناسب ہے۔ ضرورت اس کی ہے کہ اعتدال اختیار کرتے ہوئے امت مسلمہ کی رہنمائی کے لئے ایسے رجال کار تیار کئے جائیں جو زمانے کے چیلنج کا مقابلہ کرنے کی صلاحیتوں سے آراستہ ہوں اور پھر اس تعلیمی انقلاب کے ذریعہ امت اسلامیہ ایک حقیقی، عملی، اسلامی انقلاب کی طرف گامزن ہو سکے۔(۶۲)

مفتی سراج الدین کاکاخیل کی تجاویز

آپ کے خیال میں

۱۔ نصاب میں اسلامی تعلیمات کی روشنی میں تنقید بھی شامل ہونی چاہیے۔ مثلاً ہیگل کے فلسفہ جدلیت اور اس کی بنیاد پر کارل مارکس کا نظریہ اشتراکیت، میکیاولی کے فلسفہ اخلاق، ڈارون کے فلسفہ ارتقا اور فرائڈ کے نظریہ جنسیت کے بارے میں ایسی کتابیں اردو میں مرتب کی جائیں جن کو خود نصاب پڑھایا جائیگا یہ کتابیں

ایسے مصنفین سے تصنیف کرائی جائیں جن کو پوری طرح ان فلسفوں پر عبور حاصل ہو اور انہوں نے اصل مآخذ کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد ان کی پوری حقیقت کو سمجھا ہو، تاکہ پڑھنے والے طلبہ کو صرف سرسری اور سنی سنائی باتیں نہ بتائی جائیں بلکہ مستند حوالوں کی روشنی میں ہر فلسفہ کی اصل حیثیت اور بنیادی اصول بتائے جائیں۔ یہ کتابیں ان دینی مدارس میں باقاعدہ پورے اہتمام کے ساتھ اور طلبہ کو اچھی طرح سمجھا کر پڑھائی جائیں اور پھر اس کے ساتھ ان میں سے ہر فلسفہ کی خامیاں، کمزوریاں اور خلاف حقیقت ہونا بھی اچھی طرح سمجھایا اور پڑھایا جائے۔

۲۔ اسی طرح دینی مدارس میں تاریخ پڑھانے کی بھی ضرورت ہے۔ یوں تو تاریخ ایک وسیع اور نہ ختم ہونے والا مضمون ہے، تاریخی معلومات کی وسعت کے لئے مستقل مطالعہ کی ضرورت ہے لیکن درجہ وار اجمالی تاریخ پڑھانا تاکہ اس مضمون کے ساتھ طلبہ کو انس پیدا ہو اور پھر وہ خود مطالعہ کر سکیں، کسی حد تک نصاب میں رکھنا بھی وقت کی ضرورت ہے اس کے لئے بھی اگر آسانی کی خاطر اردو کی کتابیں تجویز کی جائیں تو بہتر ہوگا جماعت وار ترتیب یوں رکھی جائے کہ ایک کتاب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ اور آپ کے دور کے حالات کے بارے میں، دوسری کتاب خلفاء راشدین کے حالات پر مشتمل، تیسری کتاب بنی امیہ کے حالات پر ہو اور ان میں سے حضرت عمر بن عبدالعزیز کا دور ذرا تفصیل سے پڑھایا جائے اور چوتھی کتاب دور عباسیہ پر مشتمل ہو ان کتابوں کے پڑھنے سمجھنے اور یاد کرنے میں طلبہ کو کوئی خاص وقت نہیں ہوگی اور ان کا زیادہ وقت خرچ نہ ہوگا، ندوۃ المصنفین، اعظم گڑھ کی کتابیں اس مقصد کے لئے زیادہ مفید ہیں جن سے یہ کام لیا جا سکتا ہے۔

۳۔ اسی طرح علامہ خضری کی کتاب التشریع الاسلامی بھی فقہ کی کسی کتاب کے ساتھ پڑھائی جائے تاکہ تدوین فقہ کی تاریخ بھی ان کے سامنے آ۔

۴۔ موجودہ دور میں علم معیشت نے بھی خاص اہمیت حاصل کی ہے۔ دینی مدارس کے طلبہ کو اس مضمون کی اہمیت کے پیش نظر کسی حد تک اس سے واقف ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا اردو میں کوئی ایسی کتاب تجویز کی جائے کہ اس کے ذریعے ان کو اس علم کی بنیادی معلومات حاصل ہوں اور اس کے ساتھ اسلام کا معاشی نظام بھی باقاعدہ دلائل کے ساتھ پڑھایا اور سمجھایا جائے۔

۵۔ جغرافیہ پڑھانے کا بھی اسی طرح اہتمام کیا جائے کہ درجہ وار ہر جماعت میں اس کے کچھ حصے ضروری حد تک پڑھائے جائیں اور نقشوں کے ذریعے مختلف ممالک کے بارے میں ان کو واقف بنایا جائے۔ مثلاً پہلے درجہ میں پاکستان کا جغرافیہ، دوسرے درجے میں ایشیا کا جغرافیہ، تیسرے درجہ میں یورپ کے ممالک کا تعارف کرایا جائے، چوتھے درجے میں امریکہ کے بارے میں ان کو معلومات فراہم کی جائیں۔

۶۔ سیاسیات اور شہریت کے لئے کتابیں منتخب کر کے ان کو مطالعہ کے لئے دی جائیں اور لازمی مطالعہ

کے ذریعے وہ خود بہ خود معلومات حاصل کر سکیں گے ۔ (۶۳)

مولانا ابوالکلام آزاد کی تجاویز

آپ لکھتے ہیں کہ اگر ہم نظام تعلیم میں اصلاح چاہتے ہیں، تو عربی علم اور تعلیم میں جس فن کی تعلیم بھی شروع کی جائے، اس کی پہلی، ابتدائی مادری زبان میں ہونا چاہیئے تاکہ وہ فوراً پکڑ لے اور اگر پہلی ابتدائی مادری زبان میں نہیں ہوتی ہے تو پھر کافی وقت لگ جاتا ہے کہ وہ اپنے دماغ کو اس اجنبی صورت سے آشنا کرے ۔ نتیجہ یہ نکلا کہ عربی کے صرف و نحو کی پہلی کتاب اردو میں ہونی چاہیئے ۔ اس طرح سے منطق کی پہلی کتاب اردو میں ہونی چاہیئے ۔ اس طریقے سے جتنے فنون آلیہ ہیں، ان کی پہلی کتاب مادری زبان میں ہونی چاہیئے، تاکہ بیک وقت حل زبان، حل عبارت، حل موضوع کا بوجھ اس کے اوپر نہ پڑے ۔ دوسری چیز متون و شروح کی بابت ہے ۔ جو ہماری تعلیمی قوت کو نقصان پہنچا رہا ہے ۔ ان میں بھی اصلاح کی ضرورت ہے ۔

تیسری چیز یہ ہے کہ وہ کیا اسباب تھے جن کی وجہ سے ہندوستان میں عربی علم و ادب کی تعلیم ہمیشہ کمزور رہی ۔ عربی علم و ادب میں اسلامی علوم کا خزانہ مدفون ہے اور بغیر اس سے آشنا ہوئے ہم اسلامی علوم سے آشنا نہیں ہو سکتے ۔ ہندوستان میں ادب عربی کی تعلیم کا سلسلہ ہمیشہ کمزور رہا ہے ۔ اگر آپ معلوم کرنا چاہیں کہ ہندوستان میں کون کون اشخاص ایسے پیدا ہوئے، جو ایک عرب کی طرح سلیس اور فصیح عربی لکھ سکیں، میں ایک ہاتھ کی انگلیوں پر ان کے نام گن سکتا ہوں ۔ (۶۴)

پروفیسر عبداللطیف انصاری کی تجاویز

۱۔ عربی زبان و ادب کی تدریس کا اہتمام اس طرح کیا جائے کہ طلباء کو عربی تحریر و تقریر پر قدرت حاصل ہو جائے ۔ اس مقصد کے لئے جدید طریقہ ہائے تدریس اپنا کر جدید طریقہ ہائے تدریس پر مبنی کتب شامل نصاب کی جائیں ۔

۲۔ اسلامی نظام حیات کے مختلف پہلوؤں پر مبنی لٹریچر تمام درجات میں طلباء کی ذہنی استعداد کو مد نظر رکھتے ہوئے شامل نصاب کیا جائے تاکہ طلباء اسلام کو بحیثیت دین اور نظام حیات کے اچھی طرح سمجھ سکیں ۔

۳۔ فقہ اسلامی کے رائج شدہ نصاب کی تدریس سے فارغ ہونے والوں میں اتنی استعداد نہیں پیدا ہوتی کہ انہیں منصب قضا پر مامور کیا جاسکے ۔ اس منصب کے دو پہلو ہیں

الف ۔ فقہی جزئیات پر تفصیلی نظر

ب ۔ عملی تربیت برائے شعبہ قضا

جزو "الف" سے متعلقہ مضامین کی تعلیم کا اہتمام مروج نصاب تعلیم کے دوران ہی ہو سکتا ہے ۔ بشرطیکہ فقہ حنفی کی موجودہ مستند متداول کتب کو باقاعدگی کے ساتھ مکمل کرنے کے علاوہ بقیہ ائمہ ثلاثہ کی فقہ سے متعلق بھی

واقفیت بہم پہنچائی جائے ۔ جس کے لئے ذیل کتب بالخصوص "ہدایۃ المجتہد ، الفقہ علی المذاہب الاربعہ " اور اس فقہ السنۃ " اور اس نوع کی دیگر کتب کو شامل نصاب کیا جاسکتا ہے ۔ اگر ضروری ہو تو اس کے لئے مدت تعلیم کو بڑھانا بھی مناسب ہوگا ۔

جزو " ب " پر عملی تربیت کے لئے انہی خطوط پر عملی تربیت کا اہتمام کیا جائے جس طرح ایل ایل بی کے طلباء کے لئے قانون کے کالج میں کیا جاتا ہے تاکہ طلباء کو فریقین کی طرف سے دلائل پیش کرنے ، سننے ، لکھنے اور فیصلہ تحریر کرنے کی عملی تربیت کا موقع مل سکے ۔ آزاد کشمیر میں ۱۹۸۳ء میں قاضیوں کا تقرر عمل میں لایا گیا ہے لیکن عملی طور پر محسوس کیا گیا ہے کہ قاضیوں کے لئے تقرری سے قبل علم فقہ کے ساتھ قضاء کی عملی تربیت بھی ضروری تھی ۔

۳ ۔ درسگاہوں میں فنی اور پیشہ ورانہ نوعیت کے شعبہ جات قائم کئے جائیں ۔

طلباء کی تعلیمی ترقی کو جانچنے اور مسابقت کا جذبہ پیدا کرنے نیز درس و تدریس کی سرگرمیوں میں تنظیم کے لئے ضروری ہے کہ ہر سہ ماہی کے اختتام پر تحریری امتحان منعقد کیا جائے ۔ امتحان میں طلباء کی کارکردگی کا باقاعدہ ریکارڈ مرتب کیا جائے ۔ طلبہ کی تعلیمی ترقی کی رپورٹ والدین کو بھی ارسال کی جائے اور تعلیمی سال کے آخر میں سالانہ امتحان کا انعقاد کیا جائے اور اس موقع پر طلباء کی راہنمائی کیلئے جامع جائزہ رپورٹ تیار کی جائے ۔ (۶۵)

مولانا متین ہاشمی کی تجاویز

مولانا لکھتے ہیں کہ درس نظامی کا موجودہ نصاب اس زمانے کی ضروریات اور تقاضوں کو پیش نظر رکھ کر بنایا گیا تھا جب اس کی تدوین ہوئی تھی اب حالات یکسر تبدیل ہوچکے ہیں اس لئے نصاب کو بھی تبدیل ہونا چاہئے ۔ نصاب کو تبدیل کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ اس تعلیم کے اغراض و مقاصد کا تعین کر لیا جائے جو حسب ذیل ہو سکتے ہیں ۔

الف ۔ قرآن و سنت میں بصیرت تامہ کا حصول

ب ۔ اسوہ حسنہ کی روشنی میں تعمیر سیرت و کردار

ج ۔ تبلیغ و اقامت دین

د ۔ نظریہ پاکستان سے عملی وابستگی

ہ ۔ تزکیہ نفس اور

و ۔ عصری علوم سے حسب ضرورت واقفیت

ان مقاصد کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ ابتدائی دو سالوں میں علوم آلیہ مثلاً صرف و نحو ، ابتدائی

عربی ادب، بلاغت، ابتدائی منطق، فلسفہ قدیم کی تکمیل کرائی جائے، جہاں تک کہ متعلم عربی عبارت پڑھنے اور ترجمہ کرنے پر قادر ہو جائے۔ بعد کے چار سالوں میں عقائد و کلام، فلسفہ جدید کے مبادیات، منطق جدید ترجمہ قرآن حکیم مکمل، فقہ، میں تاریخ عام، تاریخ اسلام، جغرافیہ، مبادیات سائنس، انگریزی زبان، اصول فقہ، اصول حدیث، اصول تفسیر، فلسفہ شاہ ولی اللہ، پڑھا دیا جائے۔ بقیہ دو سالوں میں تفسیر کی ایک اہم کتاب تفسیر قرطبی پڑھائی جائے اور ایک جدید تفسیر بھی داخل درس رہے۔ دورہ حدیث کو دو سالوں میں تقسیم کیا جائے سال اول میں مؤطا امام مالک شرح معانی الآثار، ابو داؤد شریف۔ سنن نسائی اور سال دوم میں صحیحین، ابن ماجہ نخبۃ الفکر مؤطا اور ترمذی پڑھائی جائے۔(۶۴)

ڈاکٹر منصور علی کی تجویز

موصوف لکھتے ہیں کہ زبان کو سکھانے کے لئے جدید طرز کے صمعی بہت مفید ثابت ہو رہے ہیں جس میں Audio Visual اور کیسٹ اور ٹیپ ریکارڈر، کے سسٹم نے حیرت انگیز نتائج پیش کئے ہیں، یہ دونوں وسائل غیر مادری زبان کے سیکھنے میں بہت عمدہ معاون ثابت ہو رہے ہیں۔ عرب دنیا میں ۱۸ سال کے نوجوانوں کو ہفتہ میں پانچ گھنٹے لیکچرز دو بارہ گھنٹے عملی کام (لیبارٹری) کے ذریعہ تین سمسٹرز (ہر سمسٹر ۲ ہفتے کا ہوتا ہے) میں اس قابل بنا دیتے ہیں کہ طلباء انگریزی میں لیکچرز سمجھ لیتے ہیں اور اس زبان میں پڑھنے اور سمجھنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ یہی طریقہ اسلامی یونیورسٹی میں عربی کو سکھانے کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے۔ اس طرح ایک سال میں عربی زبان مکمل طور پر سکھادی جاتی ہے۔

ان تمام پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہوئے جدید وسائل کو بروئے کار لا کر قرآن حکیم اور احادیث پر علمی تحقیق کا آغاز کیا جانا چاہیئے۔ جہاں تک قرآن حکیم اور کمپیوٹر کا تعلق ہے تو بہت ہی ابتدائی کام امریکہ میں اور کچھ کام مصر میں ہوا ہے۔ حدیث کے سلسلے میں کمپیوٹر کو مصطفیٰ الاعظمی اور مفتی برکت اللہ نے استعمال کیا ہے لیکن دونوں بھی ابتدائی مرحلے سے گزر رہے ہیں۔ اعظمی اللہ اب تک چالیس ہزار احادیث کمپیوٹر پر لے آئے ہیں جن کے ذریعہ وہ احادیث پر کام کرنا چاہتے ہیں۔(۶۵)

ڈاکٹر منصور لکھتے ہیں کہ نصاب میں بنیادی حیثیت قرآن پاک اور سنت کے براہ راست مطالعہ کو دی جائے۔ قرآن حکیم کے مطالعہ میں جدید دور کی تفاسیر سے بھی استفادہ کیا جائے۔

۲۔ سیرت کا تفصیلی مطالعہ اس عنوان سے ہو کہ کس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زندگی، دعوت میں صرف کی اور کس طرح اپنے دور میں انقلاب عظیم برپا کیا۔

۳۔ اجتماعی زندگی کے مختلف پہلوؤں یعنی سیاسی، عدالتی اور معاشی نظام وغیرہ کے بارے میں اسلام نے جو عملی نقشہ پیش کیا ہے وضاحت سے اس کی تدریس کی جائے۔

۴ - دور جدید کے گمراہ مفکرین اور ان کے طرز فکر، نظریات کا تنقیدی مطالعہ بھی کروایا جائے۔
۵ - حالات حاضرہ پر غور و فکر کی تربیت کے لئے سیمینار کا طریقہ اختیار کیا جائے۔ (۶۸)

خلاصہ بحث

الف - ابتدائی درجات کے لئے دینی مدارس میں بھی وہی نصاب رائج ہو جو جدید مدارس میں ہے۔ یعنی نوشت وخواند، روز مرہ ریاضی، پاکستان اور عالم اسلام سے واقفیت، امور عامہ، سائنس کی ابتدائی معلومات، جن دینی مدارس میں اس کا انتظام نہ ہو اس درجے کے تعلیم یافتہ بچوں کو داخلہ کے لئے لے سکتے ہیں۔
ب - ثانویہ عامہ یعنی میٹرک تک کے لئے ایسا نصاب تجویز کیا جائے جس میں دینی معلومات کو آرٹس کے علوم کے برابر قرار دیا گیا ہو۔ اور آرٹس کے بہت سے مضامین میں سے کوئی سے منتخب مضامین اختیار کر کے ان کا امتحان دیا جا سکتا ہے۔
ج - ثانویہ خاصہ (انٹرمیڈیٹ) اور عالیہ (گریجویشن) میں بھی آرٹس والوں کی طرح دینی مدارس کے طلبہ کو دینی علوم کی بنیاد پر امتحان دینے اور شہادات (اسناد) حاصل کرنے کا حق دیا جا سکتا ہے۔
د - دینی مدارس اپنے ہاں ریاضی، عام سائنس، علم التعلیم، تاریخ اور معاشیات کی تدریس کا درجہ بدرجہ بندوبست کر کے اسلامی نقطہ نظر سے ان علوم کی تدریس کریں، فلسفہ مطلقاً اور منطق اصطلاحات کے سوا خارج کر دیئے جائیں۔ (۶۹)

دینی مدارس کے موجودہ نصاب میں ریاضی، تاریخ، ادبیات، پولیٹیکل سائنس، ایجوکیشن شامل ہو جائیں اور علم الکلام، علوم عقلیہ کی اصلاح ہو جائے۔ اگر نصاب تعلیم میں شامل درسی کتب کو یکسر بدل دیا جائے تو اس سے کئی مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔
کہ جدید کتب کو پڑھانے والے اساتذہ نہیں ملیں گے، کیونکہ کئی کتب مانوس نہ ہوں گی۔ خود اساتذہ کئی کتب کو سمجھنے میں دقت محسوس کریں گے اگر ان مروجہ کتب کو آسان بنا دیا جائے۔ اور ان میں تھوڑی بہت ضروری ترمیم کے ساتھ جاری رکھا جائے۔

اس سلسلہ میں مولانا تقی عثمانی کی رائے اہمیت کی حامل ہے۔ لکھتے ہیں کہ پاکستان کے بڑے دینی مدارس نصاب تعلیم میں بعض جدید علوم کے اضافہ کی شدت سے ضرورت محسوس کرنے لگے ہیں۔ لیکن دینی مدارس کے علمی ذوق کے علی الرغم ان علوم جدیدہ کے موجودہ انداز کو اپنالینے کو قطعاً گوارا نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ اس حد تک اس کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جا سکتا ہے جس حد تک یہ علوم جدیدہ علماء کو دعوت الی اللہ تبلیغ اسلام اور اسلام پر ہونے والے اعتراضات و شبہات کا رد کرنے میں معاون ثابت ہو سکیں۔ چنانچہ بعض مدارس نے انگریزی زبان، جدید معاشیات اور سیاست، قانون کو کسی حد تک نصاب تعلیم میں شامل کر لیا ہے

اور ایسے مدارس کی تعداد کوئی خاص قابل ذکر نہیں ہے ، جس کا بڑا سبب وسائل اور جدید و قدیم علوم میں بیک وقت نظر رکھنے والے افراد کے فقدان اور دیگر بے شمار مشکلات کو قرار دیا جاسکتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ بیشتر مدارس اپنے قدیم طرز پر ہی چل رہے ہیں ۔ اور جدید علوم کی صحیح تعلیم کا بندوبست ان کے لئے تقریباً نا ممکن ہو کر رہ گیا ہے ۔ اور مذکورہ ذیل اسباب کو ہم اس راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ قرار دے سکتے ہیں ۔

۱۔ علوم جدیدہ کی تعلیم و تدریس بہت زیادہ مادی وسائل کی محتاج ہے اور ان وسائل کا حصول ان مدارس کے بس سے باہر ہے ۔

۲۔ دینی مدارس کا بنیادی مقصد صرف علوم دینیہ کی تعلیم و تدریس ہی نہیں ہے بلکہ خالص دینی مزاج کی آبیاری طلباء کے عمل کی خالص دینی بنیادوں پر تربیت ، اتباع سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کے طریقہ کو عملی زندگی کے ہر میدان میں حتیٰ کہ شکل و صورت میں بھی اسلام کے نقش قدم پر چلانا ہوتا ہے ۔ لیکن دوسری جانب علوم جدیدہ کے بڑے بڑے پروفیسروں کے ہاں ان باتوں کا وہ اہتمام نہیں کیا جاتا جس کی طرف دینی مدارس میں خصوصی توجہ دی جاتی ہے ۔

اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یہ مدارس اس بات سے خوفزدہ ہو جاتے ہیں کہ کہیں خدانخواستہ علوم جدیدہ کے یہ اساتذہ مدارس کے مزاج اور طلبہ دینی ذوق کو بگاڑنے اور متغیر کرنے کا سبب تو نہ بن جائیں گے اور نہیں تو کم از کم اس میں معاون ضرور ثابت ہوں گے ۔

۳۔ علوم جدیدہ فی نفسہ دین اور علوم دینیہ کے مخالف نہیں ہیں ۔ لیکن چونکہ اس کے مرتبین غیر مسلم ہیں انہوں نے ان علوم کو اس انداز سے ترتیب دیا ہے کہ لازماً طلباء کے دلوں میں دین اور اس کے اجماعی دعووں کے خلاف شکوک شبہات کے بیج بو دیئے جاتے ہیں ، اور اس مشکل کا واحد حل یہی ہے کہ یا تو ان علوم کی کتابوں کو از سر نو مرتب کیا جائے یا پھر ایسے ماہرین ان کو پڑھائیں جنہیں اسلام اور اس کے علوم میں مہارت تامہ اور مکمل معرفت حاصل ہو ۔ نیز دشمنوں کی مکاریوں ، ملحدین اور غیروں کی کتب میں فساد کی بنیادوں سے بھی مکمل طور پر واقف ہوں ۔ اور ان دونوں امور کا حل مدارس دینیہ کے لئے انتہائی مشکل کام ہے ۔ (۸۰)

مفصل نصاب تعلیم کے ساتھ مختصر نصاب کی ضرورت

مولانا اشرف علی تھانوی نے اس سلسلہ میں بہت عرصہ قبل کچھ تجاویز پیش کیں تھیں جن کی افادیت سے آج بھی انکار نہیں کیا جاسکتا وہ حسب ذیل ہیں ۔

۱۔ علماء کو چاہیئے کہ نصاب تعلیم کو وسیع کریں پس ایک نصاب تو ان لوگوں کے لئے ہونا چاہیئے جن کو عربی پڑھنے کے لئے فراغت اور فرصت ہو ۔

۲۔ دوسرا نصاب عربی میں ان لوگوں کے لئے ہونا چاہیئے جن کو عربی پڑھنے کا شوق ہے مگر فرصت کم ہے ۔

۳۔ تیسرا نصاب اردو میں ان لوگوں کے لئے ہونا چاہیے جو عربی نہیں پڑھ سکتے ان کو اردو میں ضروریات دین پڑھا کر عقائد و معاملات سے آگاہ کر دینا چاہیئے۔

۴۔ ایک نصاب ان عمر رسیدہ لوگوں کے لئے مقرر کرنا چاہیے جو اردو بھی نہیں پڑھ سکتے نیز ان بوڑھے آدمیوں کیلئے اب مکتب میں جا کر پڑھنا بھی دشوار ہے ان کیلئے یہ تدبیر ہونی چاہیئے کہ ایک عالم ہر ہفتہ میں ایک بار کتاب سے ان کو مسائل سنا اور اچھی طرح سمجھا دیا کرے۔ اس طرح یہ لوگ بھی تعلیم یافتہ ہو سکتے ہیں۔ (۸۱)

عربی نصاب کی تلخیص

وہ طلبا جنہیں عربی پڑھنے کا شوق ہو لیکن فرصت کم ہو تو انہیں ضروری کتابیں پڑھائی جا سکتی ہیں، اس ضرورت کے پیش نظر نصاب تعلیم کا اختصار کر لیا گیا ہے کہ جہاں پہلے دس برس صرف ہوتے تھے اب اس میں صرف ڈھائی برس لگتے ہیں۔ اسے یہ بات نہ سمجھا جائے کہ جب ڈھائی برس میں وہی کام کیسے ہو سکتا ہے جو دس برس میں ہوتا تھا تو کیا پہلے کے علماء نے وقت ضائع کرنے کو یہ مدت رکھی تھی اسکا مطلب یہ نہیں کہ جتنی وہی تعلیم جو دس برس میں ہوتی تھی اب ڈھائی برس میں ہوا کرے گی بلکہ ضروریات کو منتخب کر لیا گیا ہے کہ ان کو معلوم کرنے کے بعد آدمی اپنے دین کو مستحکم کر سکتا ہے اور متوسط استعداد کا طالبعلم ایک گونہ جامعیت کے ساتھ عالم بن سکتا ہے اگرچہ اسے تبحر علمی نہ حاصل ہو مگر اتنی استعداد ہو جائے کہ اگر چاہے تو اپنے شوق مطالعہ سے اپنی لیاقت بڑھا سکتا ہے۔

یہ نصاب کم فرصت لوگوں کے لئے تو ضروری ہے ہی اگر وہ لوگ بھی جو قدیم نصاب کی تکمیل کرنا چاہتے ہیں پہلے اس کو پڑھ کر نصاب قدیم کو پورا کرلیں تو نہایت مفید ہوگا اس سے غرض یہ نہیں کہ طویل نصاب عبث ہے اور اس کو بالکل چھوڑ دیا جائے بلکہ جس کو قدیم نصاب کی تکمیل کی ہمت اور فرصت نہ ہو اور کم فرصتی کا عذر ہو تو وہ اسے اختیار کرکے دین کی سمجھ حاصل کر سکتا ہے۔

تلخیص نصاب کا محرک اور طریقہ کار

جن لوگوں کو تحصیل معاش کی ضرورت یا کسی اور وجہ سے طلب علم کیلئے وقت کم ملتا ہے اور ساتھ ہی علوم دینیہ میں فاضلانہ استعداد حاصل کرنے کی رغبت اور شوق رکھتے ہیں مگر متعارف درسیات کی تطویل دیکھ کر انکی ہمت پست ہو جاتی ہے، جس کا نتیجہ ترک محض ہوتا ہے ان کی تنگی رفع کرنے، نیز وہ دوسرے لوگ جو علوم دینیہ کی تحصیل کے لئے فارغ بھی ہیں ان کو بھی اتفاقات زمانہ سے کبھی ایسا ہو جاتا ہے کہ اس (کے پورا کرنے) کا وقت نہیں ملتا اور درمیان ہی سے چھوڑ دینا پڑتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جس قدر وقت ملا تھا وہ علوم آلیہ (صرف و نحو وغیرہ) میں صرف ہو گیا اور اصل مقصود سے محروم ہی رہی اس جدید نصاب سے اس محرومی کا بھی تدارک ہو جاتا ہے۔

اگر وقت مساعد ہو تو بقیہ درسیات کو پورا کر لیا جاسکتا ہے نیز چونکہ اس شخص کی استعداد میں قوت زیادہ ہوگی اس لئے بقیہ درسیات پر سرعت و سہولت سے عبور کر سکے گا تو چونکہ مطالعہ کا ملکہ پیدا ہو چکا ہوگا۔ لہذا کتب بینی سے اپنی استعداد و تبحر کو جہاں تک چاہے ترقی دے سکے گا۔

یہ کوئی نئی چیز نہیں بلکہ قدیم نصاب کی دینیات مقصودہ یعنی تفسیر و حدیث، فقہ، کلام و فرائض کی ضروری کتابوں کی تحصیل کو زمانہ پر مقدم کر دیا گیا ہے۔ اور چونکہ یہ علوم (یعنی حدیث فقہ وغیرہ) بعض فنون آلیہ نحو صرف معقول و اصول پر موقوف ہیں لہذا ان سے پہلے یہ رکھ دیئے گئے ہیں اس لئے یہ نصاب قدیم ہی کا ایک جزء ہیں۔

نصاب جدید یا قدیم

قابلیت و استعداد دونوں نصابات سے پیدا ہو سکتی ہے چاہے وہ جدید نصاب ہو یا قدیم بس بات اتنی ہے کہ کتب درسیہ سمجھ کر پڑھی جائیں۔ کیونکہ اکثر طالب علم سمجھ کر نہیں پڑھتے۔ جدید نصاب میں علماء متقدمین کے بجائے متاخرین کی کتابیں اس واسطے داخل کر دی گئی ہیں کہ ان کی عبارت صاف ہے۔ (یعنی آسان ہے)

عمر رسیدہ افراد کیلئے عربی کا مختصر اور آسان نصاب

عمر رسیدہ طلباء کو ابتدا میں ایک کتاب ادب کی پڑھائی جائے خواہ مفید الطالبین ہی کیوں نہ ہو مگر اس میں صرف نحو کے قواعد کو بھی ساتھ ساتھ سمجھایا جائے جبکہ ایسے ضروری قواعد کچھ زیادہ نہیں صرف پندرہ بیس ہیں جس سے صرف اتنا معلوم ہو جائے کہ اس کلمہ پر زیر زبر کیوں ہے اس کے بعد قرآن شریف کا ترجمہ اسی طرح ہو کہ اس میں بھی ضروری قواعد سمجھائے جائیں اور ایک کتاب حدیث شریف کی پڑھا دی جائے مثلاً مشارق الانوار کہ یہ بہت بڑی بھی نہیں ہے اور ایک کتاب فقہ کی جیسے قدوری اس کے بعد یا ساتھ ہی دو تین کتابیں صرف نحو کی بھی پڑھا دی جائیں اس سے مناسبت پیدا ہو کر ضروری کتابوں کا مطالعہ بہت سہل ہو جائیگا۔

اختصار در اختصار تسہیل در تسہیل

اگر کوئی طالب علم کسی سبب سے اختصار کا طالب ہو اور صرف اپنی اصلاح و نجات آخرت کے لئے کتب دینیہ کو عربی زبان میں پڑھنا چاہے تو اس کے لئے اس کا اور بھی اختصار ہو سکتا ہے۔ یعنی صرف و نحو کی کتب کے بعد قدوری کامل اور متن معانی اور تجوید۔ اور تحسین الہدایہ اور متن عقائد نسفی اور تیسیر یا مشکوۃ اور جلالین کافی ہے۔ (۸۲)

نصابی کتب کے ساتھ معاشی فنون کی ضرورت

علماء اپنے مال و دولت سے طلباء کی مدد کرتے تھے۔ اس کی مختلف صورتیں رائج تھیں جن میں سے چند

تاریخی حوالوں سے ذکر کی جا رہی ہیں تاکہ اسلاف کی عملی نظائر ہمارے سامنے آسکیں ۔ اہل کمال کے لئے مالدار ہونا ان کی خوبی میں داخل نہیں اور نہ اس کے عدم یا وجود سے ان کی عظمت کم یا زیادہ ہو سکتی ہے بایں ہمہ متمول ہونا اور باکمال ہونا یہ دونوں صفتیں باہم منافی بھی نہیں ۔ حالات خاص نے اس کا مخالف پہلو ذہنوں میں راسخ کر دیا ہے اور اس پہلو کے ذہن نشین ہونے سے بجائے نفع کے قوم کو نقصان پہنچا ہے اس غلطی کو رفع کرنے کے لئے مختصر سے واقعات رقم کئے جا رہے ہیں جو علمائے دین اور آئمہ مذہب کے تمول کا ثبوت دیں ان میں سے بعض واقعات یہ بھی دکھلائیں گے کہ جو دولت سرمایہ غفلت تصور کی گئی ہے وہی نیک اور لائق ہاتھوں میں پہنچ کر کیسی خیر و برکت کی باعث ہو سکتی ہے ۔

امام دعلج بغدادی جو دار قطنی کے استاد ہیں ان کی طرف سے مکہ مکرمہ عراق اور سجستان کے علمائے حدیث کے وظائف مقرر تھے ۔ مکہ مکرمہ ، میں ایک مکان جس کا نام دار العباس تھا ۔ انہوں نے تیس ہزار اشرفی میں خریدا جب انہوں نے وفات پائی تو معزالدولہ نے تین لاکھ اشرفیاں ان کے ترکے میں سے لے لیں ۔ (۸۳)

امام ابو الہیثم کی نسبت لکھا ہے کہ بہت مالدار تھے تین یا چار دفعہ انہوں نے اپنے ہموزن چاندی خیرات کی ۔ (۸۴) حافظ ابن العربی کے تمول اور فیاضی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ شہر اشبیلیہ (واقع اندلس) کی شہر پناہ انہوں نے اپنی جیب خاص سے تعمیر کرائی تھی ۔ (۸۵) حافظ رئیس ابن ابی ذہل ہروی کی سالانہ آمدنی اتنی تھی کہ عشر کی بابت ایک ہزار خروار غلہ کی ہر سال ان کی خدمت میں آتی تھیں ۔ امام ذہبی ان کی نسبت لکھتے ہیں **کان کثیر الاموال** (۸۶) قاضی عیاض صاحب مشارق الانوار کو اپنے عہد میں اس قدر رفعت اور ریاست حاصل تھی کہ کبھی کسی کو ان کے شہر میں نصیب نہیں ہوئی ۔ امام موصوف لکھتے ہیں کہ جس قدر ان کی رفعت بڑھی اسی قدر ان کی تواضع اور خوف الہٰی میں ترقی ہوتی گئی ۔ (۸۷) شیخ ابو حامد اسفرائنی کی نسبت ابن خلکان اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں ۔ **انتهت اليه رياسة الدنيا والدين ببغداد** ۔ (۸۸)

باکمال علمائے دین کے ذرائع معاش

دینی مدارس میں فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم دی جائے یا نہ دی جائے یہ ایک بحث طلب اور اختلافی مسئلہ ہے ۔ اس سوال پر کچھ بحث کرنے سے قبل ماضی سے چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں ۔ کہ کس کس فن اور پیشہ کے باکمال اصحاب نے علم دین حاصل کیا ' یا دوسرے لفظوں میں یہ کہ کن علمائے دین نے مختلف علوم و فنون سیکھے ۔ (اس عنوان کے ذیل کی جملہ معلومات مولانا قاضی اطہر مبارک پوری کی کتاب ' علم دین اور علمائے دین ' سے ماخوذ ہیں ۔) ماضی میں علماء نے گلہ بانی ، بار برداری ، کفش دوزی ، حلوائی ، صابن سازی ، قصابی ، بزازی ، جولاہے ، درزی ، دھوبی ، بڑھئی ، لوہار شیشہ گری ، صیقل گری ، اور تیل سازی جیسے تمام پیشے اختیار کئے یا یہ کہ ان پیشہ وروں نے علم دین میں کمال حاصل کیا ۔

گلہ بانی اور زراعت :- علماء دین نے ان پیشوں کو بصد فخر اختیار کیا۔ اس ضمن میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی حضرت براء بن عازب کی یہ روایت قابل ذکر ہے۔ فرماتے ہیں "ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تمام احادیث نہیں سنیں۔ بلکہ ہمارے دوست احباب انہیں ہم سے بیان کرتے تھے۔ اور ہم لوگ اونٹوں کے چرانے میں مشغول رہا کرتے تھے، زمین، جائداد اور دوسرے کاروبار کرتے تھے اور دربار نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حاضر باش اصحاب ان غائب لوگوں کو حدیث پہنچا دیتے تھے۔

حمالی اور مال برداری - محنت مزدوری کو پیشہ بنانے والے علماء میں مثلاً حمال، ابو موسیٰ ہارون بن عبداللہ بن مروان حمال" امام فی علم الحدیث" ابو عمران بن موسیٰ حمال وغیرہ کے اسماء معروف و مشہور ہیں۔

کفش دوزی - عبداللہ بن عبدالرحمن حذاء، جابر حذاء، محمد بن سالم حذاء، واسطی کثیر بن عبید حمصی حذاء اور دوسرے لاتعداد علماء دین نے موچی کے کام کو باعث تحقیر نہ سمجھا۔

حلوائی ہونا - شمس الائمہ" ابو محمد عبدالعزیز حلوائی کے لقب سے مشہور ہوئے۔ محمد حلوائی، ابو المعالی عبداللہ بن احمد حلوائی وغیرہ نے مٹھائی کیساتھ علم دین کی شیرینی بھی تقسیم کی اور اسے کسر شان کا موجب نہ سمجھا۔

صابن سازی :- علماء میں صابن سازی ایک مقبول پیشہ رہا ہے، ابو عثمان اسمٰعیل بن عبدالرحمن صابونی ابو العلیٰ صابونی، ابو محمد عبداللہ بن احمد بن محمد زاہد صابونی وغیرہ کے نام بطور شہادت پیش کئے جاتے ہیں۔

قصابی - حسن بن عبداللہ قصاب۔ عبدالعزیز بن موسیٰ قصاب ابو میمون قصاب وغیرہ اس طبقہ کے علماء خاص شہرت کے مالک ہیں۔

بزازی اور جولاہے - کے پیشے آج شاید طبائع کو قبول نہ ہوں لیکن یہ کام کئی علماء نے کئے یہ علماء نساج، کرابیسی اور طاطری کہلائے مثلاً ابو حمزہ مجمع بن سمعان نساج، ابو محمد جرثومہ نساج، ابو الحسن خیر بن عبداللہ نساج، احمد بن مقرب نساج، ابو سلیمان بصری الکرابیسی، امام ابو علی حسین کرابیسی بغدادی، مروان بن محمد طاطری، ہشیم بن رافع طاطری وغیرہ۔

درزی اور دھوبی - علماء دین نے درزی اور دھوبی کے پیشے بھی اختیار کئے یہ اصحاب خیاط اور قصار کے لقب سے مشہور ہوئے مثلاً سالم خیاط، ابو غالب نافع خیاط، ابو عبداللہ صالح خیاط، ابو عراس قصار، معاویہ بن ہشام قصار، ابو اسحٰق اصبہانی قصار وغیرہ۔

ماضی میں اگر علماء نے مختلف پیشے اختیار کئے اور مختلف فنون سیکھ کر اپنائے۔ تو آج بھی ایسا کرنے میں کوئی عار نہیں ہونی چاہیئے۔ آج بھی بہت سے باعزت کام ہیں جو آسانی سے سیکھے اور اختیار کئے جا سکتے ہیں۔ جائزہ

مدارس عربیہ کے مصنف نے ۱۹۶۰ء کے دوران مدارس عربیہ کے ۵۹۶ مہتمم سے یہ استفسار کیا کہ کیا آپ پسند کرتے ہیں کہ مدارس عربیہ کے طلباء کی آزادانہ معاشی کفالت کے لئے کسی فن یا پیشہ ورانہ تعلیم کا انتظام ہو۔ اس کا جواب ۲۰۶ حضرات کی طرف سے وصول ہوا۔ ان میں سے ۱۵۱ نے فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم کے حق میں، ۵۹ نے اس کے خلاف رائے دی۔ اور ۶ نے استفسار کے جواب میں سکوت اختیار کیا۔ یہی سوال دوسرے ۲۳۱ علم دوست کی خدمت میں پیش کیا گیا ان میں سے صرف ۲۱ نے جواب بھیجا۔ ان میں سے ۲۱ نے حق میں اور ۲ نے خلاف رائے کا اظہار فرمایا۔ ۱۹۶۰ میں مغربی پاکستان کے صرف ۸ مدارس میں کسی فنی تعلیم کا انتظام تھا (۵ مدارس میں طبابت ایک مدرسہ میں قراءت ایک جگہ کتابت اور ایک درسگاہ میں اردو ٹائپ) موجودہ جائزہ کے دوران اس تعداد میں کچھ اضافہ ہوا ہے۔ اس وقت کئی درجن مدارس عربیہ میں مختلف فنون کی تدریس کا انتظام ہے۔

موافق اور مخالف دلائل

دینی مدارس میں فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم کے خلاف عام طور پر یہ دلائل پیش کئے جاتے ہیں کہ

۱۔ دینی تعلیم کے سوا کسی دوسرے قصہ میں پھنس جانے سے ان کی توجہ دین اور دینی تعلیم سے ہٹ جائے گی اور وہ ہمہ تن اپنے اصل مقصد پر توجہ نہ دے سکیں گے۔

۲۔ ان طلباء کا مقصد حیات اعلائے کلمۃ اللہ اور تبلیغ و اشاعت دین ہے۔ کسی اور کام کی طرف ان کا متوجہ ہو جانا مقصد اصلی کو فوت کر دینے کا موجب ہوگا۔

۳۔ بہت سے پیشے علمی وقار اور عزت نفس کے منافی ہیں۔ ان کے اختیار کرنے سے دین اور دینداروں کی سبکی ہوگی۔

۴۔ سب سے وقیع یہ دلیل پیش کی جاتی ہے کہ فنون اور پیشے سیکھنے کے بعد وہ انہیں مستقل ذریعہ معاش اختیار کرلیں گے اور سات آٹھ سال کی حاصل کردہ دینی تعلیم کسی کام نہ آئے گی۔ یہ اور اس قسم کے دلائل اپنی جگہ کافی وزن رکھتے ہیں۔ لیکن دوسری طرف فنی تعلیم کے حق میں بھی کافی وزنی دلائل پیش کئے جاتے ہیں۔ مثلاً

۱۔ دور حاضر میں جبکہ علماء کے لئے نہ جاگیریں قائم ہیں نہ اوقاف اور نہ حکومت کی طرف سے ان کے لئے وظائف مقرر ہیں۔ اب ان کے لئے صرف یہ صورت باقی رہ گئی ہے کہ اپنے علم کو ہی ذریعہ معاش بنائیں۔ کسی مدرسہ میں بحیثیت ایک تنخواہ دار مدرس و معلم کام کریں یا کسی مسجد میں با تنخواہ خطیب و امام بن کر وجہ کفاف پیدا کریں۔ ان کے لئے آزاد معاشی کفالت کی کوئی صورت باقی نہیں رہی۔ اس کا حل صرف یہی ہو سکتا ہے کہ وہ کوئی فن یا ہنر سیکھ کر اسے آزاد ذریعہ معاش بنائیں۔ اس طرح نہ وہ عوام کے دست نگر ہوں، نہ چندوں کے

محتاج رہیں گے وہ اپنے دوسرے ہم پیشہ ہنرمندوں سے فائق ہوں گے کہ ان کے پاس دین کی دولت ہوگی جو دوسروں کو میسر نہیں ۔ دین اور دینداری ہرگز دنیاوی امور کو ترک کرنے کا حکم نہیں دیتی **لا رھبانیۃ فی الاسلام** مولانا اشرف علی تھانوی نے بھی تائیدی رائے پیش کی ہے ملاحظہ کیجئے ۔

اہل علم کو علاوہ علوم عربی و اسلامیات کے کوئی ہنر بھی سکھانا چاہیئے جیسے زراعت ، تجارت ، صنعت و حرفت وغیرہ وغیرہ مگر صرف ضرورت پر ۔ لوگ علوم عربی کو ذریعہ معاش بناتے ہیں ۔ اس علم کو تو جو کوئی پڑھے تو مقصود اصلاح نفس ہی ہونا چاہیئے ۔ رہی معاش کی بات سو اس کے لئے کچھ اور ہی ہونا چاہیئے ۔ علوم عربی و اسلامی کو ذریعہ معاش بنانے کے قصد سے پڑھنا ہی ٹھیک نہیں ۔

اہل علم کے لئے صنعت و حرفت کی آسان صورتیں

صنعت و حرفت یعنی دستکاری سے معاش حاصل کرنے میں بہت آسانی و سلامتی ہے ۔ علوم عربی و اسلامی تکمیل کرنے والوں کے لئے چند صورتیں معاش کی مناسب ہیں ۔

اسکول میں نوکری کرلینا ، مطب کرنا ، مفید رسالے یا حواشی تصنیف کر کے یا درسی کتابیں چھپوا کر ان کی تجارت کرنا ۔ کاپی نویسی کرنا ، کسی مطبع میں تصحیح کی نوکری کرنا ، اور سب صورتوں میں اوقات فراغ میں مطالعہ و تدریس کا شغل رکھنا ، یا کسی اسلامی مدرسہ میں مدرسی کرنا وغیرہ (۸۰)

شعبہ طب

اس اہم شعبہ کو اکثر علماء نے خود اختیار کیا اور دوسروں کو اختیار کرنے کا مشورہ دیا ہے جہاں تک اس علم کا تعلق ہے ۔ اہل علم میں یہ مقولہ مشہور ہے کہ ۔

العلم علمان ، علم الابدان و علم الادیان
علم کی دو قسمیں ہیں ، علم بدن اور علم دین

شروع ہی سے مسلمانوں کو علم طب سے شغف رہا ہے ۔ یونانیوں کی طب دیومالا کے قصوں اور رطب و یابس کا مجموعہ تھی ۔ مسلمانوں نے اس کو نکھارا اور اس کو تجربہ کی کسوٹی پر پرکھا ، صحیح و غلط میں تمیز کی ، اس میں معتد بہ اضافہ کیا ، حتیٰ کہ وہ طب عرب ، یا طب اسلامی بن گئی ۔ ہر دور میں بڑے بڑے اطباء مسلمانوں میں پیدا ہوتے رہے ہیں ۔ سب سے زیادہ قبولیت شیخ الرئیس حکیم ابو علی حسین بن سینا بخاری ۔ (۳۷۰ھ – ۴۲۸ھ) کو حاصل ہوئی ۔ وہ امام الطب کے درجہ پر فائز ہوئے ۔ ان کی کتاب " القانون فی الطب " سند کا درجہ رکھتی ہے آج تک مشرق و مغرب میں اطباء اس کو حرز جان بنائے ہوئے ہیں ۔

ایک دور تھا کہ درس نظامی کے آخری سالوں میں طب کی تعلیم بھی ضروری تھی ۔ فن طب کی پانچ چھ

کتابیں نصاب میں شامل تھیں ۔ مثلاً موجز القانون ، کلیات نفیسی ، معالجات سدیدی ، شرح اسباب ، حمیات شیخ وغیرہ ، یہ نظری تعلیم تھی جو درس نظامی کا ہر طالب علم پڑھتا تھا ۔ تعلیم سے فراغت کے بعد جو طبیب بننے کے خواہش مند ہوتے تھے وہ کسی طبیب حاذق کی زیر نگرانی ان کے مطب میں عملی تعلیم و تربیت مثلاً نبض شناسی ، تشخیص امراض ، نسخہ نویسی ، ادویہ سازی کے رموز سیکھتے تھے اس طرح چند سالوں کی عملی تربیت پانے کے بعد وہ اپنا آزاد مطب شروع کر دیتے تھے ۔

قدیم زمانہ میں کسی جداگانہ طبی مدرسہ کا پتہ نہیں چلتا ۔ البتہ ایک طبی کالج " الشفاء " دہلی میں تھا جس کا ذکر سرسید احمد خان نے " آثار الصنادید " میں کیا ہے ۔ اسی طرح ایک " دارالشفاء " آگرہ میں بھی تھا جس کا ذکر مانک چند نے " احوال شہر اکبر آباد " میں کیا ہے ۔ یہاں علاج معالجہ کے ساتھ طب کی تعلیم بھی دی جاتی تھی ۔ دہلی میں حکیم اجمل خان کے جد امجد مرزا کے فارغ التحصیل طلبہ کو طب کی کتب پڑھا کر دو تین سال مطب کراتے تھے اور سند اجازت مطب دے دیتے تھے ۔ ۱۸۸۹ء میں حکیم عبدالمجید خان برادر بزرگ حکیم اجمل خان نے پہلی مرتبہ باقاعدہ مدرسہ طبیہ کالج قائم کیا ، جس میں مستقل نصاب کا چار سالہ کورس مقرر ہوا اس میں جدید طبی معلومات کے ساتھ جدید جراحی کا فن بھی سکھانے کا انتظام کیا گیا تھا ۔ (۹۱)

اس طرح دارالعلوم دیوبند میں طب کی تعلیم کا اجراء کیا گیا ۔ (۹۲) اور شعبہ طب کا قیام عمل میں آیا (۹۳) بعد میں مزید توجہ دی گئی اور مستقل جامعہ طبیہ قائم کیا گیا (۹۴) مگر گورنمنٹ انڈیا کی مسلسل و بے جا مداخلت کی بناء پر بوجوہ بند کر دیا گیا ۔

" دینی مدارس کا نظام تعلیم " کے مقالہ نگار لکھتے ہیں ۔ پاکستان کی قومی زبان اردو ہے جس میں علماء کی دسترس عام تعلیم یافتہ لوگوں سے زیادہ ہوتی ہے ۔ اگر دفاتر کا کاروبار ، عدالتی کارگزاری اور حکومتی خط و کتابت کا ذریعہ قومی زبان کو قرار دیا جائے تو حکومتی محکموں کے آفیسرز ، کلرکس ، انتظامیہ کے عہدیداروں ، قانون اسلامی کے وکلاء اور عدلیہ کے مختلف مدارج کے لئے تعلیم یافتہ لوگوں کی ایک کھیپ علماء کی صورت میں میسر آسکتی ہے ۔ ہر محکمہ کے لئے خصوصی تربیت کا اہتمام جس طرح دوسرے تعلیم یافتہ لوگوں کے لئے کرنا پڑتا ہے علماء کے لئے بھی کیا جاسکتا ہے ۔ اسی طرح طب اسلامی جس کی نصابی کتب بھی انگریزی میں نہیں ہیں بلکہ مشرقی زبانوں میں ہیں ۔ اس میں داخلہ کے لئے علماء کو اہل نہ سمجھنا اور میٹرک ، ایف ۔ اے وغیرہ کی شرط عائد کرنا انتہائی زیادتی ہے ۔ دینی مدارس کے فارغ التحصیل لوگوں کو اس شعبہ میں داخلہ اور تعلیم دلوانے سے ڈاکٹروں کی کمی پر قابو پا کر ملک میں صحت کا مسئلہ حل کیا جاسکتا ہے نیز علماء کے لئے باعزت روزگار کا موقع مہیا کیا جاسکتا ہے ۔ (۹۵) ارباب اختیار دینی مدارس کیساتھ حکیم محمد سعید ، چیئرمین ہمدرد فاؤنڈیشن بھی اس سلسلے میں معاونت کر سکتے ہیں ۔

تجارت

تجارت مسلمانوں کا مقدس پیشہ ہے ۔ یہ بات مسلم ہے کہ سارے مسلمانوں میں افضل صحابہ تھے اور صحابہ میں مہاجرین کو فضلیت تھی اور مہاجرین میں قریش کا مرتبہ بڑھا ہوا تھا ۔ قریش کا خاص پیشہ تجارت تھا ۔ جس کا ذکر کلام پاک میں بار بار موجود ہے ۔ علماء سلف میں جن لوگوں نے معاش ، قوت بازو سے حاصل کی ان کا رجحان خاطر اکثر تجارت کی طرف رہا ہے ۔ (۹۶) چنانچہ ہم ذیل میں ان علماء کے نام مع اس مال کے جس کی وہ تجارت کرتے تھے قلمبند کرتے ہیں ۔ اس سے معلوم ہوگا کہ کیسے کیسے بڑے علماء امت نے تجارت کے وسیلے سے کسب معاش کیا ۔

نمبر	اسمائے علماء	مال تجارت	کیفیت
۱	حضرت سالم ابن عبد اللہ	۔	بازار میں لین دین کیا کرتے تھے ۔ (۹۷)
۲	امام یونس ابن عبید	ریشمی پارچہ	(۹۸)
۳	داؤد ابن ابی ہند	ریشمی پارچہ	(۹۹)
۴	امام ابو حنیفہ	ریشمی پارچہ	امام ممدوح کی بہت بڑی دکان کوفے میں تھی اور ان کے ملازمت جا بجا ملک میں پھیلے ہوئے تھے جو مال خرید کر صدر مرکز کو بھیجتے تھے ۔ (۱۰۰)
۵	حضرت عبد اللہ ابن مبارک	۔	امام ذہبی ان کا ذکر یوں شروع کرتے ہیں عالما تاجرا مسندہ دوسرے موقع پر فرماتے ہیں افنی عمرہ حاجا و تاجرا (۱۰۱)
۶	حافظ الحدیث بندار بصری	چادر اور سوتی پارچہ	(۱۰۲)
۷	عبد الرزاق حمیری	۔	امام ذہبی فرماتے ہیں ۔ رحل تجارۃ الی الشام (۱۰۳)
۸	حافظ الحدیث فضل کوفی	چادر اور سوتی پارچہ جات	(۱۰۴)
۹	حسن بن ربیع کوفی	بوریے	اسی تجارت کی وجہ سے ان کا لقب بوریانی ہے ۔ (۱۰۵)
۱۰	امام ابو الحسین نیشاپوری	بوریے	(۱۰۶)
۱۱	ہشام دستوائی	پارچہ	دستوا ، اہواز (عراق عرب) کا ایک پرگنہ تھا وہاں سے کپڑا لا کر فروخت فرماتے تھے اسی لئے دستوائی لقب پڑ گیا ۔ (۱۰۷)
۱۲	امام ابن جوزی	تانبا	ان کے گھرانے میں تانبے کی تجارت ہوتی تھی آپ کبھی کبھی اپنے نام کے آگے صفار (ٹھیرا) لکھ دیتے ۔ (۱۰۸)
۱۳	حافظ الحدیث ابن رومیہ	ادویہ	اسی تجارت کے سبب سے ان کا لقب عشاب ہو گیا تھا ۔ (۱۰۹)

۱۴	ابو یعقوب لغوی	چوبی تختہ	(۱۱۰)
۱۵	محمد ابن سلیمان	گھوڑے	(۱۱۱)

حرفت

جن علمائے سلف نے اپنی معاش حرفت کے ذریعے سے حاصل کی اور جن کے نام ہمیں معلوم ہو سکے ان کے نام اور کام درج ذیل ہیں۔

نمبر	نام	پیشہ	ـ
۱	ابو الفضل مہندس و مشقی طبیب مشہور	نجاری	اس فن میں وہ بہت ماہر تھے اور کثرت سے کام ان کے پاس آتا۔ بیمارستان کبیر شاہی شفا خانے کے اکثر دروازے ان کے ہاتھ کے بنے تھے جامع مسجد دمشق کی گھڑیاں (ساعات) انہوں نے درست کی تھیں۔ اور ان کی نگرانی کے متعلق ان کو تنخواہ ملتی تھی۔ (۱۱۲)
۲	ابن طاہر	کتابت	صحیحین اور ابو داؤد سات سات بار اور سنن ابن ماجہ دس بار اجرت پر لکھی۔ (۱۱۳)
۳	امام ابو العبیہ باہلی	تار بننا	(۱۱۴)
۴	ابو سعید نحوی	کتابت	دس ورق روزانہ لکھتے تھے یہ کام کر کے عدالت قضا میں اجلاس کرتے۔ انہیں اوراق کی اجرت پر بسر اوقات ہوتی۔ (۱۱۵)
۵	ابن الہیثم طبیب مشہور	کتابت	تین کتابیں سال بھر میں لکھتے۔ مجسطی۔ متوسطات اور اقلیدس۔ ان کی قیمت ڈیڑھ ڈیڑھ سو اشرفی لیتے اور اسی آمدنی پر گذر بسر کرتے (۱۱۶)
۶	امام ابن القاضیہ	کتابت	(۱۱۶)

فہرست علوم و فنون

مزید کچھ علوم و فنون میں جو مدارس کے نصاب میں شامل رہے۔ شامل ہیں اور شامل کئے جا سکتے ہیں۔

طبابت (طب یونانی)

ہومیو پیتھی

کتابت (۱۱۸)

جلد سازی (۱۱۹)

خیاطی (ٹیلرنگ) (۱۲۰)

گھڑی سازی (۱۲۱)

اردو ٹائپ اردو نویسی یا کمپیوٹر سے کتابت وغیرہ صحافت اور تصنیف و تالیف وغیرہ

تجارت

زراعت

بجلی کی وائرنگ وغیرہ۔ (۱۲۲)

فصل پنجم: اساتذہ، طلباء و طالبات اور دینی مدارس کے لئے تجاویز

اساتذہ کے لئے طریق تدریس و تربیت

امام غزالی اساتذہ کو ہدایت کرتے ہیں کہ وہ سبق کی پہلے خود تیاری کریں، بغیر تیاری کے سبق پڑھانے کی وہ اجازت نہیں دیتے۔ آپ کا نظریہ تفہیم بھی جدید نظریہ تعلیم کے مطابق ہے۔ آپ ہدایت کرتے ہیں کہ اساتذہ کو طلباء کے ساتھ محبت اور پیار سے پیش آنا چاہئے اور پدرانہ شفقت سے کام لے کر بچوں کو پڑھانا چاہئے کہ جبر و تشدد نہ صرف تعلیم کے منافی ہیں بلکہ بچے کے ذہن اور اخلاق پر ان کا بہت برا اثر پڑتا ہے۔ غرضیکہ تدریس کے وہ اصول جو موجودہ زمانہ میں رائج ہیں ان کی سفارش امام غزالی نے گیارہویں صدی میں کی تھی۔(۱۴۳)

اسی سلسلہ میں مولانا عبدالخالق گیلانی رقم طراز ہیں کہ اساتذہ کیلئے تدریسی معاونات سے استفادہ انتہائی ضروری ہے، جس کی کم از کم صورت تختہ سیاہ کا استعمال ہے اور اس سے زیادہ جتنے مالی حالات اجازت دیں تدریسی معاونات بڑھائی جائیں۔ اسی طرح پرانے طریق امتحان کی بجائے یا اس کے ساتھ جائزہ کے جدید طریقے کو استعمال کرنا مفید ہے۔ وقت کی بچت، نتائج کا زیادہ یقینی ہونا اور جائزہ کی وسعت ان کے فوائد ہیں۔ اساتذہ کے ریفریشر کورسز ان کے علم میں اضافہ اور طریقہ ہائے تدریس میں بہتری کا باعث ہوتے ہیں۔ لہذا چھوٹے درجے کے مدارس کے اساتذہ کو جامعات میں کورس کرائے جائیں نیز جامعات میں علم التعلیم تکمیل کے آخری درجوں میں لازمی ہو یا مجوزہ تعلیمی بورڈ کے زیر انتظام تربیتی اداروں کا اہتمام ہو جو محض تدریس کی فنی تربیت اور ریفریشر کورسز کے لئے مخصوص ہوں۔(۱۴۴)

جاوید احمد غامدی توجہ دلاتے ہیں کہ اساتذہ کے انتخاب میں یہ بات ملحوظ رکھی جائے کہ وہ اپنے مضمون میں مہارت کے ساتھ دین کے معاملہ میں بھی بالکل ٹھیک ہوں۔ اس کے فرائض و واجبات کے پابند اور اس کی اخلاقی ہدایات کی پیروی کرنے والے ہوں۔ طالب علموں کو ہمہ وقت مشغول رکھنے کے مواقع فراہم کرنے کے بجائے جہاد و قتال کے لئے ضروری تربیت دی جائے۔ اساتذہ کے لئے مشاہرے اور ضروری سہولتوں کا معیار دوسرے تمام شعبوں کے مقابلے میں بلند تر رکھا جائے اور ان کے انتخاب میں یہ بات بھی بہرحال پیش نظر رہے کہ وہ تعلیم و تدریس کے ساتھ فطری مناسبت رکھتے ہوں۔(۱۴۵) نیز آپ سفارش کرتے ہیں کہ

۱۔ اس وقت نصابی کتب کی از سر نو تحریر کی ضرورت نہیں بلکہ جو کتب موجود ہیں ان سے بخوبی کام چلایا جاسکتا ہے اور جن کتابوں کے بارے میں یہ خیال ہو کہ وہ بہت مفید ہیں چاہے وہ کسی زبان میں ہوں انہیں داخل نصاب کیا جائے۔

۲۔ اساتذہ کیلئے ریفریشر کورس کا اہتمام بہت مفید ثابت ہوگا اس کے لئے سب سے مناسب ادارہ بین

الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد ہے یہ کام اس کے ذمہ لگایا جاسکتا ہے۔

۳۔ دینی مدارس کسی نہ کسی مسلک سے وابستہ ہیں لہذا صرف تبلیغ کے ذریعے انکے مسلکی تشدد اور زہرناکی کو کم کرنا چاہیے کیونکہ اپنے اپنے مسلک کے ساتھ کامل وابستگی اور تصلب کوئی بری چیز نہیں نہ اس سے قوم و ملک کو کوئی نقصان پہنچتا ہے۔ البتہ اگر یہ تصلب و تشدد عوام کی سطح پر آجائے اور اختلاف مخالفت کی شکل اختیار کرلے تو سخت نقصان دہ ہے اس لئے مختلف مسالک کے درمیان منافرت پیدا کرنے والوں کا کڑا احتساب ہونا چاہیے۔ میرے خیال میں نئی نسل ان مسلکی تضادات اور تعصبات سے اکتا چکی ہے۔ فرقہ ورانہ کشیدگی اور تصادم پیدا کرنے والے عناصر عوام کی جہالت سے فائدہ اٹھاتے ہیں اگر دینی تعلیم عام ہو جائے اور معتدل نظریے کے حاملین علماء کی ایک اچھی خاصی جماعت پیدا ہو جائے تو رفتہ رفتہ یہ تضادات کم ہو سکتے ہیں اور منافرت دور ہو سکتی ہے تاہم اس کے لئے نہایت خاموشی اور معتدل انداز میں دور رس اقدامات کرنا ہوں گے۔

۴۔ اس وقت ہمارے ملک میں بیک وقت دو نظام (تعلیم جدید۔ درس نظامی) رائج ہیں۔ ان کا کسی صورت میں بھی رائج رہنا مناسب نہیں کیونکہ یہ دور غلامی کی یادگار ہیں ان دونوں نظاموں کو قریب لانا اشد ضروری ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ اساتذہ کے ایسے ریفریشر کورسز ترتیب دیئے جائیں جن میں ہر دو نظام ہائے تعلیم کے اساتذہ شرکت کریں، جتنے تعلیمی بورڈ بنائے جائیں ان سب میں ہر دو نظام ہائے تعلیم کی نمائندگی ہو۔ موجودہ اسکولوں اور یونیورسٹیوں کے نصاب تعلیم کو یکسر تبدیل کرنا ہوگا تاکہ انجینئر، ڈاکٹرز اور سائنسدان ضرور بنیں لیکن اول مسلمان اور پاکستانی ہوں۔ یہ کام جتنا ضروری ہے اتنا ہی آسان بھی ہے۔(۳۶)

مولانا تقی عثمانی لکھتے ہیں

۱۔ سب سے پہلا کام یہ ہونا چاہئے کہ ہر مدرسے کے فارغ التحصیل طلباء یا اساتذہ میں سے چند ایسے افراد کا انتخاب کیا جائے۔ جو علوم دین سے اچھی استعداد رکھنے کے ساتھ ساتھ تحریر و تقریر کی صلاحیت بھی رکھتے ہوں۔ ان افراد کو انگریزی زبان سے کماحقہ واقف کرانے کے بعد ان کے لئے مغربی فلسفہ، معاشیات، قانون اور سیاست میں سے کوئی موضوع تجویز کر دیا جائے۔ جس میں وہ اعلیٰ درجہ کی مہارت حاصل کریں۔ اس دوران علوم دین سے ان کی مناسبت استوار رکھنے کے لئے تدریس کا تھوڑا بہت کام بھی ان سے لیا جاتا رہے۔ جب وہ اپنے موضوع میں تحقیقی کام کرنے کے لائق ہو جائیں تو وہ اپنے موضوع کے متعلق اسلام کی ہدایات کو جدید انداز میں پیش کرنے اور مغربی افکار کے ساتھ ان کا تقابل کرنے کی خدمات انجام دیں۔

(۲) یونانی فلسفے کو درس سے یکسر خارج کر دینا تو بہت مضر ہوگا، اس کے بغیر متاخرین کی دینی تصانیف کو سمجھنا تقریباً ناممکن ہے۔ البتہ اس کی مقدار میں کمی کر کے اس کی جگہ جدید مغربی فلسفہ کو باقاعدہ داخل نصاب کیا جائے۔

(۳) فقہ کے ساتھ نئی معاشیات اور اصول قانون کو بھی داخل نصاب کیا جائے ہمیں سو فیصد یقین ہے کہ دینی مدارس میں ان موضوعات کی گریجویشن کے معیار تک پڑھانے کے لئے اس وقت کا زیادہ سے زیادہ دسواں حصہ صرف ہوگا جو ہمارے کالجوں میں اس مقصد کے لئے صرف ہوتا ہے۔

(۴) جن مدارس میں جب تک ان موضوعات کی باقاعدہ تعلیم کا بندوبست نہ ہوسکے وہاں کم سے کم اتنا کام تو فوری طور سے کیا جاسکتا ہے کہ ہفتے کے کچھ دن مخصوص کر کے ان موضوعات پر عام تقاریر کرائی جائیں جن میں ہدایہ اور اس سے اوپر کے طلباء شریک ہوں۔ (۲۸)

(۵) مدرسین کا طریقۂ تدریس یہ ہونا چاہئے کہ کتاب کی مشکلات کو سادہ الفاظ میں اختصار کے ساتھ حل کرنے کی کوشش کریں، تعبیر کے لئے عمدہ، دلنشیں واضح طریقہ اختیار کریں۔ کتاب کے حل کرنے میں قطعاً تسامح سے کام نہ لیا جائے۔ حل کتاب کے بعد فن کی مہمات پر طلبہ کو متوجہ کیا جائے جس مسئلہ کی تحقیق کسی نے عمدہ کی ہے ان کا حوالہ دیا جائے اور طلبہ کو ان ماخذ سے روشناس کرایا جائے تاکہ مستعد و ذہین طلبہ اپنی معلومات کو آگے بڑھا سکیں، فضول و بے کار مباحث میں طویل تقریر کر کے طلبہ سے داد تحقیق حاصل کرنا یہ تدریس کا سب سے بڑا فتنہ ہے۔ اس کو کسی نہ کسی طریقہ سے ختم کرنا چاہئے۔

(۶)۔ جو کتابیں ایسی ہیں جن کا پڑھنا ضروری ہے، پوری توجہ کرنی چاہئیے کہ کتاب ختم ہو جائے کوئی بحث رہ نہ جائے۔ جب تک کتاب ختم۔ ہو جائے امتحان نہ لیا جائے تا اختتام کتاب امتحان سالانہ مؤخر کیا جائے اور اس مشکل پر قابو پانے کے لئے کتابوں کو تین حصوں میں تقسیم کرنا چاہئے کہ سہ ماہی، ششماہی اور سالانہ امتحان تک کس قدر کتاب ختم ہو جانی چاہئیے۔ اس کا شدت سے انتظام کیا جائے ایسا نہ ہو کہ ابتداء میں ماہ دو ماہ بڑی بڑی تقریریں ہوں اور آخر میں صرف ورق گردانی، اس سے گویا علم کی ریڑھ کی ہڈی توڑ دی گئی۔

(۷) جو اساتذہ جن کتابوں کے لئے زیادہ موزوں ہوں، علمی استعداد اور طبعی رجحانات کے اعتبار سے تقسیم اسباق میں اس کا خیال ضرور رکھا جائے۔

(۸) ابتدائی دو سال کی تعلیم میں نتائج امتحانات میں نہایت سختی کی جائے، ناکام طلباء کو قطعاً کسی مراعات کی بناء پر کامیاب نہ بنایا جائے۔ وسط اور انتہائی تعلیم میں معقول اعذار کی بناء پر تسامح قابل برداشت ہے لیکن ابتدائی تعلیم میں ہرگز ایسا نہ کیا جائے۔

(۹) ابتدائی تعلیم اچھے اور تجربہ کار اساتذہ کے حوالہ کرنی چاہئیے، جو مسائل کو عمدہ اور مفید ترین طریقے سے ذہن نشین کرانے کی قابلیت رکھتے ہوں۔ الغرض ابتدائی تعلیم کی عمدگی و پختگی پر سب سے زیادہ توجہ کی ضرورت ہے اگر اعلیٰ تعلیم کے اساتذہ کو ابتدائی درجہ کا کوئی سبق بھی دیا جائے تو اس میں بہت فوائد مصالح ہیں۔

(۱۰) مدرسین کو اسباق اتنے دیئے جائیں کہ وہ مطالعہ و تدریس کی ذمہ داری پر پورے طریقے سے عہدہ برآ ہو سکیں جس کا اجمالی اندازہ یہ لگایا جاسکتا ہے کہ ابتدائی درجہ کے اساتذہ کے پاس زیادہ سے زیادہ پانچ گھنٹے تعلیم

کے لئے ہوں ۔ متوسط درجات کے لئے چار گھنٹے ، آخری درجات کے لئے تین گھنٹے ۔

(۱۱) اساتذہ ایسے رکھے جائیں جو ہمہ تن مدرسہ سے وابستہ ہوں ۔ ایسا نہ ہو کہ صرف دو تین گھنٹے کا رسمی تعلق ہو یا کہیں اور ملازم ہوں ، مدرسہ کے مصالح کے پیش نظر یہ صورت بہت اہم و قابل توجہ ہے ۔

(۱۲) ۔ اساتذہ کے انتخاب میں حسب ذیل امور معیار انتخاب ہوں ۔

اخلاص و تقویٰ ، صلاح ، اعلیٰ قابلیت اور اس فن سے مناسبت جو اس کو حوالہ ہو ، مدرسہ کے نظام سے وابستگی اور طلبہ کی تعلیمی و اخلاقی معیار کو بلند کرنے کا جذبہ ، تدریس سے شوق ، یہ سب باتیں بہت اہم ہیں ان میں کسی ایک بات کی بھی کمی ہو تو صحیح کام نہ ہو سکے گا ۔

(۱۳) اساتذہ کو فن کی اعلیٰ کتابوں کی طرف مراجعت کرنی چاہیئے تاکہ عمدہ معلومات طلبہ کے لئے فراہم کر سکیں ۔ الغرض مطالعہ و جدوجہد ضروری ہے تن آسانی و راحت کوشی سے صرف سابقہ معلومات پر اکتفاء نہ کرنا چاہیئے ۔ طلبہ کے اندر علمی اعلیٰ معیار پیدا کرنے کے لئے یہ ضروری ہوگا کہ اساتذہ اس معیار کے ہوں ۔

(۱۴) جہاں تک مقدرت ہو طلبہ کو راحت و آسائش پہنچائی جائے اور طلبہ اتنے رکھے جائیں جن کی عمدہ تدمت ہو سکے ۔ لیکن اس کے ساتھ ان کی علمی نگرانی ، درس میں حاضری ، رات کا مطالعہ ، امتحان ، امتحان میں سختی ، ان سب باتوں میں کوئی رعایت یا مسامحت نہ اختیار کی جائے ۔ باقاعدہ طلباء کے احوال کا تفقد رکھا جائے اور اس کے لئے انتظام ہو ۔ اگر کوئی طالب علم سہ ماہی امتحان میں ناکام ہو تو اس کا کھانا بند کر دیا جائے اور اگر ششماہی میں بھی ناکام ہو تو آخر سال تک مزید موقع دیا جائے ۔ اگر سالانہ امتحان میں بھی نتیجہ ساقط رہے تو اس کو علیحدہ کر دیا جائے ۔ ان امور میں تسامح و مراعات کرنا علم کو دفن کرنے کے مترادف ہے ۔

(۱۵) ابتدائی درجہ عربی کے طلباء کا ماہانہ امتحان لازمی قرار دیا جائے ۔ مقدار خواندگی متعین کی جائے ۔ کوشش ہو کہ اس حد تک کتاب پہنچ جایا کرے

(۱۶) طلبہ کی اخلاقی نگرانی ، عادات کی اصلاح ، دینی وضع کی پابندی بے حد ضروری ہے ۔ باجماعت نماز کی پابندی سیرت و صورت کی تربیت و اصلاح کی طرف پوری توجہ ہونی چاہئے ۔ ان امور میں تسامح سم قاتل ہو ۔

(۱۷) غیر ذکی طالب علم اگر محنتی اور صالح ہو اس کو برداشت کیا جاسکتا ہے لیکن ذکی ، بد شوق و بد اطوار ہرگز رعایت کے مستحق نہیں ۔

(۱۸) مدرسہ کے ضوابط ایسے ہوں کہ طلبہ خود بخود دینی وضع ، صالحین کے شعار ، لباس پوشاک ، خورد و نوش ، معاشرت و عبادت میں پابند ہو جائیں ۔

(۱۹) امتحانات میں مسابقت و تقدم کے لئے ترغیبی وظائف رکھے جائیں ۔ سالانہ امتحان میں اعلیٰ کامیابی پر انعامات مقرر کئے جائیں ۔ انعامات میں بجائے نقد رقوم کے عمدہ عمدہ کتابیں دی جائیں ۔ اگر انعامی کتب میں ان کی علمی استعداد و طبعی خصوصیات کی رعایت رکھی جائے تو اور سونے پر سہاگہ کا کام دے گی ۔ مثلاً حدیث

میں اعلیٰ کامیابی پر حدیث کی کوئی عمدہ کتاب تفسیر میں اعلیٰ کامیابی پر تفسیر کی اعلیٰ کتاب دی جائے۔

(۴۰) ہر سال کے امتحانات میں ایک پرچہ امتحان کا ایسا ہو جس سے عام اہلیت و قابلیت و علمی استعداد کا پتہ چلے۔ کسی خاص کتاب سے تعلق نہ ہو۔ آخری فراغت علوم کے امتحان میں یہ تحقیق بہت ضروری سمجھی جائے۔

(۴۱) عربی ادبی زبان کی قابلیت مقاصد تعلیم میں شامل کرنی چاہئے۔ ابتداء سے عربی انشاء نویسی کی مشق و تمرین کا سلسلہ جاری رکھنا چاہیئے۔ ایک گھنٹہ عربی تحریر کے لئے مخصوص کیا جائے جو ہر درجہ میں لازمی ہو۔ تین سال تعلیم حاصل کرنے کے بعد چوتھی جماعت میں تدریس کی زبان عربی ہو۔ مدرس عربی میں پڑھائے۔ طلبہ و اساتذہ کے سوالات و جوابات کا سلسلہ بھی عربی میں ہونا چاہیئے۔

(۴۲) طلبہ میں عربی ادبی ذوق پیدا کرنے کے لئے عربی مجلات و صحف و جرائد کا اجراء لازمی ہے اور ہر ایک بڑے مدرسہ میں ایک دار المطالعہ کا قیام اس مقصد کے لئے ضروری ہے۔

(۴۳) طلبہ میں تقریر و خطابت کی روح پیدا کرنے کے لئے ہفتہ وار جمعہ کی رات تقریر کرنے کے لئے مجالس قائم کی جائیں۔ ہر درجہ کے طلبہ کے لئے علیحدہ مجالس کی ترتیب ہو اور ہر ایک مجلس کی نگرانی و تربیت ایک استاد کے سپرد ہو۔ آخری تقریر اس استاد کی ہو۔ ہر جلسہ کے لئے تقریر کا موضوع متعین ہو اور آخری استاد کی تقریر میں مقاریر پر تنقید و تبصرہ ہو۔ ہفتہ وار مجلس کا وقت کم از کم تین گھنٹہ ہو۔

(۴۴) مدرسہ میں تکثیر جماعت و تکثیر افراد کی کوشش نہ کرنی چاہیئے۔ کمیت قابل التفات نہ ہو۔ کیفیت پر توجہ مرکوز رکھی جائے۔ مستعدین کی قلیل جماعت غیر مستعد نا اہل کے جم غفیر سے زیادہ قابل قدر سمجھی جائے۔ اکثر ارباب مدارس کو تکثیر سواد کے حافس سے بے حد نقصان پہنچا ہے۔ دس پکے طالب علموں پر سالانہ تیس ہزار کا خرچ قابل برداشت ہونا چاہیئے لیکن سو نااہلوں پر تیس ہزار کا خرچ بھی قابل مواخذہ ہے۔ الغرض خطرناک وبائی شکل میں مدارس عربیہ دینیہ میں یہ مرض پیدا ہوگیا۔ اس کے علاج و تدارک کی طرف پوری توجہ کی ضرورت ہے۔

(۴۵) نظام تعلیم میں عوام کو مدرسہ کی امداد پر مائل کرنے کی بجائے علم و دین کی خیر خواہی مقدم ہونی چاہیئے۔ خالق کی رضا مخلوق کی رضا سے مقدم ہونا چاہیئے۔ مخلوق کی رضامندی کی کوشش سے اور حق تعالیٰ کی رضا جوئی سے غفلت کے نتائج دینی و دنیوی خسران ہے۔

(۴۶) مدرسہ کے سالانہ بجٹ میں امتیازی وظائف و انعامی کتب کی مد ضرور رکھی جائے۔ (۴۸)

اساتذہ کے لئے معاشی و رفاہی تجاویز

دینی مدارس کے اساتذہ کی مالی حالت زیادہ اچھی نہیں، انہیں سب سے بڑی خدمت کا سب سے معمولی

معاوضہ دیا جاتا ہے، جسکی وجہ علم اور اہل علم کی قدرت ہوتا ہے۔ ہم اسلامی تاریخ کا مطالعہ کریں تو موجودہ دور میں علماء سے ہونے والے سلوک کا فرق سامنے آتا ہے ڈاکٹر احمد شلبی لکھتے ہیں۔ " ابن حوقل نے لکھا ہے کہ صقلیہ میں کتاب کے کچھ معلموں کی مجموعی تنخواہ دس دینار سالانہ سے بھی کم تھی۔

البتہ یہ تنخواہیں مقرر نہیں ہوتی تھیں بلکہ ان کا انحصار بچوں کے والدین کی مالی حالت پر ہوتا تھا، یہ تنخواہیں دو قسم کی ہوا کرتی تھیں۔ ایک وہ جو درس و تدریس کے اوقات کی بنا پر مقرر ہوتی تھیں اور دوسری وہ جو کسی طالبعلم کی علمی کامیابی کے پیش نظر دی جاتی تھی۔ پہلی فیس ہر طالب علم کے لئے لازمی تھی، یہ نہایت حقیر رقم ہوتی تھی، علاوہ ازیں مختلف تہواروں کے موقعے پر کچھ دے دیا جاتا تھا۔ بعض جگہوں پر ہفتہ وار فیس کی بجائے سال کے سال فصل پر اناج کا ایک حصہ دینے کا رواج تھا۔ دوسری فیس اس وقت طلب کی جاتی جب طالب علم قرآن حکیم کی کوئی خاص سورۃ ختم کرلیتا۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا کہ سماجی حیثیت، مالی حالت پر اثر انداز ہوتی تھی، کبھی کبھی حالات اس کے برعکس بھی ہوتے تھے۔ رئیس خاندانوں کے اتالیق کو بلاشبہ دولت اور خوشحالی حاصل تھی، اس منصب پر تقرر کی بدولت، مادی اعتبار سے فوری اور نمایاں طور پر اتالیق کی حیثیت بہتر ہوجاتی تھی اور اس کی مالی مشکلات دور ہو جاتی تھیں۔ جب الزہری کو ہاشم بن عبدالملک کے بیٹے کا اتالیق مقرر کیا گیا تو ہاشم نے الزہری کی طرف سے سات ہزار دینار قرض کی ادائیگی کی حالانکہ ہاشم نہایت بخیل واقع ہوا تھا۔

ایک حوالہ جسے یاقوت نے نقل کیا ہے اس سے اس اتالیق کی مالی حالت پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ " خلیفہ کا دستور یہ تھا کہ وہ پہلا دن ختم ہونے پر اتالیق کو اس کمرے کا تمام ساز و سامان نذر کر دیتا تھا جہاں وہ شاگرد کو درس دیتا تھا۔ اس ساز و سامان کو اتالیق کے گھر پہنچانے کے لئے باربرداری کے لئے جو جانور استعمال ہوتے تھے وہ بھی نذر میں شامل ہوتے تھے۔ جب الاحمر کو امین کا اتالیق منتخب کیا گیا تو متعلقہ عمارت کو اتالیق کے خیر مقدم کے سلسلے میں شاہانہ انداز سے آراستہ کیا گیا۔ پہلے درس کے بعد خلیفہ نے حکم دیا کہ یہ تمام سامان احمر کے گھر منتقل کر دیا جائے لیکن انہوں نے کہا " میرے پاس صرف ایک کمرہ ہے جہاں میں تنہا رہتا ہوں " چنانچہ الرشید نے ان کے لئے ایک مکان خرید دیا اور ان کی خدمت کے لئے ایک کنیز ایک غلام اور ایک عمدہ گھوڑا بھی عنایت کیا۔ اس نے ایک معقول مشاہرہ بھی مقرر کیا تاکہ وہ اپنے ساز و سامان کے مطابق اعلیٰ معیار زندگی بسر کرسکیں۔ ان کا حال محمد بن الجہم نے ان لفظوں میں بیان کیا ہے۔ " جب کبھی ہم الاحمر کے یہاں جاتے ہیں تو پہلے بہت سے خادم اور نوکر نظر آتے ہیں جو ہمیں محل میں لے جاتے ہیں اور یہ محل شاہی محلات سے کم نہیں ہے پھر الاحمر تشریف لاتے ہیں ان کا لباس شاہانہ ہوتا ہے " الکسائی کو باقاعدہ تنخواہ تو ملتی ہی تھی لیکن انتخاب کے وقت الرشید نے انہیں دس ہزار درہم، ایک خوبصورت کنیز مع تمام لوازمات، ایک غلام اور سواری کے لئے ایک گھوڑا بھی دیا تھا۔ اسی طرح ابن السکیت کو باقاعدہ تنخواہ ملتی تھی اور ایک موقع پر المتوکل نے انہیں پچاس

ہزار دینار عطا کئے تھے اس کے علاوہ اکثر اساتذہ کو وقتاً فوقتاً تحائف، نذرانے، مالی امداد اور خوان نعمت ملتا رہتا تھا اور ان کی رہائش کا بھی معقول انتظام تھا۔

تاریخ کے مختلف اوراق سے جو تفصیلات ہم تک پہنچی ہیں ان کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ اوسطاً اتالیق کی تنخواہ ایک ہزار درہم سالانہ تھی۔ ابن طاہر کے لڑکے کے اتالیق السکیت ابن اور محمد بن عبداللہ کے صاحبزادے کے نگران ثعلب کو اتنی ہی رقم ملتی تھی۔ عبداللہ بن طاہر کی فوج کے ایک سپہ سالار کے لڑکے کے اتالیق کی تنخواہ ستر دینار تھی جو تقریباً ایک ہزار درہم کے برابر ہوتی ہے۔

اعلیٰ درجات تعلیم کے معلمین

ان دنوں عام طور پر علماء و فضلاء کی مالی حیثیت نہایت مستحکم تھی۔ خلفاء، سلاطین اور عمائدین تعلیم یافتہ لوگوں کی بڑی قدر کرتے تھے اور انہیں انعام و اکرام سے نوازتے رہتے تھے۔ مثال کے طور پر المامون، حنین کو آئے دن نذرانے اور تحفے پیش کرتے رہتے تھے۔

امام شافعی جب مصر پہنچے تو ابن عبدالحکیم نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور ایک ہزار دینار پیش کئے۔ ابن عبدالحکیم کے تین دوستوں نے انہیں مدعو کیا اور امام شافعی کی خدمت میں مزید دو ہزار دینار پیش کئے۔

الجاحظ سیحان میں مچھلی اور روٹی بیچا کرتے تھے۔ جب ایک عالم کی حیثیت سے ان کی شہرت پھیلی تو ان کی مالی حالت نہایت اچھی ہو گئی۔ ایک دفعہ وہ بصرہ گئے اور وہاں سے اس قدر زیادہ دولت لے کر لوٹے کہ مامون بن ہارون نے پوچھا کہ کیا وہاں ان کی کوئی بڑی جائداد ہے۔ الجاحظ نے مسکرا کر جواب دیا "میں نے اپنی کتاب 'الحیوان' محمد بن عبدالملک کو، 'البیان والتبیین' احمد بن داؤد کو اور 'الزرع والنخل' ابراہیم بن عباس الصولی کو پیش کی اور تینوں نے مجھے پانچ پانچ ہزار دینار دئے۔ میں بصرہ سے اس شان سے روانہ ہوا جیسے وہاں میری کوئی بہت بڑی زرعی جائداد ہو۔ البتہ یہ جائداد ایسی ہے جسے جوتنے بونے اور کھاد دینے کی ضرورت نہیں ہے۔"

الربیع بن سلیمان، احمد بن طولون کی مسجد میں حدیث کا درس دیا کرتے تھے۔ پہلے ہی دن انہیں ابن طولون کی طرف سے ایک تھیلی موصول ہوئی جس میں ایک ہزار دینار تھے۔ حکمران وقت کی ہدایت اور صلاح مشورے کے لئے جو ماہرین قانون اور دانشور و مصاحب رکھے جاتے تھے ان میں کچھ علماء بھی شامل تھے اور ان عالموں کو تینوں فرائض کے لئے تنخواہ ملتی تھی مثلاً الزجاج کی ماہانہ تنخواہ تین سو دینار تھی۔

ابن درید، کسمپرسی کی حالت میں بغداد پہنچے تو المقتدر نے ان کے لئے پچاس دینار ماہانہ مقرر کر دئے۔ بعد میں جب معلموں کا تقرر ہونے لگا تو سرکاری خزانے سے باقاعدہ تنخواہ ملنے لگی۔ عام طور پر یہ تنخواہیں اداروں کے اوقاف سے دی جاتی تھی۔

فاطمیوں کے عہد کے اساتذہ کے متعلق المقریزی اور القلقشندی نے ایک نہایت مفید دستاویز کا حوالہ دیا ہے، جس میں مختلف درجے کے ملازموں کی تنخواہیں درج ہیں ۔ نیچے دی گئی فہرست پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ معلموں اور دوسرے پیشہ ور لوگوں کی تنخواہوں میں کیا تناسب تھا ۔

عہدہ	تنخواہ
وزیر	۵۰۰ دینار ماہانہ
وزیر زادہ	۲۰۰ تا ۳۰۰ دینار ماہانہ
کاتب الدست الشریف (سیکریٹری)	۱۵۰ دینار ماہانہ
صاحب الباب	۱۲۰ دینار ماہانہ
قاضی القضاۃ	۱۰۰ دینار ماہانہ
داعی الدعاۃ (معلم)	۱۰۰ دینار ماہانہ
اساتذہ	۱۰۰ دینار ماہانہ
صاحب بیت المال	۱۰۰ دینار ماہانہ
حامل الرسالہ صاحب الدفتر	۱۰۰ دینار ماہانہ
حامل السیف	۷۰ دینار ماہانہ
حامل الرمح	۷۰ دینار ماہانہ
نگران دیوان النظر	۷۰ دینار ماہانہ
ذاتی طبیب	۵۰ دینار ماہانہ
نگران دیوان التحقیق	۵۰ دینار ماہانہ
نگران دیوان المجلس	۳۰ دینار ماہانہ
خطیب مسجد	۱۰ تا ۲۰ دینار ماہانہ
درباری شاعر	۱۰ تا ۲۰ دینار ماہانہ

دور ایوبی اور بعد کے زمانے میں مختلف وجوہات کی بنا پر معلموں کی تنخواہوں میں بڑا فرق ہوا کرتا تھا اور اس کا انحصار ادارے سے متعلقہ اوقات معلم کی شہرت اور لیاقت اور سیاسی حکمرانوں کی فراخدلی اور فیاضی پر ہوتا تھا ۔ صلاح الدین نے نجم الدین الخبوشانی کو المدرسہ الصلاحیہ میں تعلیم دینے کے لئے مقرر کیا اور ان کی تنخواہ یہ

تھی ۔

۴۰ سلطانی دینار ماہوار ، درس و تدریس کا معاوضہ

۱۰ سلطانی دینار ماہوار ، اوقاف کی نگرانی کا معاوضہ

۶۰ مصری پاؤنڈ غذا روزانہ ۔

۲ مشکیں دریائے نیل کے پانی سے بھری ہوئی ۔

بعد میں ۶۶۸ ہجری میں تقی الدین بن رزین اسی عہدے پر متعین ہوئے لیکن انہیں اس کی نصف تنخواہ ملتی تھی ۔ ان کے بعد تقی الدین بن دقیق نے جب یہ منصب سنبھالا تو ان کی تنخواہ صرف ایک چوتھائی رہ گئی لیکن جب الصاحب برہان الدین نے اس عہدے پر کام شروع کیا تو انہیں پہلے کی طرح پوری تنخواہ دی گئی ۔

مجد الدین محمد بن محمد الحبتی کو صلاح الدین نے المدرسہ السیوفیہ میں حنفی فقہ کی تعلیم کے لئے مقرر کیا تھا ان کی تنخواہ گیارہ دینار ماہوار تھی ۔(۲۹)

آج کل دینی مدارس کے اساتذہ بہت معمولی تنخواہوں پر خدمت انجام دیتے ہیں جس کی وجہ سے انہیں معاشی اور ذہنی آسودگی حاصل نہیں رہتی لہذا انہیں امامت ، خطابت ، ٹیوشن (Tuition) اور مال داروں کے تعاون کی ضرورت رہتی ہے ۔ اسی ضمن میں قومی کمیٹی نے اساتذہ کے لئے بعض تجاویز پیش کی ہیں ، لکھتے ہیں ۔

۱ ۔ دینی مدارس میں اساتذہ برائے تدریس مضامین درس نظامی کے انتخاب اور تقرر کا اختیار مدارس کے مہتمم / انتظامیہ کو ہو ۔

۲ ۔ جدید مضامین کی تدریس کے لئے اسکولوں / کالجوں / دیگر اداروں سے اساتذہ کے انتخاب یا موزوں ریٹائرڈ اشخاص کی خدمات حاصل کرنے کا اختیار مدارس کے مہتمم / انتظامیہ کو ہو ۔ اس ضمن میں وہ اپنے متعلقہ وفاق / تنظیم سے بھی مدد لے سکتے ہیں ۔

۳ ۔ دینی مدارس میں جدید مضامین کے اساتذہ کا تقرر اس وقت تک کے لئے ہو جب تک کہ مجوزہ نصاب تعلیم کے فارغ التحصیل تربیت یافتہ فاضلین پیدا نہ ہو جائیں ۔

۴ ۔ رہائشی اسکیموں میں اراضی مختص کرتے وقت دینی مدارس کے اساتذہ اور عملہ کے لئے بھی جگہ مختص کی جائے ۔

۵ ۔ سنٹرل اوور سیز ٹریننگ اسکیم کے تحت قومی ادارہ برائے دینی مدارس پاکستان کو بھی بیرون ملک اساتذہ کی اعلیٰ تعلیم و تربیت کے لئے یونیورسٹی کی طرح موثر نمائندگی دی جائے ۔ (۳۰)

مولانا عبدالقادر آزاد تجویز پیش کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں ، سعودی عرب ، مصر اور دیگر اسلامی ممالک کی طرح علماء کو تدریس ، عدلیہ اور انتظامیہ میں کھپایا جاسکتا ہے ملازمتوں میں علماء کا کوٹہ مقرر کر کے ان کو مختلف محکمہ جاتی ٹریننگ سنٹر ، ایڈمنسٹریٹو کالج ، نیشنل انسٹیٹیوٹ آف پبلک ایڈمنسٹریشن اور دوسرے اکیڈمک

اداروں میں تربیت دلائے اور پھر مختلف محکمہ جات میں کھپایا جائے تو ملک ملت کی خدمت بھی بطریق احسن انجام دیں گے جب یہ کام میں لگے ہوں گے تو فرقہ وارانہ جنگیں بھی نہ ہوں گی، آئندہ عوام اپنی اولاد کو بھی دینی تعلیم دلوائیں گے۔ (۳۱)

طلباء کے لئے جسمانی ریاضت

قدیم مدارس میں جسمانی ریاضت کا سرے سے پتا نہیں چلتا برخلاف ان مدارس جدیدہ کے جہاں تعلیم کے برابر اس کو بھی مہتم بالشان خیال کرتے ہیں۔ ان دونوں حالتوں کے دو مختلف اثر پیدا ہوتے ہیں۔ نئی روشنی کے لوگ تو اس کو ترقی جدید کا ایک جلوہ سمجھ رہے ہیں۔ پرانے فیشن کے بزرگ اس کو داخل لہو و لعب اور وثاقت و متانت کے خلاف تصور کر رہے ہیں، تاریخی عدالت سے یہ فیصلہ ہوتا ہے کہ دونوں خیال واقعیت سے دور ہیں۔ اہل علم میں جسمانی ریاضت کا اہتمام نہ تہذیب جدید کا نتیجہ ہے اور نہ خلاف متانت و وقار ہے۔ صدہا برس گزرے جب علماء و ورزش کے پابند تھے اور جو لوگ پیشوائے امت مانے گئے ہیں انہوں نے اس کی طرف خاص توجہ فرمائی ہے۔ لہٰذا اس طریقے کو نہ جدید کہہ سکتے ہیں اور نہ خلاف شان علماء۔ علماء کے حالات میں ایک طرف تیر اندازی اور گھوڑے کی سواری کی مشق کی تاکید حضرت سرورکائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی ہے اور صحیح بخاری میں اس گھوڑ دوڑ کا ذکر ہے جس کا اہتمام آپ نے بہ نفس نفیس فرمایا تھا۔ اور جس میں عبداللہ ابن عمرؓ بھی ایک گھوڑے پر سوار تھے اور اس اونٹوں کی دوڑ کا مذکور ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری کی اونٹنی دوڑی تھی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جسمانی ریاضت ہمارے اہل علم کا خاص شعار ہونا چاہئے۔ اس مقالے کی تیاری کے لئے جو کتابیں میں نے دیکھیں ان سے ثابت ہوا کہ علماء سلف نے عموماً بڑی عمریں پائی ہیں اور آخر عمر تک ان کے قویٰ کام دیتے رہے ہیں یہ حقیقتاً اسی ریاضت کا کرشمہ تھا جس کے وہ عادی تھے ورنہ اس زمانے کی طرح ضعف دماغ اور جسمانی کمزوری اس زمانے کے علما کی بھی خاص علامت قرار پاتی۔

امام ابن عون تابعی کے حالات میں لکھا ہے کہ انہیں گھوڑے کی سواری کا شوق تھا۔ ایک مرتبہ انہوں نے گورخر میدان میں گھیر کر مارا تھا۔ گورخر کی چالاکی مشہور ہے اس کو میدان میں گھیرنا اور تلوار، نیزہ یا تیر سے شکار کرنا بہت دشوار ہے اس واقعے سے امام ممدوح کی اعلیٰ درجہ کی شہسواری اور فنون شکار سے پوری واقفیت کا نشان ملتا ہے۔ امام شافعی نے تیر اندازی میں وہ ملکہ حاصل کیا تھا کہ قریش میں ان کا ثانی نہ تھا اور یہ کمال بہم پہنچایا تھا کہ ان کے دس تیر دس نشانے اڑا دیتے تھے۔ امام بخاری کو بھی تیر اندازی کا خاص شوق تھا اور اکثر گھوڑے پر سوار ہو کر شہر سے باہر اس کی مشق کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔ ان کا ہاتھ بھی ایسا سچا تھا کہ کم تیر خطا جاتے۔ علامہ ابو القاسم شافعی کی نسبت ابن خلکان لکھتے ہیں کان علامة فی الفقه والتفسیر

و الحدیث والاصول والادب والشعر و علم التصوف جمع بین الشریعۃ و الحقیقۃ جو لوگ ابن خلکان کی پر احتیاط روشِ تحریر سے واقف ہیں وہ میرے اس بیان کی تصدیق کریں گے کہ مورخ مذکور نے یہ انداز مخصوص گرمیِ حسن اور آرائشِ بیان سے واضح نہیں لکھے ہوں گے بلکہ واقعات نے یہ الفاظ ان کے قلم سے نکلوائے ہوں گے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ علامہ ممدوح کو اتنے علوم میں کمال پیدا کرنے کے ولولے میں بھی جسمانی ورزش اور فنونِ ریاضت کی طرف سے بے توجہی نہیں ہوئی اور ان مشاغل عالیہ کے ساتھ ساتھ انہوں نے گھوڑے کی سواری اور مردانہ فنون میں وہ مشق بہم پہنچائی کہ ان کی چابک سواری اور استعمال اسلحہ کی مہارت مرتبہ کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔ (۱۳۲)

امام غزالی نے صحت کے لئے بچوں کی جسمانی تعلیم پر زور دیا ہے۔ بچوں کو تنگ کپڑے نہیں پہنانے چاہئیں۔ ڈھیلے ڈھالے کپڑے پہنائے جائیں تاکہ ان کا جسم نشوونما پاسکے۔ ان کو کھلی ہوا میں رکھا جائے اور آزادی سے بھاگنے دوڑنے، کھیلنے کودنے کا موقع دیا جائے تاکہ ان کے قویٰ مضبوط اور توانا ہو جائیں۔ گرمی اور سردی برداشت کرنے کی عادت ڈالی جائے۔ بچوں کو نیند بھر کر سونے دیا جائے۔ غذا سادہ مگر ایسی ہو جو جسم کی نشوونما کے لئے ضروری ہو دی جائے۔ مضر اور نشہ آور چیزوں سے محفوظ رکھا جائے۔ غرضیکہ دماغی تندرستی کے لئے جسمانی تندرستی ضروری ہے۔ اہلِ یونان کے نظریہ "تندرست جسم تندرست دماغ" کے امام غزالی بھی حامی تھے۔ (۱۳۳)

عبداللطیف انصاری لکھتے ہیں کہ طلباء کی ریاضت جسمانیہ اور ورزش کا بھی اہتمام کیا جائے تاکہ تعلیمی اور ذہنی ترقی کے ساتھ ساتھ جسمانی نشوونما پر بھی کافی توجہ دی جاسکے۔ طلباء کی جسمانی صحت کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے۔ اس مقصد کے لئے ایک قابل ڈاکٹر کی خدمات حاصل کر لینا چاہئیں جو ہر ماہ ہر طالب علم کا طبی معائنہ کرتا رہے اور اس کے ذاتی کارڈ پر اس کا اندراج کرتا رہے۔ دارالاقامہ میں بڑے بڑے کمرے بنوانے کے بجائے ایسے چھوٹے چھوٹے کمرے زیادہ تعداد میں بنوائے جائیں جن میں چار سے آٹھ طلبہ تک اقامت اختیار کر سکیں۔ مطبخ اور کھانے کے کمرے ایک طرف تعمیر کئے جائیں اور مطبخ کی صفائی اور حفظانِ صحت کے اصولوں کے مطابق دیکھ بھال ہونی چاہیئے۔ طلباء کو تین وقت کھانا ضروری ملنا چاہیے۔ یعنی ناشتہ، ظہرانہ اور عشائیہ اور کھانا وقت مقررہ پر ملنا چاہیئے اور طلباء کی عزتِ نفس کو برقرار رکھنے کے لئے انہیں مطبخ کا پکا ہوا کھانا ہی کھلانا چاہیئے۔ قرآن خوانی کے معاوضے کے طور پر کھانا کھانے کی ممانعت ہونی چاہیئے۔ (۱۳۴)

طلباء و علماء کا لباس

عرب کا ایک مشہور مقولہ ہے الناس باللباس علمائے کرام جو باطنی خوبیوں سے آراستہ تھے ان کے حالات شاہد ہیں کہ ظاہری صفائی اور پاکیزگی کی جانب سے بھی ان کو بے توجہی نہ تھی۔ امام دارالہجرۃ حضرت

مالک لباس نہایت پاکیزہ اور قیمتی پہنتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں نے اپنے شہر (مدینہ طیبہ) کے چنتے فقہاء دیکھے سب کو خوش پوشاک دیکھا امام ممدوح جس مکان میں نشست فرماتے تھے وہ نہایت پاک و صاف رہتا تھا۔ اس میں چاروں طرف مسندیں بچھی رہتی تھیں اور ہر مسند پر ہوا بھرا پنکھے مہیا رہتے۔ ان کی مجلس کا یہ ادب تھا کہ کوئی بلند آواز سے بات نہ کرتا۔ امام ابو حنیفہ بھی بہت خوش لباس تھے۔ حضرت عبداللہ ابن مبارک ان کی نسبت فرماتے ہیں۔ کان حسن الوجہ حسن الثیاب ایک دفعہ ان کی ایک چادر کا تخمینہ کیا گیا تو تمیں اشرفی ہوا۔ اور ایک دامرے موقع پر ان کے پیراہن اور چادر کا اندازہ کیا گیا تو چار سو درہم ہوا۔ حماد ان کے صاحبزادے فرماتے ہیں کہ میرے والد اس قدر خوشبو کا استعمال کرتے تھے کہ جب وہ کہیں جاتے تو لوگ خوشبو کی وجہ سے پہلے ہی سمجھ جاتے کہ امام اعظم آرہے ہیں۔ شیخ الاسلام ہروی جن کا لقب مشہور ہے جب باہر تشریف لاتے تو لباس فاخرہ ان کے جسم پر ہوتا اور بیش قیمت گھوڑا ان کے نیچے اور فرمایا کرتے تھے کہ افعل ھذا اعزازاً للدین یعنی میں یہ اظہار حشمت دین کے معزز کرنے کے واسطے کرتا ہوں۔ (۳۵)

طلباء میں عزت نفس اور متانت پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ملک کے عام پبلک اسکولوں کی طرح درس نظامیہ کے طلباء کے لئے بھی یونیفارم کے انداز میں ایک جیسا لباس مقرر کیا جائے۔ جس کے لئے کوئی سا باوقار لباس تجویز کیا جاسکتا ہے۔ طلباء کا لباس بہر صورت صاف ستھرا ہونا چاہئے۔ (۳۶) دارالعلوم دیوبند میں جبہ کا مخصوص سفید لباس مقرر ہے۔ مولانا اشرف علی تھانوی ہمیشہ عمدہ اور مخصوص علماء کا لباس پہنتے اور دوسروں کو بھی تاکید کرتے تھے آج ہمارے ملک میں بوہری طلباء و علماء کے مخصوص لباس ہیں اسی طرح شیعہ علماء و طلباء مخصوص لباس زیب تن کرتے ہیں۔ جامعہ ازہر کے علماء بھی مخصوص لباس پہنتے ہیں۔

س۔ طلباء کے لئے وظائف و اعلیٰ تعلیم

دینی مدارس کے طلباء اکثر ان سہولتوں سے محروم ہیں، جو عام نظام تعلیم کے طلباء کو حاصل ہیں۔ قومی کمیٹی نے دینی مدارس کے طلباء کو در پیش مسائل کا جائزہ لے کر ان کی بہتری و بہبود کے لئے سفارشات مرتب کی ہیں۔ جن کے نفاذ سے دینی مدارس کے طلباء زیادہ ذہنی وقار کے ساتھ دینی تعلیم حاصل کریں گے جس سے بہتر نتائج برآمد ہوں گے۔

۱۔ دینی تعلیم کو فروغ دینے کے لئے دینی مدارس کے تمام طلباء کو حکومت وظائف دے۔

۲۔ بورڈ / یونیورسٹی کے طلباء کو جو وظائف تعلیمی صلاحیت (میرٹ) کی بنیاد پر دیئے جاتے ہیں، وہ وظائف دینی مدارس کے طلباء کو بھی اسی بنیاد پر دیئے جائیں۔

۳۔ بیرون ملک اعلیٰ تعلیم کے لئے وظائف قومی ادارہ برائے دینی مدارس کی سفارش پر دیئے جائیں۔

۴۔ قومی ادارہ برائے دینی مدارس پاکستان کے امتحانات میں سب سے زیادہ نمبر حاصل کرنے پر یونیورسٹی کی

طرح "قائد اعظم اسکالر شپ " دیا جائے۔

۵۔ قومی ادارہ برائے دینی مدارس پاکستان کے درجہ عالیہ میں سب سے زیادہ نمبر حاصل کرنے والے طالبعلم کو ثانوی تعلیمی بورڈ میں اول آنے والے طالبعلم کی طرح "قائد اعظم اسکالر شپ" دیا جائے۔

۶۔ شریعت فیکلٹی اسلام آباد یونیورسٹی میں داخلہ کے لئے ضروری ہو کہ امیدوار دینی مدارس کے درجہ عالیہ یا اس کے مساوی استعداد کا حامل ہو۔

۷۔ دینی مدارس کے طلباء کو وہی سفری سہولتیں اور مراعات دی جائیں جو سرکاری اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلباء کو حاصل ہیں۔

۸۔ سرکاری ہسپتالوں اور دیہاتی شفاخانوں میں دینی مدارس کے اساتذہ و طلباء کو داخلے اور علاج کی سہولتیں دی جائیں۔

فضلاء کے لئے ملازمت کے مواقع

۱۔ حکومت دینی مدارس کے مختلف درجات کے سند یافتگان کیلئے ملازمت کے عام مواقع فراہم کرے۔

۲۔ مختلف تعلیمی اداروں میں دانشوں اور سرکاری / غیر سرکاری دفاتر میں ملازمتوں کے اشتہار دیتے وقت مطلوبہ قابلیت کے ضمن میں میٹرک، بی۔اے، ایم۔اے کے ساتھ قومی ادارہ برائے دینی مدارس کی اسناد بالترتیب الشہادۃ المتوسطہ، الشہادۃ العالیہ اور الشہادۃ التخصص کا اندراج ہو۔

۳۔ اوقاف اور فوج کی مساجد کے خطباء کی آسامیوں پر تقرری کے لئے کم از کم درجہ عالیہ کی سند ضروری ہو۔

۴۔ خطابت کے فرائض انجام دینے کے لئے درجہ عالیہ کے سند یافتہ کو خصوصی تربیت کے بعد قومی تنخواہ کا چودھواں اسکیل دیا جائے۔

۵۔ اسکولوں / کالجوں میں دینیات اور عربی کے مضامین پڑھانے کے لئے دینی مدارس کے درجہ عالیہ / درجہ تخصص کے فاضلین کو ترجیح دی جائے۔

۶۔ وزارت مذہبی امور اور محکمہ اوقاف کی ملازمتوں نیز دیگر دفاتر میں مذہبی اور شرعی عہدوں پر تقرری کے وقت قومی ادارہ کے سند یافتگان کو ترجیح دی جائے۔ (۳۷)

سید معروف شاہ شیرازی لکھتے ہیں کہ ان لوگوں کا میدان کار صرف امامت اور خطابت رہ گیا۔ ان لوگوں میں سے جو لوگ زیادہ ذہین ہوتے ہیں وہ ان دینی مدارس میں بطور استاد جگہ پا لیتے ہیں۔ گذشتہ کئی سال سے یہ فضلاء اسی کسمپرسی کی صورت حال سے دوچار ہیں اور مشکل ترین حالات میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ لیکن اسلامی تہذیب کو بچانے کے لئے انہوں نے جو طویل جدوجہد کی ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج پوری دنیا میں پاک و ہند کے مسلمانوں پر دینی رنگ غالب ہے اور ان کی دینی فکر اور دینی سوچ بمقابلہ دوسرے ممالک کے مسلمانوں

کے زیادہ چلتا ہے۔

اب ہمارے سامنے اہم سوال یہ ہے کہ اس قدیم نظام کے فضلاء کے لئے میدان کار کیا ہونا چاہئے۔ تاکہ اس میدان کے تقاضوں کے مطابق ان مدارس کے نظام اور نصاب میں اصلاح کی جائے۔ میرے خیال میں موجودہ میدان کار یعنی امامت، خطابت اور دینی مدارس میں تدریس کے علاوہ ان فضلاء کو محکمہ قضاء، پرائمری، سیکنڈری اور یونی ورسٹی لیول کی تدریس کے لئے تیار کیا جانا چاہئے۔ اس کے علاوہ محکمہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اگر قائم ہو، تو اس کے لئے بھی ان فضلاء کو تیار ہونا چاہیے۔ مزید ایک اہم میدان کار یہ ہونا چاہئے کہ دعوت اسلامی کی عالمی توسیع کے لئے ہر سفارت خانے کے ساتھ تبلیغی اتاشی ہونا چاہیے اور اس کا انتخاب ان فضلاء میں سے ہونا چاہیے۔ ان نئے میدان ہائے کار کو پیش نظر رکھتے ہوئے فضلائے اسلامی مدارس کی تربیت کے لئے جو اہداف متعین ہوتے ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ اسلامی مدارس کے نظام امتحانات میں میٹرک، ایف۔ اے۔ اور بی۔ اے، ایم۔ اے۔ کے درجات کا تعین اور جن فضلاء نے ایسے امتحانات پاس کئے ہوئے ہوں، انہیں ٹیچرز ٹریننگ کالجوں میں تربیت کے لئے داخلہ دیا جانا چاہیے۔

۲۔ محکمہ قضاء میں کام کرنے کی خاطر ان کو فقہ (ایل۔ ایل۔ بی) کورسز میں داخلہ دیا جائے اور جب تک ان مدارس کے معیار تعلیم کے تعین کا فیصلہ نہیں ہو جاتا اس وقت تک ان فضلاء کو داخلہ کے لئے ٹیسٹ سے گزارا جائے اور جن لوگوں کو تبلیغی اتاشی بنا کر بھیجا جائے ان کو اسلامک یونیورسٹی یا ایسی ہی دوسری یونیورسٹیوں کے الدعوہ فیکلٹی سے گزارا جائے۔ (۳۸)

عبداللطیف انصاری لکھتے ہیں کہ مدرسہ میں داخل ہونے والے ہر طالب علم کا مفصل ریکارڈ مرتب کیا جائے۔ جس میں تاریخ پیدائش اور رجسٹریشن کے دیگر لوازم کا اندراج ضرور کیا جائے۔ طلباء کی باقاعدہ حاضری لی جائے۔ اس سلسلہ میں ثانوی مدارس کی بجائے کالجوں کا طریقہ اپنایا جائے یعنی بجائے ایک دفعہ حاضری لینے کے ہر استاد اپنی جماعت کی حاضری لگائے۔ تاکہ معلوم ہو کہ کون سا طالب علم جماعت سے غیر حاضر رہتا ہے اور کون حاضری کا پابند ہے۔ (۳۹)

طلباء اور تعلیم

مولانا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں۔ "مدرسوں کو چاہیے کہ ہر طالب علم کو پورا نصاب تعلیم پڑھانا ضروری نہ سمجھیں۔ جس کے اندر مناسبت دیکھیں اور فہم سلیم پائیں اسے سب کتابیں پڑھا دیں اور جسے مناسبت یا فہم سلیم نہ ہو تو اسے بقدر ضرورت مسائل پڑھا کر کہہ دیں کہ جائیں، دنیا کے دھندے میں لگیں، تجارت و

صرف میں لگیں ۔ کیونکہ ہر شخص مقتدا بننے کے لائق نہیں ہوتا ۔ جتنے نالائق بھی ہوتے ہیں ، ایسوں کو فارغ التحصیل بنا کر مقتدا بنا دینا خیانت ہے ۔ آج کل مدرسین و مہتمین اس کا بالکل خیال نہیں کرتے جتنے طلب ان کے مدرسہ میں داخل ہوتے ہیں کیا سبھی کو علم سے پوری مناسبت ہوتی ہے ؟ اور سبھی کی فہم سلیم ہوتی ہے ؟ ہرگز نہیں ، پھر کیا وجہ ہے کہ وہ طلباء کا انتخاب نہیں کرتے ۔

ایسے لوگوں کے لئے علم کی ایک مقدار معین کر لینا چاہیے کہ اس سے آگے ان کو نہ پڑھایا جائے اور وہ مقدار ایسی ہو جو دین کے ضروری مسائل جاننے کے لئے کافی ہو اور عام لوگوں کے لئے اردو نصاب مقرر کر دینا چاہیے ۔ (۱۴۰)

طلباء اور معاشرتی مسائل

پروفیسر مسلم سجاد لکھتے ہیں کہ ۱ ۔ اسلامی انقلاب کے لئے علماء کو متحرک کرنا ضروری ہے ۔ اس مقصد کے حصول میں مساجد اہم کردار ادا کر سکتی ہیں ۔ یہ کام صحیح تربیت یافتہ آئمہ ہی کر سکتے ہیں ۔

۲ ۔ دینی مدارس کے طلبہ کو اسلامی حمیت کے مسائل پر سڑکوں پر آنے میں تکلف نہ برتنا چاہیئے ۔ حرمت دین کی خاطر احتجاج " دین کی نظری تعلیم کے ساتھ " پریکٹیکل کے طور پر جزو نصاب ہو ۔

۳ ۔ طلباء کو معاشرہ میں ہونے والے مظالم کے خلاف آواز بلند کرنے کی تربیت دی جائے ۔ اس طرح یہ طلبہ عوام کے دکھ درد میں شریک ہو کر ان کی آنکھ کا تارا بن سکتے ہیں ۔ نیز اس طرح اسلام کی شناخت مظلوموں کے ملجاو ماوی کی حیثیت سے ہو گی ۔

اگر دینی مدارس کے طلبہ ، ان کے نگران اور رہبر علماء یکسو ہو کر درج بالا طریقے اختیار کریں ، تو امید کی جا سکتی ہے کہ گذشتہ چالیس برس میں جو کوتاہی رہی ہے ، اس کا ازالہ ہو سکے گا اور پاکستان میں اسلامی نظام کی منزل قریب آ سکے گی ۔ (۱۴۱)

طالبات کے لئے تجاویز

جیسا کہ تمام ابواب کے اختتامی لمحات میں خواتین کے حوالہ سے مستقل مباحث پیش کئے گئے ہیں اسی روایت کو قائم رکھتے ہوئے اس باب کے اختتام سے پہلے چند اہم امور تصفیہ کے جاتے ہیں ۔

۱ ۔ خواتین کے لئے وفاق المدارس اور تنظیم المدارس نے جو نصاب تیار کیا ہے اس کا سب جگہ لحاظ نہیں رکھا جا رہا ۔

۲ ۔ اس نصاب سے خواتین میں مطلوبہ صلاحیت پیدا نہیں ہوتی ۔

۳ ۔ اس نصاب میں عربی زبان کو غالب حیثیت دی جائے ۔

۴ ۔ خواتین کے حوالہ سے فقہی مسائل پر مشتمل مستقل کتب تیار کی جائیں اور انہیں نصاب کا حصہ بنایا

جائے۔

۵۔ خواتین کے لئے نصاب میں فنی تعلیم، خیاطی، کمپیوٹر، کڑھائی اور دستکاری کے دیگر مضامین نصاب میں شامل کئے جائیں۔

۷۔ ہر بڑے مدرسہ میں خواتین کی تعلیم کا انتظام کیا جائے۔

۸۔ خواتین کے لئے مختصر و مفصل دو الگ نصاب تیار کئے جائیں۔

۹۔ خواتین کو رفاہی و معاشرتی امور میں حصہ لینے کی ترغیب دی جائے تاکہ وہ بہتر طور سے معاشرے اور اس کے رسم و رواج پر اثر انداز ہوں۔

۱۰۔ خواتین کو اسلامی علوم پر لیکچر دینے کی خصوصی تربیت دی جائے تاکہ وہ سیرت اور تبلیغ کے جلسوں کے ذریعہ معاشرے پر چھا جائیں اور جس خاندان میں جائیں اسپر مکمل طور سے اثر انداز ہوں۔

دینی مدارس کے لئے تجاویز

اول: مولانا عبدالغفار احسن لکھتے ہیں کہ دینی مدارس سے فارغ التحصیل طلبہ کا امامت، خطابت یا تدریسی مشاغل تک محدود رہنے کے اسباب کا علم میں آنا انتہائی ضروری ہے۔ میرے خیال میں چونکہ یہ طلبہ غریب گھرانوں سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے فراغت حاصل کرتے ہی ملازمت اختیار کر لیتے ہیں تاکہ اپنے اہل خانہ کی مناسب کفالت کر سکیں۔ ان کے اپنے وسائل اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کر سکیں اور اس میدان میں کوئی نمایاں حیثیت اختیار کر سکیں۔ اس کا بہترین حل یہ ہے کہ موجودہ مثالی درسگاہ میں کہ جس کو قائم کرنا، اٹھائے گئے نکات کی روشنی میں ایک ضروری امر قرار پاتا ہے، ایسے طلبہ کو وظائف دیئے جائیں اور ان میں امتیازی پوزیشن حاصل کرنے والے فارغ التحصیل کو اسلامی ممالک کی جامعات میں اعلیٰ تعلیم کے لئے بھیجا جائے۔

دوم: دینی مدارس کی موجودہ صورتحال انتہائی مایوس کن ہے، جسے ہرگز مستحسن نہیں قرار دیا جا سکتا اور موجودہ فرقہ وارانہ ذہنیت کو دیکھتے ہوئے اس کا مستقبل قریب میں بدلا جانا بھی ممکن نہیں خود طلبہ بھی اس ماحول سے تعلیم حاصل نہیں کرنا چاہتے۔ وہ جلد سے جلد دورہ حدیث کے مرحلہ تک پہنچ جانا چاہتے ہیں تاکہ مدرسہ سے فراغت حاصل کرتے ہی عصری تعلیم کے لئے کچھ وقت نکال سکیں جس کے نتیجہ میں انہیں معاشرہ میں باعزت مقام حاصل ہو سکے۔

سوم: موجودہ مدارس کے نصاب تعلیم کو تبدیل کرنے کی متعدد کوششیں کی گئی ہیں جو کہ بار آور ثابت نہیں ہوئیں، ضرورت اس بات کی ہے کہ حکومتی یا نیم حکومتی سرپرستی میں ایک مستقل درسگاہ قائم ہو جس میں جدید نصاب کا اہتمام کیا جائے اور موجودہ مدارس میں سے کسی ایک مدرسہ کو منتخب کر کے اس میں ایک تجرباتی

درسگاہ قائم کی جائے۔

چہارم: موجودہ مدارس کی بتدریج اصلاح کی جاسکتی ہے۔ نئے مدارس کے لئے رجسٹریشن لازمی قرار دی جائے اور اس وقت تک کسی مدرسہ کو رجسٹرڈ نہ کیا جائے جب تک عمارت، اساتذہ اور تعداد طلبہ کے اعتبار سے مدرسہ کی کیفیت تسلی بخش نہ ہو۔ لیکن یہ ضروری ہوگا کہ ہر رجسٹرڈ مدرسہ کا گاہے بگاہے معائنہ ہوتا رہے اور وزارت اوقاف کی طرف سے اسے باقاعدہ امداد دی جائے۔

پنجم: اس میں کوئی شک نہیں کہ موجودہ مدارس سے فارغ التحصیل طلبہ دینی اور عصری قیادت کے تقاضے کماحقہ، پورا کرنے سے قاصر ہیں۔ نصاب میں جدید وقدیم کے حسین امتزاج کی شدید ضرورت ہے۔ (۱۳۲)

اگر ہم اس نظام اور نصاب کے موجودہ مرحلہ میں صرف چار میدان کار کو ہدف بنائیں اور اگلے دس، پندرہ، بیس اور پچیس سال میں جم کر تجربے، عمل اور ترویج کی کوشش کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ مطلوبہ پالیسی جس کی جانب ہماری نگاہ بار بار اٹھتی ہے۔ اسے ہم نہ پالیں۔

پہلا میدان کار ایسے علما اور فقہا کی تیاری ہوسکتا ہے جو فی الحقیقت دین میں اوراک رکھتے ہوئے فہم دین سے متور ہوں، ان کے اندر صلاحیت ہو کہ وہ قرآن حکیم و سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سمجھ سکیں۔ مزید یہ کہ آج ہمیں ایسے قانون دانوں، فقہاء اور قاضیوں کی ضرورت پڑ رہی ہے جو بیرون ملک پیدا ہونے والی ضرورتوں کو پورا کر سکیں۔ قومی ضروریات پورا کرنے کے لئے ایسے افراد بھی تیار کرنے چاہیں جو شریعت اور دوسرے قوانین کی تشریح وتعبیر کر سکیں۔ اس وقت دینی مدارس سے جو تعداد پڑھ کر نکل رہی ہے اس میں بہت ہی کم افراد اس چیلنج کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ اگر ہم ایسے افراد کار تیار نہ کر سکے تو بحیثیت مجموعی نقصان کا اندیشہ ہے۔

دوسرا میدان کار ایسے خطیب اور امام تیار کرنا ہوسکتا ہے جو مسلم معاشرے کی بنیادی ضرورت ہیں۔ یہ افراد ہمارے محسن ہیں اور انہی کے ذریعے ہم نے قرآن کو پڑھا اور دین کو سیکھا ہے لیکن اس ضمن میں بھی ایک قدم آگے بڑھائیں تو آج کی ملی اور بیرونی ضروریات کے تحت، مبلغ اور داعی، بھی تیار کریں جو ملک اور ملک سے باہر خدمات انجام دے سکیں۔ اس وقت مسئلہ یہ ہے کہ یورپ، افریقہ اور امریکہ میں مسجدیں اور اسلامک سنٹر موجود ہیں مگر پاکستان، بنگلہ دیش اور بھارت سے جانے والے خطیب و امام ان معاشروں اور مقامی افراد کے ذہن کو نہیں سمجھ پا رہے ہیں۔ جو افراد یہاں سے جاتے ہیں ان میں سے سو میں ایک یا دو ہی انگریزی سمجھ یا بول سکتے ہیں۔ یہ ہماری دینی ذمہ داری ہے کہ نو مسلم بھائیوں کو سنبھالیں اور غیر مسلم معاشروں کو اسلام سے روشناس کرائیں، اور دین اسلام کی دعوت کو پہنچائیں۔ اس اعتبار سے انگریزی سیکھنا کلیدی اہمیت کا حامل ہے

تیسرا میدان اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے لئے ایسے اساتذہ کی تیاری کا ہوسکتا ہے جو عربی، فارسی

اور اسلامیات کی تدریس کر سکیں، بلکہ میں اس سے بھی آگے بڑھوں گا کہ دینی تعلیم کے حصول کے بعد چار پانچ سال لگا کر دینی تعلیم گاہوں سے ذہین افراد معاشیات، سیاسیات، عمرانیات اور قانون میں بھی مقام پیدا کریں۔ اگر ہم یہ ہدف بنالیں تو آپ دیکھیں گے کہ اگلی اور اس کے بعد کی نسل کو یہ درس گاہیں ذہین ساز شخصیتیں دے سکیں گی۔ اس طرح بے دین شارحین اور متجددین کے بجائے دینی تعلیم کے فارغ التحصیل ماہرین عمرانیات رہنمائی کے منصب کو سنبھال لیں گے اور یہ ایک دور رس انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہوگا۔

چوتھا دائرہ صحافت، انتظامیات اور خدمت عامہ وغیرہ کا ہو سکتا ہے۔ اس میں چند منتخب دینی مدارس کو منصوبہ بنا کر اپنا رول ادا کرنا چاہیے۔ یہ بہت بڑا میدان ہے جہاں ہزاروں افراد کو ہم بھیج سکتے ہیں اور یہ افراد یقیناً سیکولر تعلیم کے فارغ افراد سے بہتر ثابت ہو سکتے ہیں۔

اگر یہ چار چیزیں اپنے سامنے رکھ کر دینی مدارس کے نصاب و نظام تعلیم پر نگاہ بازگشت ڈالیں تو بڑی آسانی سے یہ معلوم ہو سکے گا کہ ہمیں کہاں کہاں تبدیلی کی ضرورت ہے اور اس کی حکمت عملی کیا ہو سکتی ہے۔ مثال کے طور پر پرائمری یا ابتدائی درجہ میں صورت یہ ہو کہ قرآن پاک، سنت رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، فقہ کا عمومی فہم حاصل ہو، عربی زبان کے لئے اس مدت میں ایسا سہل نظام تدریس اختیار کریں جس سے ہر شخص بنیادی قواعد و اسالیب کو سمجھ لے اور اسی کی بنیاد پر اگلے درجوں میں وہ حصول علم کر سکے۔ اس سے اگلے درجے میں گہرائی میں جائیں اور وہاں پر مختلف علوم کو الگ الگ کر سکتے ہیں۔ مثلاً جن افراد کو "فقیہ" بننا ہے ان کو عربی زبان، منطق اور اصول پڑھائیں۔ لیکن جن افراد کو "مدرس یا مبلغ" بنانا ہے ان کے لئے نصاب میں ذرا تبدیلی کریں جس سے ان میں ایسی استعداد پیدا ہو جائے کہ آگے چل کر حکمت تدریس اور حکمت تبلیغ کو احسن انداز سے روبہ عمل لائیں۔

اس مقصد کے لئے ہمیں فن تعلیم کی سائنس (Education Science) اور نفسیات کے مضامین کو اسلامی فلسفہ حکمت کے مطابق ترتیب دینا ہوگا۔ یہ کام کوئی مشکل نہیں ہے۔ اس کے بعد تخصص (Specialization) کا مرحلہ آتا ہے کچھ لوگ امام خطیب اور مدرس بن کر عملی زندگی میں داخل ہو جائیں گے یا کچھ افراد ایم اے کر لیں گے لیکن کچھ افراد ایسے ضرور ہوں جنہیں درجہ تخصص میں فقیہ بنایا جائے گا۔ ان کے لئے تحقیق و تالیف کی تربیت اور بیرونی زبانوں کی تعلیم کا انتظام کرنا ہوگا۔ یہ کام سارے ادارے تو نہیں کر سکتے لیکن بہر طور ملک کے چار پانچ دینی تعلیمی ادارے بھی اس ضمن میں منصوبہ سازی اور حکمت عملی تیار کریں تو حقیقی معنوں میں بہت بڑی خدمت ممکن ہو سکتی ہے۔

اس طرح اپنی تعلیمی روایت کو مجروح کئے بغیر نیا کردار بھی سامنے آسکے گا اور نئی ضرورتوں کا کوئی حل بھی پیش ہو سکے گا۔ سوچ بچار کے لئے ابتدائی نوعیت کی تجویز ہے جس کو مزید گہرائی میں جا کر عملی شکل دی جاسکتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ بعد اس حوالے سے کام کرنے کے لئے کوئی قدم اٹھے۔ (۱۳۳)

دینی مدارس میں مبلغین کا انتظام

مولانا اشرف علی تھانوی تحریر کرتے ہیں کہ جیسے دینی مدارس میں مدرسین کو تنخواہیں ملتی ہیں اور یہ تعلیم و تدریس گویا خاص تبلیغ ہے اسی طرح مدرسہ سے تبلیغ عام کا بھی انتظام ہونا چاہیئے اور مدرسہ کی طرف سے تنخواہ دار مبلغ رکھے جائیں اور ان کو اطراف و جوانب میں بھیجا جائے۔ اور ان کو تاکید کی جائے کہ چندہ نہ مانگیں صرف احکام پہونچائیں۔

ہر دینی مدرسہ و اسلامی انجمن کم از کم ایک مبلغ بھی مقرر کرے اور یہ سمجھے کہ ضرورت تعلیم کے لئے ایک مدرس کا اضافہ کیا۔ کیونکہ جس طرح مدرسہ کے معلمین طلبہ کے مدرس ہیں واعظین عوام کے مدرس ہیں اہل انجمن یہ سمجھیں کہ یہ تعلیم عوام کے لئے ان کی انجمن کی ایک شاخ ہے۔ دینی مدارس کی طرف سے ہر جگہ مبلغ رہیں۔ اور یہ سلسلہ تمام ممالک کے ہر حصہ میں مستقل طور پر قائم ہو جس کے لئے باضابطہ نظم ہو۔ یہ مبلغ خواہ متبحر عالم نہ ہوں مگر دینیات پر وسیع نظر رکھتے ہوں کہ تقریر میں یا کسی کے سوال کے جواب میں غلط روایت یا غلط مسئلہ بیان نہ کریں۔

مبلغ کے لئے ضروری ہدایات

۱۔ بلا ضرورت اختلافی مسائل بیان نہ کریں۔ اور اگر ضرورت ہی پڑ جائے تو عنوان نرم و سہل ہو۔ اگر کسی شخص کا نام لینا پڑے تو اس کی نسبت کوئی سخت کلمہ نہ کہے۔ اس متانت سے شبہ حل کر دیں خواہ کوئی مانے یا نہ مانے۔

۲۔ عام طور پر واعظ کسی کی دعوت قبول نہ کریں۔ البتہ اگر داعی پہلے سے شناسا و مخلص ہو تو کوئی مضائقہ نہیں اگر شناسا نہ ہو لیکن قرائن سے مخلص لگتا ہو تو بھی مضائقہ نہیں۔ مگر از قسم ہدیہ نقد و غیرہ نقد ہرگز قبول نہ کریں۔

۳۔ سیاسی امور یا کسی کے ذاتی معاملات کے فیصلہ میں مبلغ دخل نہ دیں۔ اگر اس کی درخواست بھی کی جائے تو صاف انکار کر دیں۔

۴۔ تعویذ، گنڈے دینے یا بیعت لینے سے مبلغ کو قطعاً منع کر دیا جائے اگرچہ وہ اس کے اہل بھی ہوں۔

۵۔ مدرسہ یا انجمن کے لئے چندہ کی ہرگز ترغیب نہ دیں۔ بلا ترغیب کوئی دے تب بھی انکار کر دیں پھر بھی نہ مانے تو کہدیں کہ براہ راست مرکز میں بھیج دیں۔

ایسے لوگوں کو کوئی فن معاش بھی سکھلایا جائے تاکہ وہ مضطر ہو کر دین کو حرفہ نہ بنائیں۔ اور اس کے لئے سہل صورت یہ ہے کہ جا بجا صنعت و حرفت کے مدرسے (شعبے) کھلوا دیئے جائیں اور بچپن ہی سے طلباء کو کوئی نہ کوئی دستکاری ضرور سکھلائی جائے۔ (۴۲)

تعلیمی درجات کے اعتبار سے مدارس کے نام

پاکستان کے ہر شہر اور گاؤں میں کسی نہ کسی درجے کے دینی تعلیم کے ادارے قائم ہیں، جن میں قرآن حکیم ناظرہ سے لیکر درس نظامی کی تکمیل تک تعلیم کا انتظام ہے۔ لیکن سوء اتفاق کہ ان مدارس کے ناموں کے ذریعہ یہ تعین کرنا مشکل ہے کہ ان میں کس درجہ تک تعلیم دی جاتی ہے ابتدائی درجہ کے مدارس بھی اپنے نام کے ساتھ "جامعہ" اور "دارالعلوم" کے الفاظ استعمال کرتے ہیں جو موجب اشتباہ ہیں جبکہ اس کے مقابل میں سرکاری تعلیمی اداروں میں درجات کو اس طرح معنون کیا گیا ہے کہ صرف نام لینے سے ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ اس ادارہ میں پرائمری تک تعلیم ہوتی ہے یا مڈل یا میٹرک وعلیٰ ہذالقیاس دینی مدارس میں درجات کے عدم تعین کی وجہ سے ان کی مالی امداد میں مشکلات کا سامنا ہوتا ہے۔ بعض ادارے اپنے نام سے بہت عظیم معلوم ہوتے ہیں۔ حالانکہ عملاً ان کی حیثیت ابتدائی درجہ کی ہوتی ہے جبکہ بعض دوسرے ادارے جن میں انتہائی کتب کی تدریس ہوتی ہے اور اقامتی بھی ہوتے ہیں لیکن جیسے انکے نام سے ابتدائی درسگاہ ہونے کا شبہ ہوتا ہے اس لئے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ دینی تعلیم کے تمام اداروں کو درجات میں تقسیم کر دیا جائے۔

الف۔ مدرسہ ناظرہ قرآن سے مراد وہ مدرسہ ہے جس میں صرف ناظرہ قرآن پڑھایا جاتا ہو۔

ب۔ مدرسہ تجوید القرآن سے مراد وہ مدرسہ ہے جس میں قرآن کریم کو تجوید کے ساتھ پڑھانے کا انتظام ہو۔

ج۔ مدرسہ فوقانی سے مراد وہ مدرسہ ہے جس میں موقوف علیہ تک کتب یا فاضل عربی کا نصاب پڑھایا جاتا ہے۔

د۔ دارالعلوم سے مراد وہ ادارہ ہے جس میں درس نظامی کی مکمل تدریس معہ دورہ تفسیر حدیث کا انتظام ہو اور اس کا الحاق پاکستان کے وفاق المدارس، تنظیم المدارس، رابطۃ المدارس وحدۃ المدارس السلفیہ پاکستان یا رابطہ المدارس العربیۃ میں سے کسی ایک ادارہ کے ساتھ ہو۔

و۔ جامعہ سے مراد وہ تعلیمی ادارہ ہے جس میں مروجہ درس نظامی کی تکمیل کے بعد تخصص کا انتظام بھی ہو۔

اسناد کا اجراء اور معادلہ

کسی نظام تعلیم کے تحت امتحانات کے انعقاد اور ان میں طلباء کی شرکت کا اہم مقصد حصول سند ہوتا ہے۔ سند اس امر کا ثبوت ہوتی ہے کہ اس کا حامل کس درجہ کا تعلیم یافتہ ہے۔

عام اسکولوں اور کالجوں میں زیر تعلیم طلبا جب تعلیم کا سلسلہ منقطع کرتے ہیں یا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے ہیں تو اپنے اسکول یا کالج سے اسکول / کالج چھوڑنے کا سرٹیفکٹ حاصل کرکے کسی دوسرے تعلیمی ادارہ میں داخلہ لے سکتے ہیں اور اسی سرٹیفکٹ کی بنا پر روزگار حاصل کرنے میں بھی سہولت حاصل ہوتی ہے۔

علوم دینیہ کے مدارس کو بھی تعلیمی سلسلہ منقطع کرنے والے طلبہ کو مدرسہ چھوڑنے کا سرٹیفکیٹ جاری کرنا چاہیئے۔ جس میں طلباء کی تعلیمی استعداد کا مناسب انداز میں اندراج ہونا چاہیئے۔ (۳۵)

دینی مدارس کے لئے چندہ کی تجویز

آج کل دینی مدارس کے لئے سفراء جس طرح چندہ کرتے ہیں یہ بدنامی کا سبب ہے اس سلسلہ میں ایک ماہر تعلیم کی چند تجاویز پیش کی جا رہی ہیں۔

مولانا تھانوی تحریر کرتے ہیں کہ میں چندہ کی تحریک کا مخالف نہیں ہوں۔ مگر طریقہ کار کا مخالف ہوں میرے نزدیک طریقہ یہ ہے کہ اس کی تحریک رؤساء کریں مولوی نہ کریں کیونکہ رؤساء خود بھی دیتے ہیں اور ان کی تحریک سے کوئی شبہ نہیں پیدا ہوتا۔ اور مولوی چونکہ خود نہیں دیتے اس لئے شبہ ہوتا ہے کہ اپنے کھانے کے واسطے کر رہے ہیں۔

چندہ کی مشروعیت اور اسکا ثبوت

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف O اور چاہیئے کہ تم میں سے ایک جماعت ایسی ہو جو خیر کی دعوت اور بھلی باتوں کا حکم کرے۔ اس لئے چندے کی ترغیب کا مضائقہ نہیں، کیونکہ حفاظت دین ضروری امر ہے اور وہ بغیر تعلیم و تعلم کے سلسلے کے ممکن نہیں اور یہ سلسلہ اس وقت عادتاً بدون اعانت کے چل نہیں سکتا پس اعانت کرنا ایک امر خیر کا مقدمہ اور موقوف علیہ ہے لہذا خیر ہے بلکہ امر ضروری ہونے کی وجہ سے ضروری ہے۔

اس کے متعلق اس آیت میں کافی فیصلہ موجود ہے خدا تعالیٰ فرماتے ہیں ھآ انتم ھولاء تدعون لتنفقوا فی سبیل اللہ فمنکم من یبخل O ومن یبخل فانما یبخل عن نفسہ O

دیکھئے سوال کی تو نفی کرتے ہیں اور دعوت الی الانفاق کا اثبات فرماتے ہیں اور سوال کرنے پر بخل کرنے میں زیادہ مذمت نہیں فرماتے۔ اور دعوت الی الانفاق میں بخل کرنے کی مذمت فرماتے ہیں ومن یبخل فانما یبخل عن نفسہ . وان تتولوا یستبدل قوما غیرکم O الخ اگر تم روگردانی کرو گے تو خدا تعالیٰ تمہارے بجائے دوسری کسی قوم کو پیدا کر دے گا جو تمہاری طرح بخیل اور جان چرانے والے نہ ہوں گے یعنی ترغیب پر بخل کرنے سے کس قدر ڈرایا گیا ہے

دینی مدارس کی مالی اعانت

دین کی خدمت کرنا قوم ہی کی تو خدمت کرنا ہے کیونکہ دین سب مسلمانوں کی مشترک ضرورت ہے جس کی خدمت مسلمانوں کے ذمہ فرض ہے جس کو طلبہ (و علماء) عوام کی طرف سے ادا کر رہے ہیں۔ اگر قرآن و حدیث سے یہ بات سمجھ میں نہ آئے تو دوسری قوموں کی شہادت سے ہی کیونکہ آج کل دوسری قوموں کی تقلید کی عادت ہو گئی ہے۔ غیر قومیں بھی اپنی مذہبی جماعت کی دینی خدمت کو نہایت وقعت کی نگاہ سے دیکھتی

ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ مذہبی جماعت ساری قوم کی طرف سے ایک اہم اور ضروری کام انجام دے رہی ہے اسی لئے مشنریوں کی ان کی قوم اور حکمران مدد کرتے ہیں۔(۳۶)

چندہ کی جائز اور ناجائز صورتیں

چندہ کی ترغیب کرنا جائز اور زور و دباؤ اصرار کے ساتھ مانگنا ناجائز ہے لیکن مدارس کے چندوں کے متعلق زور دے کر اور دباؤ ڈال کر وصول نہیں کئے جائیں۔ اس کے متعلق ایک عجیب تائید، تفصیل کے ساتھ قرآن شریف کی آیت میں وارد ہے۔ وہ یہ ہے کہ چندہ لینے میں اصرار کرنا، ناجائز ہے اور ایک ترغیب کا مرتبہ ہے وہ جائز ہے اور اس کی دلیل کلام مجید کی اس آیت سے ملتی ہے۔ خدا تعالیٰ سوال سے عفت کی بابت فرماتے ہیں لا یسئلون الناس الحافا ○ لوگوں سے چمٹ کر اصرار کے ساتھ سوال نہیں کرتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سوال بالا اصرار و الجبر نہیں کرنا چاہئے اور دوسری جگہ فرماتے ہیں ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر و یامرون بالمعروف ○ چاہیئے کہ تم میں سے ایک جماعت ایسی ہو جو خیر کی دعوت دے اور بھلی باتوں کا حکم کرے اس سے چندے میں ترغیب کا مضائقہ نہیں کیونکہ دین کی حفاظت ضروری امر ہے اور وہ تعلیم و تعلم کا سلسلہ قائم کئے بغیر ممکن نہیں۔

جس طرح علماء کو دباؤ ڈال کر سوال نہیں کرنا چاہیئے اسی طرح اہل دنیا کو ترغیب پر انکار بھی نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں و اما السائل فلا تنہر ○ اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر الحاح کر سوال کرنے پر انکار کیا جائے تو کچھ عیب نہیں کیونکہ یہ انسان کا طبعی خاصہ ہے لیکن اگر محض ترغیب پر انکار کیا جائے تو نحوست وبال کا اندیشہ ہے۔ اور اس آیت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ سوال والحاف (یعنی اصرار کے ساتھ الحاح کر چندہ کرنا) برا ہے (اور محض) دعوۃ اور چندہ کی ترغیب حسن ہے۔

زبردستی کا چندہ

محصلِ چندہ اگر زورِ طاقت حاصل کرنے میں دینے والے کو ذلیل اور رسوا کر دیں تو چندہ کا یہ طریقہ بالکل خلاف شریعت اور حرام ہے، آج کل زیادہ تر چندہ حاصل کرنے کے طریقے حرام ہی ہیں مگر محصلین چندہ اس کو دین سمجھتے ہیں، کچھ نہیں تو اس کا نام بے حسی ہے، کہ مال کے واسطے نہ آبرو کی پرواہ کی جائے نہ دین کی۔

حرام چندہ

بعض لوگ ایسا کرتے ہیں کہ مساجد اور مدارس کے لئے زبردستی چندہ وصول کرتے ہیں یہ اس سے بھی بدتر ہے اس لئے کہ اگر اپنے نفس کے لئے کیا جاتے تو خود کو دنیوی نفع پہنچے اور جب حق تعالیٰ کے لئے ایسا کیا تو خدا تعالیٰ بھی راضی نہ ہوئے اور اپنے پاس بھی نہ رہا یہ خسر الدنیا والآخرۃ ہو گیا کہ نہ خود منتفع ہوا

اور یہ خدا راضی ہوا۔

شرما حضوری اور رواجی چندہ

چندہ طلب کرنے میں شرمانے کی بجائے اگر دباؤ ڈالنے سے بھی کام لیا جائے اس وقت مضاعف (دوگنا) گناہ گار ہوگا۔ بدلیل حدیث بیہقی و دارقطنی **قال رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم الا لا تظلموا الا لا یحل مال امرئ الا بطیب نفس منه** بعض تو اس میں یہ غلطی ہوتی ہے کہ کہتے ہیں کہ ہماری کیا وجاہت اور دباؤ ہے جو شخص دے گا خوشی ہی سے دے گا حالانکہ مشاہدہ اس کی تکذیب کرتا ہے اس کا حال دینے والے سے معلوم ہو سکتا ہے۔ اس قسم کی رقمیں شرعاً حلال نہیں ہوتیں اور اس طرح سے مانگنا درست نہیں، یہ رقوم سب واجب الرد ہیں ان کا واپس کرنا ضروری ہے۔

جوش میں دیا ہوا چندہ

کچھ لوگ جوش میں ایسا کر گذرتے ہیں کہ جو کچھ موجود ہو راہ خدا میں قربان کر دیتے ہیں لیکن ہوش میں آنے پر کف افسوس ملتے ہیں۔ گرچہ ایسے شخص کا چندہ فخر کے ساتھ لیا جاتا ہے، درحقیقت ایسا چندہ بھی نہیں لینا چاہئے۔

عمل اور توجہ کے اثر سے چندہ

بعض لوگ "توجہ" سے ایسے کام لیتے ہیں جو بظاہر کار خیر معلوم ہوتے ہیں لیکن ان کے جواز میں بھی تردد ہے، مثلاً کسی صاحب ثروت کی طرف کسی مسجد یا مدرسہ کی اعانت کے خیال سے متوجہ ہونے تو اس پر اثر پڑا کہ وہ اعانت پر مجبور ہو گیا بعد میں پچھتائے یعنی اس وقت مغلوب ہو کر حقیقت کر دے کچھ نکے بس مجبور ہو جائے بس یہ چندہ لینا ایسا ہی ہے جیسے غصب کر لیا یا شراب پلا کر کسی سے کوئی دستاویز لکھوا لی۔(۱۳۷)

دینی مدارس کے لئے مراعات

جائزہ کے دوران معلوم ہوا کہ دینی مدارس کی عمارات، اراضی، فرنیچر، سامان تدریس، دارالکتب، دارالاقامہ میں سہولتیں کا فقدان ہے۔ کراچی کے بعض مدارس میں جدید سہولتیں حاصل ہیں۔ مگر مدارس کی اکثریت ضروری سہولتوں سے محروم ہے۔ ان حالات کے پیش نظر دینی مدارس کو جدید نظام تعلیم کی طرح سہولتیں فراہم کرنی چاہئیں، جن پر عمل درآمد کی صورت میں دینی مدارس کی کارکردگی بڑھے گی اور سلسلہ تعلیم و تعلم فروغ پائے گا۔

۱۔ عمارات و اراضی

۱۔ اگر حکومت کا کوئی قطعہ زمین نزول، شاملات دیہہ، اوقاف (مطابق حکم شرع) دینی مدارس کی تحویل میں ہو تو وہ انہی مدارس کو دے دیا جائے۔

۲۔ رہائشی سکیموں میں اراضی مختص کرتے وقت دینی مدارس کے لئے بھی جگہ مخصوص کی جائے۔

۳۔ قومی ادارہ برائے دینی مدارس، مدارس کی موجودہ عمارات کا جائزہ لے اور صحت مند ماحول پیدا کرنے کے لئے ضرورت کے مطابق ہوا، روشنی، پانی وغیرہ کے انتظامات اور فوری ضروری مرمت کے اخراجات کا تخمینہ پیش کرے۔ اسی طرح ادارہ ان مدارس میں توسیعی منصوبہ جات کا تخمینہ مرتب کر کے مالی اعانت کے لئے حکومت کو پیش کرے۔

۴۔ پانی، بجلی اور سوئی گیس دینی مدارس کو مساجد کی طرح رعایتی نرخ پر مہیا ہو۔

۲۔ فرنیچر

۱۔ دینی مدارس میں مروجہ فرنیچر بحالہ قائم رہے، اور اس مد میں حکومت مناسب مالی اعانت کرے۔

۲۔ جدید مضامین بالخصوص سائنسی مضامین کی تدریس و تفہیم کے لئے سائنسی تجربہ گاہیں قائم کی جائیں اور ان میں سائنسی سامان مہیا کیا جائے۔

۳۔ دینی مدارس کے درجات ابتدائیہ، متوسطہ اور عالیہ کو "تدریسی کٹ" مہیا کئے جائیں۔

۳۔ درسی کتب، نقشے، اٹلس

۱۔ کالج و یونیورسٹی کی طرح دینی مدارس میں مختلف درجات کے لئے "بک بینک" قائم کئے جائیں۔

۲۔ غیر ملکی نصابی کتب کی "مقامی طبع ثانی" اسکیم کے تحت وہ کتابیں جو دینی مدارس میں موجود نہ ہوں اور ان کے پانچ صد یا زیادہ نسخوں کی ضرورت ہو تو حکومت انہیں چھپوا کر لاگت قیمت پر مدارس کو مہیا کرے۔

۳۔ جو نصابی کتب یا کتب حوالہ اندرون ملک دستیاب نہ ہوں اور پانچ صد سے کم تعداد میں مطلوب ہوں وہ "نیشنل بک فاؤنڈیشن" اسکیم کے تحت اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کی طرح رعایتی نرخوں پر درآمد کر کے دینی مدارس کو مہیا کی جائیں۔

۴۔ نئے مضامین کی تدریس کے لئے تختہ سیاہ، نقشے، چارٹس وغیرہ مہیا کئے جائیں۔

۵۔ عالم اسلام کے خصوصی نقشے اور اٹلس تیار کروائے جائیں۔ جن میں مسلمانوں کے ماضی اور حال کے جغرافیائی، معدنی، طبعی، زرعی، سیاسی، دینی اور ثقافتی مراکز کی معلومات کے ساتھ آبی گزرگاہیں اور تجارتی راستے و دیگر ضروری کوائف درج ہوں دینی مدارس کو مفت فراہم کئے جائیں۔

۴۔ کتب خانے

دینی مدارس میں حفاظت کتب کے لئے کوئی خاص انتظام نہیں ہے۔ بعض دینی مدارس میں نادر قلمی کتابیں موجود ہیں "ڈائریکٹوریٹ آف لائبریریز کراچی" کے تعاون سے انہیں محفوظ اور زیادہ خستہ حال کتب کی درستگی کروائی جا سکتی ہے۔

۵ تربیت لائبریری سائنس

"ڈائریکٹوریٹ آف لائبریریز کراچی" کی وساطت سے دینی مدارس کے کتب خانوں کے ناظمین کو لائبریری سائنس کی ابتدائی تربیت دی جائے۔

۶۔ فراہمی کتب

دینی مدارس میں درسی و مطالعاتی کتب کافی تعداد میں فراہم کی جائیں اس ضمن میں ادارہ اسلامی ممالک سے بھی مدد حاصل کی جا سکتی ہے۔

۷۔ مالی اعانت

۱۔ حکومت کسی قسم کی تعلیمی و انتظامی مداخلت کئے بغیر دینی مدارس کی مالی اعانت کرے۔

۲۔ قومی ادارہ سے ملحق دینی مدارس کو دئے گئے ہر قسم کے عطیات آمدنی ٹیکس سے مستثنیٰ کئے جائیں۔

۳۔ دینی مدارس کو زکوٰۃ کی ادائیگی حکومت کو ادائیگی قرار دی جائے۔ یہ مالی اعانت نقدی کی شکل میں ہو جو مندرجہ ذیل مدات پر صرف کی جائے۔

- عمارت کی مرمت و توسیع
- اساتذہ کے مشاہرے / سہولتیں
- طلباء کے وظائف / سہولتیں
- فرنیچر
- کتب
- دیگر ضروریات مدرسہ (۴۸)

دینی مدارس کے ارباب حل و عقد سے گذارش

عام طور سے نصاب یا طریقہ کار میں جب بھی کسی تبدیلی کی تجویز پیش کی جاتی ہے تو کچھ علماء کی طرف سے کہدیا جاتا ہے کہ اس طرح درس نظامی تباہ ہو جائیگا۔ اور اس کے پڑھنے والے کسی بھی علم میں ید طولیٰ حاصل نہیں کر سکیں گے حالانکہ یہ بات صرف تخمینوں پر مشتمل ہے۔ وضاحت کے لئے ایک مثال پیش کی جاتی ہے۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء جس کے بانی مولانا محمد علی مونگیری مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کے فارغ التحصیل تھے، انہوں نے اپنے معاصرین سے مشورہ کے بعد جدید حالات و علوم کا لحاظ کرتے ہوئے نیا نصاب ترتیب دیا

اس طرح وہاں کے فارغ التحصیل طلبہ کی کھپت ملکی و غیر ملکی تمام جامعات میں پیدا ہوئے گی یہ طلبہ دیگر مدارس کے طلبہ کے مقابلہ میں معاشرہ میں مؤثر رول ادا کرنے کے قابل ہوئے اس کے موجودہ مہتمم (چانسلر) مولانا ابو الحسن علی ندوی زندہ مثال ہیں، دنیا کا کون سا ادارہ ہے جہاں ان کے لیکچر نہیں ہوتے وہ عرب یونیورسٹیز ہوں یا ایشیاء کی تعلیم گاہیں یورپ کے علمی مراکز ہوں یا وسطی ایشیا کی علمی محافل دارالعلوم کے نصاب کی بدولت وہ انٹرنیشنل داعی کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔(۱۴۹)

— نصاب تعلیم میں تبدیلی

۱۔ نصاب تعلیم میں ہمیشہ وہی تبدیلی مؤثر رہی ہے جسے کسی مؤثر عالم یا ادارے کی سرپرستی حاصل رہی۔

۲۔ ملت اسلامیہ کے اجتماعی زوال نے دینی تعلیم کے نصاب کو بھی متاثر کیا جیسے جیسے سیاسی غلبہ کمزور ہو کر معاشرتی انحطاط رونما ہوا ہے دینی تعلیم کا نصاب بھی بدلتا چلا گیا اور نسبتاً کم اہمیت کے مضامین بنیادی اہمیت اختیار کرتے چلے گئے۔

۳۔ نصاب تعلیم کی تبدیلی سے دینی اداروں سے فارغ التحصیل ہونے والے افراد کا معیار بھی بلند ہوگا۔

۴۔ علوم پر سانیات کو ترجیح دینے کا عمل جو دور انحطاط میں معاشی ضروریات کی وجہ سے پیدا ہوا تھا کم ہونے کی بجائے بڑھتا چلا گیا۔ چنانچہ ناگزیر ہے کہ درس نظامی کے نصاب پر از سر نو غور کیا جائے۔(۱۵۰)

مولانا محمد ادریس میرٹھی اس سلسلہ میں کچھ تجاویز پیش کرتے ہیں۔ جن دینی مدارس میں دورہ حدیث یا اس کے مساوی علوم عالیہ پڑھائے جاتے ہوں خواہ کسی بھی مکتب فکر سے تعلق رکھتے ہوں ان میں سے ہر ایک مدرسہ کو ایک ایک نمائندہ لے کر مجلس شوریٰ برائے دینی مدارس بنائی جائے، یہی مجلس شوریٰ خود اپنے اندر سے ہی قومی ادارہ برائے مدارس دینیہ تشکیل دے۔

— قومی ادارہ برائے دینی مدارس کی خصوصیات

۱۔ یہ قومی ادارہ مکمل طور پر خود مختار اور آزاد ہو، کسی بھی وزارت یا سرکاری محکمہ کے ماتحت نہ ہو بلکہ صرف مجلس شوریٰ کے سامنے جوابدہ ہو۔

۲۔ اس ادارہ سے ملحق مدارس حسب سابق مخیر حضرات کے عطیات اور عوامی چندوں سے اپنے اخراجات پورے کریں۔

۳۔ اس قومی ادارہ کے اخراجات ملحقہ مدارس باہمی چندوں سے خود برداشت کریں۔

۴۔ یہ قومی ادارہ ملحقہ مدارس دینیہ کے مجوزہ نصاب ہائے تعلیم مقرر کرنے یا ان میں رد و بدل کرنے کا مجاز ہو۔

۵۔ یہی ادارہ ہر مرحلہ کے امتحانات میں حسب ضرورت جدید مضامین شامل کرنے کا بھی مجاز ہو۔(۱۵۱)

قواعد و ضوابط کے لئے تجاویز

الف ۔ مولانا سید عبدالحق گیلانی لکھتے ہیں کہ اس سلسلے میں تمام وفاقوں کے نامزد کردہ دو ارکان کے علاوہ اسلامی یونیورسٹی ، اسلام آباد کے دو ارکان اور حکومت کی طرف سے کم از کم تین ارکان پر مشتمل ایک بورڈ تشکیل دیا جائے جو جدید تعلیم کے درجات کے مطابق دینی تعلیم کے تعلیمی درجات متعین کر کے نظام امتحان جاری کرے ، قواعد و ضوابط بنائے اور ان کے نفاذ کی نگرانی کرے ۔ ہر اجلاس کے لئے باری باری وفاقوں کے ارکان کو صدر بنایا جائے اور حکومت کے محکمہ تعلیم سے اس بورڈ کا صرف انتظامی تعلق ہو کہ ہر درجہ کی شہادت کا مرتبہ وہی تسلیم کیا جائے جو متوازی جدید تعلیم کے درجہ کا ہے ۔ ایسے خصوصی اور خود مختار بورڈوں اور یونیورسٹیوں کا قیام خصوصی شعبوں میں پہلے ہی حکومت کے قانون میں تسلیم شدہ ہے اور انجینئرنگ یونیورسٹی ، زرعی یونیورسٹی اور ٹیکنیکل بورڈ اس کی موجود مثالیں ہیں ۔

ب ۔ مدارس کے قیام پر پابندی بالکل نہیں ہونی چاہئیے کیونکہ یہ ہمیشہ سے آزادانہ قائم ہوتے آئے ہیں اور ان میں سے بعض نہایت کامیاب ثابت ہوتے رہے ہیں البتہ بورڈ کے تحت کسی بھی مدرسہ کی منظوری کے لئے کچھ ضوابط مقرر کرنا ضروری ہونگے جن کی پابندی کے بغیر اس مدرسہ کی حیثیت تسلیم شدہ نہ سمجھی جائے ۔

ج ۔ تمام منظور شدہ مدارس کے طلبہ اگر ایک مدرسہ سے دوسرے میں جانا چاہیں تو پہلے مدرسہ کو چھوڑنے کے سرٹیفکیٹ کے بغیر انہیں قبول نہ کیا جائے ۔ جیسے جدید تعلیم کے اداروں میں مروج ہے ۔

د ۔ سابق تعلیم یافتگان یا ملازمت پیشہ لوگوں کے لئے بورڈ میں پرائیویٹ امتحانات کی رعایت رکھی جائے تاکہ دینی اداروں میں داخلہ نہ لے سکنے والے طلبہ کو بھی اپنے علم میں اضافہ کا موقع مل سکے ۔

ہ ۔ مدارس کی بھی درجہ بندی کی جائے ، ہائی اسکول ، انٹر و ڈگری کالج اور یونیورسٹی کی طرح ان کے بھی نام مقرر ہوں مثلاً مدرسہ ، دارالعلوم ، جامعہ وغیرہ ۔ (۱۵۲)

چند اہم تجاویز برائے نگراں ادارہ

دینی مدارس کے مجوزہ نگراں ادارے کے مقاصد ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں ۔

- دینی مدارس کے بین العمل کے لئے پلیٹ فارم مہیا کرنا ۔
- دینی مدارس سے اجتماعی قیادت کو سامنے لانا ۔
- ایک اجتماعی اتحاد کے قیام کی جدوجہد کرنا ۔
- دینی مدارس کے لئے مشترکہ لائحہ عمل تیار کرنا ۔
- دینی مدارس کے نظام تعلیم کو عصری تقاضوں کے مطابق ڈھالنا تاکہ یہ معاشرے کی ضروریات کو کماحقہ پورا کر سکیں ۔

- جدید علوم کو اسلامی نظریات کے مطابق ڈھالنا۔
- بظاہر نظر آنے والے علمی تضاد کو دور کرنا۔
- دینی مدارس کے اجتماعی مفاد کے لئے لائحہ عمل وضع کرنا اور اس پر عمل درآمد کے لئے حالات کو سازگار بنانا۔
- دینی تعلیم کے ساتھ معاشرتی فلاح و بہبود کے مقصد کو مربوط کرنے کے لئے مدارس کی راہنمائی کرنا۔
- دینی مدارس کی تعلیم میں جامعیت و ترتیب کے لئے نظام میں ترمیم و اصلاح کرنا۔
- دو متوازی نظام ہائے تعلیم کے درمیان بعد کو دور کرنا تاکہ معاشرتی ترقی میں دونوں کا کردار زیادہ جامع اور مؤثر ہو۔
- طلبا کو عملی کام کے لئے ابھارنا۔
- انتظامیہ، اساتذہ اور طلباء کے مسائل حل کرنا اور ان کی راہنمائی کرنا۔
- تمام دینی مدارس کو پیشہ ورانہ راہنمائی فراہم کرنا۔
- طبقاتی تقسیم کو کم کرکے باہمی یگانگت و اتحاد کی فضا قائم کرنا۔
- اس ادارے میں تمام فرقوں / مکاتب فکر کے نمائندوں کی موجودگی کا فیصلہ ان اداروں کی کارکردگی کی بنیاد پر کیا جائے تاکہ اس مجوزہ نگران ادارے میں مل جل کر کام کرنے کا جذبہ پیدا ہو۔ جس سے مملکت اور ملت کے اتحاد کو فروغ حاصل ہو۔
- درسی کتب کی تیاری، اصلاح و اختصار کے لئے دینی مدارس ٹیکسٹ بک بورڈ قیام۔
- دیگر اسلامی ممالک میں قائم مدارس سے رابطہ کرنا، اچھے تعلقات قائم کرنا تاکہ طلباء دوسرے ممالک میں قائم مدارس میں اعلیٰ تعلیم کیلئے جا سکیں۔
- اسلامی تعلیمات کو ایک سانچے میں ڈھالنا اور انہیں پوری اسلامی دنیا تک پھیلانا تاکہ اقبال کا وہ خواب شرمندہ تعبیر ہو کہ

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کاشغر

حواشی وحوالہ جات باب نہم

۱۔ سورہ آل عمران / ۱۹۳

دینی مدارس کی جامع رپورٹ ص ۲۰

۲۔ صرف یہی نہیں بلکہ بقول محبوب رضوی تعلیم نسواں کا نعرہ یورپ میں ۱۸۷۶ء میں ڈنمارک یونیورسٹی سے ہوتا ہے جبکہ دیوبند نے اس کو ۱۸۶۶ء میں کر دیا تھا۔ تاریخ / ۲ ص / ۲۸۶

۳۔ تاریخ دارالعلوم دیوبند ج ۲ ص ۲۸۶

۴۔ تاریخ دارالعلوم دیوبند ج ۲ ص ۲۸۷

۵۔ ایضاً ص / ۲۸۸ اور دلّی میں ص ۱۰۱

۶۔ ایضاً ص / ۲۸۹ اور ماہنامہ الرشید دارالعلوم دیوبند نمبر ص / ۱۸۶ تا ۱۹۳

۷۔ تاریخ دارالعلوم دیوبند ج ۲ ص / ۲۹۰

۸۔ ایضاً ص / ۲۹۱

۹۔ ایضاً ص / ۲۹۲

۱۰۔ ایضاً ص / ۲۹۳ اور الرشید دیوبند نمبر ص / ۱۸۹

۱۱۔ تاریخ دارالعلوم دیوبند ج ۲ ص ۲۹۹

۱۲۔ ایضاً ص / ۳۰۰ اور ماہنامہ الرشید ص / ۱۸۶ تا ۱۹۳

۱۳۔ روزنامہ دلّی میں بحوالہ دارالعلوم دیوبند نمبر ص / ۱۰۰

۱۴۔ یہ واقعہ موصوف دیوبند کی حسب سے بتلائی گئی

۱۵۔ رپورٹ قومی کمیٹی برائے دینی مدارس ص ۵۱ تا ۵۳

۱۶۔ دینی مدارس کا نظام تعلیم (۵) ص ۱۶۸، ۱۶۹

۱۷۔ رپورٹ قومی کمیٹی برائے دینی مدارس ص / ۵۳، ۵۵

۱۸۔ ماہنامہ الاشرف کراچی جولائی ۱۹۹۳ء ص / ۶۳، ۶۵

۱۹۔ دینی مدارس کا نظام تعلیم (۵) ص / ۲۳

۲۰۔ ہندو پاکستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت ص / ۸۹ تا ۵۱

۲۱۔ جائزہ مدارس عربیہ مغربی پاکستان ص ۹۱۰۔۹۱۱

۲۲۔ دینی مدارس کا نظام تعلیم (۵) ص / ۱۰۶۔۱۰۷

۲۳۔ ماہنامہ بینات کراچی رجب ۱۴۰۳ھ ص / ۲۔۵

۲۴۔ دینی مدارس کا نظام تعلیم (۵) ص / ۳۵

۲۵۔ تاریخ تعلیم، مصنفہ مولوی پاری ٹاون ص ۱۱۷

۲۶۔ ہندو پاکستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت ص / ۹۳

۲۷۔ ہمارا تعلیمی نظام ص / ۸۰

۲۸۔ ماہنامہ افکار معلم لاہور اگست ۱۹۹۵ء ص / ۲۰۔۲۱

۲۹۔ روداد چمن، مصنفہ محمد الحسنی، مکتبہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، مطبوعہ ۱۹۹۵ء ص ۶۔۹

۳۰۔ روداد چمن ص / ۵

۳۱۔ یہ اشارہ مولانا عبد الحلیم صاحب و دیگر علماء کی طرف ہے، دیکھئے ماہنامہ الاشرف کراچی حصہ دوم

۳۲۔ تاریخ دارالعلوم دیوبند ج / ۱ ص / ۲۰۰

۳۳۔ تاریخ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ج / ۱ ص / ۲۲۵

۳۴۔ مولانا عبید اللہ سندھی اور ان کے ناقد، ص / ۹

۳۵۔ ایضاً ص / ۱۱

۳۶۔ ایضاً ص / ۱۲

۳۷۔ دارالعلوم دیوبند ج / ۲ ص ۳۰۲

۳۸۔ تاریخ دارالعلوم دیوبند ج / ۲ ص ۲۶۶

۳۹۔ ایضاً ص ۲۶۸

۴۰۔ ایضاً ص / ۲۶۹

۴۱۔ پاک و ہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت، مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور، ص ۳۸۔۳۹

۴۲۔ علوم و فنون اور نصاب تعلیم ص ۲۵۔۲۶

۴۳۔ العلم و العلماء، تھانوی ص / ۹۳

۴۴۔ تاریخ دارالعلوم دیوبند ج / ۱ ص / ۲۰۸

الارشادات وملفوظات سے اندازہ ہوتا ہے۔ مولانا رشید احمد گنگوہی کے ذاتی ذوق کی وجہ سے اس پر عمل نہیں ہو سکا۔ دیکھئے، ص / ۵۰۲

۴۵۔ مولانا شبلی نعمانی کا تعلیم پر مختصر تبصرہ، مصنفہ رفیع الدین گوہر، مطبوعہ ادارہ، لاہور، طبع اول ۱۹۸۲ء ص / ۱۶ تا ۱۹

۴۶۔ تعلیمی تجاویز پر تبصرہ متعلقہ تجاویز ص / ۱۳

۴۷۔ ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں ص / ۱۰۰، ۱۲۱

۴۸۔ ماہنامہ بینات کراچی، ربیع الاول ۱۳۹۹ء ص / ۲۳۔ ۲۵

۴۹۔ رپورٹ قومی کمیٹی برائے دینی مدارس، ص / ۱۳۸۔ ۱۳۹

۵۰۔ جائزہ مدارس عربیہ مغربی پاکستان، ص / ۶۰۹۔ ۶۰۷

۵۱۔ آثار و افکار، مصنفہ کریم بخش نظامانی، چودہویں صدی ہجری مطبوعات کراچی، ص / ۸۹۔ ۹۰

۵۲۔ ماہنامہ الشریعہ لاہور، حافظ احمد ندوی، ص / ۳۶ تا ۴۴

۵۳۔ دینی مدارس کا نظام تعلیم (۵) ص ۹۰

۵۴۔ ماہنامہ جریدہ الاشرف کراچی جولائی ۱۹۹۲ء ص / ۲۰۔ ۳۱

۵۵۔ ماہنامہ افکار معلم، لاہور، اگست ۱۹۹۵ء

۵۶۔ دینی مدارس کا نظام تعلیم (۵) ص ۹۳۔ ۹۵

۵۷۔ دینی مدارس کا نظام تعلیم (۵) ص ۱۹۱، ۱۹۶

۵۸۔ روزنامہ پاکستان لاہور ۳ / جنوری ۱۹۹۳ء

۵۹۔ دینی مدارس کا نظام تعلیم ص / ۲۳۔ ۲۵

۶۰۔ نظام تعلیم نظریہ روایت مسائل ص / ۲۱۶۔ ۲۱۸

۶۱۔ تعلیم اسلامی تناظر میں (۵) انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد، طبع اول جون ۱۹۸۷ء، ص / ۲۹۲

۶۲۔ تعلیم اسلامی تناظر میں (۵) ص / ۷۷

۶۳۔ آثار و افکار، مصنفہ کریم بخش نظامانی، چودہویں صدی ہجری مطبوعات کراچی، ص / ۹۹

۶۴۔ ایضاً ص / ۸۳

۶۵۔ ماہنامہ بینات کراچی ربیع الاول ۱۳۹۹ھ، ص / ۲۵

۶۶۔ خطبات شبلی مرتبہ سید سلیمان ندوی، ص / ۱۹ تا ۲۲

۶۷۔ علوم و فنون اور نصاب تعلیم اشرف علی تھانوی، ص / ۵۲ تا ۵۸

۶۸۔ ہمارا تعلیمی نظام۔ تقی عثمانی، ص / ۹۳ تا ۱۰۷

۶۹۔ دینی مدارس کا نظام تعلیم (۵) ص / ۱۱۸ تا ۱۲۲

۷۰۔ ماہنامہ جریدہ الاشرف نصاب و نظام تعلیم نمبر حصہ دوم جنوری ۱۹۹۳ء ص / ۳۱ تا ۳۷

۷۱۔ دینی مدارس کا نظام تعلیم، ص / ۱۱۳۔ ۱۱۴

۷۲۔ ماہنامہ الفاروق کا جامعہ فاروقیہ نمبر شعبان ۱۴۱۲ھ ص / ۳۸ تا ۳۹

۷۳۔ دینی مدارس کا نظام تعلیم، ص / ۲۰۸۔ ۲۰۹

۷۴۔ ماہنامہ افکار معلم لاہور اگست ۱۹۹۵ء

۷۵۔ دینی مدارس کا نظام تعلیم، ص / ۱۳۰۔ ۱۳۱

۷۶۔ دینی مدارس کا نظام تعلیم، ص / ۲۰۰۔ ۲۰۱

۷۷۔ ایضاً ص / ۲۳۸۔ ۲۳۹

۷۸۔ ایضاً ص / ۷۴

۷۹۔ تعلیم اسلامی تا الحرمین (۵) ص ۱۳

۸۰۔ ہمارا تعلیمی نظام ص / ۸۲۔ ۸۳ بحوالہ تاریخ دیوبند ۱۳۹۷ھ

۸۱۔ علوم و فنون اور نصاب تعلیم اشرف علی تھانوی، ص / ۳۳

۸۲۔ ایضاً ص / ۴۹ تا ۵۳

۸۳۔ علماء سلف و نابینا علماء مصنف حبیب الرحمن خان شیروانی، ص / ۱۱۵۔ ۱۱۹ بحوالہ تذکرۃ الحفاظ / ۳ ص / ۸۰

۸۴۔ ایضاً بحوالہ تذکرۃ الحفاظ / ۱ ص / ۲۲۶

۸۵۔ ایضاً بحوالہ تذکرۃ الحفاظ / ۳ ص / ۵۱

۸۶۔ ایضاً بحوالہ تذکرۃ الحفاظ / ۳ ص / ۲۱۳

۸۷۔ ایضاً بحوالہ تذکرۃ الحفاظ / ۳ ص / ۱۰۰

۸۸۔ ایضاً بحوالہ ابن خلکان ج / ۱ ص / ۵

۸۹۔ جائزہ مدارس عربیہ مغربی پاکستان ص / ۹۲۳ تا ۹۳۰

۹۰۔ العلم و العلماء اشرف علی تھانوی ص / ۴۲۔ ۴۳

۹۱۔ ہند و پاکستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت ص / ۵۹ تا ۱۹۲

۹۲۔ تاریخ دارالعلوم دیوبند ج/۱ ص/۱۸۸
۹۳۔ ایضاً ص/۱۹۷
۹۴۔ ایضاً ص/۳۳۵ ص/۳۶۰
۹۵۔ دینی مدارس کا نظام تعلیم ص/۱۰۷
۹۶۔ علماء سلف و نابینا علماء ص/۱۱۰
۹۷۔ تذکرۃ المشائخ ج/۱ ص/۷۷
۹۸۔ ایضاً ص/۱۳۰
۹۹۔ ایضاً ص/۱۳۱
۱۰۰۔ ایضاً ص/۱۵۱
۱۰۱۔ ایضاً ص/۲۵۰
۱۰۲۔ ایضاً ص/۲۷۵
۱۰۳۔ ایضاً ص/۳۳۳
۱۰۴۔ ایضاً ص/۳۲۱
۱۰۵۔ ایضاً ج/۲ ص/۲۳
۱۰۶۔ ایضاً ص/۱۰۱
۱۰۷۔ ایضاً ج/۱ ص/۱۳۷
۱۰۸۔ ایضاً ج/۲ ص/۱۳۷
۱۰۹۔ ایضاً ص/۲۱۷
۱۱۰۔ [illegible] ج/۲ ص/۳۱۵
۱۱۱۔ تذکرۃ المشائخ ج/۳ ص/۱۰۸
۱۱۲۔ عیون الانبیاء ج/۲ ص/۱۵۱
۱۱۳۔ تذکرۃ المشائخ ج/۳ ص/۲۰
۱۱۴۔ ایضاً ج/۳ ص/۳۷۱
۱۱۵۔ نزہت الاطباء ص/۳۸۱

۱۱۶۔ قصص الانبیاء ج / ۲ ص / ۱۹۱

۱۱۷۔ تذکرۃ الحفاظ ج / ۳ ص / ۱۲۲

۱۱۸۔ دیکھئے تاریخ دارالعلوم دیوبند ج / ۱ ص / ۳۱۲ جائزہ مدارس عربیہ ص / ۹۳۹۔ اور تاریخ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل مرتب مولانا فضل الرحمن ناشر جامعہ ڈابھیل گجرات مطبوعہ ۱۹۸۲ء ص / ۱۷۷

۱۱۹۔ تاریخ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ص / ۱۶۷

۱۲۰۔ ایضاً ص / ۱۵۰ اور روداد انجمن ص / ۱۵۰

۱۲۱۔ ایضاً ص / ۱۵۰ اور روداد انجمن محمد الحسینی مکتبہ دارالعلوم ندوہ ص / ۱۵۰

۱۲۲۔ ایضاً

۱۲۳۔ تاریخ تعلیم خالد یار خان، ص / ۱۱۶۔ ۱۱۸

۱۲۴۔ دینی مدارس کا نظام تعلیم، ص / ۱۱۳۔ ۱۱۵

۱۲۵۔ ماہنامہ اشراق لاہور

۱۲۶۔ دینی مدارس کا نظام تعلیم، ص / ۲۰۲، ۲۰۳

۱۲۷۔ ہمارا تعلیمی نظام، ص / ۱۳۱، ۱۳۲

۱۲۸۔ ماہنامہ جریدہ الاشرف کراچی اسباب و نظام تعلیم حصہ دوم جولائی ۱۹۹۳ء، ص / ۳۷ تا ۴۰

۱۲۹۔ مسلمانوں کا نظام تعلیم، ص / ۱۹۴ تا ۱۹۷

۱۳۰۔ رپورٹ قومی کمیٹی برائے دینی مدارس، ص / ۱۰۵۔ ۱۰۶

۱۳۱۔ ماہنامہ بینات کراچی، ربیع الاول ۱۴۱۵ھ، ص / ۲۷

۱۳۰۔ علماء سلف و نابینا علماء، ص / ۱۲۹ تا ۱۳۱

۱۳۲۔ تاریخ تعلیم خالد یار خان، ص / ۱۱۸۔ ۱۱۹

۱۳۳۔ دینی مدارس کا نظام تعلیم، ص / ۱۳۳

۱۳۵۔ علماء سلف و نابینا علماء، ص / ۱۲۸۔ ۱۲۹

۱۳۶۔ دینی مدارس کا نظام تعلیم، ص / ۱۳۰

۱۳۷۔ رپورٹ قومی کمیٹی برائے دینی مدارس، ص / ۱۰۷ تا ۱۰۹

۱۳۸۔ دینی مدارس کا نظام تعلیم، ص / ۸۴۔ ۸۵

۱۲۹۔ دینی مدارس کا نظام تعلیم، ص / ۱۳۳، ۱۳۳

۱۳۰۔ علوم و فنون اور نصاب تعلیم، اشرف علی تھانوی، ص / ۳۳

۱۳۱۔ دینی مدارس کا نظام تعلیم، ص / ۷۳۔ ۷۵

۱۳۲۔ دینی مدارس کا نظام تعلیم، ص / ۱۱۷۔ ۱۱۸

۱۳۳۔ ایضاً، ص / ۱۵ تا ۱۷

۱۳۴۔ العلم والعلماء، اشرف علی تھانوی، ص / ۹۲ تا ۹۳

۱۳۵۔ دینی مدارس کا نظام تعلیم، ص / ۱۳۱ تا ۱۳۳

۱۳۶۔ العلم والعلماء، اشرف علی تھانوی، ص / ۱۹۰۔ ۱۹۱

۱۳۷۔ ایضاً، ص / ۱۹۶ تا ۱۹۹

۱۳۸۔ رپورٹ قومی کمیٹی برائے دینی مدارس، ص / ۱۰۱ تا ۱۰۳

۱۳۹۔ روداد چمن، مصنفہ محمد الحسنی، مطبوعہ مکتبہ دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ، مطبوعہ ۱۹۷۵ء، ص / ۳۶

مزید دیکھئے

۱) ندوۃ العلماء ایک دبستان فکر، مولانا ابو الحسن علی ندوی

۲) ندوۃ العلماء، دین و دنیا کا سنگم، مولانا عبد السلام قدوائی

۳) ندوۃ العلماء اس عہد انقلاب میں، مولانا حبیب الرحمن خان شیروانی

۴) پیام ندوۃ العلماء، محمد الحسنی، یہ چاروں کتب مکتبہ دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ، سے ۱۹۷۵ء میں شائع ہوئی ہیں۔

۱۵۰۔ دینی مدارس کا نظام تعلیم، ص / ۵۲

۱۵۱۔ رپورٹ قومی کمیٹی برائے دینی مدارس، ص / ۲۱۸

۱۵۲۔ دینی مدارس کا نظام تعلیم، ص / ۱۱۱، ۱۱۲

باب دہم

تحقیقی نتائج کا خلاصہ

محقق نے کراچی کے مختلف علاقوں میں قائم دینی مدارس میں زیر تعلیم ان طلباء سے جو دینی مدارس کے نظام و نصاب کے تحت تعلیم کی تکمیل کے آخری مراحل میں ہیں ان سے رابطہ کے بعد طویل دورانیہ پر مبنی ملاقاتوں اور مصاحبہ نامہ Questionnaire کے ذریعے ان کے نظریات اور مستقبل کے عزائم کے بارے میں ان کے خیالات جمع کئے۔ یہ وہ طلباء ہیں جو تعلیم و تربیت کے مراحل کی تکمیل کے بعد اب عملی زندگی کا آغاز کرنے والے ہیں۔ اس وقت ان کے اذہان وقلب اسلام کی خدمت کے جذبہ سے معمور ہیں۔ ان کی خواہش ہے کہ وہ مستقبل قریب میں اپنا اسلامی کردار انجام دے سکیں۔

سماج کی تشکیل و ترقی میں تعلیمی ادارے اہم کردار انجام دیتے رہے ہیں کہ یہی ادارے اخلاقی و سماجی فلاح کے اصولوں پر مبنی اقدار (Values) سے افراد معاشرہ کو متعارف کراتے ہوئے انہی اقدار کی اساس پر زیر تعلیم طلباء کی تربیت کرتے ہیں۔ اسطرح ایک صحت مند معاشرہ وجود پزیر ہوتا ہے۔ تعلیمی ادارے جب دین کی تعلیمات اور قرآن حکیم کی آیات محکمات کی روشنی میں اپنا کردار انجام دیتے ہیں تو وہ معاشرہ مثبت رویوں کے سبب ایک نمایاں مقام حاصل کرلیتا ہے۔ ماضی میں یہ ادارے افراد اور مختلف گروہوں میں معاشرتی اور سماجی روابط کو بڑھانے میں ممد و معاون ہوتے ہیں لیکن یہ ادارے زمانے کے بدلتے ہوئے تقاضوں کو پیش نظر نہ رکھیں تو پھر انکا نظام ارتقاء کی بجائے جمود و تعطل کا شکار ہوجاتا ہے۔

زیر نظر تحقیق کے نتیجہ میں یہ حقیقت سامنے آئی ہے کہ، ان دینی مدارس سے وابستہ افراد بدلتے ہوئے سماجی و معاشی حالات میں درپیش تقاضوں کو سائنسی تحقیقات کی روشنی میں محسوس کرنے لگے ہیں۔ نتیجتاً انکے اندر دین کی محکم اساس اور مستقل اقدار پر قائم رہتے ہوئے تبدیلی کا احساس کروٹ لے رہا ہے، لیکن ان دینی مدارس کے طلباء موجودہ نصاب اور ترویج نظام کے پیش نظر ایک خاص قسم کے ماحول کے زیر اثر رہتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان اداروں سے فارغ التحصیل ہونے والے طلباء سوائے دینی مدارس کے معاشرہ کے دوسرے اداروں میں کوئی خاص کردار ادا کرنے کے لئے اپنے آپ کو اہل نہیں پاتے، کیونکہ ان مدارس سے فارغ ہونے کے بعد وہ وقت کی ضرورت کے پیش نظر جدید علوم اور سائنسی شعبہ جات میں فنی مہارت کے فقدان کے سبب ایک نوع کی کمی محسوس کرتے ہیں۔ چونکہ وہ جدید معاشرہ کی فنی و سائنسی مہارتوں سے ناآشنائی کے سبب پھر انہی دینی مدارس میں لوٹنے پر مجبور ہوجاتے ہیں اس لئے ان حالات کے تناظر میں مندرجہ ذیل سوالات کا تحقیقی جائزہ لیا گیا۔

۔ دینی مدارس کے طلباء، مدرسین اور منتظمین کا تعلق کس سماجی طبقہ سے ہے۔

- دینی مدارس سے فارغ التحصیل کس طرح کے معاشی مشاغل اختیار کرتے ہیں۔
- یہ فضلاء کس حد تک تغیر پذیر معاشرہ کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہوسکتے ہیں۔

اس تحقیق کے مطابق دینی مدارس میں زیر تعلیم طلباء کی اکثریت (۹۷ فی صد) تقریباً ۲۲ سال کی عمر میں اسلامی تعلیم مکمل کرلیتے ہیں، جبکہ بڑی عمر کے طلباء یعنی جنکی عمر ۳۱ سال یا اس سے زیادہ ہوتی ہے صرف ۳۰۱ فی صد ہیں۔ عمر رسیدہ حضرات بطور طالبعلم ان اداروں میں داخلہ نہیں لیتے۔

تحقیق کے نتیجہ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ کراچی کے دینی مدارس ایک بین الاقوامی حیثیت کے مالک ہیں کیونکہ ان میں نہ صرف پاکستان کے تمام علاقوں کے طلباء ہی نہیں بلکہ دنیا کے ہر خطہ، خصوصی طور پر ایشیاء کے تمام مسلم ممالک کے نمائندہ طلباء ہیں۔ دیگر ممالک خصوصاً مشرق وسطیٰ، افریقہ اور مشرق بعید کے ممالک سے طلباء کی ایک بڑی تعداد ان مدارس میں تعلیم کے حصول کو اہمیت دیتی ہے۔ اس آمد کا سبب وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ پاکستان کے دینی مدارس کا تعلیمی معیار نسبتاً بہتر اور ماحول اسلامی اصولوں کا مظہر لگتا ہے۔ اس حوالے سے یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ان مدارس میں پاکستان کی علاقائی اور ایشیاء میں بولی جانے والی زبانیں بولنے والے طلباء زیر تعلیم ہیں۔ ان مدارس میں صرف اندرون ملک بسنے والے طلباء ہی زیر تعلیم نہیں بلکہ کراچی میں مقیم والدین بھی اپنے بچوں کو یہ تعلیم دلوا رہے ہیں بلکہ ان کی تعداد زیادہ ہے جس کا ایک بنیادی سبب یہ بھی ہے کہ یہ طلباء ان افراد کی اولادیں بھی ہیں جو پہلے ہی ان دینی مدارس سے وابستہ ہیں۔ یہ ایک نوع کی موروثیت ہی ہے کیونکہ مذہبی اداروں سے متعلقہ افراد کی وابستگی کا سبب یہ بھی ہے کہ وہ اپنے آباء کے کام کو آگے بڑھانا چاہتے ہیں۔ کراچی کے دینی مدارس میں زیر تعلیم طلباء کی پیدائش ۶.۵۹ فی صد شہروں میں ہوتی۔

اس تحقیق کے نتیجہ میں یہ بات بھی سامنے آئی کہ دینی تعلیم کے حصول میں کار فرما جذبہ جو کہ اللہ کی خوشنودی ہے اس کے نتیجہ میں نہ صرف وہ اپنے لئے بلکہ والدین کے لئے بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے اجر کے طالب ہیں نیز وہ اس تعلق کو اللہ تعالیٰ کی معرفت کے حصول کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ ان کا ذہن ایسا بن گیا ہے وہ سمجھتے ہیں کہ دینی تعلیم ہی انسان کو صالح اور باکردار بناتی ہے نیز ان مدارس سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد یہ فضلاء ہی دین کی تبلیغ، اسلامی نظام کی ترویج و تشہیر اور ایک مثالی اسلامی معاشرہ قائم کرسکیں گے۔ ان طلباء میں اکثریت نے مکمل ذہنی شعور کے ساتھ ثواب و اجر کے حصول کے جذبہ کے تحت ان اداروں سے رجوع کیا ہے۔ ایک قلیل تعداد ایسی بھی ہے جو مجبوری کے تحت ان اداروں میں آگئی ہے۔

جواب دہندگان نے یہ بھی بتایا کہ یہ سلسلہ تعلیم و تعلم ان پر ختم نہیں ہوگا بلکہ وہ اس سلسلہ کو اپنے بھائیوں اور اولاد میں بھی منتقل کرنا چاہتے ہیں تاکہ دین مبین کی تعلیمات کے درس و تدریس کے سلسلہ کے

ساتھ یہ مبارک ذریعہ معاش بھی قائم رہے۔ بعض نے اس کام کے ساتھ تجارت کو بحیثیت ذریعہ معاش اختیار کرنے کی خواہش کا اظہار کیا اور بعض نے امام مسجد، جج اور عسکری اداروں میں جانے کا ارادہ اور بعض نے حکمت و طبابت سے بھی دلچسپی کا اظہار کیا۔

دینی مدارس میں زیر تعلیم طلباء نے جدید تعلیمی اداروں سے تقابل کے انداز میں بتایا کہ دینی مدارس میں یہ تعلیم ایک تقدس کا درجہ رکھتی ہے کیونکہ یہ نظام تعلیم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عطا کیا ہے۔ اس لیے ان دینی مدارس میں دین کا شعور حاصل ہوتا ہے اور صرف یہی وہ تعلیم ہے جو آخرت میں کام آئے گی۔

اگرچہ ان مدارس سے وابستہ افراد کی ایک اکثریت دینی مدارس کے مقابلے میں دوسرے تعلیمی اداروں کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتی اور ان کی تنقید میں شدت کا پہلو نمایاں ہو جاتا ہے۔ جب وہ ان پر دنیاوی تعلیم کا لیبل لگا کر اسے خسارہ قرار دیتی ہے۔ ایک اکثریت ایسی بھی ہے جس میں سے کچھ نے میٹرک۔ انٹرمیڈیٹ۔ بی اے۔ ایم اے تک تعلیم حاصل کر لی ہے اور کچھ بی۔ کام۔ اور ایم۔ بی۔ بی۔ ایس۔ بھی مکمل کر رہے ہیں۔ اب یہ اپنے ان بھائیوں کے لئے دونوں قسم کی تعلیم کے حق میں ہیں۔ کیونکہ ان کے خیال کے مطابق اس طرح وہ دنیاوی زندگی کی بہتری کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا حصول اور اسلام کی خدمت بہتر طور پر انجام دے سکیں گے۔

اس تحقیق سے یہ بات بھی سامنے آئی کہ دینی مدارس میں زیر تعلیم طلباء کا تعلق سماجی معاشی اعتبار سے اس طبقہ سے ہے جو معاشی و اقتصادی طور پر فارغ البال نہیں ہوا بلکہ یہ کہنا زیادہ بہتر ہوگا کہ زیریں متوسط طبقہ ہی ان مدارس سے رجوع کر رہا ہے۔ اس کے علاوہ اس طبقہ کا ان اداروں کی طرف جھکاؤ یا رغبت کا ایک سبب یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ان کے والدین اور خاندان کے دیگر افراد کسی نہ کسی حوالہ سے ان اداروں سے وابستہ ہیں۔ ان طلباء کے لئے یہ دینی تعلیم اس لئے بھی مزید اہمیت اختیار کر جاتی ہے کہ ان میں سے کچھ دینی تعلیم حاصل کرکے خود اپنے آباء کے قائم کردہ دینی مدارس کو خود چلانے اور انہیں قائم رکھنے میں دلچسپی رکھتے ہیں کیونکہ جس ایثار، محنت و لگن سے انہوں نے یہ ادارے قائم کئے ہیں وہ نہیں چاہتے کہ غیر ذمہ دار اور ناتجربہ کار ہاتھوں میں یہ ادارے چلے جائیں کہ بزرگوں کی ساری محنت اکارت چلی جائے۔ یوں بھی یہ دینی مدارس مذہبی خاندانوں کی محنت شب و روز اور ان کی دین سے محبت کا ثمر ہیں یہی افراد (جنہیں عرف عام میں مذہبی کہا جاتا ہے) ان اداروں میں رہائش پذیر ہو کر مذہبی فرائض اور دینی تعلیم و تعلم کے سلسلے جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ان کی دینی، تعلیمی و سماجی خدمات عوام کو متاثر کرتی ہیں اور اہل ثروت دامے درمے ان کی معاونت کرتے ہیں تاکہ یہ ادارے مالی یا دیگر مشکلات کا شکار ہو کر اپنا وجود نہ کھو بیٹھیں۔ اہل ثروت ان مدارس کی بقاء اور ترقی کے لئے مالی امداد فراہم کرتے ہیں کیونکہ زکوٰۃ اور خیرات وغیرہ کا یہ دینی مدارس ایک اہم اور معتبر ذریعہ مصرف سمجھتے

ہیں تاکہ یہ صدقہ جاریہ قائم رہے اور وہ بھی شریکِ ثواب رہیں ۔

تحقیق ھذا سے یہ حقیقت بھی معلوم ہوتی ہے کہ دینی مدارس میں تعلیم حاصل کرنے والوں کی اکثریت اپنی عملی زندگی میں بھی انہی دینی اداروں سے بطور مدرس، خطیب، امام، محدث، مصنف، مؤلف، مترجم، مجتہد وابستہ ہونا چاہتے ہیں ۔ ان کے خیالات کے مطابق اس وابستگی کا جذبہ محرک اللہ تعالیٰ کی قربت، اس کی رضا اور اس کی خوشنودی کا حصول ہے ۔ اس خواہش کے پیچھے کچھ نفسیاتی و دیگر عوامل بھی کارفرما ہیں، یہ طلباء اپنی اوائل عمری کا ایک بڑا حصہ انہی دینی مدارس کی چہار دیواری میں گذارتے ہیں اس لئے وہ اس ماحول سے ایسے مانوس ہوجاتے ہیں کہ وہ اس سے الگ ہونے کا تصور بھی نہیں کرسکتے وہ نفسیاتی طور پر اسی ماحول میں آسودگی محسوس کرتے ہیں ۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ان کے قلوب و اذہان میں یہ عقیدہ / تصور جاگزیں ہو چکا ہے کہ اس سلسلہ تعلیم یا طریقِ تعلیم کو جاری رکھنا حقیقت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی پیروی ہے اور سنت کی پیروی کے نتیجہ میں اجر کا ملنا لازمی ہے اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور قربت یقینی ہے ۔ چنانچہ اس تصور کے ساتھ ساتھ انہیں دنیاوی ضروریاتِ زندگی، سماجی شہرت، مرتبہ و وقار بھی مل جاتا ہے ۔

ان طلباء میں کچھ تعداد ان طلباء کی بھی ہوتی ہے جو کسی قدر روشن خیال ہونے کے سبب جدید علوم کے حصول کا شوق رکھتے ہیں ۔ چنانچہ انہی مدارس کے طلباء میں اب جدید علوم کے حصول کا ذوق بڑھ رہا ہے ۔ اس کے برعکس دینی مدارس سے وابستہ افراد جدید مدارس (اسکول، کالج) کے نصاب و نظام تعلیم کے نتیجہ میں حاصل ہونے والے علم کو مسلمہ علم ہی تصور نہیں کرتے ۔ وہ اسے صرف حصول معاش کا ذریعہ اور فن تصور کرتے ہیں ۔ بقول ان کے اس تعلیم سے معاش تو سنور سکتی ہے مگر عاقبت نہیں ۔ دینی تعلیم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کے تصور کو اجاگر اور جذبہ کو ابھارتی ہے جبکہ دنیاوی تعلیم افراد کی اطاعت و قیادت ۔

زیر مطالعہ تحقیق سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ ان دینی مدارس سے وابستہ افراد ایک خاص دینی مزاج رکھتے ہیں ۔ مذہب اور دین سے والہانہ عقیدت کے نتیجہ میں انہوں نے اپنی زندگی کی ایک خاص وضع قطع اپنائی ہے ۔ جو ان کے ذہنی رویوں کی عکاسی کرتی ہے ۔ اسی مذہبی جوش کے نتیجہ میں عملی زندگی میں اکثر افراد و تفریق کا شکار اور سیاسی تحریکات سے وابستہ ہوکر تشدد کی راہ بھی اختیار کرلیتے ہیں اور بعض علمائے سلف سے والہانہ عقیدت و محبت کے سبب تقلید بلکہ تقلیدِ اعمیٰ کے اسیر ہوجاتے ہیں ۔

ایک اور اہم بات: دینی مدارس کے مروجہ نظام تعلیم میں عام طبقہ سے تعلق رکھنے والے بچے، جوان اور عمر رسیدہ افراد یا کالج، یونیورسٹی سے فارغ التحصیل یا دیگر شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والوں کے لئے اسلام کی بنیادی

اور معاشرہ کے سنوار کے لئے حقیقی اسلامی تعلیمات پہنچانے کا کوئی طریقہ اختیار نہیں کیا۔ بلکہ ایسا لگتا ہے کہ انہوں نے کبھی ایسا سوچا بھی نہیں۔ چنانچہ ان مدارس سے وہی لوگ استفادہ کر رہے ہیں جن کا تعلق موروثی ہے کیونکہ ان کے پاس پڑھے لکھے عوام کے لئے اسلامی تعلیمات پہنچانے کا متاثر کن نظام نہیں ہے۔ دینی مدارس میں تعلیم و تعلم کا نظام اپنے تمام طور طریقوں کے ساتھ اسی پرانی ڈگر پر چل رہا ہے۔ اس یکسانیت اور حقائق سے چشم پوشی کے عمل نے ان اداروں پر جمود کی کیفیت طاری کر دی ہے۔ ایک دور تھا جب انہی اداروں سے ایسی نابغہ روزگار شخصیات پیدا ہوئیں کہ جن کے علم، تحقیق، تبلیغ، اجتہاد اور تقویٰ و پرہیز گاری کے چاروں دانگ عالم میں چرچے تھے۔ مگر اب یہ سب کچھ قصہ پارینہ بن گیا ہے۔ اب ان مدارس میں تقویٰ اخلاق اور پرہیز گاری کی حامل شخصیات کم کم ہی نظر آتی ہیں اس کے ساتھ ہی حصول علم کے لئے وہ محنت اور اخلاص بھی نظر نہیں آتا۔

تحقیق کے نتیجہ میں یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ ان مدارس میں آج بھی رائج نظام تعلیم قدیم خطوط پر قائم ہے۔ زمانے کے بدلتے ہوئے تقاضوں کو سمجھنے اور ان سے ہم آہنگ ہونے کے شعور کا فقدان ہے لہٰذا دینی مدارس اور اسکول، کالج و یونیورسٹی اپنے نصاب و نظام تعلیم کے حوالے سے مختلف سمتوں میں سفر کر رہے ہیں۔ دونوں کے نظریات، ترجیحات ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ دینی مدارس نے نظام تعلیم کو "دینی اور دنیاوی" تعلیم کے خانوں میں تقسیم کر کے دونوں نظامہائے تعلیم کو ایک دوسرے کے مقابل و مخالف لا کر کھڑا کر دیا ہے۔ دینی مدارس اپنے معاملات میں مکمل طور پر خود مختار و آزاد ہیں یہ کسی سطح پر کسی بھی قسم کی مداخلت برداشت نہیں کر سکتے۔ جبکہ دوسری طرف ایک بھی دینی مدرسہ ایسا نہیں جو حکومت پاکستان کے زیر انتظام ہو، جہاں قدیم و جدید علوم کی روشنی میں طلباء کی تربیت ہو رہی ہو۔

تحقیق کے بعد یہ حقیقت بھی سامنے آئی ہے کہ موجودہ دینی مدارس زمانے کے بدلتے ہوئے تقاضوں اور علم کے میدان میں نئی جہتوں کے ظہور سے بے خبر ہیں مگر اپنی انفرادیت، اپنے علیحدہ تشخص کی حفاظت کے لئے انہوں نے قدیم طریق کو اپنا رکھا ہے (ممکن ہے (غیر شعوری طور پر) انہیں یہ خوف یا خطرہ لگا رہتا ہو کہ اگر انہوں نے قدیم روایات اور دینی مدارس کی مذہبی حدود سے قدم باہر نکالا تو ان کی مذہبی ساکھ مجروح ہو سکتی ہے جس کے نتیجہ میں ارباب ثروت جو صرف اور صرف انہیں مذہب کے نمائندہ سمجھتے ہوئے ان کی اعانت کرتے ہیں کہیں اسے دنیاداری سمجھتے ہوئے تعاون سے دست کش نہ ہو جائیں۔

پیش نظر تحقیق سے معلوم ہوا کہ دینی مدارس پر اب فقر کے سائے نہیں منڈلاتے۔ مالی طور پر یہ ادارے اب مستحکم ہوتے جا رہے ہیں۔ جس کے سبب مدارس کے انتظامی امور ایک نظم و ضبط اور اصول و قواعد کے تحت انجام پاتے ہیں۔ صرف انتظامیہ ہی نہیں بلکہ اساتذہ کے بھی مالی حالات میں تبدیلی ایک بہتری اور

خوشحالی کا رنگ لئے ہوئے ہے۔ اس کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ طلبا کی نصابی تعلیم کا دور اپنے مقررہ وقت پر اپنے اہداف کے مطابق مکمل ہونے لگا ہے۔ اسی خوشحالی کا ثمر ہے کہ دینی مدارس کے ارباب اختیار اپنے مدارس کی ترقی کے لئے نئے اہداف قائم کرنے لگے ہیں۔

تحقیق سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اب دینی مدارس کی چار دیواری میں صرف اللہ اللہ کی ضربیں نہیں لگتی بلکہ فارغ التحصیل طلبا کی ایک بھاری اکثریت اپنے خیالات و جذبات کے اظہار کے لئے ملکی سیاست میں بھی دبدبہ کے ساتھ شرکت کرنے لگی ہے۔

" دینی مدارس بورڈ " کے قیام کے بہتر نتائج سامنے آئے ہیں اس کے سبب مدارس کے نصاب و نظام میں ایک ربط و ہم آہنگی پیدا ہو گئی ہے جس کی وجہ سے ملک کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے یہ مدارس ایک ہی تار میں پروئے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہ ترتیب، تعاون و ہم آہنگی مستقبل میں بہتر نتائج پیدا کر سکے گی۔

دینی مدارس کے لئے مختلف نقطہ نگاہ سے تجاویز و سفارشات

دنیا کی تاریخ میں دین اسلام ہی وہ واحد اور آخری دین ہے جس نے ایمان کے ساتھ علم کو مشروط قرار دیا ہے۔ یہی سبب ہے کہ اسلام نے تعلیم و تعلم، تسخیر کائنات، فرض علم کے حوالہ سے ہر شعبہ میں ایسے معیارات قائم کئے کہ دنیا آج بھی ان کی تردید کی جرأت نہیں کر سکتی۔ اسلام میں تعلیم و تربیت کیلئے مسجد، اور اس سے ملحقہ مدارس ابتداء ہی سے بنیادی علمی مراکز تسلیم کئے جاتے ہیں۔ آج عرف عام میں جنہیں دینی مدارس کہا جاتا ہے ماضی میں انہی مدارس سے بے مثل علمائے دین، فقہاء، محدث، مفکر، مفسر، ماہر طبیب، سرجن، تاریخ دان، شاعر، ادیب وغیرہ پیدا ہوئے۔ اس بے مثل بلند مثالی علمی ترقی کا بنیادی راز ان کے علماء کا علمی ذوق و شوق اور جذبہ تدبر و تفکر ہی تھا کہ انہوں نے وقت کے بدلتے ہوئے تقاضوں سے چشم پوشی نہیں کی بلکہ اس کے چیلنج (Challange) کو قبول کر کے علمی ضرورتیں پوری کیں۔

یہی وجہ ہے کہ ماضی میں ان دینی مدارس سے فارغ التحصیل ہونے والوں نے نہ صرف مغرب و یونان کو علمی اعتبار سے متاثر کیا بلکہ ان کی امامت بھی کی۔ اگر علم میں ان کا مقام بلند تھا تو عمل، سیرت و کردار کے اعتبار سے بھی ان کی شخصیت لوگوں کے لئے قابل تکریم اور تقلید ہیں کا درجہ رکھتی تھیں۔ آج کے جدید تعلیمی اداروں کے مقابلہ میں دینی مدارس کا ایک اختصاص یہ بھی ہے کہ یہاں ابتداء ہی سے اللہ تعالیٰ کے قوانین کی مکمل اطاعت کا درس اس انداز سے دیا جاتا ہے کہ اوامر و نواہی کے حکم حصول علم کے ذہن میں مرتسم ہوتے چلے جائیں۔

تاریخ میں ان دینی مدارس نے جو اہم کردار ادا کئے ہیں ان میں سے ایک اسلام کے تشخص کو برقرار رکھنا بھی ہے۔ لیکن تاریخ میں ایک وقت ایسا بھی آیا جب سہل انگاری، جمود، تعصب اور تقلید نے ان اداروں کو ایک دائرے میں مقید کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دینی مدارس وہ کردار بھرپور انداز میں انجام نہ دے سکے جو ماضی بعید میں انجام دیتے رہے ہیں یہی وجہ ہے کہ دینی مدارس کا وجود اپنی تمام تر تعلیمی ترجیحات کے باوجود قدامت پرستی کے طعنوں سے نہ بچ سکا۔ چنانچہ فارغ التحصیل ہونے والے طلباء کو مسجد کی کلڑیوں سے تشبیہ دی گئی کہ نہ سو ختنی نہ فروختنی۔ ان تمام تر مولات کے باوجود علمائے ربانی نے دین کی خدمت کے کو بہر طور، پیش نظر رکھا۔ طبقہ علماء میں ایسے علماء بھی پیدا ہوئے جنہوں نے ان اداروں کی بقاء، ترقی اور طلباء کو معاشرہ میں مثالی کردار انجام دینے کے اہل بنانے کے لئے لائحہ عمل مرتب کیا۔ ماضی قریب میں بے شمار علماء و مجددین جن کے نام تاریخ میں موجود ہیں ان میں سے چند جیسے مولانا محمد قاسم نانوتوی (بانی دارالعلوم دیوبند) مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا شبلی نعمانی، مولانا ابو الکلام آزاد وغیرہ نے علمی ترقی اور نظام تعلیم کی بہتری کے لئے جو تجاویز، سفارشات اور لائحہ عمل مرتب کر کے رائج کئے ان کی تفصیل طویل ہے۔ لیکن مولانا متین ہاشمی نے انتہائی علمی ہنرمندی کے ساتھ سمندر کو کوزے میں بند کرنے کے مصداق ان کے اہم بنیادی نکات بیان کئے۔

مولانا متین ہاشمی کے نزدیک

۱۔ سب سے اہم اور بنیادی نکتہ یہ ہے کہ دینی مدارس کے طلباء کو قرآن حکیم اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں

بصیرت نامہ حاصل کرنا چاہیے۔

۲۔ سیرت و کردار کی تعمیر میں بہترین نمونہ اسوہ حسنہ ہے کہ یہی وہ قابل تقلید عملی نمونہ ہے جو پوری دنیا کے کردار کی تعمیر کر سکتا ہے۔

۳۔ قرآن حکیم اور سیرت طیبہ کی روشنی میں ہی طلباء کی علمی و فکری صلاحیتوں کو بیدار کیا جا سکتا ہے کہ اس کے نتیجہ میں اقامت دین، دین کی حاکمیت، اس کی بالادستی اور اس کے اصولوں کا عملی نفاذ ہو سکتا ہے۔

۴۔ حسن کردار کے لئے تزکیہ نفس اہم عنصر ہے کہ اس کے بغیر انسانی قلب وحی خداوندی کے حقائق و معارف کو سمجھنے کے قابل نہیں ہو سکتا لیکن یہ علم نفسیات کی روشنی میں تزکیہ نفس اور جدید علوم سے ہم آہنگی انتہائی ضروری ہے۔ ان علوم کے ساتھ ساتھ، سب سے اہم بات نظریہ پاکستان سے مکمل تعارف بھی ہے کہ طلبا کو جب تک اس کا حقیقی تعارف حاصل نہ ہوگا ان میں ذہنی طور پر اس سے وابستگی اور اسکی حفاظت کا جذبہ بھی پیدا نہیں ہو سکتا۔ علم کی تحصیل، حسن کردار کی تعمیر، دین کی تبلیغ اور پھر اقامت دین کے لئے صحت مند جسم ضروری ہے کہ صحت مند دماغ ایک صحت مند جسم میں ہی پرورش پاتا ہے۔ لہذا طلباء کے لئے صحت کے اصولوں کی روشنی میں جسمانی صحت کا خاص اہتمام ہونا چاہیے۔ تاکہ کرم کتابی نہیں بلکہ وہ علم و عمل میں بھی بے مثال ہوں۔

۵۔ لباس انسان کی شخصیت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ اچھا، صاف اور پاکیزہ لباس انسان کے مزاج میں ایک وقار پیدا کرتا ہے۔ لہذا علماء و طلباء کا لباس ایسا ہونا چاہیے جو ان کی شخصیت کو پرکشش اور باوقار بنا سکے۔ انسان زندگی کے ہر شعبہ میں اپنے اعمال اور محنت کی تحسین و ستائش کا طالب ہوتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اسے آگے بڑھنے کے مواقع فراہم کئے جائیں۔ اس بنیادی و فطری اصول کی روشنی میں دینی، ادبی، تحقیقی اور علمی میدان میں اعلیٰ کامیابی حاصل کرنے والے طلباء کی تحسین و ستائش کے ساتھ ساتھ ان کے علمی ذوق کے فروغ کے لئے بھی انہیں تعلیمی وظائف (Scholarship) سے نوازا جانا چاہیے، تاکہ وہ ان وظائف کے ذریعہ بیرون ملک کی اعلیٰ جامعات میں اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے خصوصی مقام حاصل کر سکیں۔

۶۔ دینی مدارس کے فضلاء کو معاشرہ کے ذمہ دار افراد بنانے اور ان کی صلاحیتوں سے استفادہ کے لئے ضروری ہے کہ انہیں زندگی کے مختلف شعبوں میں ان کے علم اور اہلیت کے مطابق عملی خدمت کے مواقع فراہم کرنے کے لئے ذمہ داریاں سونپی جائیں۔

دینی مدارس کے لئے تجاویز

دینی مدارس کے لئے اس وقت سب سے اہم کام یہ ہے کہ نصاب کی از سر نو ترتیب و تدوین کی جائے۔ وہ ایسا نصاب ہو جس میں قرآن حکیم و حدیث کو بنیادی اہمیت حاصل ہو۔ پھر قدیم اور جدید علوم کا ایسا حسین امتزاج تیار کیا جائے کہ جس سے طالبعلم اپنے اندر ایک نمایاں تبدیلی، اس کے حصول اور کامیابی پر فخر بھی احساس تفاخر سے سرشاری محسوس کریں۔

موجودہ مدارس کی مسلسل اصلاح و ارتقاء کا عمل جاری رہنا چاہیے اور نئے مدارس کو اس وقت تک رجسٹرڈ نہ کیا

جانے جب تک وہ پروقار عمارت، قابل اساتذہ اور طلباء کی مناسب تعداد کو یقینی بنا دیں۔

نصاب کی ترتیب و تدوین میں یہ ہدف پیش نظر ہے کہ وہ اتنا جامع ہو کہ طلباء میں قرآن فہمی کی اعلیٰ صلاحیت پیدا ہو سکے۔ نتیجۃً نصاب دینی تعلیم کے ساتھ ان میں ایسی بصیرت پیدا کر سکے کہ وہ جدید علوم اور عصری انکشافات کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے چیلنجوں (Challenges) کا مقابلہ کرنے کی استعداد کے حامل بن جائیں۔ نیز نصاب اتنا جامع اور پرکشش ہو کہ جامعات کی طرف ذوق و شوق سے رجوع کریں تاکہ یہ دینی مدارس علماء، مجدد، مفتی، قانون دان، ماہر عمرانیات پیدا کر سکیں جو صرف دینی مدارس ہی میں نہیں بلکہ جدید تعلیمی اداروں و جامعات میں بھی اہم مناصب پر فائز ہو سکیں۔ دینی مدارس میں دوران تعلیم طلباء کے ذہنی رجحان کو پیش نظر رکھا جائے تاکہ طالب علم کی استعداد و شوق کے مطابق اس کے لئے تعلیمی شعبوں کا انتخاب کیا جا سکے۔

تعلیمی درجات کے اعتبار سے مدارس کے نام

پاکستان کے ہر گاؤں، ہر قصبہ میں دینی تعلیم کے مدارس موجود ہیں۔ ان میں سے اکثریت ایسے اداروں کی ہے جہاں صرف قرآن حکیم ناظرہ و حفظ پڑھایا جاتا ہے۔ لیکن بعض دینی مدارس میں قرآن حکیم ناظرہ سے لے کر دورۂ حدیث تک کی تعلیم کا انتظام بھی ہوتا ہے لیکن ان کے ناموں سے یہ اندازہ لگانا مشکل ہو جاتا ہے کہ کس سطح کی تعلیم کا انتظام موجود ہے جہاں صرف ناظرہ قرآن پڑھایا جاتا ہے وہ بھی جامعہ کا نام رکھتے ہیں اور دارالعلوم کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ مدارس کے نام میں بھی درجہ بندی اور معیار تعلیم کو ملحوظ رکھا جائے جس طرح جدید اداروں میں پرائمری، ثانوی، کالج اور یونیورسٹی کی درجہ بندی کی جاتی ہے۔

اسناد کا اجراء اور معادلہ

تعلیمی اداروں سے فارغ ہونے والے طلباء کے لئے سند ایک اہم دستاویز ہوتی ہے۔ جس کے حصول پر انہیں فخر بھی ہوتا ہے اور خوشی بھی لہٰذا دینی مدارس میں بھی اسناد کا سلسلہ باقاعدگی سے جاری ہونا چاہیے۔ یہ اسناد صوری اعتبار سے خوبصورت، دیدہ زیب اور کتابت و طباعت کے اعتبار سے بھی اعلیٰ معیار کی مظہر ہونی چاہئیں۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ سند جاری کرنے والے مدرسہ کو علمی معیار کے حوالے سے سماجی شہرت کا حامل ہونا چاہیے کہ معاشرہ میں اندرون ملک اور بیرون ملک اس سند کو عزت و وقار کے ساتھ پذیرائی نصیب ہو۔ دوران تعلیم اگر کوئی طالب علم نقل مکانی کے سبب مدرسہ چھوڑتا ہے تو اسے LEAVING CERTIFICATE جاری کیا جائے جس میں طالب علم کی تعلیمی استعداد، سیرت و کردار کو واضح صورت میں ذکر ہو تاکہ دوسرے مدرسہ میں داخلہ میں واقعہ مطلوب ہے، طالب علم کو داخلہ کے سلسلے میں کسی قسم کی مشکل کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

دینی مدارس کے لئے جامعہ کی تجویز

جدید تعلیمی اداروں، کالجوں اور جامعات کی تمام ضروریات حکومت وقت پوری کرتی ہے۔ لیکن دینی مدارس خود

کو زندہ خود کو زندہ گر و خود بھی کو زندہ کے مصداق اپنی تمام ضروریات کی تکمیل کے لئے دوسروں سے چندہ وصول کرنا پڑتا ہے کہیں کہیں تو طلباء گلی گلی کوچے کوچے چندہ مانگتے نظر آتے ہیں اور بعض دینی اداروں کے منتظمین یہ کام سرانجام دیتے ہیں لیکن یہ طریق مناسب نہیں۔ اس سے طلباء کی عزت نفس مجروح ہوتی ہے۔ یہ کام درحقیقت اہل ثروت کا ہے وہ دین کی خدمت کرنے والے اداروں، افراد کی ضروریات کی تکمیل کا احساس کرتے ہوئے اپنے مال میں سے انفاق کے جذبے کے تحت ان کی مدد کریں بلکہ ایک قدم آگے بڑھ کر ایک جامع منصوبے کے تحت تمام ضروریات کی تکمیل کی ذمہ داری لے لیں۔ جس طرح دیگر اقوام اپنے سماجی اداروں اور مذہبی خدمات انجام دینے والے اداروں کی بڑھ چڑھ کر مدد کرتی ہیں۔ بالکل اسی طرح ہر مسلمان صاحب مال و دولت افراد کو یہ ذمہ داری اپنے ذمہ لینی چاہیے۔ مسلم معاشرے کے اہل ثروت کے ساتھ ساتھ حکومت وقت کا بھی فریضہ ہے وہ آگے بڑھیں اور ان دینی مدارس کی ضروریات کی تکمیل کے لئے ان کی مالی امداد جامع منصوبہ بندی سے سرکاری سطح پر مالی امداد کے لئے معیار مقرر کیا جائے۔ جتنا جن دینی مدارس کا معیار جوں جوں بلند ہو ان کی مالی امداد میں بھی اضافہ ہوتا چلا جائے۔

نصاب میں تبدیلی

قدرت کا کیسا خوبصورت نظام ہے کہ بچے کی پیدائش کے ساتھ ہی اسکی خوراک کا نظام بن جاتا ہے۔ جوں جوں اس کی عمر بڑھتی جاتی ہے اسکی جسمانی نشوونما کے تقاضوں کا احساس کرتے ہوئے اسکی خوراک میں تبدیلی کرتے جاتے ہیں۔ لیکن تعلیم جو انسان کی روحانی غذا ہے اس کے لئے اس کی اس طرح منصوبہ بندی نہیں کی جاتی۔ تعلیم کے لحاظ سے عمر کا تعین نہیں کیا جاتا کہ کس مرحلہ میں کیا پڑھانا ہے اسکی کتب اور نصاب کی تقسیم نہیں کی جاتی۔ اور بتدریج اسکو علم کی کن منازل سے روشناس کروانا ہے اس کی منصوبہ بندی نہیں کی جاتی۔

دینی مدارس کی اکثریت نصاب کے حقیقی تصور ہی سے ناآشنا ہے کہیں چند کتب کی تعلیم کو نصاب تصور کر لیا گیا ہے اور کہیں تقلید و جمود کے سائے اتنے گہرے ہیں کہ وہ کسی تبدیلی کا تصور بھی دین سے خارج ہو جانے کے مترادف سمجھتے ہیں۔ آج جب علم کے حوالے سے دنیا چاند پر قدم جمانے کے بعد خلا کی تسخیر میں مصروف ہے ضرورت ہے کہ ہمارے دینی مدارس میں قرآن حکیم کی روشنی میں تعلیم کا ایسا نصاب مقرر کیا جائے جو طالب علم کو اپنے نفس کی تسخیر کے ساتھ ساتھ خارجی کائنات کو بھی مسخر کر کے انسانیت کی خدمت کے لئے استعمال میں لانے کے قابل ہو جائے۔

قومی مرکزی ادارہ برائے دینی مدارس

یہ قومی ادارہ سرکاری عمل دخل سے آزاد اور مکمل خود مختار ہونا چاہیے۔ جو صرف اپنی نگرانی علماء کے سامنے جواب دہ ہو۔ تاکہ ان دینی مدارس کا حقیقی اور اسلامی تشخص برقرار رہے۔

- اس قومی ادارہ سے ملحق دینی مدارس اپنے اخراجات مخیر حضرات کے عطیات اور عوام کے چندہ سے حاصل شدہ رقم سے پورے کریں۔

- قومی ادارہ کے اخراجات بھی اسی جمع شدہ چندہ سے پورے کئے جائیں۔
- قومی ادارہ اپنے ملحقہ اداروں اور دینی مدارس کے نظام تعلیم کی ترتیب، تدوین اور نصاب تعلیم میں تبدیلی کا مجاز ہو۔
- قومی مرکزی ادارہ ہی امتحانات کا اہتمام کرے۔

دینی مدارس کے وسیع و جامع (بین الملی و بین الاقوامی) مقاصد کی تکمیل میں معاونت اور سرپرستی کا کردار ادا کرنے کے لئے ایک نگران ادارہ کے قیام کی جو تجویز پیش کی گئی ہے اس ضمن میں اس نگران ادارہ کے مقاصد پیش کئے جا رہے ہیں۔

۱۔ ایک ایسا لائحہ عمل ترتیب دینا جو دینی مدارس کے درمیان عملی رابطہ پیدا کر سکے تاکہ تمام مدارس ایک دوسرے کے پروگرام میں عملی طور پر شریک کار، ممد و معاون بن سکیں۔

۲۔ دینی مدارس سے باصلاحیت، فاضل عالم، صاحب فکر اور تجدید دین کے حامل افراد کی ایک ایسی جماعت تیار کرنا جو امت مسلمہ کی اجتماعی قیادت کی اہل ہو۔

۳۔ ایک ایسا ادارہ، جماعت، تیار کرنا جو اپنے علم، فکر اور بہترین رائے کے اعتبار سے سند کا درجہ رکھتی ہو جب کسی مسئلہ میں اس سے رجوع کیا جائے تو اس کی رائے کو حرف آخر تسلیم کرتے ہوئے اختلافی مسائل کو طے کیا جا سکے۔

۴۔ نگران ادارہ کے اغراض و مقاصد میں ایک اہم مقصد دینی مدارس کو ایک اعلیٰ مقصد کے حصول کے لئے مشترکہ لائحہ عمل تیار کرنا ہے۔

۵۔ نگران ادارہ کے ذمہ یہ فریضہ بھی ہو وہ (ادارہ کے ارباب بست و کشاد) تمام دینی مدارس کے نظام تعلیم، نصاب کو عصری تقاضوں، عصری علمی انکشافات کی روشنی میں اس طرح ترتیب دے کہ وہ نصاب، نظام تعلیم ایسے افراد پیدا کرے جو حقیقی طور پر دین اسلام کے ترجمان و مفسر اور اقامت دین کے مجاہد ثابت ہوں ان کی علمی صلاحیت اسلام کو درپیش چیلنجوں کا مقابلہ کر سکے۔

۶۔ دینی مدارس کے اجتماعی مفادات کے لئے لائحہ عمل / پروگرام ترتیب دینا تاکہ باہمی اشتراک و تعاون کے ذریعے مثبت نتائج کو یقینی بنایا جائے۔

۷۔ دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ معاشرتی فلاح و بہبود کے لئے بھی جامع پروگرام مرتب کرنا۔

۸۔ دینی مدارس کے نظام تعلیم کو جامع، مکمل اور پرکشش بنانا تاکہ مدارس کو سماجی شہرت Social Status نصیب ہو تاکہ حصول تعلیم کے لئے تمام مسلمان ان اداروں سے رجوع کریں۔

۹۔ جدید تعلیمی اداروں اور دینی مدارس کے درمیان جو تضاد پیدا ہو گیا ہے اسے ختم کرنے کے لئے ایسا نصاب تیار کرنا۔

کہ دونوں طرح کے تعلیمی ادارے مکتب فکر علمی تحقیق، معاشرتی ترقی اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے اہم کردار ادا کر سکیں۔

۱۰۔ نظام و نصاب، تعلیم و تربیت کا ایک ایسا جامع منصوبہ تیار کرنا کہ طلباء قال قال کی دنیا سے نکل کر عملی دنیا میں قدم رکھیں یعنی اپنے علم کو عمل کے ذریعے معاشرہ کے لئے مفید ثابت کر سکیں۔

۱۱۔ نگران ادارہ کے ذمہ ایک کام یہ بھی ہوگا کہ وہ مدارس کی انتظامیہ، اساتذہ اور طلباء کو درپیش مسائل کا مجموعی صورت میں جائزہ لے اور ان کے حل کے لئے مثبت اقدام کرے۔

۱۲۔ اس ادارہ میں تمام مکاتب فکر، اور تمام فقہی گروہوں کے نمائندے ہوں جو گروہی مفادات کے بجائے، ہر قسم کی عصبیت سے بلند ہو کر اجتماعی پروگرام / لائحہ عمل اختیار کر سکیں اور امت مسلمہ، امت واحدہ کے تصور کو فروغ دے اور اسکی حقانیت عملی طور پر ثابت ہو۔

۱۳۔ قومی نگران ادارے کے ذمہ درسی کتب کی تیاری اور ان کی اصلاح کے لئے ایک دینی مدارس ٹیکسٹ بورڈ کا قیام بھی ہو۔

۱۴۔ قومی نگران ادارہ دیگر اسلامی ممالک میں قائم دینی مدارس سے رابطہ کر کے ایک ایسا پروگرام ترتیب دے کہ دیگر اسلامی ممالک اور پاکستان کے دینی مدارس کے طلبا کسی پابندی کے بغیر اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے ان ممالک کے مدارس سے رجوع کر سکیں۔ بلکہ ایک ایسا منصوبہ بنایا جائے کہ دیگر اسلامی ممالک کے مدارس میں زیر تعلیم طلباء پاکستان کے دینی مدارس میں آئیں اور ہمارے طلباء ان اسلامی ممالک کے مدارس سے رجوع کر سکیں۔ اس طرح ایک دوسرے کو سمجھنے، علمی معیارات سے استفادہ کرنے اور اسلام کے اجتماعی نظام کی عملی تفسیر کا موقع ملے گا۔

۱۵۔ اسلامی تعلیمات کو تمام گروہی، فرقہ وارانہ حد بندیوں اور فقہی تعصبات سے پاک کر کے پوری ملی برادری کو امت واحدہ کے سانچے میں ڈھالنا تاکہ مسلمان امت واحدہ کا قالب اختیار کر کے ایک عظیم مقصد اللہ تعالیٰ کے دین کی حاکمیت، دین کی بالادستی قائم کر کے دین اور دنیا میں کامیاب و کامران ہو سکیں۔

اصطلاحات و کلیدی الفاظ کی وضاحت

درس نظامی

مولانا تقی عثمانی لکھتے ہیں: "مغل مسلم حکمرانوں کے عہد میں برصغیر ہندوستان علم و ہنر کا بہت بڑا مرکز تھا۔ اس عہد میں جو نظام تعلیم رائج تھا وہ "درس نظامی" کے نام سے مشہور ہے۔ اس نظام تعلیم سے برصغیر ہندوستان میں ہزاروں اہل علم و معرفت اور ماہرین صنعت و فنون پیدا ہوگئے۔ ماخوذ: ہمارا تعلیمی نظام ص ۱۰

مکتب

تکتیب سے لفظ کتاب یا مکتب بنایا گیا ہے۔ بعد میں اس لفظ کی اصل کو فراموش کردیا گیا۔ المبرد نے المکتب کو "ایک تعلیمی ادارہ" بتایا ہے اور اس لفظ کی اصل کے محدود معنی پر توجہ نہیں دی۔ رفتہ رفتہ اس کا اطلاق ان اداروں پر بھی ہونے لگا جو قرآن اور ابتدائی دینی تعلیم کے لئے مخصوص تھے۔ طلباء کی جماعت ان دونوں اداروں میں پڑھا کرتی تھی۔ اس لئے غیر ارادی طور پر دوسرے ادارے کو بھی پہلے ادارے کے نام سے پکارنے لگے۔ ماخوذ: مسلمانوں کا نظام تعلیم ڈاکٹر احمد شلبی، مترجم محمد حسین صدیقی، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی

فنون آلیہ

وہ فن جو خود مقصود نہ ہوں، بلکہ وسیلہ ہوں ان علوم کا جو مقصود ہوں، اگرچہ وہ بھی ضروری ہوگئے ہوں۔ ماہنامہ افکار معلم، لاہور، ابوالکلام آزاد، اگست ۱۹۹۵ء

تخصص فی الفقہ: مفتی بننے کا نصاب تعلیم

تخصص فی الحدیث: محدث بننے کا نصاب تعلیم

تخصص فی الدعوۃ والارشاد: مبلغ بننے کا نصاب تعلیم

رقم الجلوس: رول نمبر

ورقۃ الموافقۃ: رول نمبر سلپ

استمارہ الالتحاق: داخلہ فارم

محل الامتحان: امتحانی مرکز

بطاقۃ الکراسۃ: ایڈمٹ کارڈ

مرحلہ دراسیہ: درجہ تعلیم

بطاقۃ النتیجہ: رزلٹ کارڈ

دارالاقامہ: ہاسٹل

رقم التسجیل: رجسٹرڈ نمبر، رجسٹریشن نمبر

رقم الشہادہ: ڈگری نمبر

کتابیات

(۱) اردو جامع انسائیکلوپیڈیا، چیئرمین جسٹس ایس اے رحمٰن

(۲) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب، لاہور۔ طبع اول ۱۹۶۳ء

(۳) اسلام پاکستان میں، پروفیسر عثمان۔ مکتبہ جدید، لاہور ۱۹۶۹ء

(۴) اسلام کا نظام تعلیم، عبدالرحمٰن خان۔ عالمی ادارہ اشاعت علوم اسلامیہ۔ ملتان

(۵) اسلام کا نظریہ تعلیم، ڈاکٹر محمد رفیع الدین۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور ۱۹۵۳

(۶) اسلام کا نظریہ تعلیم، سید سلیمان ندوی۔ مجلس نشریات، کراچی

(۷) اسلامی نظام تعلیم، ابوالاعلیٰ مودودی۔ اسلامک پبلی کیشنز، لاہور ۱۹۶۱ء

(۸) اسلامی نظام تعلیم، حمید احمد۔ طاہر سنز، کراچی ۱۹۶۲

(۹) اسلامی انسائیکلوپیڈیا، سید قاسم محمود۔ شاہکار بک فاؤنڈیشن، کراچی

(۱۰) اصول تدریس برائے مبتدی مدرسین، مولانا عبدالرحمٰن۔ مدرسہ اشرف العلوم، محمود آباد، کراچی

(۱۱) الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند، عبدالحی الحسنی۔ مطبوعہ دمشق ۱۹۵۸

(۱۲) العلم والعلماء، ابن عبداللہ، مترجم عبدالرزاق ملیح آبادی۔ ندوۃ المصنفین، دہلی ستمبر ۱۹۶۲

(۱۳) العلم والعلماء، مولانا اشرف علی تھانوی، مرتب مفتی محمد زید مظاہری ندوی۔ ادارہ افادات اشرفیہ، ہتورا باندہ۔ طبع اول جمادی الاولیٰ ۱۴۰۳ھ

(۱۴) الغزالی، شبلی نعمانی، معارف پریس۔ لکھنؤ ۱۹۵۳ء

(۱۵) برصغیر پاک و ہند کے قدیم عربی مدارس کا نظام تعلیم، پروفیسر اختیار حسین صدیقی۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ۔ کلب روڈ، لاہور

(۱۶) بہاولپور کا تعلیمی منصوبہ، سید شبیر بخاری۔ مغربی پاکستان گورنمنٹ پریس، بہاولپور ۱۹۵۸

(۱۷) تاریخ الامت، اسلم جیراجپوری، میاں پبلیکیشنز لمیٹڈ، لاہور

(۱۸) تاریخ تعلیم، محمد یوسف خان۔ اردو مرکز، لاہور۔ طبع دوم ۱۹۶۲ء

(۱۹) تاریخ تعلیم و تربیت اسلامیہ، ڈاکٹر احمد شلبی۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور ۱۹۶۳

(۲۰) تاریخ دیو بند، محبوب رضوی، ادارہ تاریخ دیو بند، دہلی ۱۹۵۴ء

(۲۱) تاریخ دار العلوم دیو بند، مصنفہ محبوب رضوی، ناشر ادارہ اہتمام دار العلوم دیو بند، طبع اول ۱۹۷۷ء

(۲۲) تذکرہ علماء ہند، رحمن علی - مطبوعہ لاہور

(۲۳) ترجمہ و تفسیر شیخ الہند مولانا محمود الحسن، دار الاشاعت کراچی - ۱۹۹۳ء

(۲۴) تعلیم کی نئی بنیادیں، ادف فریزر - مکتبہ جدید - لاہور۔

(۲۵) تعلیمی تجاویز پر تبصرہ، مصنفہ تجاویز دار العلوم کراچی - مطبوعہ مشہور آفسٹ، کراچی

(۲۶) تعلیمی خطبات، ڈاکٹر سید عبداللہ - جدید اردو پریس - لاہور ۱۹۶۹

(۲۷) تنظیم المکاتب کی بارہ سالہ خدمات کا ایک مختصر جائزہ، ناشر تنظیم المکاتب پاکستان، رضویہ سوسائٹی کراچی -

(۲۸) جامع بیان العلم وفضلہ، ابن عبدالبر المکتبہ العلمیہ بالمدینۃ المنورۃ

(۲۹) حدیث پاکستان، ابوالحسن علی ندوی، مجلس نشریات اسلام، کراچی

(۳۰) خطبات شبلی، سید سلیمان ندوی، نیشنل بک فاؤنڈیشن، پاکستان طبع اول ۱۹۸۹

(۳۱) دینی تعلیم کی اہمیت، مولانا اقبال احمد قاسمی - عالمی ادارہ اشاعت علوم اسلامیہ، لاہور

(۳۲) دینی مدارس کا نظام تعلیم، تعلیم اسلامی تناظر میں (۵) مرتب مسلم سجاد، سلیم منصور خالد - ناشر انسٹیٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد - طبع دوم ۱۹۹۳ء۔

(۳۳) رپورٹ، جمعیت تعلیم القرآن، ٹرسٹ، ناشر - عالمگیر مسجد، کراچی

(۳۴) رپورٹ کارکردگی جامعہ دار الحدیث، رحمانیہ سولجر بازار - کراچی ۱۹۹۳ء - ۱۹۹۵ء - ناشر جمعیت اہلحدیث کراچی ۱۹۹۵ء

(۳۵) ستائیسواں سالانہ روداد ۹۲-۱۹۹۱ء، مدرسہ تعلیم الاسلام تبلیغی کالج کراچی - ناشر دار التصنیف لمیٹڈ، کراچی ۱۹۹۲ء

(۳۶) سفرنامہ ابن بطوطہ، مطبوعہ نفیس اکیڈمی، کراچی

(۳۷) سنن ابی داؤد، مصنفہ امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی - مترجم مولانا خورشید عالم قاسمی - ناشر دار الاشاعت، کراچی

(۳۸) سنن ابن ماجہ شریف، ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ قزوینی – مترجم علامہ وحید الزماں – ناشر اسلامی اکادمی، اردو بازار، لاہور، تاریخ اشاعت ۱۹۹۰ء۔

(۳۹) سنن ترمذی شریف، مصنف امام ابو عیسیٰ ترمذی – مترجم مولانا حافظ عابد الرحمٰن صدیقی کاندھلوی – قرآن محل، مقابل مولوی مسافر خانہ، کراچی ۱۹۹۶ء۔

(۴۰) سنن نسائی مصنف امام ابو عبد الرحمن نسائی – مترجم وشارح (پروفیسر ڈاکٹر) مولانا فضل احمد، مولانا ذکریا اقبال – فاضل دارالعلوم، کراچی – ناشر دارالاشاعت، کراچی۔

(۴۱) سولہ سالہ نصاب تعلیم، وفاق المدارس العربیہ پاکستان – منظور کردہ مجلس شوریٰ ۱۹۸۳ء – ۱۴۰۳ھ – ناشر وفاق المدارس العربیہ پاکستان، ملتان ۱۹۸۴ء۔

(۴۲) سولہ سالہ نصاب تعلیم، تنظیم المدارس پاکستان، نافذ العمل شوال ۱۴۱۲ھ ۱۹۹۱ء – ناشر مرکزی دفتر تنظیم المدارس (اہلسنت) پاکستان جامعہ نظامیہ، لاہور ۱۴۱۲ھ

(۴۳) سیرت النبیؐ، شبلی نعمانی، سید سلیمان ندوی – مطبوعہ ندوۃ المصنفین، انڈیا

(۴۴) صحیح البخاری، مصنف ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری – مترجمین مولانا حافظ قاری محمد عادل خان نقشبندی – مولانا قاری محمد فاضل قریشی مجددی – مکتبہ تعمیر انسانیت، اردو بازار، لاہور، طبع دوم ۱۹۷۹ء

(۴۵) صحیح مسلم، امام مسلم بن حجاج – مترجم مولانا عابد الرحمن صدیقی کاندھلوی – ناشر: قرآن محل، مقابل مولوی مسافر خانہ، کراچی

(۴۶) طالبان علوم نبوت کا مقام اور انکی ذمہ داریاں، سید ابوالحسن علی ندوی – مکتبہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

(۴۷) عصر حاضر میں اسلام کیسے نافذ ہو، محمد تقی عثمانی – مکتبہ دارالعلوم، کراچی ۱۳۹۷ء۔

(۴۸) علماء کا سیاسی کردار، ڈاکٹر ایچ بی خان – الحمد اکادمی ۳/۵ لیاقت آباد کراچی – طبع اول ۱۹۸۳ء۔

(۴۹) علمائے سلف و نابینا علماء، مولانا محمد حبیب الرحمٰن خان شیروانی – سجاد پبلشرز لاہور – طبع اول – جولائی ۱۹۵۹

(۵۰) علوم وفنون اور نصاب تعلیم، مولانا اشرف علی تھانوی – ترتیب مفتی محمد زید مظاہری ندوی – ادارہ افادات اشرفیہ ہتورا باندہ یوپی طبع اول جمادی الثانی ۱۴۱۲

(۵۱) فاروق اعظم کمپیوٹر انسٹیٹیوٹ ۔ تعارف ۔ قواعد وضوابط ۔ ناشر دارالعلوم فاروق اعظم و جامع مسجد
ٹرسٹ ناظم آباد، کراچی ۱۹۹۲

(۵۲) فہرست الجامعات والمدارس ۔ الملحقہ بوفاق المدارس العربیہ پاکستان ۔ ناشر مکتبہ وفاق المدارس العربیہ
پاکستان، ملتان ۔ مطبوعہ ۱۴۰۳ھ

(۵۳) فہرست مدارس ۔ ملحقہ تنظیم المدارس اہلسنت پاکستان ، ناشر، مرکزی دفتر تنظیم المدارس پاکستان ،
لاہور دسمبر ۱۹۹۰ ۔

(۵۴) قدیم اسلامی مدارس ۔ منور جہاں رشید ۔ مجلس ترقی ادب ۔ کلب روڈ، لاہور ۔

(۵۵) گوہر بحیرہ عرب ۔ محمد حسین صدیقی فضلی سنز اردو بازار، کراچی ۔ طبع اول ۱۹۵۵ء

(۵۶) مدرسۃ العرفان العربیہ الاسلامیہ ۔ مکاتب القرآن جامع مسجد العرفان ۔ مسلم پرائمری اینڈ سیکنڈری
اسکول پی ای سی ۔ تعلیمی وفلاحی خدمات ۱۹۸۸ء تا ۱۹۸۹ء مختصر جائزہ ۔ مرتبہ حافظ مقصود احمد ۔ ناشر
انجمن مسجد ومدرسہ عربیہ تعلیم القرآن، منظور کالونی، کراچی ۔ ۱۹۸۹ء

(۵۷) مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش ۔ ابوالحسن علی ندوی ، مجلس نشریات اسلام ۔
کراچی

(۵۸) مسلمانوں کا نظام تعلیم ، تصنیف ڈاکٹر احمد شلبی ۔ ترجمہ ادریس صدیقی ۔ اردو اکیڈمی ، سندھ ، کراچی ۔
طبع اول ۱۹۸۷ء

(۵۹) مشاہیر علماء دیوبند ، ڈاکٹر فیوض الرحمٰن ۔ فرنٹیئر پبلشنگ اردو بازار ، لاہور ۔

(۶۰) مغرب سے کچھ صاف صاف باتیں ۔ ابوالحسن علی ندوی ۔ مجلس نشریات اسلام ۔ کراچی

(۶۱) مقدمہ ابن خلدون ، ابن خلدون ، نفیس اکیڈمی ، کراچی

(۶۲) نصاب تعلیم وفاق المدارس العربیہ ، البنات ۔ ناشر وفاق المدارس العربیہ پاکستان ، اپریل ۱۹۹۳ء

(۶۳) نظام تعلیم ، نظریہ ، روایت ومسائل ۔ مصنف پروفیسر خورشید احمد ۔ انسٹیٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز ،
اسلام آباد ۔ طبع اول دسمبر ۱۹۹۳ء

(۶۴) نظام معاشرہ اور تعلیم ، برہنڈرسل ۔ مجلس ترقی ادب ، لاہور ۱۹۹۲

(۶۵) نظام وفاق المدارس السلفیہ ، پاکستان ومناہج الدراسیہ ۔ ناشر وفاق المدارس السلفیہ ۔ پاکستان

فیصل آباد ۱۹۹۱ء

(۶۶) وفاق المدارس العربیہ پاکستان، تعارف و تاریخ۔ ضابطہ کار و دستور ۱۴۰۷ھ مطابق ۱۹۸۶ء ۔ ناشر مرکزی دفتر وفاق المدارس العربیہ پاکستان، ملتان ۔ ۱۹۸۶ء

(۶۷) وفاق المدارس العربیہ پاکستان، تعارف و تاریخ و کوائف امتحانات، مصنف، مفتی محمد انور شاہ، ناظم امتحانات ۔ وفاق المدارس العربیہ پاکستان ملتان ۔ ناشر وفاق المدارس العربیہ پاکستان، ملتان

(۶۸) ہمارا تعلیمی نظام، جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی ۔ مکتبہ دارالعلوم، کراچی ۱۴۱۲ھ

(۶۹) ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں، ابوالحسنات ندوی ۔ مکتبہ نادر مسلم مسجد، لاہور ۔ طبع اول ۔ ۱۹۷۵

(۷۰) ہندو پاکستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت، پروفیسر سید محمد سلیم، ادارہ تعلیمی تحقیق تنظیم اساتذہ پاکستان ۔ طبع سوم ۱۹۹۳ء

رسائل و جرائد کی فہرست

(۱) (ماہنامہ) افکار معلم، فروری ۱۹۹۲، قرآن حکیم کا فلسفہ علم، پروفیسر معین الدین عقیل

(۲) (ماہنامہ) افکار معلم، فروری ۱۹۹۲، موجودہ طریقۂ امتحان اور اسکا انجام، محمد منیر مغل

(۳) (ماہنامہ) افکار معلم، فروری ۱۹۹۲، نیشنل ایجوکیشن کمیشن کا سوالنامہ، قدیم اور جدید نظام تعلیم، ابو عمار زاہد الراشدی۔

(۴) (ماہنامہ) افکار معلم، مئی ۱۹۹۲، نصاب کی اسلامی تشکیل، ملک محمد حسین

(۵) (ماہنامہ) افکار معلم، مئی ۱۹۹۲، نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا اسوہ تعلیمی، پروفیسر عبدالحبیب احسن

(۶) (ماہنامہ) افکار معلم، مئی ۱۹۹۲، محسن انسانیت کی درسگاہ، خلیل الرحمان

(۷) (ماہنامہ) افکار معلم، مئی ۱۹۹۲، موجودہ نظام تعلیم میں انسانی اور مالی وسائل کا ضیاع، پروفیسر قاضی حلیم فضلی

(۸) (ماہنامہ) افکار معلم، مئی ۱۹۹۲، انگریزی ذریعہ تعلیم کے مضمرات، پروفیسر محمد اسمعیل بھٹی

(۹) (ماہنامہ) افکار معلم لاہور، اگست ۱۹۹۵۔

(۱۰) (ماہنامہ) البلاغ، ج ۱/ ۵، دسمبر، جنوری ۱۹۸۰، اصحاب مدارس کی خدمت میں چند تجاویز و گزارشات، مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی

(۱۱) البلاغ، دسمبر ۹۸، اصحاب مدارس کی خدمت میں چند تجاویز و گزارشات، مولانا غلام مصطفیٰ حسن

(۱۲) البلاغ، ج ۸ مارچ ۱۹۸۳، دینی مدارس کا نصاب و نظام، محمد تقی عثمانی

(۱۳) البلاغ، ج ۱۰، جولائی، اگست ۱۹۸۳، مسلمانوں کی زندگی میں مساجد کا تعمیری کردار، شوکت علی

(۱۴) (ماہنامہ) الرحیم، ستمبر ۱۹۶۵، عربی مدارس کا موجودہ نصاب تعلیم، بشیر احمد خان غوری

(۱۵) الرحیم، ج ۳، جنوری ۱۹۶۶، عربی مدارس کا موجودہ نصاب تعلیم، طفیل احمد قریشی

(۱۶) الفاروق، ج ۱/ ۲، جمادی الآخرہ ۱۴۰۳ھ، پیشہ، رزق حلال اور ارباب علم و فضل، عبدالقیوم حقانی

(۱۷) الفاروق (اردو) کراچی کا جامعہ فاروقیہ نمبر شعبان ۱۴۰۲

(۱۸) (ماہنامہ) المعارف، ج ۱/ ۱، جنوری، فروری ۱۹۶۸، دینیات کی تعلیم، حافظ نذر احمد

(۱۹) المعارف، ج ، مارچ ۱۹۹۹ء، مدارس عربیہ اور ان کا نصاب تعلیم، حافظ نذر احمد

(۲۰) المعارف، ج ، ستمبر ۱۹۹۹ء، مشرقی پاکستان میں مدارس کا نظام، حافظ نذر احمد

(۲۱) المعارف، ج ، ستمبر ۱۹۹۹ء، نظام تعلیم میں تعمیری رجحانات، پروفیسر محمد اسلم

(۲۲) المعارف، ج ، ستمبر ۱۹۹۹ء، سائنسی، فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم، محمد یوسف گورایہ

(۲۳) المعارف، ج / ، جون ۱۹۹۹ء، اسلامی تعلیم اور اس کا مشن، پروفیسر محمد اسمٰعیل چشتی

(۲۴) المعارف، ج ، جون ۱۹۹۹ء، اسلام اور علوم جدیدہ، ڈاکٹر ذوالفقار علی ملک

(۲۵) المعارف، ج / ، جنوری ۱۹۹۹ء، اسلامی درسگاہیں، غلام محمد کیچی

(۲۶) المعارف، ج ، دسمبر ۱۹۹۹ء، علوم اسلامیہ اور عقائد کا باہمی ربط، ڈاکٹر عابد علی خان

(۲۷) المعارف، ج ، ۱۹۹۹ء، اسلامی تہذیب اور تمدن جدید، شہاب الدین ندوی

(۲۸) المعارف، ج ، جولائی ۱۹۹۹ء، اسلام اور بنیادی ضرورت کی فراہمی، طاہرہ شاکر

(۲۹) المعارف، نومبر ۱۹۹۹ء، عہد مغلیہ میں نصاب تعلیم اور طریقہ تعلیم، وحید قیصر

(۳۰) المعارف، ستمبر ۱۹۹۹ء، سائنسی، فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم، محمد یوسف گورایہ

(۳۱) (ماہنامہ) بینات فروری ۱۹۹۹ء، درس نظامی میں ردوبدل، مولانا عبد الستار آزاد

(۳۲) بینات، ج / ۳۰، جنوری ۱۹۸۲ء، علم کا مقام، ابوالحسن علی ندوی

(۳۳) بینات، ج / ۳۸، فروری ۱۹۸۱ء، پاکستان، دینی مدارس اور حکومت، مولانا محمد اسحٰق صدیقی

(۳۴) بینات، جون ۱۹۸۵ء، مدارس دینیہ، حافظ صلاح الدین یوسف

(۳۵) بینات، ج / ۳۹، فروری ۱۹۸۸ء، اسلامی اخوت، عطا محمد

(۳۶) بینات، ج / ۳۹، جون ۱۹۸۸ء، قرآن کا نظریہ تعلیم، عطا محمد

(۳۷) بینات، ج / ۳۹، جولائی ۱۹۸۸ء، تصور عمرانیات، محمد خالد جاوید

(۳۸) بینات، اگست ۱۹۸۸ء، نظام تعلیم میں اصلاح کی ضرورت، راجہ خالد اکبر

(۳۹) بینات، فروری ۱۹۹۲ء، نظام تعلیم کی ترتیب، ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر

(۴۰) (ماہنامہ) جریدہ الاشرف کراچی، جولائی ۱۹۹۲ء، نصاب و نظام تعلیم نمبر حصہ دوم

(۴۱) (ہفت روزہ) ختم نبوت، جولائی ۱۹۹۱ء، علم اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، مسز انجمن آرا صدیقی

(۴۲) (سہ ماہی) فکر و نظر، ج ۱/۳۰، ستمبر ۱۹۹۲، قرون اولیٰ کے تشکیلی دور کے بعد اسلام کا نظام تعلیم، ڈاکٹر فضل الرحمن

(۴۳) فکر و نظر، ج ۱/۲، اپریل ۱۹۷۶، اسلامی تحقیقات کے مقاصد، پروفیسر خواجہ مسعود

(۴۴) فکر و نظر، ج ۱/۸، نومبر ۱۹۷۰، اسلام تعلیم کی تحریک میں شبلی کا کردار، محمد نذیر کاکا خیلی

(۴۵) فکر و نظر، دسمبر ۱۹۷۰، ہمارا قدیم نظام تعلیم اور جدید تقاضے، محمد صغیر حسین

(۴۶) فکر و نظر، ج ۵، مئی ۱۹۶۸، عہد نبوی کا نظام تعلیم، ڈاکٹر حمید اللہ

(۴۷) فکر و نظر، ج ۱۰، ستمبر ۱۹۶۸، دینی مدارس، کرنل عبدالغفور

(۴۸) فکر و نظر، ج ۸، اگست ۱۹۸۰، قرون وسطیٰ میں اسلامی ہند کا نظام تعلیم، ڈاکٹر اشفاق احمد

(۴۹) فکر و نظر، ج ۱۸/، اگست ۱۹۸۰، عصر جدید کی علمی ترقی میں مسلمانوں کا حصہ، ڈاکٹر صابر آفاقی

(۵۰) فکر و نظر، ج ۲۴، ۱۹۸۷، اوائل قرون وسطیٰ میں مسجد بحیثیت تعلیمی مرکز، ایس ایم امام الدین

(۵۱) (ماہنامہ) نداء القمر، فروری ۱۹۹۴، اسلام کا نظام تعلیم و تربیت، حبیب الرحمن

ضمیمہ نمبر ۱

مصاحبہ نامہ برائے طلباء

- نام   عمر   مادری زبان   جائے پیدائش   والدین کی رہائش   شہر / قصبہ / گاؤں
- خاندانی رہائشی مکان   کچا - پکا - ذاتی   کرائے پر   دیگر صورت
- موجود رہائشی سہولیات   باورچی خانہ   غسلخانہ   بیت الخلاء   بجلی   پانی
- خاندان کی نوعیت   اکائی   مشترکہ   افرادِ خانہ کی تعداد   خاندان کی کل ماہانہ آمدنی
- جائیداد   زرعی اراضی   ذاتی   ٹھیکہ پر   مزارع   رہائشی   شہری / دیہی
- جائیداد سے حاصل ہونے والی آمدنی   صاحب نصاب   ہاں   نہیں
- کیا آپ اپنی موجودہ خاندانی رہائش سے مطمئن ہیں؟   ہاں   کسی حد تک   نہیں
- اگر نہیں تو کیا اسباب ہیں۔   آپ اس رہائش کو بہتر بنانا چاہتے ہیں؟   ہاں   نہیں
- اگر ہاں تو کس قسم کی تبدیلی یا آسائش چاہتے ہیں۔   گھریلو استعمال کی اشیاء کی تفصیل
- سلائی مشین   باورچی خانہ کی مشین   پریشر ککر   ٹیلیفون   ائرکنڈیشنر   سائیکل
- موٹر سائیکل   کار   ریفریجریٹر   وی سی آر   ٹی وی   ریڈیو   ٹیپ ریکارڈ
- صوفہ سیٹ   کھانے کی میز   دیگر اشیاء   والدین کے کوائف   ذریعہ معاش
- دینی تعلیم   قرآن حکیم کی تعلیم   نماز ادائیگی   مذہبی طریقے سے علاج   مذہبی علوم
- چھوٹے بہن بھائیوں کے کوائف   نام   جنس   عمر   رسمی تعلیم
- گورنمنٹ اسکول، انگلش میڈیم   ناظرہ قرآن   دینی تعلیم   دینی تعلیم کی خواہش
- موجودہ پیشہ   مستقبل کا پسندیدہ پیشہ
- آپ کے والدین / سرپرست نے آپ کیلئے دینی تعلیم کیوں پسند کی۔ تین اہم وجوہات کی نشاندہی کیجئے۔
- دینی تعلیم کے حصول میں آپ کی اپنی خواہش یا مرضی کا کس حد تک دخل ہے۔

۔ محض   کسی حد تک   لاتعلق   ناپسندیدگی

۔ کیا آپ کے گھر کے قریب کوئی خانقاہ یا دینی مدرسہ ہے؟   ہاں   نہیں

۔ کیا آپ کے رشتہ دار / ہمسائے / خاندانی دوست میں سے کسی کا باقاعدہ تعلق کسی مسجد خانقاہ یا دینی مدرسے سے رہا ہے؟   ہاں   نہیں   معلوم نہیں   اگر ہاں، تو کس حیثیت سے اور کہاں؟

۔ کیا آپ کے ہمسائے عزیزوں یا دوستوں میں سے کسی نے آپ کے والدین یا سرپرست کو آپ کی دینی تعلیم کیلئے راغب کیا؟   ہاں   نہیں   معلوم نہیں

۔ اس مدرسے سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپ کونسا ذریعہ معاش اختیار کرنا چاہتے ہیں؟

۔ دینی فرائض سے متعلق ملازمت (کون سی)   دیگر نوعیت کی ملازمت (کون سی)

۔ ملازمت کے علاوہ کوئی اور صورت   اس انتخاب کو ترجیح دینے کی وجوہات

۔ آپ کے خیال میں دینی مدارس اور اسکولوں کی تعلیم میں کوئی فرق ہے؟   ہاں   نہیں

۔ آپ کے خیال میں یہ فرق کتنی اہمیت رکھتا ہے؟   بہت زیادہ   کسی حد تک   بہت کم

۔ بالکل نہیں   آپ خود رسمی تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں؟ ہاں   نہیں

۔ اگر ہاں تو کس درجے تک   کس شعبے میں   اس خواہش کو عملی جامہ پہنانے کیلئے آپ نے کچھ اقدامات کئے؟

۔ آپ اپنے بہن بھائیوں اور اولاد کو کس طرح کی تعلیم دلوانا پسند کریں گے؟   صرف دینی تعلیم

۔ دونوں قسم کی تعلیم   صرف رسمی تعلیم (کس درجے تک)   (کس شعبے میں)

۔ دینی مدارس کے موجودہ نظام کو مزید بہتر بنانے کے لئے آپ کیا تجاویز رکھتے ہیں؟

ضمیمہ نمبر ۲

مصاحبہ نامہ برائے انتظامیہ اساتذہ

- نام - عمر - عہدہ - دینی مدرسہ کی تعلیم - مروجہ جدید تعلیم
- مدرسہ کا نام - مدرسہ سے تعلق کا عرصہ - تدریسی تجربہ - تنظیمی تجربہ
- تبلیغی تجربہ - مضامین تدریس - شعبۂ تصنیف و تالیف
- مطالعہ کا خاص میدان - بیرون مدرسہ مشغولیات - کل ماہانہ ذاتی آمدنی - ذرائع آمدنی
- آپ مطالعہ کتب کے علاوہ دیگر کن ذرائع سے معلومات حاصل کرتے ہیں۔
- مدرسہ میں آپ کی انتظامی ذمہ داریاں کیا ہیں۔
- آپ کے مدرسہ میں دینی تعلیم کے کیا مقاصد متعین کئے ہوئے ہیں۔
- آپ جدید تعلیمی نظام کا کیا تصور رکھتے ہیں۔
- جدید تعلیمی نظام اور دینی مدارس میں مروجہ نظام تعلیم میں کیا فرق پایا جاتا ہے۔
- جدید سائنسی آلات فروغ علم و تبلیغ میں کس حد تک معاون ہو سکتے ہیں۔
- کیا آپ دینی مدارس میں جدید طرز تدریس کو رائج کرنے کے حق میں ہیں۔
- جدید تعلیمی رجحانات سے دینی مدارس کو ہم آہنگ کرنے میں کس نوع کی دشواریاں حائل ہیں۔ نیز ان دشواریوں کو دور کرنے کیلئے کس قسم کے اقدامات آپ ضروری سمجھتے ہیں۔
- دینی مدارس میں اصلاح کے لئے کیا اقدامات کئے گئے اور یہ کوششیں کس حد تک بارآور ہوئیں۔
- مدرسہ کے لئے لائحہ عمل بنانے میں اساتذہ کس حد تک ممد و معاون ہوتے ہیں۔
- دینی مدارس کے موجودہ نصاب اور طرز تعلیم میں کس قسم کی تبدیلی کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔
- آپ کے خیال میں پاکستان کے معاشرتی مسائل کی بنیادی وجوہات کیا ہیں۔
- کیا دینی مدارس کے فارغ التحصیل طلباء موجودہ معاشرتی مسائل و ضروریات کا شعور رکھتے ہیں۔
- اس شعور کو پروان چڑھانے کیلئے آپ مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت اپنی تجاویز تحریر کریں۔

- طرز تعلیم میں تبدیلی غیر نصابی سرگرمیاں ماحول میں تبدیلی وغیرہ۔

- آپ کے خیال میں مذہب کے کن شعبوں کو دینی مدارس میں خصوصی اہمیت دی گئی ہے؟ اس وقت معاشرتی ترقی کے کس شعبے میں ہمارے علماء نمایاں حصہ لے رہے ہیں؟

- آج کل امت مسلمہ اور پاکستانی معاشرے کو کیا چیلنج درپیش ہیں۔ اس سلسلے میں دینی مدارس پر کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ اور ان کو کس حد تک پورا کر رہے ہیں؟